لیو تالستائی

بچپن
لڑکپن
جوانی

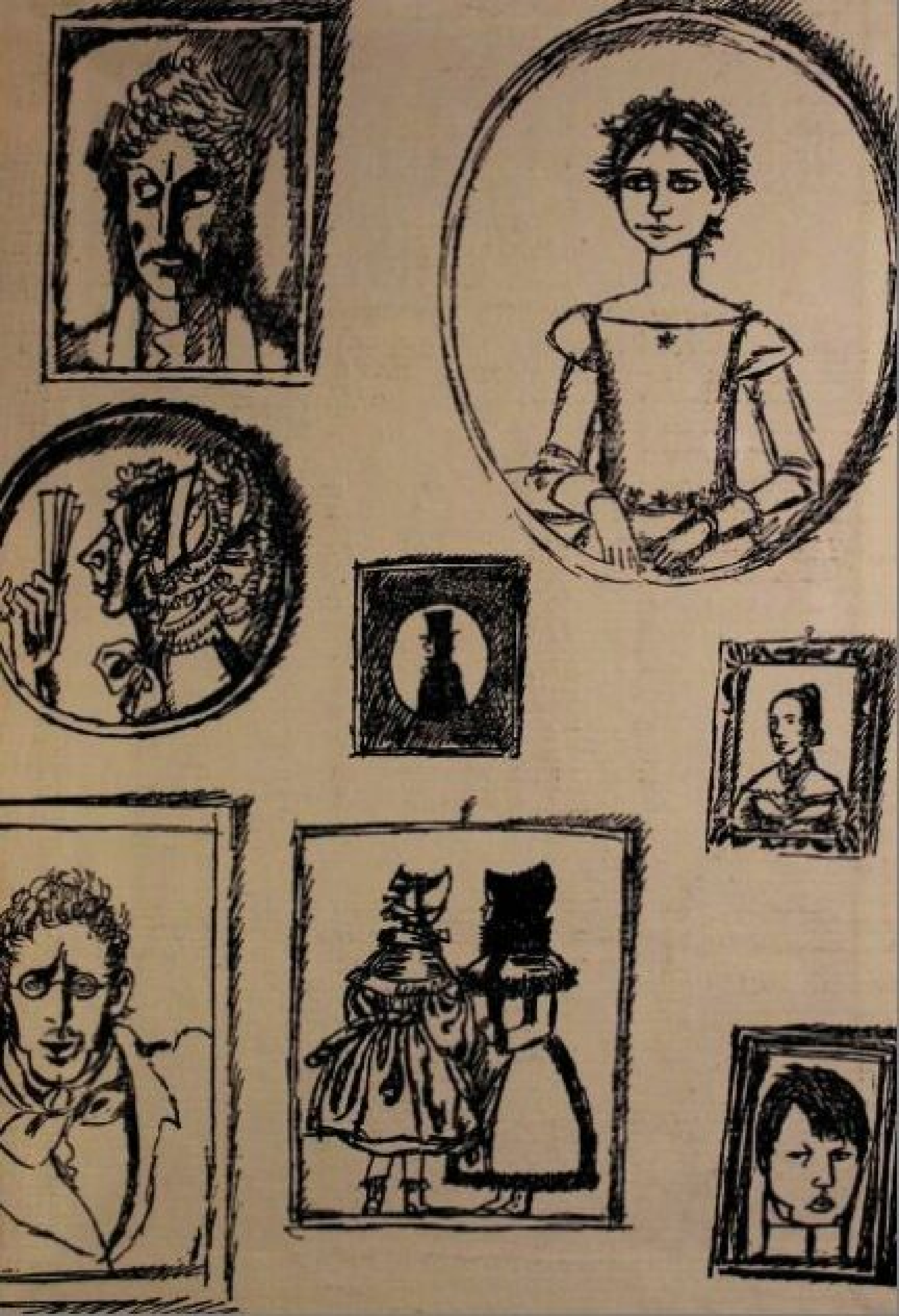

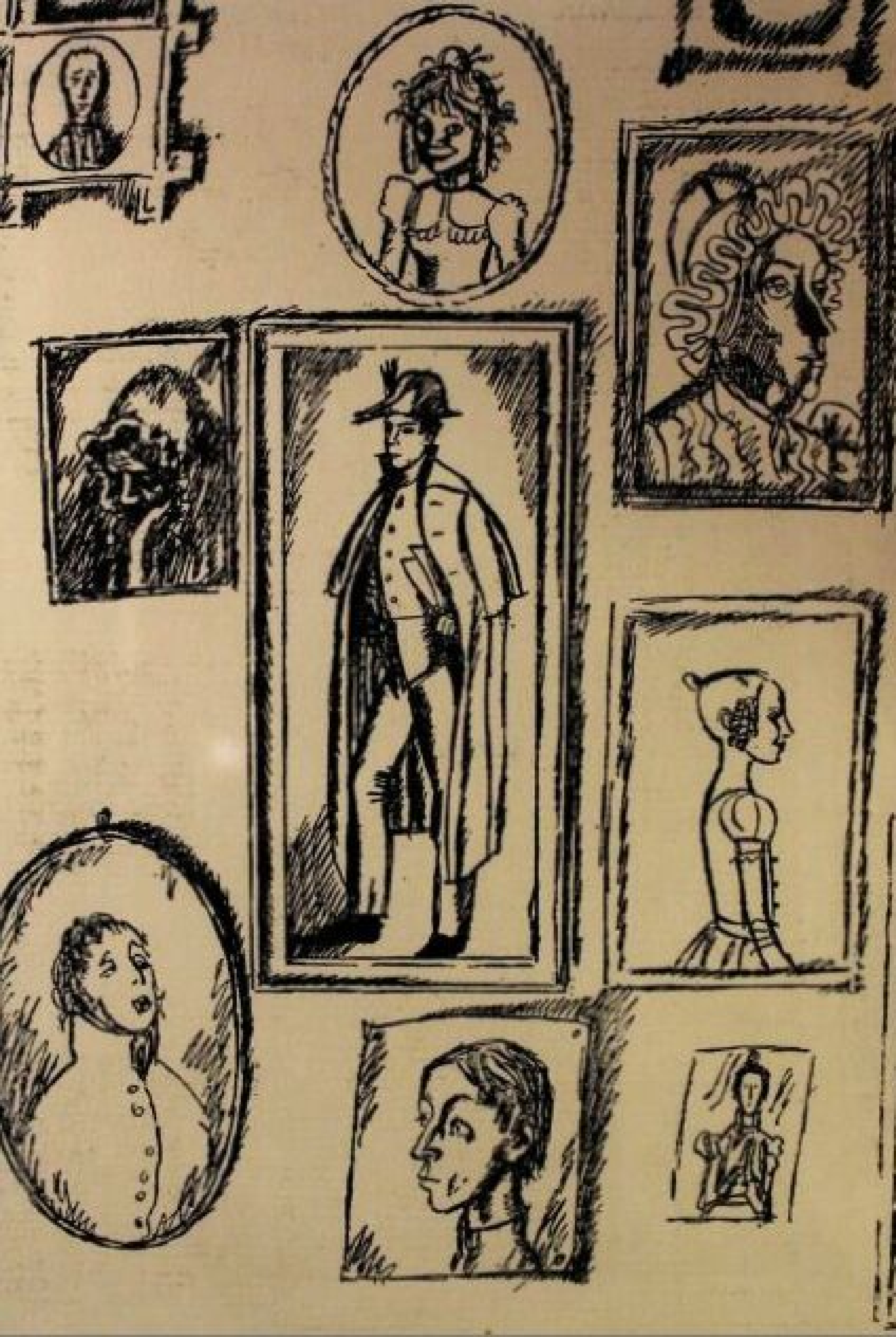

My LIBRARY

Rare Books' Collection

Pdf Made By: Muhammad Asif

Group Name: My Library

Id Contact: M.Asif.007

لیو تالستائی

بچپن لڑکپن
جوانی

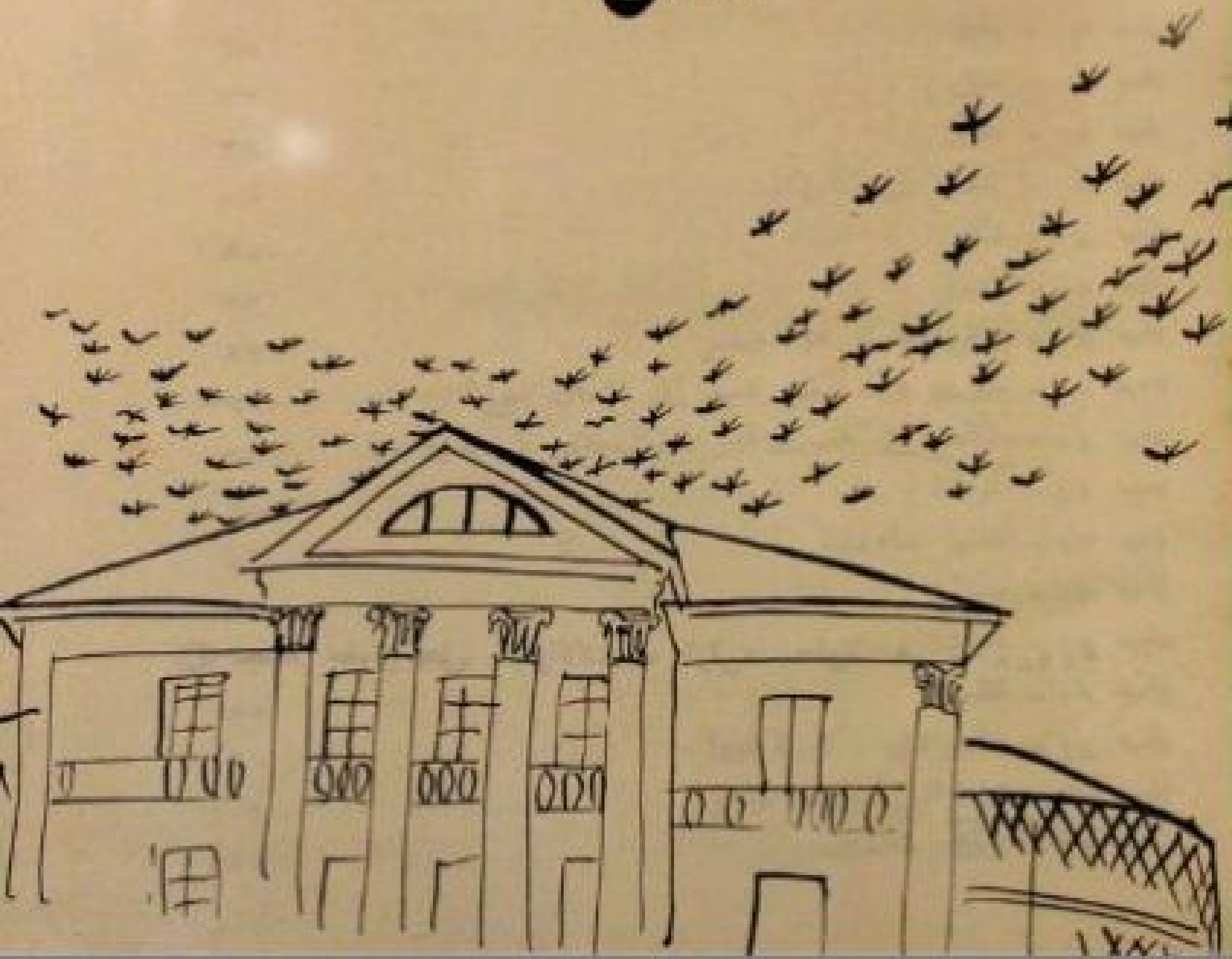

فہرست

	صفحہ

پیش لفظ	۹
بچپن	
باب ۱ - استاد کارل ایوانچ	۱۵
باب ۲ - اماں	۲۲
باب ۳ - بابا	۲۷
باب ۴ - سبق	۳۲
باب ۵ - جوگی	۳۸
باب ۶ - شکار کی تیاریاں	۴۳
باب ۷ - شکار	۴۷
باب ۸ - کھیل	۵۳
باب ۹ - پہلی محبت ہو جیسے	۵۹
باب ۱۰ - میرے والد کس قسم کے انسان تھے؟	۶۰
باب ۱۱ - مطالعے کے کمرے اور مہمان‌خانے کی مصروفیت	۶۳
باب ۱۲ - گریشا	۶۷
باب ۱۳ - نتالیا ساویشنا	۷۲
باب ۱۴ - جدائی	۷۷
باب ۱۵ - بچپن	۸۳
باب ۱۶ - نظمیں	۸۸
باب ۱۷ - شاہزادی کورنا کووا	۹۷
باب ۱۸ - شاہزادہ ایوان ایوانچ	۱۰۲
باب ۱۹ - ای‌ون خاندان	۱۰۸

باب ۲۰ - مہمانوں کا جمگھٹا	۱۱۶
باب ۲۱ - مازورکا ناچ سے پہلے	۱۲۱
باب ۲۲ - مازورکا	۱۲۶
باب ۲۳ - مازورکا کے بعد	۱۳۱
باب ۲۴ - بستر میں	۱۳۵
باب ۲۵ - خط	۱۳۸
باب ۲۶ - دیہات میں ہمیں کیا پیش آنا تھا	۱۴۳
باب ۲۷ - غم	۱۴۹
باب ۲۸ - آخری اندوہناک یادیں	۱۵۵

لڑکپن

باب ۱ - لگاتار سفر	۱۷۱
باب ۲ - جھکڑ	۱۷۹
باب ۳ - نئے خیالات	۱۸۶
باب ۴ - ماسکو میں	۱۹۱
باب ۵ - بڑے بھیا	۱۹۴
باب ۶ - ماشا	۲۰۰
باب ۷ - پٹاخہ	۲۰۳
باب ۸ - کارل ایوانچ کی زندگی	۲۰۷
باب ۹ - گذشتہ سے پیوستہ	۲۱۲
باب ۱۰ - بہ‌سلسلہ گذشتہ	۲۱۷
باب ۱۱ - برے نمبر	۲۲
باب ۱۲ - چھوٹی کنجی	۲۲۶
باب ۱۳ - دغاباز	۲۳۰
باب ۱۴ - زوال	۲۳۲
باب ۱۵ - خیالی گھوڑے	۲۳۵
باب ۱۶ - چکی پیسو، تو آٹا ملیگا	۲۴۲
باب ۱۷ - نفرت	۲۴۹
باب ۱۸ - نوکرانیوں کا کمرہ	۲۵۲
باب ۱۹ - لڑکپن	۲۵۸

باب ۲۰ - ولودیا ۲۶۳
باب ۲۱ - کاتینکا اور لیوبوچکا ۲۶۷
باب ۲۲ - پاپا ۲۶۹
باب ۲۳ - نانی ۲۷۳
باب ۲۴ - میں ۲۷۷
باب ۲۵ - ولودیا کے دوست ۲۷۸
باب ۲۶ - تبادلہ خیال ۲۸۲
باب ۲۷ - دوستی کا آغاز ۲۸۷

جوانی

باب ۱ - اپنی جوانی کا آغاز میں کس چیز کو سمجھتا ہوں ۲۹۵
باب ۲ - بہار ۲۹۶
باب ۳ - خیالی پلاؤ ۳۰۲
باب ۴ - ہمارا گھریلو حلقہ ۳۰۶
باب ۵ - قاعدے ۳۱۱
باب ۶ - اعتراف گناہ ۳۱۳
باب ۷ - خانقاہ کا سفر ۳۱۶
باب ۸ - دوسرا اعتراف گناہ ۳۲۱
باب ۹ - امتحان کی تیاری ۳۲۵
باب ۱۰ - تاریخ کا امتحان ۳۲۷
باب ۱۱ - ریاضی کا امتحان ۳۳۵
باب ۱۲ - لاطینی زبان کا امتحان ۳۳۹
باب ۱۳ - میں بڑا ہو گیا ۳۴۳
باب ۱۴ - ولودیا اور دبکوف کا مشغلہ کیا رہتا تھا ۳۵۰
باب ۱۵ - میری کامیابی کا جشن ۳۵۵
باب ۱۶ - جھگڑا ۳۵۹
باب ۱۷ - کچھ لوگوں سے ملنے کی تیاری ۳۶۵
باب ۱۸ - والاخین کا گھرانا ۳۶۹
باب ۱۹ - کورناکوف کا گھرانا ۳۷۵

بات ۲۰ - ای ون خاندان ۳۷۹
باب ۲۱ - شاہزادہ ایوان ایوانچ ۳۸۲
باب ۲۲ - اپنے دوست کے ساتھ بے تکلف گفتگو ۳۸۵
باب ۲۳ - نخلیودوف کا گھرانا ۳۹۱
باب ۲۴ - محبت ۳۹۹
باب ۲۵ - میں زیادہ واقفیت پیدا کرتا ہوں ۴۰۵
باب ۲۶ - میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتا ہوں ۴۱۲
باب ۲۷ - دمتری ۴۱۷
باب ۲۸ - دیہات ۴۲۲
باب ۲۹ - ہمارے اور لڑکیوں کے روابط ۴۲۷
باب ۳۰ - میری مصروفیتیں ۴۳۲
باب ۳۱ - Comme il faut ۴۳۷
باب ۳۲ - جوانی ۴۴۱
باب ۳۳ - پڑوسی ۴۴۸
باب ۳۴ - والد کی شادی ۴۵۳
باب ۳۵ - ہم لوگوں پر اس خبر کا کیا اثر ہوا ۴۵۷
باب ۳۶ - یونیورسٹی ۴۶۳
باب ۳۷ - دل کے معاملے ۴۷۱
باب ۳۸ - سوسائٹی ۴۷۳
باب ۳۹ - مے نوشی ۴۷۷
باب ۴۰ - نخلیودوف گھرانے سے میری دوستی ۴۸۳
باب ۴۱ - نخلیودوف سے میری دوستی ۴۸۸
باب ۴۲ - سوتیلی ماں ۴۹۳
باب ۴۳ - نئے ساتھی ۵۰۱
باب ۴۴ - زوخن اور سیمیونوف ۵۱۰
باب ۴۵ - میں رہ گیا ۵۱۷

پیش لفظ

تالستائی کے بارے میں

ہمارے معاشرتی فکروخیال میں تالستائی کے رول پر روسی ادیبوں نے بارہا زور دیا ہے۔ تالستائی کی موت سے دس سال پہلے چیخوف نے یالتا سے لکھا: "...مجھے تالستائی کی موت سے ڈر لگتا ہے۔ ان کی موت سے میری زندگی میں ایک بڑا ویرانہ پن پیدا ہوجائے گا... ان کے بغیر ہمارا ادب اس گلے کی طرح ہوگا جس کا کوئی گلہ بان نہ ہو..." بیس سال پہلے ایوان ترگینف نے اور تالستائی کے انتقال سے دو سال پہلے الکسانڈر بلوک نے بھی اسی طرح کے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ تالستائی کی موت نے ترقی پسند دانش وروں میں نہ صرف یتیمی کا بلکہ بے رہبر و رہنما ہونے کا بھی احساس پیدا کردیا۔ تالستائی کی موت سے روس کے نچلے طبقے تک متاثر ہوئے... یہ سچ ہے کہ اس زمانے کے حالات میں انتہائی شہرت یافتہ ادبی تخلیقات بھی نچلے طبقوں تک بہت ہی طویل اور پیچدار راستوں سے پہنچتی تھیں۔ آخر معمولی لوگ کسی ادیب کی زندگی کا تصور اس کے معاشرتی رویے سے ہی کرتے تھے اور تالستائی نے اپنی ساری زندگی لوگوں کی نگاہوں کے سامنے ہی گزاری اور ان کے رازوں کو خود اپنے اصلی نام سے اور اولینین، لیوین اور نخلیودوف کے فرضی ناموں سے آشکار کرتے رہے۔ وہ ہمیشہ حاوی رجحانات اور خیالات کے خلاف آواز بلند کرتے رہے، انہوں نے غیرمنصفانہ دولت، حرام خوری، ظلم اور ان خامیوں کا مقابلہ کیا جو بکھرتی ہوئی تہذیب نے جمع کرلی تھیں۔ چنانچہ مصنف موصوف کی طویل زندگی میں نچلے طبقوں کے ترقی پسند صاحبان عقل و فہم اس تسلی بخش خیال کے عادی ہو گئے کہ ایک ایسا دل قریب دھڑک رہا ہے جس کو خریدا

نہیں جا سکتا کہ ایک تیز نگاہ ان کی جاں فشاں محنت اور محرومی کو دیکھ رہی ہے، کہ ایک تیز کان ان کی کراہوں اور نغموں پر لگے ہوئے ہیں اور اس کا مطلب یہ ہے کہ وقت کے ساتھ یہ سارا زر دنیا کے بیش بہا اس خزانے میں پہنچ رہا ہے جس سے مستقبل کی تشکیل ہوگی۔

زریں ادبوں کی تشکیل و تدوین اپنے دور کے خیالات اور ولولوں، شکوک و شبہات کی صفائی اور تمناؤں سے ہوتی ہے۔ ان کے دوام کا انحصار قطعی طور سے اس بات پر ہوتا ہے کہ انہوں نے کس حد تک اپنے زمانے کے قومی اور عالمی تاریخی تجربات سے استفادہ کیا ہے۔

مختصر یہ ہے کہ صرف خالص سونا ہی بھلائے جانے کی کسوٹی پر کھرا ثابت ہوسکتا ہے۔

تالستائی کی شاندار تصانیف کو وقت نے کبھی نہیں بھلایا۔ جس طرح پوشکن نے ہماری زبان کی معجزنما موسیقی کو ہم پر آشکار کیا اسی طرح تالستائی نے اس کی مدد سے ایک بےنظیر اور پیارا کارنامہ کر دکھایا۔ انہوں نے اس کے ذریعہ روسی لوگوں کی خوشیوں اور غموں کا اظہار کیا جن میں نپولین کے ماتحت کثیر زبانوں والے یورپ کے خلاف روسیوں کا زبردست رزمیہ بھی شامل ہے اور ان کی تاریخی مثال کے ذریعہ حق کےلئے جدوجہد کے دوران جرأت اور دلیری کے اس ظہور کے میکانیکی عمل کو دکھایا جو اس وقت سے اب تک کئی بار دھرایا جاچکا ہے— قوم کی حیثیت سے بھی اور عام طور پر پرامن فرد کی حیثیت سے بھی۔ ''جنگ اور امن،،، ''کزاک،،، ''آنا کرینینا،، اور ''روزحساب،، کے مصنف کے لئے سب کچھ صاف ہے خواہ وہ طوفان ہوں یا بہت ہی آہستہ خرام ہوائیں، اتنی زبردست چیزیں کہ وہ عام نگاہ میں آ ہی نہ سکیں اور ایسی باریک باتیں بھی جن کو سرسری نگاہ نظرانداز کردے۔ مصنف موصوف کی نظر انسانی شخصیت کے بام عروج تک پہنچتی ہے اور اس کی ڈھلتی ہوئی شاموں کو بھی نظر انداز نہیں کرتی۔ آج بھی جبکہ کافی زمانہ گزرچکا ہے تالستائی بلاکسی روشنی کی مدد کے ہمیں اپنی ساری عظمت کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں اور نہ صرف اپنے کمال و مہارت میں بلکہ اپنے تذبذب و تزلزل، انتہاپسندی

اور گمراہی میں بھی جو اس حق کی تلاش کے لئے ناگزیر ہے جس کو کوئی ابھی تک خالص صورت میں نہیں حاصل کرسکا ہے۔

اس انسان کا کردار تو ممتاز ادبی ہستیوں کی تقدیر سے کہیں بالاتر ہے۔ جیسا کہ پوشکن کے بارے میں بیلینسکی نے کہا ہے کہ معمولی نثر میں ان کے بارے میں کچھ کہنا شرمناک بات ہے اسی طرح تالستائی کا نام آج اس کا مقتضی ہے کہ ان کی تعریف و توصیف کے لئے شاندار الفاظ استعمال کئے جائیں۔ تالستائی کا نام زبان کے ان درجن بھر عظیم ساحروں میں آتا ہے جو ہمارے کلچر کی آبیاری قدیم زمانے سے لیکر آج تک کرتے ہیں اور ان کا کام ایک سچا ہمالیائی کارنامہ ہے۔ وہ شاہراہ‌ترقی پر ایک ایسے پہاڑ کی طرح ہیں جس کی بلندیوں سے انسانی خیالات کی وادی میں صدیوں سے پھیلے ہوئے راستے صاف نظر آتے ہیں۔

ل۔ لیونوف
(ممتاز سوویت مصنف)

بچپن

باب ۱

استاد کارل ایوانچ

۱۲ اگست ۱۸۰۰ء کو یعنی میری سالگرہ کے ٹھیک تیسرے دن جب میں نے عمر کے دس سال پورے کئے تھے اور اتنے اچھے اچھے تحفے پائے تھے، کارل ایوانچ نے بالکل میرے سر کے اوپر ایک چھپے سے مکھی مارکر صبح سات بجے مجھے جگا دیا۔ یہ چھپیا یا مکھی‌مار ایک چھڑی پر شکردار کاغذ لگاکر بنایا گیا تھا۔ انھوں نے اپنے بھونڈےپن سے یہ حرکت کی کہ میرے فرشتے کی جو شبیہہ شاہ‌بلوطی مسہری کے اوپر تکیے پر لٹک رہی تھی، ان کی زد میں آگئی اور مری ہوئی مکھی عین میرے سر پر ٹپک پڑی۔ میں نے کمبل میں سے ناک باہر نکالی، جھولتی ہوئی شبیہہ کو ہاتھ سے روکا، مردہ مکھی جھاڑ کر فرش پر پھینکی اور کارل ایوانچ کو ایسی آنکھوں سے دیکھا جن میں اگرچہ نیند بھری تھی لیکن غصہ بھی جھلک رہا تھا۔ وہ اپنا پچرنگا روئی بھرا ڈریسنگ گاؤن پہنے اور اسی کپڑے کی پیٹی کسے اور بنی ہوئی سرخ پھندنےوالی ٹوپی اور ملائم چمڑے کے جوتے پہنے دیوار کے کنارے کنارے مکھیاں تاکتے اور چھپیا مارتے چلے جا رہے تھے۔

''اچھا میں چھوٹا سہی،'' میں نے سوچا ''تو بھی مجھے پریشان کیوں کرتے ہیں؟ آخر ولودیا کے پلنگ کے پاس مکھیاں کیوں نہیں مارتے؟ دیکھو کتنی بہت سی ہیں! نہیں، ولودیا مجھ سے بڑا ہے اور میں سب سے چھوٹا ہوں اسی لئے یہ مجھے ستاتے ہیں۔ بس، ساری زندگی یہی سوچے جاتے ہیں،'' میں بڑبڑایا ''کہ مجھے کس طرح پریشان کیا جائے۔ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میری نیند خراب کردی اور ڈرا دیا لیکن ایسا بن رہے ہیں جیسے دیکھا ہی

نہیں... واہیات آدمی! ان کا یہ ڈریسنگ گاؤن اور یہ ٹوپی اور یہ اس کا پھندنا — سب کا سب واہیات!،،

جس وقت میں دل ہی دل میں کارل ایوانچ پر برس رہا تھا، وہ اپنے پلنگ کے پاس پہنچے، اوپر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا جو کانچ کے موتیوں سے بنی ہوئی تھیلی میں لٹک رہی تھی، مکھی‌مار چھپیا ایک کیل سے ٹانگ دیا اور ہماری طرف مڑے، ظاہر تھا کہ اس وقت بہت ہی مزے میں تھے۔

«Auf, Kinder, auf ... s'ist Zeit. Die Mutter ist schon im Saal.» *

انہوں نے اپنی پیار بھری جرمن آواز میں پکارا۔ پھر وہ میرے نزدیک آئے۔ میرے پائنتی بیٹھ گئے اور جیب سے نسوار کی ڈبیا نکالی۔ میں چپ سادھے پڑا رہا جیسے سو رہا ہوں۔ پہلے کارل ایوانچ نے ایک چٹکی نسوار لی، ناک صاف کی، انگلیاں چٹخائیں، اس کے بعد میری طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے ہنستے ہوئے میرے تلوے میں گدگدانا شروع کیا اور بولے: «Nu, nun, Faulenzer!»**

گدگدی سے میں بہت گھبراتا تھا، پھربھی میں نہ تو بستر سے اچھل کر کھڑا ہوا، نہ کوئی جواب دیا بلکہ تکیے کے نیچے سر کو اور چھپا لیا، پورے زور سے لاتیں ماریں اور پوری کوشش کرنے لگا کہ ہنسی نہ آنے پائے۔

''کتنا اچھا آدمی ہے یہ، ہم لوگوں سے کتنی محبت کرتا ہے اور ایک میں ہوں کہ اس کے بارے میں برا خیال کر رہا تھا!،،

مجھے سخت کوفت ہو رہی تھی خود پر بھی اور کارل ایوانچ پر بھی، ہنسنے کو بھی جی چاہتا تھا اور رونے کو بھی: میرے اعصاب میں سخت بےچینی تھی۔

''Ach, lassen sie***‏ کارل ایوانچ!،، میں آنکھوں میں آنسو بھرے تکیے کے نیچے سے سر نکال کر چلایا۔

کارل ایوانچ کو تعجب ہوا۔ انہوں نے میرے تلوؤں سے

---

* اٹھو بچو، اٹھو، وقت ہوگیا! ماں بڑے کمرے میں پہنچ گئیں۔

** بس بس بہت ہوا، کاہل کہیں کے۔

*** ارے چھوڑئے مجھے۔

ہاتھ ہٹالیا اور بےقراری سے پوچھنا شروع کیا کہ معاملہ کیا ہے؟ کوئی برا سا خواب دیکھا کیا؟ ان کے مشفقانہ جرمن چہرے کو دیکھ کر اور جس ہمدردی سے وہ میرے آنسوؤں کا سبب پوچھنے کی کوشش کر رہے تھے میرے آنسو اور تیزی سے بہہ نکلے، مجھے شرم محسوس ہو رہی تھی اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ایک لمحہ پہلے ہی کارل ایوانچ بھلا کیوں اچھے نہیں لگ رہے تھے اور ان کے ڈریسنگ گاؤن، ٹوپی اور پھندنے سے مجھے کیوں نفرت ہو رہی تھی۔ اب اس کے برخلاف یہ سب چیزیں مجھے بہت اچھی معلوم ہو رہی تھیں اور پھندنا تک ان کی اچھائی کی صاف شہادت دے رہا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ میں رو اس لئے رہا ہوں کہ میں نے برا سا خواب دیکھا ہے۔ دیکھا کہ امی کا انتقال ہو گیا اور لوگ انہیں دفن کرنے کے لئے جا رہے تھے۔ میں نے یہ سب کچھ جی سے گڑھ دیا کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ کچھ یاد نہ تھا کہ اس رات میں نے خواب کیا دیکھا تھا لیکن جب میرے قصے سے متاثر ہوکر کارل ایوانچ نے مجھے تسلی دینی شروع کی تو ایسا محسوس ہونے لگا جیسے میں نے واقعی یہ برا خواب دیکھا تھا اور میری آنکھوں سے آنسو اس دوسری وجہ سے بہنے لگے۔

جب کارل ایوانچ میرے پاس سے چلے گئے اور میں نے بستر پر بیٹھ کر اپنے چھوٹے چھوٹے پیروں میں موزے پہننا شروع کئے تو آنسو کسی قدر رک گئے لیکن جھوٹے خواب کے پریشان کن خیال نے میرا پیچھا نہ چھوڑا۔ دیادکا* نکولائی چھوٹا سا، خوب صاف ستھرا، پیارا سا آدمی جو ہمیشہ بہت سنجیدہ رہتا، تلی تلی بات کرتا، بہت ادب سے پیش آتا اور کارل ایوانچ کا بڑا دوست تھا، ہمارے کپڑے اور جوتے لیکر آیا۔ ولودیا کے پاس بوٹ تھے لیکن میرے پاس ابھی تک وہی کمبخت فیتےوالے جوتے۔ مجھے اس کے سامنے روتے ہوئے شرم آتی تھی، اس کے علاوہ کھڑکی سے صبح کی دھوپ بڑے دلآویز انداز میں اندر آرہی تھی اور ولودیا، ماریا ایوانوونا (میری بہن کی اتالیق) کی نقل کرتے ہوئے منہ دھونے کی سلفچی کے پاس کھڑا، ایسے مزے میں زور زور سے ہنس رہا تھا کہ سنجیدہ

---

* بچوں کا خدمتگار۔

نکولائی تک مسکرا پڑا جس کے کاندھے پر تولیہ پڑا تھا اور ایک ہاتھ میں صابن اور دوسرے میں ڈونگا تھا، وہ بولا:

''بس بہت ہو گیا ولادیمیر پیترووچ - اب آپ منہ دھو لیجئے -،، میں ہنسنے بولنے لگا۔

«Sind sie bald fertig?» * پڑھائی کے کمرے سے کارل ایوانچ کی آواز آئی -

ان کی آواز میں سختی تھی اور وہ مشفقانہ کھنک نہ تھی جس کی وجہ سے میرے آنسو نکل پڑے تھے - پڑھائی کے کمرے میں کارل ایوانچ بالکل مختلف انسان ہوجاتے تھے: وہ استاد تھے - میں نے جلدی جلدی کپڑے پہنے، منہ دھویا اور بھیگے ہوئے بالوں میں کنگھی کرتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔

ناک پر عینک رکھے اور ایک ہاتھ میں کتاب لئے کارل ایوانچ دروازے اور کھڑکی کے درمیان اپنی روزمرہ کی جگہ پر بیٹھے ہوئے تھے - دروازے کے بائیں طرف کتابوں کی دو الماریاں تھیں - ایک ہماری تھی — بچوں کی اور دوسری کارل ایوانچ کی ''ذاتی،، ملکیت تھی - ہماری الماری میں سب طرح کی کتابیں تھیں: وہ جو اسکول میں پڑھائی جاتی تھیں، وہ جو نہیں پڑھائی جاتی تھیں، کچھ کھڑی تھیں، کچھ پڑی تھیں - صرف «Histoire des voyages» ** کی دو بڑی بڑی سرخ جلدیں تھیں جو ڈھنگ سے دیوار کے سہارے رکھی ہوئی تھیں - اس کے بعد لمبی، موٹی، بڑی اور چھوٹی کتابوں کا ڈھیر تھا — بغیر کتابوں کے گردپوش اور گردپوشوں کے بغیر کتابیں - کھیل کے گھنٹے سے پہلے جب ہم سے کہا جاتا کہ لائبریری کو ٹھیک کرو — کارل ایوانچ اس الماری کو اسی بڑے نام سے پکارتے تھے — تو ہم لوگ ہر چیز اس میں الٹی سیدھی ٹھونس دیا کرتے تھے - ان کی ''ذاتی،، الماری میں جو کتابیں تھیں وہ تعداد میں ہماری کتابوں سے زیادہ تو نہ تھیں لیکن ان سے زیادہ قسموں کی ضرور تھیں - مجھے تین کتابیں یاد ہیں: کرم کلے کے باغ میں کھاد ڈالنے کے متعلق جرمن زبان میں ایک کتابچہ جس پر گردپوش

---

* تیار ہو گئے کیا؟

** ''سفروں کی تاریخ،،۔

نہیں تھا، ''سات ساله جنگ کی تاریخ،، کی ایک جلد چمڑا منڈھی ہوئی، جس کا ایک کونہ جلا ہوا تھا اور ''علم سکون سیالات،، (ہائڈروسٹیٹکس) کا پورا نصاب۔ کارل ایوانچ اپنا زیادہ‌تر وقت پڑھنے میں گزارتے تھے، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے ان کی بینائی میں بھی فرق آ گیا تھا لیکن وہ یا تو یہ کتابیں پڑھتے تھے یا ایک مقبول رسالہ ''سیویرنایا پچیلا،، (شہد کی شمالی مکھی)۔ بس اور کچھ نہ پڑھتے تھے۔

کارل ایوانچ کی الماری میں جو چیزیں رکھی ہوئی تھیں ان میں سے ایک چیز تھی جو دوسری چیزوں سے زیادہ مجھے ان کی یاد دلاتی ہے۔ یہ تھا دفتی کا گول شیڈ جو ایک لکڑی کی ڈیوٹ پر لگا تھا اور جسے لکڑی کے کھٹکوں کے ذریعے اوپر نیچے کیا جا سکتا تھا۔ شیڈ پر ایک تصویر چپکی تھی جس میں کسی باعزت خاتون اور حجام کا کارٹون سا بنا تھا۔ کارل ایوانچ اس قسم کی چیزیں بنانے میں بڑے ہوشیار تھے اور انہوں نے اسے خوب اچھی طرح چپکا رکھا تھا اور خود ہی اس قسم کا شیڈ ایجاد اور تیار کیا تھا تاکہ اپنی کمزور آنکھوں کو تیز روشنی سے بچا سکیں۔

اس وقت بھی میری نگاہوں کے سامنے ان کا اونچا قد، روئی کا گاؤن اور لال ٹوپی ہے جس کے اندر سے ان کے چھدرے سفید بال جھانک رہے ہیں۔ مجھے نظر آ رہا ہے کہ وہ ایک چھوٹی سی میز کے پاس بیٹھے ہیں جس پر ان کا لیمپ شیڈ حجام کے کارٹون کے ساتھ رکھا ہے اور ان کے چہرے پر عکس ڈال رہا ہے، ان کے ایک ہاتھ میں کتاب ہے اور دوسرا ہاتھ آرام کرسی کے ہتھے پر رکھا ہے۔ سامنے ان کی گھڑی ہے جس کے اوپر شکاری کی تصویر بنی ہوئی ہے، چارخانے کا رومال، نسوار کی سیاہ گول ڈبیا، عینک کا سبز ڈبہ اور گل گیر طشت میں رکھے ہیں۔ ہر چیز جس سلیقے اور صفائی سے اپنی جگہ رکھی ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کارل ایوانچ کا ضمیر صاف اور دل مطمئن ہے۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ نیچے ہال میں دوڑتے دوڑتے جب میں تھک جاتا تو دبے پاؤں اوپر پڑھائی کے کمرے میں پہنچ جاتا اور دیکھتا کہ کارل ایوانچ اکیلے اپنی آرام کرسی پر بیٹھے کوئی پسندیدہ کتاب پڑھ رہے ہیں اور چہرے پر سنجیدگی اور سکون

کی کیفیت ہے۔ کبھی کبھی میں ایسے وقت ان کے پاس پہونچ جاتا جب وہ کچھ بھی نہ پڑھ رہے ہوتے بلکہ یوں ہی بیٹھے ہوتے، عینک ان کی شکرے کی سی ناک کی پھنگی تک آجاتی، ان کی نیلی ادھ کھلی آنکھیں ایک خاص انداز سے سامنے کی طرف گھورتی ہوتیں اور ان کے ہونٹوں پر اداس سی مسکراہٹ ہوتی۔ کمرے میں اس وقت خاموشی ہوتی سوائے اس کے کہ ایک معتدل رفتار سے ان کا تنفس اور شکاری کی تصویروالی گھڑی کی ٹک ٹک سنائی دیتی تھی۔

اکثر وہ مجھے نہ دیکھ پاتے اور میں دروازے میں کھڑا سوچتا رہتا: ''بیچارہ غریب بوڑھا! ہم لوگ بہت سے ہیں اور ہم لوگ ملکر کھیل سکتے ہیں اور لطف اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن یہ شخص تن تنہا ہے اور کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اس سے محبت سے پیش آئے۔ انہوں نے خود بتایا تھا کہ وہ یتیم ہیں اور ان کی زندگی کی کہانی اتنی دردناک ہے کہ بس! مجھے یاد ہے کہ انہوں نے نکولائی سے سب کچھ بیان کیا تھا۔ ایسی حالت تک پہنچ جانا بھی کتنا برا ہے!،، ان پر میرا دل بعض وقت ایسا دکھتا تھا کہ میں ان کے پاس جاتا، ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتا اور کہتا ،، Lieber* کارل ایوانچ!،، جب کبھی میں ان سے یہ الفاظ کہہ دیتا تو انہیں بہت اچھا لگتا تھا کیونکہ وہ ہمیشہ میری پیٹھ تھپتھپاتے اور صاف معلوم ہوتا کہ ان کا دل بھرآیا ہے۔

دوسری دیوار پر نقشے لٹکے ہوئے تھے، تقریباً سبھی پھٹے پرانے لیکن کارل ایوانچ کے ہاتھوں نے بڑے سلیقے سے انہیں جوڑا تھا۔ تیسری دیوار پر جس کے بیچ میں نیچے جانے کےلئے دروازہ تھا، ایک طرف سے دو رولر لٹکے ہوئے تھے۔ ایک تو بالکل کٹا پھٹا تھا — یہ ہمارا، اور دوسرا ذرا نیا سا — ان کا ''ذاتی،، رولر تھا اور ہماری کاپیوں پر سطریں کھینچنے کے بجائے ہماری مرمت کےلئے زیادہ استعمال ہوتا تھا۔ دروازے کی دوسری طرف ایک کالا تختہ تھا۔ اگر ہم بڑی خطائیں کرتے تو اس تختے پر گولے بنا دئے جاتے اور چھوٹی موٹی غلطیوں کو چڑیا بنا کر دکھایا جاتا

---

* پیارے۔

تھا۔ بورڈ کے بائیں طرف وہ کونا تھا جہاں ہمیں سزا کے وقت مرغا بننا پڑتا تھا۔

مجھے وہ کونا کیسا اچھی طرح یاد ہے! بھٹی پر ہوا کم زیادہ کرنےوالی وہ تختی اور اس کا وہ دھونکنے کا سوراخ کہ جب اسے گھماتے تو بہت زور کی آواز ہوتی تھی۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ میں اس کونے میں کھڑا ہوں، کھڑا ہوں یہاں تک کہ گھٹنے اور کمر میں درد ہونے لگتا اور سوچتا کہ ''کارل ایوانچ میرے بارے میں بالکل ہی بھول گئے۔ انہیں کیا فکر۔ وہ تو اپنی نرم آرام کرسی پر بڑے آرام سے بیٹھے ہیں اور ''ہائڈروائسٹیکس،،والی کتاب پڑھے جا رہے ہیں۔ لیکن مجھ پر کیا گزر رہی ہے؟،، تو انہیں اپنے وجود سے آگہ کرنے کےلئے میں بہت آہستہ سے بھٹی کا ڈھکن کھولتا اور بند کرتا یا دیوار کا کچھ پلاستر کھرچنے لگتا۔ لیکن اگر پلاستر کا کوئی بڑا سا ٹکڑا دھڑ سے فرش پر گر پڑتا تو اتنا ڈر معلوم ہوتا جو سزا کے خوف سے کہیں بڑھ کر ہوتا۔ میں کنکھیوں سے کارل ایوانچ کی طرف دیکھتا لیکن وہ کتاب ہاتھ میں لئے بیٹھے رہتے جیسے انہوں نے کچھ دیکھا ہی نہیں۔

کمرے کے بیچ میں ایک میز تھی جس پر ایک پھٹا سا سیاہ موم‌جامہ پڑا ہوا تھا۔ اس میں کئی جگہ میز کے کنارے نظر آ رہے تھے جنہیں قلم تراش چاقو سے کاٹ دیا گیا تھا۔ میز کے گرد کئی بےرنگ اسٹول تھے جو ایک زمانے سے استعمال ہوتے ہوتے چمکنے لگے تھے۔ آخری دیوار میں تین کھڑکیاں تھیں۔ یہ کھڑکیاں سڑک کی طرف کھلتی تھیں جس کے ہر گڈھے، پتھر اور لیک سے میں ایک زمانے سے واقف تھا اور سبھی مجھے عزیز تھے۔ سڑک کی دوسری طرف کترے ہوئے لائم کے درختوں کی روش تھی جس میں سے کہیں کہیں بانس کی باڑ جھلکتی تھی۔ روش سے پرے ایک سبزہ‌زار تھا جس کے ایک طرف کھلیان تھا اور دوسری طرف جنگل۔ دور جنگل میں چوکیدار کا چھوٹا سا جھونپڑا واقع تھا۔ سیدھے ہاتھ پر کھڑکی میں سے برآمدے کا ایک حصہ نظر آتا تھا جہاں بزرگ لوگ کھانے سے قبل عموماً بیٹھا کرتے تھے۔ اکثر یہ ہوتا تھا کہ کارل ایوانچ املا درست کررہے ہیں اور اس طرف اگر نگاہ اٹھاکر دیکھو تو اماں کا سیاہ سر نظر آتا اور کسی

کی بشت اور بات‌چیت اور قہقہوں کی مدھم سی آواز سنائی دیتی اور اس وقت دل کڑھتا کہ ہائے ہم وہاں نہ ہوئے اور پھر خیال آتا: ''میں آخر بڑا کب ہونگا اور یہ پڑھنا کب ختم کروں‌گا تا کہ اس سوال‌وجواب کے بجائے ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ سکوں جنھیں میں چاہتا ہوں؟''، پریشانی غم میں بدل جاتی اور طرح طرح کے عجیب‌وغریب خیالات ذہن میں چکر لگانے لگتے یہاں تک کہ جب کارل ایوانچ املے کی غلطیوں پر بگڑتے، ناراض ہوتے تو ان کی آواز تک سنائی نہ دیتی۔

آخر کارل ایوانچ نے ڈریسنگ گاؤن اتارا، اپنا نیلا فراک کوٹ پہنا جس کے شانوں پر گوٹے ٹھپے کا کام تھا اور پلیٹس پڑی تھیں، آئینے کے سامنے کھڑے ہوکر گلوبند ٹھیک کیا اور ہمیں نیچے لے چلے کہ اماں کو سلام کرلیں۔

باب ۲

اماں

امی مہمان‌خانے میں بیٹھی چائے بنا رہی تھیں۔ ایک ہاتھ سے چائے‌دان تھام رکھا تھا اور دوسرے سے سماور کی ٹونٹی پکڑے ہوئے تھیں، جس میں سے پانی چائے‌دان کے اوپر سے گرکر کشتی میں آرہا تھا حالانکہ وہ مسلسل اسی طرف دیکھ رہی تھیں لیکن انہوں نے یہ نہیں دیکھا اور نہ یہ دیکھا کہ ہم لوگ آگئے ہیں۔

جب تصور میں اپنی کسی عزیز ہستی کے خط‌وخال ابھارنے کی کوشش کرو تو ماضی کی اتنی یادیں نظروں کے سامنے ابھرنے لگتی ہیں کہ ان کے چہرے یادوں میں سے ایسے دھندلے دھندلے نظر آنے لگتے ہیں جیسے آنکھوں میں آنسو بھرکر کسی کو دیکھ رہے ہوں۔ یہ تصور کے آنسو ہوتے ہیں۔ جب میں اپنی ماں کو اس وقت کی حالت میں یاد کرتا ہوں تو ان کی بھوری آنکھوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، جن سے ہمیشہ ایک سی محبت اور شفقت ٹپکتی تھی، ان کی گردن پر اس جگہ

سے ذرا نیچے وہ تل جہاں بالوں کی ننھی ننھی لٹیں شروع ہوتی تھیں، ان کا کڑھا ہوا سفید کالر، ان کا نرم سوکھا ہاتھ جس سے وہ اکثر مجھے سہلایا کرتی تھیں اور جسے میں بہت پیار کیا کرتا تھا۔ لیکن مجموعی تصویر پھسل پھسل جاتی ہے۔

صوفے کے بائیں طرف پرانا انگریزی پیانو رکھا تھا۔ پیانو کے سامنے میری سانولی سلونی بہن لیوبوچکا بیٹھی بڑی کوشش سے کلیمنتی کی کوئی چیز بجا رہی تھی۔ اس کی چھوٹی چھوٹی انگلیاں ابھی ابھی ٹھنڈے پانی سے دھونے کی وجہ سے گلابی ہو رہی تھیں۔ اس کی عمر گیارہ برس کی تھی۔ سوتی کپڑے کا چھوٹا سا فراک اور لیس لگا ہوا سفید پاجامہ پہنے تھی اور وہ صرف ابتدائی سر نکال سکتی تھی۔ اس کے پاس ہی ماریا ایوانوونا آدھی مڑی ہوئی بیٹھی تھیں۔ ان کی ٹوپی میں گلابی لچکے لگے ہوئے تھے اور نیلا کوٹ پہنے تھیں۔ ان کا چہرہ سرخ اور غصیلا ہو رہا تھا۔ کارل ایوانچ جیسے ہی داخل ہوئے ان کا منہ اور پھول گیا۔ انہوں نے ان کی طرف غصے سے دیکھا اور ان کے آداب کا جواب دئے بغیر پہلے سے زیادہ اونچی آواز میں اور اکڑ سے پیر کی تھاپ دینے لگیں اور بولتی گئیں:

* « un, deux, trois, un, deux, trois, »

کارل ایوانچ نے اس طرف ذرا بھی توجہ نہ کی اور حسب معمول اپنی جرمن تمیزداری کے ساتھ اماں کے قریب آئے، انہیں سلام کیا۔ وہ چونک پڑیں، سر کو اس طرح ہلایا جیسے کسی بڑے تکلیف دہ خیال کو ذہن سے جھٹکنا چاہتی ہوں، اپنا ہاتھ کارل ایوانچ کی طرف بڑھایا اور جب وہ ان کے ہاتھ کو بوسہ دے رہے تھے تو اماں نے ان کی جھریاں پڑی کنپٹی پر بوسہ دیا۔

** ,, Ich danke, lieber کارل ایوانچ،، وہ بولیں اور جرمن میں بات جاری رکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا: ''بچے ٹھیک سے تو سوئے؟،،

کارل ایوانچ ایک کان سے اونچا سنتے تھے اور اس وقت پیانو کے شور کی وجہ سے وہ کچھ نہ سن سکے۔ وہ صوفے کے اور نزدیک جھک گئے اور ایک ہاتھ میز پر ٹیک کر ایک پاؤں سے کھڑے

---

* ایک، دو، تین، ایک، دو، تین۔

** بہت شکریہ پیارے۔

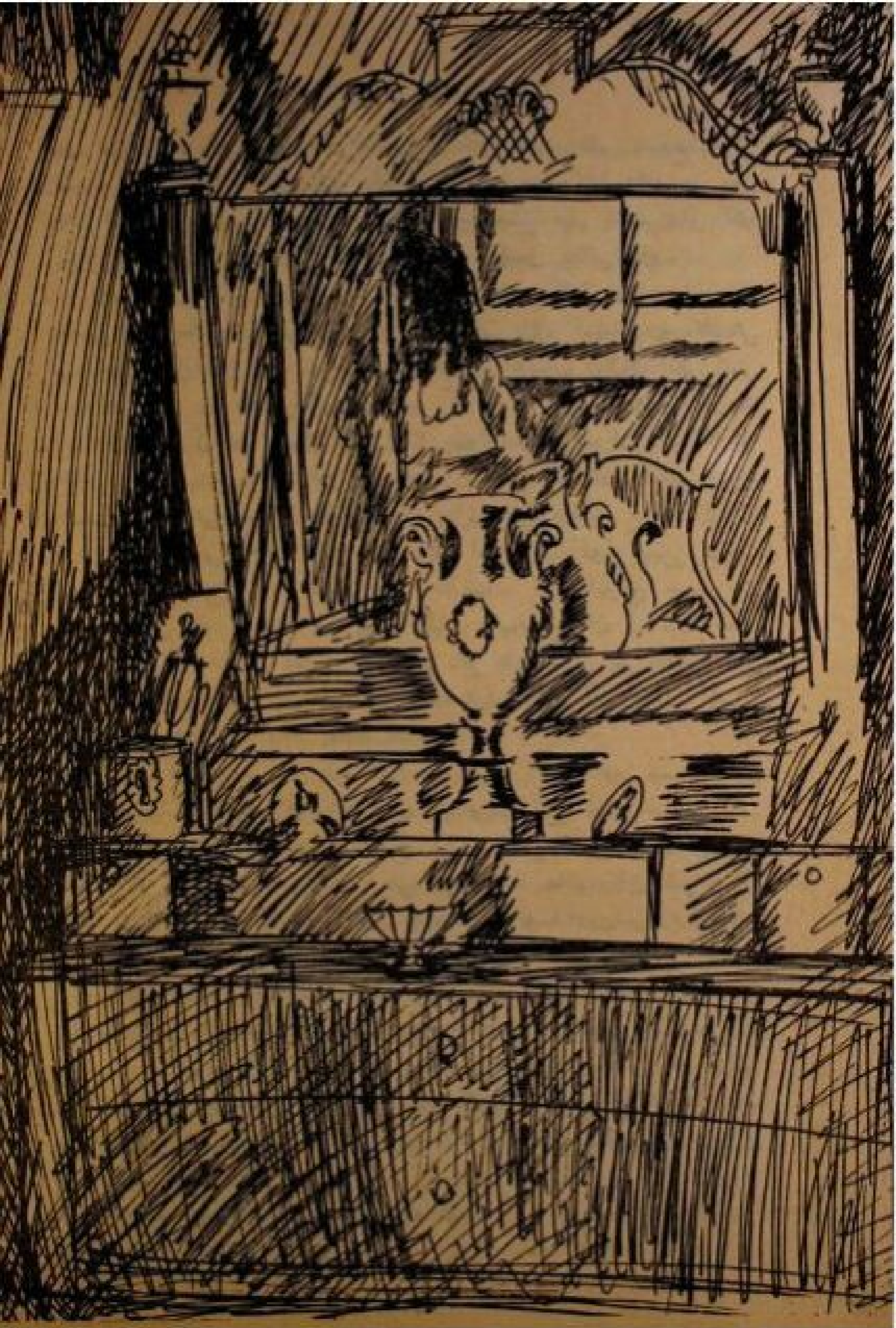

ہوگئے اور ایسی مسکراہٹ کے ساتھ جو مجھے اس وقت انتہائی شائستہ معلوم ہوئی تھی، انہوں نے اپنی ٹوپی سر پر سے اٹھائی اور بولے:

''آپ مجھے معاف کیجئےگا نتالیا نکولائےونا؟''

کارل ایوانچ اس ڈر سے کہ کہیں نزلہ نہ ہوجائے اپنے گنجے سر کو برہنہ نہیں کرتے تھے اور لال ٹوپی کسے رہتے تھے لیکن جب بھی مہمان‌خانے میں داخل ہوتے تو ہمیشہ اجازت لےلیا کرتے تھے کہ ٹوپی لگائے رہیں۔

''پہنے رہئے کارل ایوانچ... میں نے کہا بچے اچھی طرح تو سوئے؟''، اماں نے ان کے اور قریب ہوکر اور زیادہ بلند آواز سے کہا۔

لیکن اس بار بھی ان کے کان میں کچھ نہیں پڑا۔ اپنے گنجے سر پر لال ٹوپی رکھے کھڑے رہے اور پہلے سے بھی زیادہ خوش‌مزاجی کے ساتھ مسکرائے۔

''ذرا ٹھہرو میمی''، اماں نے ماریا ایوانوونا سے مسکراکر کہا۔ ''کچھ سنائی نہیں دے رہا ہے۔''

اماں کا چہرہ کتنا ہی اچھا سہی لیکن جب وہ مسکراتی تھیں تو کہیں زیادہ خوبصورت معلوم ہونے لگتا اور ایسا معلوم ہوتا جیسے ہر طرف، ہر چیز جھوم اٹھی ہے۔ اگر زندگی کے کڑے وقتوں میں اس مسکراہٹ کی ہلکی سی جھلک بھی دیکھ پاتا تو یہ احساس تک نہ ہوتا کہ غم کسے کہتے ہیں۔ مجھے یوں محسوس ہوتا کہ ایک مسکراہٹ میں وہ چیز ہوتی ہے جسے چہرے کا حسن کہا جاتا ہے: اگر مسکراہٹ چہرے کی دلکشی میں اضافہ کرتی ہے تو وہ حسین ہے۔ اگر مسکراہٹ سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوتی تو چہرہ معمولی درجے کا ہوتا ہے۔ اگر مسکراہٹ اسے خراب کردیتی ہے تو چہرہ بھدا ہے۔

میرے سلام کے جواب میں دعا دیتے ہوئے امی نے میرے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لےلیا، پیچھے جھکایا، میری طرف بڑے غور سے دیکھا اور بولیں:

''آج تم روئے تھے کیا؟''

میں نے کوئی جواب نہیں دیا، انہوں نے میری آنکھیں چومیں اور جرمن میں مجھ سے پوچھا:

''کیوں روئے تھے؟''

جب وہ ہم لوگوں سے پیار کی باتیں کرتیں تو ہمیشہ جرمن میں بولتیں جس میں وہ بڑی ماہر تھیں۔

''سوتے میں رویا تھا امی''، میں نے اپنے جھوٹے خواب کو پوری تفصیل سے یاد کرکے کہا اور اس خیال سے غیرارادی طور پر کانپ اٹھا۔

کارل ایوانچ نے میری بات کی توثیق کردی لیکن خواب کے بارے میں کچھ نہیں بولے۔ موسم کے متعلق تھوڑی دیر گفتگو کرنے کے بعد جس میں میمی نے بھی حصہ لیا اماں نے کچھ چہیتے نوکروں کےلئے طشت میں شکر کے چھ ٹکڑے رکھے اور اپنے کشیدہ‌کاری کے فریم کی طرف چلیں جو کھڑکی کے پاس ہی رکھا ہوا تھا۔

''بچو اچھا، اب اپنے ابا کے پاس جاؤ اور ان سے کہنا کہ کھلیان کی طرف جانے سے پہلے میرے پاس ضرور ہوتے جائیں۔''

موسیقی، گنتی، غصے کی نگاہیں پھر سے شروع ہوگئیں اور ہم لوگ ابا کی طرف چل دئے۔ اس کمرے سے گزرکر جسے داداجان کے زمانے سے خانساماں کا کمرہ کہا جاتا تھا، ہم لوگ مطالعے کے کمرے میں داخل ہوئے۔

باب ۳

پاپا

وہ لکھنے پڑھنے کی میز کے پاس کھڑے کچھ لفافوں، کاغذوں اور نوٹوں کے بنڈلوں کی طرف اشارہ کرکے اپنے منیم یاکوف میخائلوف پر بگڑ رہے تھے جو حسب‌معمول دروازے اور بیرومیٹر کے درمیان پیچھے ہاتھ باندھے کھڑا تھا اور جلدی جلدی اپنی انگلیاں ادھر ادھر گھما رہا تھا۔

پاپا کا غصہ جیسے جیسے بڑھتا تھا، اس کی انگلیاں بھی اسی تیزی سے گھوم رہی تھیں اور جب پاپا خاموش ہوگئے تو انگلیاں بھی رک گئیں۔ لیکن جب یاکوف نے خود بات شروع کی تو انگلیوں

سے سخت پریشانی ظاہر ہوئی اور وہ بے اختیار مختلف سمتوں میں بکھر گئیں۔ مجھے ایسا لگا کہ یاکوف کے اندرونی خیالات کو انگلیوں کی حرکات سے پڑھا جا سکتا ہے۔ حالاں کہ اس کے چہرے پر ہمیشہ سکون اور اپنی حیثیت کا احساس طاری تھا اور ساتھ ساتھ ماتحتی کا بھی یعنی ''ویسے میں صحیح کہہ رہا ہوں لیکن آگے آپ کی مرضی!''

جب پاپا نے ہم لوگوں کو دیکھا تو صرف اتنا بولے:

''ذرا صبر کرو'' اور سر ہلاکر اشارہ کیا کہ ہم میں سے کوئی دروازہ بھیڑ دے۔

''اوف خدایا! یہ تمہیں کیا ہوگیا ہے آجکل یاکوف؟'' انہوں نے اپنے کاندھے جھٹکتے ہوئے (یہ ان کی عادت تھی) منیم سے بات جاری رکھی ''یہ لفافہ جس میں آٹھ سو روبل ہیں...''

یاکوف نے گنتارا اٹھایا، اس پر آٹھ سو روبل کا حساب کیا، یوں ہی کسی چیز پر نگاہ گاڑ دی اور انتظار کرنے لگا کہ دیکھیں، اب آگے کیا ہوتا ہے۔

''میری غیرموجودگی میں گھر کے خرچ کےلئے ہیں، سمجھے؟ چکی سے تمہیں ایک ہزار روبل ملیںگے، ٹھیک؟ خزانے سے آٹھ ہزار کے برابر قرض ملیگا۔ بھوسے سے جس میں سے خود تمہارے کہنے کے مطابق سات ہزار پود* فروخت کرسکوگے — فرض کرو پینتالیس کوپیک کے حساب سے — تین ہزار ملینگے۔ تو اس طرح تمہارے پاس کل کتنا ہوجائیگا؟ بارہ ہزار... ٹھیک یا نہیں؟''

''بالکل ٹھیک حضور'' یاکوف بولا۔

لیکن میں نے اس کی انگلیوں کی تیز حرکت سے محسوس کرلیا کہ یہ ابھی انہیں ٹوکنےوالا ہے مگر پاپا نے اس کی بات کاٹ دی:

''تو اس میں سے تم دس ہزار روبل پیتروفسکوئے کےلئے کونسل کو بھیج دینا اور جو رقم دفتر میں ہے'' پاپا نے بات جاری رکھی (یاکوف نے گنتارے پر بارہ ہزار کے مہرے ہٹا دئے اور اکیس ہزار گن لئے) ''وہ میرے پاس لے آنا اور آج کی تاریخ میں خرچ کی مد میں دکھا دینا۔'' (یاکوف نے گنتارا پھر سے ہلایا اور اسے

---

* ایک پود ۱۶ کلوگرام کے برابر ہوتا ہے۔

الٹ کر رکھ دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اسی طرح اکیس ہزار بھی غائب ہوجائینگے) ''اس لفافے میں جو رقم ہے وہ اس پر لکھے ہوئے پتے پر میری طرف سے بھیج دینا۔''

میں میز کے نزدیک کھڑا ہوا تھا اور میں نے اپنے پر نظر ڈالی۔ لکھا تھا: ''کارل ایوانچ ماؤیر۔''

بابا نے شاید محسوس کرلیا کہ مجھے جو نہیں دیکھنا چاہئے تھا وہ میں نے دیکھ لیا کیونکہ انہوں نے میرے کاندھے پر ھاتھ رکھا اور ھلکا سا اشارہ کیا کہ میز کے پاس سے چلے جاؤ۔ مجھے معلوم نہیں کہ یہ پیار تھا یا ڈانٹ لیکن اس کا مطلب جو بھی ہو میں نے بڑے سے نسیلے ھاتھ کو پیار کرلیا جو میرے کاندھے پر رکھا ہوا تھا۔

''بہت اچھا حضور،'' یاکوف بولا ''اور خاباروفکا کی رقم کے بارے میں کیا حکم ہے؟''

خاباروفکا اسی کی جاگیر کا ایک گاؤں تھا۔

''دفتر میں دے دینا اور میری اجازت کے بغیر اس میں سے بالکل خرچ مت کرنا۔''

یاکوف کچھ سیکنڈ تو خاموش رہا، اس کے بعد اس کی انگلیاں دفعتاً بڑی تیزی سے چلنے لگیں، حکم ماننے والے کی کندذھنی جو اس کے چہرے پر برس رہی تھی اور جس سے وہ اپنے آقا کے احکام سن رہا تھا اب اس کی جگہ عیاری اور ھوشیاری کی کیفیت آگئی جو اس کے لئے فطری تھی اور اس نے گنتارے کو اپنی طرف بڑھایا اور بولنے لگا:

''مجھے عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ جو بھی جناب کی مرضی ہو مگر حضور پیوتر الکساندرووچ، کونسل کو وقت پر رقم ادا کرنا ممکن نہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا،'' وہ بہت سوچ سوچ کر کہتا رہا ''کہ قرض سے، چکی سے اور بھوسے سے رقم ملیگی...،'' (ان چیزوں کا ذکر کرتے وقت اس نے گنتارے پر ان کی رقم لگا دی) ''مجھے اندیشہ ہے کہ ھماری گنتی میں کچھ گڑبڑ ہے،'' اس نے ذرا خاموش رہ کر اور گہری فکر میں ڈوبی ہوئی نظر سے بابا کو دیکھ کر کہہ ڈالا۔

''کیوں؟''

''مجھے اجازت دیجئے کہ میں بات سمجھا سکوں حضور، جہاں تک چکی کا تعلق ہے۔ چکی والا دو مرتبہ میرے پاس زیادہ وقت مانگنے کے لئے آچکا ہے اور خدا، رسول کی قسمیں کھاتا ہے کہ اس کے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے۔ اس وقت یہیں موجود ہے۔ کیا مناسب نہ ہوگا کہ آپ بذات خود اس سے بات کرلیں؟''

''وہ کیا کہتا ہے؟'' پاپا نے پوچھا اور اپنے سر کے اشارے سے یہ ظاہر کیا کہ خود چکی والے سے بات کرنا نہیں چاہتے۔

''وہی پرانا قصہ، کہتا ہے کہ کچھ کام ہی نہیں آیا۔ جو کچھ تھوڑی بہت رقم تھی وہ بند بنانے میں لگا دی۔ اگر ہم اس آدمی کو نکال دیں، سرکار، تو کہیں پھر ایسا ہی کوئی پلے نہ پڑے ہمارے؟ اور قرض کی وصولیابی کے متعلق جو آپ نے فرمایا ہے تو میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہماری رقم وہاں پھنسی پڑی ہے اور وہ جلدی نہ مل سکے گی۔ چند دن پہلے میں نے ایوان افاناسچ کو شہر میں آٹے کی بوری بھیجی تھی اور اس سلسلے میں بھی تحریر کر دیا تھا لیکن انہوں نے پھر وہی جواب دے دیا کہ یوں تو پیوتر الکساندرووچ کے کام آنے میں مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ لیکن کیا کیا جائے معاملہ میرے ہاتھ میں نہیں ہے اور صاف نظر آ رہا ہے کہ دو مہینے سے پہلے آپ کی رسید پر وصولیابی مشکل ہی ہوگی۔ آپ نے جو بھوسے کے بارے میں فرمایا تو فرض کیجئے کہ ہم تین ہزار میں اسے بیچ دیں...''

اس نے گنتارے پر تین ہزار گنے اور لمحے بھر کو خاموش رہا۔ پھر اس نے ایک نظر گنتارے پر، ایک پاپا پر، آنکھوں سے آنکھیں ملاکر دیکھا، جس سے یہ کہنا مقصود تھا کہ ''آپ خود ہی دیکھئے نا یہ کتنی کم رقم ہے۔ اگر ہم ابھی بیچیں تو نقصان ہوگا، یہ تو آپ خود ہی جانتے ہیں...''

ظاہر تھا کہ اس کے پاس دلیلوں کا بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ لازم ہے کہ اسی وجہ سے پاپا نے اس کی بات کاٹ دی۔

''میں اپنے بندوبست میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا'' وہ بولے ''لیکن اگر یہ رقم ملنے میں واقعی کچھ دیر لگے تو پھر مجبوری ہے۔ جتنی ضرورت ہو تم خاباروفکا والی مد میں سے لے لینا۔''

''بہت اچھا حضور۔''

یاکوف کے چہرے اور اس کی انگلیوں سے ظاہر تھا کہ آخری حکم سے اسے بہت خوشی ہوئی۔

یاکوف غلام کسان تھا، بہت محنتی اور وفادار، تمام اچھے منشیوں، منیموں کی طرح وہ بھی اپنے آقا کے روپے پیسے کے معاملے میں بےانتہا کنجوس تھا اور اپنے مالک کے مفاد کے متعلق اس کے ذہن میں عجیب‌وغریب تصورات آیا کرتے تھے، ہمیشہ اس فکر میں لگا رہتا تھا کہ مالک کی جائداد بڑھائی جائے اور وہ بھی مالکن کی جائداد کے بل پر۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا کہ پیتروفسکوئے میں (جس گاؤں میں ہم رہتے تھے) مالکن کی جو جائداد تھی اس کی ساری آمدنی اس میں لگا دے۔ فی‌الحال وہ شان جتا رہا تھا کیونکہ اس کی بات قطعی طور سے مان لی گئی ہے۔

بابا نے ہمیں دعا دی اور بولے کہ اب گاؤں میں بڑے بڑے مکھیاں مارنے کا وقت گیا۔ تم لوگ اب دودھ پیتے بچے نہیں رہے اور اب لکھنے پڑھنے پر زیادہ دھیان دینا چاہئے۔

''میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں معلوم ہوگا کہ آج رات میں ماسکو جا رہا ہوں اور تم لوگوں کو اپنے ساتھ لئے جا رہا ہوں،، وہ بولے۔ ''تم لوگ اپنی نانی کے ساتھ رہنا اور اماں یہاں لڑکیوں کے ساتھ رہ جائیں‌گی اور یہ تم جانتے ہی ہو کہ انہیں ایک ہی چیز سے تسکین ملیگی یعنی یہ سن کر کہ تم لوگ اچھی طرح لکھ پڑھ رہے ہو اور سب تم سے خوش ہیں۔،،

کئی دن سے جس قسم کی تیاریاں ہو رہی تھیں اس سے ہم لوگ یہ تو سمجھ رہے تھے کہ کوئی غیرمعمولی بات ہونےوالی ہے مگر یہ خبر سن کر ہم لوگوں کو بڑا دھکا لگا۔ ولودیا کا چہرہ سرخ ہوگیا اور اس نے اماں کا پیغام کانپتی ہوئی آواز میں پہنچا دیا۔

''تو یہ ہے میرے خواب کی تعبیر،، میں نے سوچا ''خدا کرے کوئی اور اس سے بڑھ کر آفت نہ آئے۔،،

مجھے اماں پر بےحد، بےانتہا ترس آیا اور ساتھ ساتھ اس خیال سے بڑی خوشی بھی ہوئی کہ اب ہم لوگ بڑے ہوگئے ہیں۔

''ہم تو اب جا رہے ہیں، ٹھیک ہے نا، اب پڑھنا نہ پڑیگا۔ یہ تو بہت اچھا ہے،، میں نے سوچا۔ ''لیکن کارل ایوانچ پر میرا دل دکھا۔ ان کی چھٹی کردی جائےگی ورنہ ان کے لئے وہ روبلوں‌والا

لفافہ کیوں تیار کرکے رکھا جاتا۔ نہیں، زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ ہم لوگ ہمیشہ پڑھتے جائیں اور یہاں سے نہ جائیں اور اماں سے جدا نہ ہوں اور بیچارے کارل ایوانچ کو ٹھیس نہ پہنچائیں۔ وہ یوں بھی بہت دکھی ہیں!،،

میرے ذہن میں یہ خیالات چکر لگا رہے تھے اور میں اپنی جگہ خاموش کھڑا جوتوں کے کالے فیتوں کو تکے جا رہا تھا۔

کارل ایوانچ سے درجۂ حرارت میں کمی کے متعلق دو ایک باتیں کیں، یاکوف کو حکم دیا کہ کتوں کو کھانا نہ کھلاتا تاکہ دن کے کھانے سے نمٹ کر وہ باہر جا سکیں اور نوعمر شکاری کتوں کا آخری بار امتحان کرسکیں۔ پاپا نے میری توقعات کے برخلاف ہم لوگوں کو پڑھنے کےلئے واپس بھیج دیا لیکن ساتھ ساتھ یہ تسلی بھی دی کہ ہمیں شکار پر ساتھ لے چلیں گے۔

اوپر جاتے ہوئے میں برآمدے کی طرف بھاگنے لگا۔ پاپا کا عزیز شکاری کتا میلکا دروازے پر بیٹھا دھوپ میں آنکھیں جھپکا رہا تھا۔

''میلکا،، میں نے اسے تھپتھپایا اور اس کے منہ پر پیار کرکے کہا ''ہم لوگ چل دئے آج، خدا حافظ! اب کبھی ملنا نہیں ہوگا۔،،

مجھ پر ایسی رقت طاری ہوئی کہ میں رو پڑا۔

باب ۴

سبق

کارل ایوانچ اکھڑے اکھڑے نظر آرہے تھے۔ ان کے چڑھے ہوئے تیوریوں سے اور جس طرح انہوں نے اپنا کوٹ الماری کے اندر پھینکا اور جس غصے سے انہوں نے گیٹس باندھی اور گفتگو کی کتاب کے صفحے پر انہوں نے ناخن سے جس طرح گہرا نشان لگایا کہ یہاں تک زبانی یاد کرو، یہ بات بالکل ظاہر تھی۔ ولودیا بہت دل لگاکر پڑھ رہا تھا۔ لیکن میں اتنا اچاٹ تھا کہ کچھ بھی نہ کر پا رہا تھا۔ میں دیر تک احمقانہ طریقے سے کتاب کی طرف

دیکھتا رہا لیکن آنے والی جدائی کے خیال سے چوں کہ آنکھوں میں آنسو باربار آئے جا رہے تھے میں پڑھ نہ سکا۔ جب کارل ایوانچ کو سبق سنانے کا وقت آیا جو آنکھیں بند کرکے سن رہے تھے (یہ برے آثار تھے) تو جہاں ایک شخص کہتا ہے: «Wo kommen sie her?» * اور دوسرا جواب دیتا ہے: «Ich komme vom Kaffe-Hause» ** تو میں اپنے آنسو ضبط نہ کر سکا اور سسکیوں کی وجہ سے میں یہ جملہ ادا نہ کر سکا کہ «Haben sie die Zeitung nicht gelesen?» *** جب لکھنے کی باری آئی تو کاغذ پر آنسو گرنے سے ایسے دھبے پڑگئے جیسے میں ردی کاغذ پر پانی سے لکھ رہا ہوں۔

کارل ایوانچ خفا ہوگئے۔ انہوں نے مجھے مرغا بنا دیا اور بولے کہ یہ ضدی‌پن کیا ہے، بالکل کٹھ‌پتلی کا تماشہ بنا رکھا ہے (یہ ان کا بہت پسندیدہ جملہ تھا)، رولر اٹھاکر مجھے دھمکایا اور حکم دیا کہ میں ان سے معافی مانگوں حالانکہ میں آنسوؤں کی وجہ سے ایک لفظ بھی نہ بول سکا۔ آخر میں شاید انہیں احساس ہوگیا کہ وہ زیادتی کررہے ہیں کیونکہ وہ نکولائی کے کمرے میں چلے گئے اور دروازہ بھڑ سے بند کردیا۔

نکولائی کے کمرے میں جو گفتگو ہوئی وہ پڑھائی کے کمرے میں سنائی دے رہی تھی۔

”تم نے سنا نکولائی، بچے ماسکو جا رہے ہیں؟،، کارل ایوانچ نے داخل ہوتے ہی کہا۔

”ہاں سنا تو ہے،، نکولائی نے بڑے احترام سے جواب دیا۔

اس نے اٹھنا چاہا ہوگا کیونکہ کارل ایوانچ بولے: ”بیٹھ جاؤ، نکولائی!،، اور اس کے بعد انہوں نے دروازہ بند کردیا۔ میں کونے سے نکل آیا اور ان کی باتیں سننے کےلئے دروازے کے پاس پہنچ گیا۔

”لوگوں کے ساتھ چاہے جتنی بھلائی کرو ، ان سے چاہے

---

* کہاں سے آرہے ہو؟
** میں کافی ہاؤس سے آرہا ہوں۔
*** کیا تم نے اخبار نہیں پڑھا ہے؟

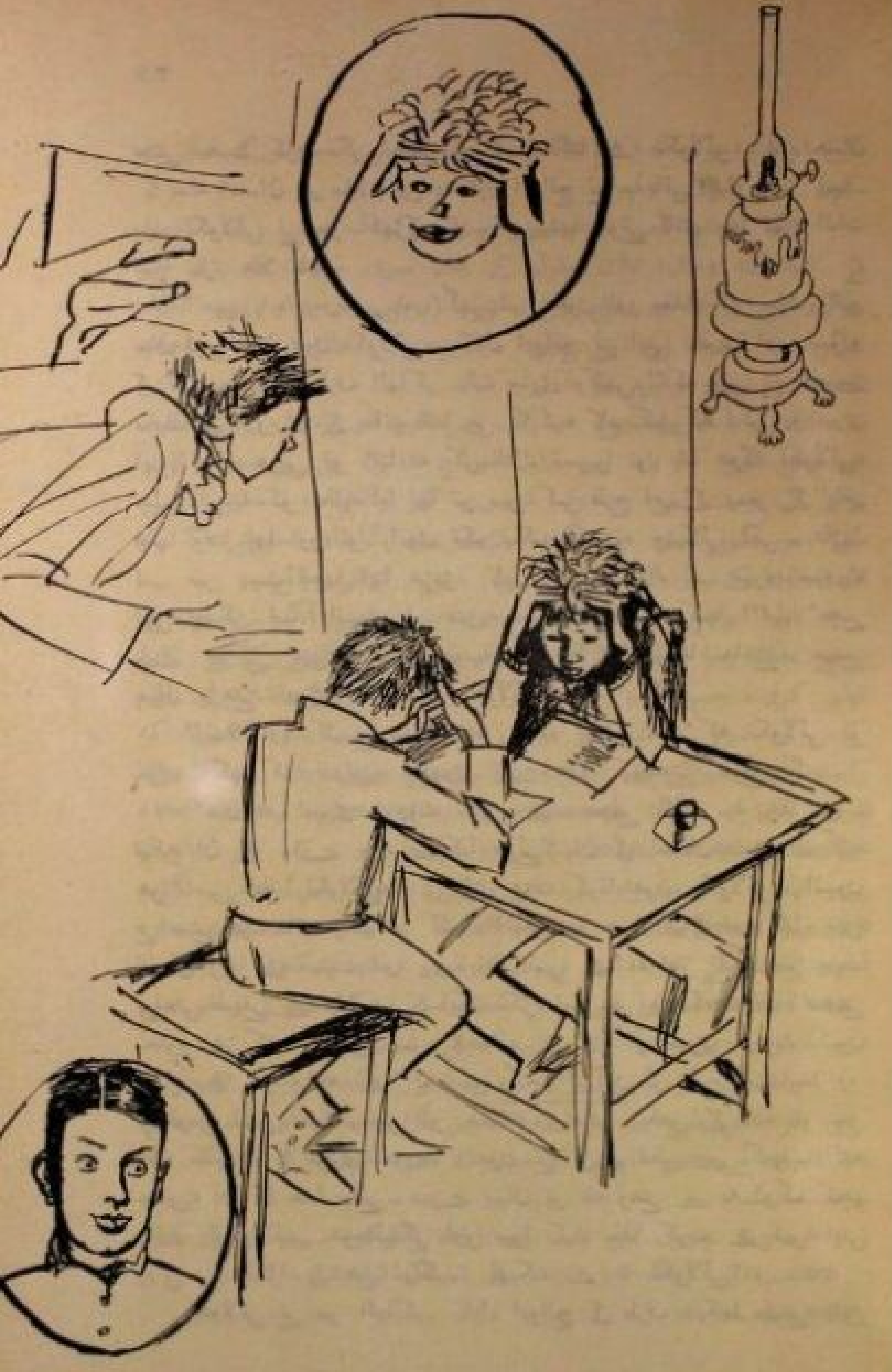

جتنی محبت کرو مگر مجھے تو ایسا لگتا ہے، نکولائی، کہ احسان کا بدلہ احسان سے ملتا نہیں،، کارل ایوانچ نے جذباتی انداز میں کہا۔

نکولائی نے جو کھڑکی کے پاس بیٹھا جوتے گانٹھ رہا تھا، اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں بارہ برس سے اس گھر میں ہوں اور خدا کو حاضروناظر جان کر کہتا ہوں نکولائی،، کارل ایوانچ نے اپنی نظریں اور نسوار کی ڈبیا چھت کی طرف اٹھا کر بات جاری رکھی ''کہ میں نے ان سے محبت کی اور ان کے ساتھ اتنا جی لگا کر کام کیا کہ اگر یہ میری اپنی اولاد ہوتی تو اتنا نہ کرسکتا۔ تمہیں تو یاد ہوگا، نکولائی، جب ولودیا کو بخار آیا تھا تو میں کس طرح اس کے بستر کے پاس بیٹھا رہتا تھا اور نو راتوں تک پلک تک نہ جھپکائی تھی۔ ہاں! تب میں بہت اچھا اپنا عزیز کارل ایوانچ تھا، تب میری ضرورت تھی۔ لیکن اب،، انہوں نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا ''اب بچے بڑے ہوگئے ہیں، انہیں خوب جی لگا کر پڑھنا چاہئے، جیسے یہاں پڑھتے تھوڑی ہی تھے نکولائی!،،

''بھلا اور کیسے پڑھا جاتا ہے،، اندازہ ہوا کہ نکولائی نے سوال رکھ کر دونوں ہاتھوں سے دھاگا کھینچتے ہوئے کہا۔

''ہاں اب میری ضرورت نہیں ہے۔ مجھے نکالا جا رہا ہے۔ لیکن ان کے سارے وعدے کیا ہوئے؟ ان کی احسان‌شناسی کا کیا ہوا؟ میں نتالیا نکولائیونا کی بڑی عزت کرتا ہوں، نکولائی،، انہوں نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا ''لیکن وہ ہیں کیا؟ اس گھر میں ان کی رائے کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں ہے!،، اور انہوں نے بہت پرمعنی طریقے سے چمڑے کا ایک ٹکڑا زمین پر پھینک دیا۔ ''مجھے معلوم ہے کہ اس میں کس کا ہاتھ ہے اور اب میری ضرورت کیوں نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میں کچھ لوگوں کی طرح خوشامد اور چاپلوسی نہیں کرتا۔ میں تو ہمیشہ سے ہر شخص کے منہ پر سچ بات کہنے کا عادی ہوں،، انہوں نے بڑے فخر سے کہا۔ ''یہ جانیں، ان کا خدا جانے۔ میرے یہاں پر نہ رہنے سے یہ لوگ کچھ بڑے رئیس نہیں ہوجائینگے اور میرا کیا، خدا کریم ہے میں اپنی روٹی کا ٹکڑا پا ہی لونگا... ٹھیک ہے نا نکولائی؟،،

نکولائی نے سر اٹھا کر کارل ایوانچ کی طرف دیکھا جیسے یقین

کرنا چاہتا ہو کہ کیا واقعی یہ اپنی روٹی کما لیں گے لیکن وہ کچھ نہیں بولا۔

کارل ایوانچ اسی انداز سے بہت دیر تک بولتے رہے۔ انہوں نے کہا کہ وہاں، فلاں جنرل کے ہاں میری خدمات کی بڑی قدر ہوئی تھی جہاں وہ پہلے رہتے تھے۔ (مجھے یہ سنکر بہت تکلیف ہوئی۔) انہوں نے اپنے وطن سکسنی، اپنے والدین، اپنے دوست Schönheit درزی وغیرہ کا ذکر کیا۔

ان کے دکھ سے مجھے ہمدردی تھی اور اس بات سے بڑی تکلیف ہو رہی تھی کہ پاپا اور کارل ایوانچ دونوں جن سے مجھے تقریباً برابر کی محبت تھی وہ ایک دوسرے کو بالکل نہ سمجھتے تھے۔ میں پھر کونے میں چلا گیا، اکڑوں بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ ان دونوں کے درمیان صلح صفائی کیسے کرائی جائے۔

کارل ایوانچ پڑھائی کے کمرے میں واپس آگئے۔ انہوں نے مجھے حکم دیا کہ کھڑے ہوجاؤ اور املا لکھنے کے لئے کاپی تیار کرو۔ جب سب کچھ تیار ہوگیا تو وہ بڑی شان سے آرام کرسی پر دراز ہوگئے اور بھاری آواز میں جو ایسا لگتا تھا کہ کہیں بڑی گہرائی سے آرہی ہے انہوں نے جرمن زبان کا املا بولنا شروع کیا: «Von al-len Leiden-schaf-ten die grau-samste ist... haben sie geschrieben?» * یہاں وہ کچھ دیر رکے اور آہستہ سے ایک چٹکی نسوار لی اور پھر زوروں میں بولنے لگے: «die grausamste ist die Undank-bar-keit... Ein grosses U». **

آخری لفظ لکھنے کے بعد میں نے ان کی طرف دیکھا کہ کچھ اور بولیں۔ «Punctum» *** وہ بہت ہی خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ بولے اور اشارے سے کہا کہ کاپی مجھے دےدو۔

اس مقولے کو جو ان کے دلی جذبات کا آئینہ‌دار تھا انہوں نے کئی بار کئی طرح سے پڑھا اور انہیں بڑا اطمینان ہوگیا۔ اس کے بعد انہوں نے ہمیں تاریخ کا سبق دیا اور کھڑکی کے نزدیک بیٹھ

---

* سارے جذبوں میں سب سے زیادہ قابل‌نفرت... لکھ لیا کیا؟

** سب سے زیادہ قابل نفرت ہے احسان فراموشی۔

*** نقطہ۔

گئے۔ ان کے چہرے پر وہ پہلے والی مردنی نہیں تھی، اب اس پر ایسے شخص کا سا اطمینان جھلک رہا تھا جس نے زیادتی کا مناسب بدلہ لے لیا ہو۔

ایک بجنے میں پندرہ منٹ رہ گئے تھے لیکن ایسا لگتا تھا کہ کارل ایوانچ کو خیال بھی نہ آیا کہ ہم لوگوں کو چھٹی دے دی جائے۔ وہ نئے نئے سبق دیتے رہے۔ تھکن اور بھوک میں ایک ساتھ برابر کا اضافہ ہوتا رہا۔ میں بڑی بےصبری کے ساتھ ان تمام چیزوں کو دیکھتا رہا جو کھانا آنے کا پتہ دے رہی تھیں۔ طشتریاں صاف کرنے کےلئے جوتا لئے ہوئے خادمہ آئی۔ اس کے بعد برتنوں کے کمرے سے کھڑکھڑاہٹ کی آواز کانوں میں پڑی۔ پھر سنائی دیا کہ میز کھسکائی جا رہی ہے اور کرسیاں رکھی جا رہی ہیں۔ اس کے بعد میمی لیوبوچکا اور کاتینکا (کاتینکا میمی کی بارہ برس کی لڑکی تھی) کو باغ سے لئے ہوئے واپس آئیں۔ لیکن بٹلر فوکا کا کوئی پتہ نہیں تھا جو ہمیشہ آکر صدا لگاتا تھا کہ کھانا تیار ہے۔ صرف اسی وقت ممکن تھا کہ ہم لوگ اپنی کتابیں پھینک پھانک کر کارل ایوانچ کا لحاظ کئے بغیر نیچے کی طرف بھاگ لیتے۔

اب زینے پر پیروں کی چاپ سنائی دینے لگی لیکن یہ فوکا نہیں تھا! میں اس کے پیروں کی چاپ سے اچھی طرح واقف تھا اور اس کے جوتوں کی چرمر ہمیشہ پہچان جاتا تھا۔ دروازہ کھلا اور ایسا شخص نمودار ہوا جسے میں بالکل نہیں جانتا تھا۔

باب ۵

جوگی

کمرے میں ایک شخص داخل ہوا جس کی عمر کوئی پچاس برس کے قریب تھی۔ چہرہ لمبوترا، زرد اور چیچک‌زدہ تھا، لمبے لمبے سفید بال اور چھدری چھدری سرخ داڑھی۔ وہ اتنا لمبا تھا کہ دروازے میں داخل ہونے کے لئے اسے نہ صرف اپنا سر بلکہ پورا جسم جھکانا پڑا۔ اس کے جسم پر پھٹا ہوا لبادہ تھا جو کفتان اور

ڈھیلے کرتے دونوں سے مشابہ تھا۔ ہاتھ میں ایک بڑا سا ڈنڈا تھا۔ کمرے میں داخل ہوکر اس نے پوری قوت سے اسے فرش پر پٹکا، بری طرح منہ کھول کر اور بھویں چڑھاکر وہ بڑے خوفناک اور غیرفطری انداز میں زور سے ہنسا۔ وہ کانا تھا اور کانی آنکھ کا دیدہ برابر پھڑک رہا تھا جس نے اس کے بدوضع چہرے کو اور بھی زیادہ کریہ المنظر بنا دیا تھا۔

''آہا! آخر مل گئے!،، وہ چلایا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاکر ولودیا کے پاس دوڑکر پہنچا، اس کا سر پکڑکر چندیا کو بہ‌غور دیکھنے لگا، اس کے بعد بہت ہی سنجیدہ چہرہ بناکر اس کے پاس سے چلا آیا، میز کے پاس پہنچا اور موم‌جامے کے نیچے پھونکیں مارکر اس کے اوپر صلیب کا نشان بنانے لگا۔ ''ہائے، افسوس! ہائے کیسے رنج کی بات! بےدرد اڑے جاتے ہیں،، اس نے ایسی آواز میں کہا جو آنسوؤں کی وجہ سے کانپ رہی تھی اور ولودیا کی طرف مسلسل تاکتا رہا اور اس نے آستین سے آنسو پونچھنا شروع کردئے جو واقعی ٹپ ٹپ کرکے گر رہے تھے۔

اس کی آواز کرخت اور سخت تھی، اس کی حرکات سے جلدبازی اور لڑکھڑاہٹ ظاہر ہوتی تھی اور اس کی گفتگو بےمعنی اور بےربط تھی۔ وہ کبھی ضمیر نہیں استعمال کرتا تھا لیکن آواز کا اتار چڑھاؤ اتنا دردانگیز تھا اور کبھی کبھی اس کے پیلے چہرے پر واقعی اتنا حزن‌وملال طاری ہوجاتا کہ اس کی بات سن کر یہ ممکن نہیں تھا کہ رحم، خوف اور افسوس کا ملاجلا احساس نہ پیدا ہو۔

یہ تھا جوگی اور سادھو گریشا۔

یہ شخص کہاں کا تھا؟ اس کے ماں باپ کون ہوں‌گے؟ کون سی چیزیں تھیں جن کی وجہ سے وہ جوگی ہوگیا؟ کسی کو کچھ پتہ نہیں تھا۔ مجھے صرف یہ معلوم تھا کہ پندرہ برس کی عمر سے جوگی مشہور ہوگیا تھا اور سردی گرمی ہر موسم میں ننگے پیر پھرا کرتا تھا، تکیوں اور خانقاہوں کے چکر لگاتا رہتا تھا اور وہاں سے مقدس شبیہیں ان لوگوں کو لاکر دیا کرتا تھا جو اسے دل سے پسند ہوتے تھے اور ایسے پراسرار الفاظ کہتا تھا جنہیں کچھ لوگ پیش گوئی سمجھ کر قبول کرلیتے تھے۔ کسی نے اسے اور کسی

شکل میں دیکھا نہیں تھا۔ وہ اکثر نانی کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ اور کچھ لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ وہ مالدار والدین کا بدقسمت بیٹا تھا اور بہت معصوم صفت اور ولی اللہ قسم کا انسان تھا۔ بعضوں کا خیال تھا کہ محض ایک گنوار اور مجہول آدمی ہے، بس۔

آخر — دیر سے جس کی آرزو کی جا رہی تھی، وہ وقت کا پابند فوکا آپہنچا اور ہم لوگ نیچے چل دئے۔ گریشا اب بھی سسکیاں بھرتا اور بےمعنی باتیں کرتا ہمارے پیچھے ہولیا اور ہر زینے پر لاٹھی پٹکتا رہا۔ پاپا اور اماں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے مہمان‌خانے میں ٹہلتے رہے۔ ماریا ایوانوونا بنی ٹھنی داہنے ہاتھ کی آرام کرسی پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ یہ آرام کرسیاں صوفے کے پاس دونوں ہاتھ پر ایک تناسب سے لگی ہوئی تھیں اور اپنے پاس بیٹھی ہوئی لڑکیوں کو سخت لیکن باوقار آواز میں جھڑک رہی تھیں۔ کارل ایوانچ کمرے میں داخل ہوئے تو انہوں نے بڑے میاں کو نظریں اٹھاکر دیکھا لیکن فوراً ہی منہ پھیر لیا اور چہرے پر ایک ایسا تاثر لےآئیں جس کے معنی شاید یہ تھے کہ ''کارل ایوانچ، میں تمہیں نظر میں نہیں لاتی ہوں''۔ لڑکیوں کی نظروں سے صاف عیاں تھا کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے وہ ہمیں کوئی بہت ہی اہم خبر دینے کےلئے بےچین ہیں لیکن اپنی جگہ سے اٹھ کر ہمارے پاس آنے میں میمی کے اصولوں کی خلاف‌ورزی ہوجاتی۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ پہلے ہم ان کے قریب جائیں، کہیں کہ «Bonjour, Mimi!» * پھر قدم پیچھے ہٹاکر جھکیں اور تب کہیں جاکر بات‌چیت کرنے کی اجازت ملے۔

یہ میمی بھی کیسی ناقابل‌برداشت ہستی تھیں! ان کی موجودگی میں یہ ہوتا تھا کہ کسی چیز کے بارے میں لب نہیں کھول سکتے: وہ ہر چیز کو بےادبی قرار دیتی تھیں۔ اس کے علاوہ ہم لوگوں کو مستقل ٹوکا کرتی تھیں کہ فرانسیسی میں بات کرو۔ اس پر گویا جھلاہٹ میں ہمارا جی چاہتا تھا کہ روسی میں ہی گپ‌شپ کئے جائیں۔ یا کھانے کے وقت جب کسی کھانے میں مزا آرہا

---

* آداب عرض، میمی۔

ہوتا اور جی چاہتا کہ اس وقت کوئی بیچ میں نہ بولے تو وہ ضرور بول پڑتی تھیں: «Mongez donc avec du pain»* یا «Comment ce que vous tenez votre fourchette?»** دل میں خیال آتا: ''بھلا ان کو ہم سے کیا واسطہ؟ یہ بس اپنی لڑکیوں کو پڑھایا کریں۔ ہماری نگرانی کےلئے ہمارے کارل ایوانچ موجود ہیں۔،، ان کو ''کچھ لوگوں،، سے جو نفرت تھی میں بھی اس میں پوری طرح ان کا ہمخیال تھا۔

''اماں سے کہو کہ ہمیں بھی شکار پر لے چلیں،، بزرگ لوگ کھانے کے کمرے میں چلے گئے تو کاتینکا نے میرا کوٹ کھینچ کر کھسر پھسر میں مجھ سے کہا۔

''اچھی بات ہے، کوشش کرینگے۔،،

گریشا نے بھی کھانے کے کمرے ہی میں کھانا کھایا مگر الگ ایک چھوٹی سی میز پر۔ اس نے اپنی طشتری پر سے نظر تک نہ اٹھائی۔ ٹھہر ٹھہر کے آہیں بھرتا اور برے برے منہ بناتا رہا اور آپ ہی آپ کچھ بدبداتا رہا: ''افسوس!.. وہ اڑ گئی... فاختہ آسمان پر اڑی جا رہی ہے... ارے قبر پر ایک پتھر ہے!،، وغیرہ وغیرہ۔

اماں صبح ہی سے ذہنی طور پر کچھ پریشان سی تھیں۔ گریشا کی موجودگی نے، اس کی باتوں اور اس کی حرکتوں نے ظاہر ہے ان کی پریشانی میں اور اضافہ کردیا۔

''ارے ہاں میں تم سے ایک بات تو پوچھنا بھول ہی گئی،، انہوں نے بابا کو شوربے کی قاب دیتے ہوئے کہا۔

''کیا بات؟،،

''اپنے خوفناک کتوں کو ضرور بند کرتے جائیے۔ وہ اسے بھنبھوڑ ہی ڈالتے، بیچارے گریشا کو جب وہ احاطے میں سے گزر رہا تھا۔ اور بچوں پر بھی جھپٹ سکتے ہیں۔،،

اپنا ذکر سن کر گریشا میز کی طرف مڑا اور اپنے کوٹ کے پھٹے ہوئے چیتھڑے دکھا کر نوالہ چباتے ہوئے بولا: ''چاہتا تھا

---

* روٹی سے لگا کر کھائیے۔

** یہ کانٹا کیسے پکڑے ہیں آپ؟

کہ بھنبھوڑ ڈالتے... خدا نے نہیں کرنے دیا... گناہ ہے کتوں کو کسی پر چھوڑنا، بڑا ہی گناہ ہے! بولشاک*، مت مارو... مارنا کیا؟ خدا معاف کردیگا... وہ دن نہیں رہے۔ ،،

''یہ کیا کہے جا رہا ہے؟،، پاپا نے اس کی طرف سختی سے گھورتے ہوئے کہا ''میری سمجھ میں خاک نہیں آتا!،،

''مگر میری سمجھ میں آتا ہے،، اماں نے جواب دیا۔ ''اس نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ کسی شکاری نے جان بوجھ کر اس پر کتے چھوڑ دئے تھے۔ اب وہی کہہ رہا ہے کہ ''چاہتا تھا کہ بھنبھوڑ ڈالتے۔ خدا نے نہیں کرنے دیا۔ ،، اب وہ تم سے درخواست کر رہا ہے کہ اس شخص کو سزا مت دینا۔ ،،

''اچھا یہ بات ہے،، پاپا بولے ''اسے کہاں سے معلوم ہوگیا کہ میں شکاری کو سزا دینا چاہتا ہوں؟ تم جانتی ہو کہ مجھے ایسے حضرات زیادہ پسند نہیں ہیں،، انہوں نے فرانسیسی میں کہا ''اور یہ آدمی تو خاص طور پر مجھے ناپسند ہے اور اسے تو...،،

''ارے ایسا نہ کہو میرے پیارے،، اماں نے ان کی بات کاٹی اور جیسے وہ کسی چیز سے ڈر گئی ہوں ''تمہیں کیا معلوم؟،،

''میرا خیال ہے کہ اس قسم کے لوگوں کے عادات و اطوار مجھے بخوبی سمجھنے کا موقع ملا ہے: تمہارے پاس ان لوگوں کا آنا جانا کب سے لگا ہوا ہے۔ ایک ہی ڈھرا ہے سب کا۔ جب دیکھو، وہی ایک ہی رٹ...،،

صاف معلوم ہوتا تھا کہ اماں اس سلسلے میں بالکل مختلف خیال کی تھیں لیکن انہوں نے بحث کرنا نہیں چاہا۔

''ذرا مجھے ایک سموسہ بڑھا دینا،، وہ بولیں ''آج کچھ اچھے بنے ہیں کیا؟،،

''نہیں، مجھے ناگوار گزرتا ہے،، پاپا نے ہاتھ میں سموسہ لے کر مگر اسے اتنی دور رکھتے ہوئے کہ اس کا ہاتھ وہاں تک نہ پہنچ سکے بات جاری رکھی ''مجھے ناگوار گزرتا ہے جب میں

---

* یہ اس کا طرزخطاب تھا۔ تمام مردوں کو وہ اس طرح پکارتا تھا۔ (تالستائی کا نوٹ)

دیکھتا ہوں کہ ذہین لوگ، پڑھے لکھے تعلیم یافتہ لوگ خود کو فریب میں پھنسا لیتے ہیں۔ ،،

اور انہوں نے اپنے کانٹے کو میز پر مارا۔

''میں نے تم سے کہا مجھے ایک سموسہ اٹھا دو،، ماں نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بات دوہرائی۔

''اور لوگ بہت ہی اچھا کرتے ہیں،، پاپا نے ہاتھ اور دور کرتے ہوئے کہا ''کہ اس قسم کے آدمیوں کو پولیس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ صرف ایک ہی صفت ہے اس قسم کے آدمیوں کی کہ جن لوگوں کے اعصاب کمزور ہوتے ہیں انہی کو اور پریشان اور بدحواس کرڈالتے ہیں،، انہوں نے مسکرا کر کہا اور اندازہ کرلیا کہ یہ گفتگو اماں کو سخت ناپسند ہے، سموسہ انہیں دے دیا۔

''اس پر میں صرف ایک بات کہتی ہوں تم سے: یہ یقین کرنا بہت مشکل ہے کہ ایک شخص ساٹھ برس کی عمر میں سردی ہو یا گرمی ننگے پاؤں پھرا کرتا ہے اور کپڑوں کے نیچے من بھر کی زنجیر پہنے رہتا ہے اور انہیں اتارنے سے انکار کرتا ہے اور جس نے ایک سے زیادہ مرتبہ آرام کی زندگی بسر کرنے کی تجویز کو رد کردیا ہو — یہ یقین کرنا بہت مشکل ہے کہ ایسا آدمی صرف کاہلی کی وجہ سے ایسا کرتا ہے۔ ،،

''اور جہاں تک پیشین گوئی کا تعلق ہے،، انہوں نے کچھ وقفے کے بعد ٹھنڈا سانس لے کر کہا '' je suis payée pour y croire* مجھے یاد پڑتا ہے میں نے تمہیں بتایا تھا کہ کیریوشا نے ابا مرحوم کو پہلے سے بتا دیا تھا کہ کس دن اور کس گھڑی ان کا انتقال ہوگا۔ ،،

''ارے تم نے یہ کیا کیا!،، پاپا نے مسکرا کر کہا اور اپنے منہ پر اس طرف سے ہاتھ رکھ لیا جدھر میمی بیٹھی تھیں۔ (جب وہ ایسا کرتے تھے تو میں پوری طرح متوجہ ہوجاتا تھا کہ اب کوئی مسخرے پن کی بات کہنے والے ہیں۔) ''تم نے اس کے ننگے پیروں کا ذکر کیوں کردیا؟ میری نظر ادھر چلی گئی اور اب مجھ سے بالکل کھایا نہیں جائیگا۔ ،،

---

* اس کا یقین میں نے یوں ہی نہیں کیا۔

کھانا قریب‌الختم تھا۔ لیوبوچکا اور کاتینکا ھماری طرف دیکھ کر مسلسل آنکھ مار رہی تھیں، کرسیوں پر بےقرار ھو رہی تھیں اور انتہائی بےچینی کا مظاھرہ کر رہی تھیں۔ آنکھ مارنے کا تو ظاھر مطلب تھا کہ ''منہ سے کہتے کیوں نہیں کہ شکار پر ھم لوگوں کو بھی لے‌چلیں؟،، میں نے ولودیا کو کہنی سے ٹھوکا دیا اور ولودیا نے مجھے ٹھوکا دیا اور وہ آخر ھمت کر ھی بیٹھا؛ پہلے اس نے شرمیلی آواز میں لیکن بعد میں کافی اعتماد اور زور سے کہنا شروع کیا کہ چونکہ آج ھم لوگ رخصت ھونےوالے ھیں اس‌لئے چاھتے ھیں کہ شکار کےلئے ھمارے ساتھ لڑکیوں کو بھی لنیئکا* میں لے‌چلئے۔ بڑوں میں کچھ مشورہ ھوا اور یہ سوال ھمارے حق میں طے ھوگیا۔ اس سے بھی زیادہ خوشی کی بات تھی کہ امی نے کہا میں بھی ساتھ چلونگی۔

باب ۶

شکار کی تیاریاں

جب کھانے کے بعد میٹھے کا دور شروع ھوا تو یاکوف کو طلب کیا گیا اور لنیئکا گاڑی کے بارے میں، کتوں کے اور سواری کے گھوڑوں کے متعلق اسے حکم دیا گیا — ھر چیز بہت تفصیل سے بتائی گئی اور ھر گھوڑے کا نام لے کر کیا گیا۔ ولودیا کا گھوڑا لنگڑا تھا۔ پاپا نے حکم دیا کہ اس کےلئے شکاری گھوڑے پر زین کسی جائے۔ یہ لفظ ''شکاری گھوڑا،، امی کے کانوں کو ھمیشہ عجیب لگتا تھا۔ انہیں ایسا لگتا تھا کہ کوئی جنگلی جانور قسم کی چیز ھوگا اور وہ ولودیا کو لے کر ضرور بھاگ جائیگا اور اسے مار ڈالیگا۔ حالاں کہ پاپا اور ولودیا نے انہیں اطمینان دلایا اور ولودیا نے تو بڑے دم خم سے یہاں تک کہہ دیا کہ اس میں کوئی بات نہیں، گھوڑے کا بگٹٹ بھاگنا خود مجھے اچھا لگتا ھے — بیچاری

---

* چار سیٹوں کی ایک خاص قسم کی گاڑی۔

اماں برابر اصرار کرتی رہیں کہ ساری تفریح بھر میں سخت پریشان رہونگی۔

کھانا ختم ہوا۔ بڑے تو کافی پینے کےلئے مطالعے کے کمرے میں چلے گئے اور ہم لوگ باغ کی طرف بھاگے اور جن روشوں پر سوکھے پتے پڑے تھے وہاں جاکر انہیں چرمر چرمر کرنے لگے۔ وہاں باتیں ہوتی رہیں کہ ولودیا "شکاری گھوڑے" پر سوار ہوگا۔ ذکر آیا کہ کتنی شرم کی بات ہے کہ لیوبوچکا کاتینکا کی طرح تیز نہیں دوڑ سکتی اور یہ کہ گریشا کی زنجیریں دیکھنے میں کتنا مزہ آئیگا، وغیرہ۔ جدائی کے متعلق ایک لفظ بھی نہ کہا گیا۔ ہماری باتوں کا سلسلہ گاڑی کے آنے کی وجہ سے ٹوٹ گیا جس کے دونوں تختوں پر ایک ایک خدمتگار لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ گاڑی کے پیچھے شکاری اپنے کتوں کے ساتھ تھے اور ان کے پیچھے کوچوان ایگنات اس گھوڑے پر بیٹھا چلا آرہا تھا جو ولودیا کےلئے تیار کیا گیا تھا اور میرے بوڑھے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے تھا۔ ہم لوگ باڑھ کی طرف بھاگے کہ ان سب دلچسپ چیزوں کو دیکھ سکیں اور اس کے بعد ہم لوگ شور مچاتے، کودتے پھاندتے اوپر پہنچے تاکہ کپڑے بدل لیں اور اس طرح کپڑے پہنیں کہ زیادہ سے زیادہ شکاری نظر آئیں۔ اس کا ایک اصلی طریقہ یہ تھا کہ اپنے پتلون کو لمبے جوتوں کے اندر ٹھونس لیا جائے۔ ہم نے یہ کام چلتے ہاتھوں کرلیا اور دوڑ کر برساتی میں پہنچے کہ کتوں اور گھوڑوں کا نظارہ کریں اور شکاریوں سے گپ ماریں۔

دن گرم تھا اور دلچسپ شکلوں کے بادل صبح سے افق پر منڈلاتے رہے تھے۔ بعد میں ہلکی سی ہوا انہیں نزدیک لےآئی یہاں تک کہ کبھی کبھی وہ سورج کو چھپا لیتے تھے۔ بادل چاہے کتنے ہی گھنگھور تھے اور جلدی جلدی دوڑ رہے تھے لیکن ظاہر تھا کہ ان سے گرج اور موسلادھار بارش نہیں ہونےوالی تھی اور نہ یہ ہمارے آخری دن کی خوشی غارت کرسکتے تھے۔ شام تک بادل غائب ہونے لگے: کچھ زرد پڑگئے اور پھیل کر افق کی طرف اڑگئے، کچھ اور بادل جو بالکل سر پر تھے، بالکل سفید شفاف ٹکڑے ہوگئے۔ صرف ایک بڑا سا سیاہ بادل مشرق کی طرف موجود تھا۔ کارل ایوانچ کو ہمیشہ معلوم ہوتا تھا کہ کس قسم

کا بادل کہاں جاتا ہے۔ انہوں نے اعلان کردیا کہ یہ بادل ماسلولنکا چلاجائیگا، بارش بالکل نہیں ہوگی اور موسم اچھا رہےگا۔

اپنی ضعیف العمری کے باوجود فوکا بڑی پھرتی سے سیڑھی سے نیچے اترا، چلا کر بولا: ''چلو!،، اور دونوں ٹانگیں پھیلائے برساتی کے بالکل بیچ میں ڈٹ کر کھڑا ہوگیا جس جگہ سے کوچوان گاڑی گزارنےوالا تھا اس کے اور دھلیز کے بالکل بیچوں بیچ۔ وہ ایسے آدمی کے انداز میں کھڑا تھا جیسے اس کا فرض یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے بعد عورتیں آئیں اور مختصر سے جھگڑے کے بعد کہ کس کو کس جگہ بیٹھنا چاہئے اور کس کا سہارا لینا چاہئے (حالانکہ سہارا لینا مجھے بالکل غیرضروری معلوم ہو رہا تھا) سب بیٹھ گئیں، اپنی اپنی چھتریاں کھولیں اور روانہ ہوگئیں۔ جب لینیکا روانہ ہوئی تو امی نے ''شکاری گھوڑے،، کی طرف اشارہ کرکے تھرتھراتی ہوئی آواز میں گاڑی‌بان سے پوچھا:

''ولادیمیر پیتروویچ کےلئے یہی گھوڑا ہے؟،،

اور جب گاڑی‌بان نے اس کی تصدیق کی تو انہوں نے ہاتھ سے کچھ اشارہ کیا اور منہ پھیرلیا۔ میں بہت بےچین تھا: اپنے گھوڑے پر بیٹھا، اس کے کانوں کے بالکل درمیان سے دیکھنے لگا اور باہر کے صحن میں مختلف قسم کی چالیں چلانے لگا۔

''دیکھئے ذرا احتیاط کیجئے کہیں کوئی کتا نہ کچل جائے،، کسی شکاری نے مجھے آگاہ کیا۔

''تم فکر مت کرو — پہلی بار گھوڑے پر نہیں چڑھا ہوں،، میں نے اکڑ کر جواب دیا۔

ولودیا ''شکاری گھوڑے،، پر سوار ہوا، بہت جری ہونے کے باوجود کچھ کانپ ضرور گیا اور اسے تھپتھپاتے ہوئے اس نے کئی بار پوچھا:

''ٹھیک تو ہے نا؟،،

وہ گھوڑے پر بیٹھا بہت حسین لگ رہا تھا، بالکل جوانوں کی طرح۔ اس کی کسی ہوئی رانیں زین پر اس طرح جم گئیں کہ مجھے دیکھ کر رشک آرہا تھا، خاص طور پر اس لئے کہ جہاں تک میں اپنے سائے کو دیکھ کر محسوس کررہا تھا تو کچھ اچھا نظر نہ آرہا تھا۔

اس کے بعد ہمیں زینے پر بابا کے پیروں کی آواز سنائی دی۔ نوعمر کتوں کے داروغہ نے شکاری کتوں کو ایک جگہ جمع کیا۔ کتوں‌والے شکاریوں نے اپنے کتے بلائے اور سوار ہونے لگے۔ سائیس گھوڑے کو برساتی کے پاس لے آیا۔ بابا کے کتے جو مختلف طریقوں سے گھوڑے کے پاس لیٹے ہوئے بہت حسین نظر آرہے تھے، کھڑے ہوگئے اور دوڑ کر ان کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے پیچھے میلکا نکل آئی جس کے گلے میں کانچ کے موتیوں کا پٹہ تھا اور اس کے لوہے کی بکل سے خوب ٹھن ٹھن آواز آرہی تھی۔ وہ جب بھی باہر نکلتی تو سارے کتوں سے سلام دعا کرتی: کچھ کے ساتھ کھیلتی کودتی، کچھ کو سونگھتی اور غراتی اور کچھ کے چیچڑیاں چنتی۔

بابا اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور ہم لوگ روانہ ہوگئے۔

باب ۷

شکار

شکاریوں کا سردار جسے ترکا کہتے تھے سب سے آگے ایک گہرے سرنگ گھوڑے پر سوار تھا۔ ایک سمور کی ٹوپی اس کے سر پر تھی، کاندھے پر ایک بڑا سا بگل تھا اور پیٹی میں ایک چاقو لگا ہوا تھا۔ اس شخص کے خوفناک اور غم‌زدہ چہرے سے فوری طور پر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ یہ شکار کے بجائے کسی خوفناک لڑائی پر جا رہا ہے۔ اس کے گھوڑے کے پیچھے پیچھے کتے چل رہے تھے جو ایک جگہ جمع ہوکر رنگارنگ غول بن گئے تھے۔ جس بدقسمت کتے نے پیچھے رہجانے کی سوچی تھی اس کی حالت بڑی دردناک تھی۔ اسے ایک ہی ڈوری میں بندھے ہوئے اپنے دوسرے ساتھی کو بھی گھسیٹنا پڑتا اور جیسے ہی وہ گھسیٹنا شروع کرتا اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے ہنٹروالوں میں سے کوئی ایک شخص اس پر کوڑا جماتا اور کہتا: ”غول میں!،،

ہم لوگ جب پھاٹک سے باہر نکل رہے تھے تو بابا نے ہمیں اور شکاریوں کو حکم دیا کہ سڑک سڑک چلو اور خود رئی کے کھیت میں ہولئے۔

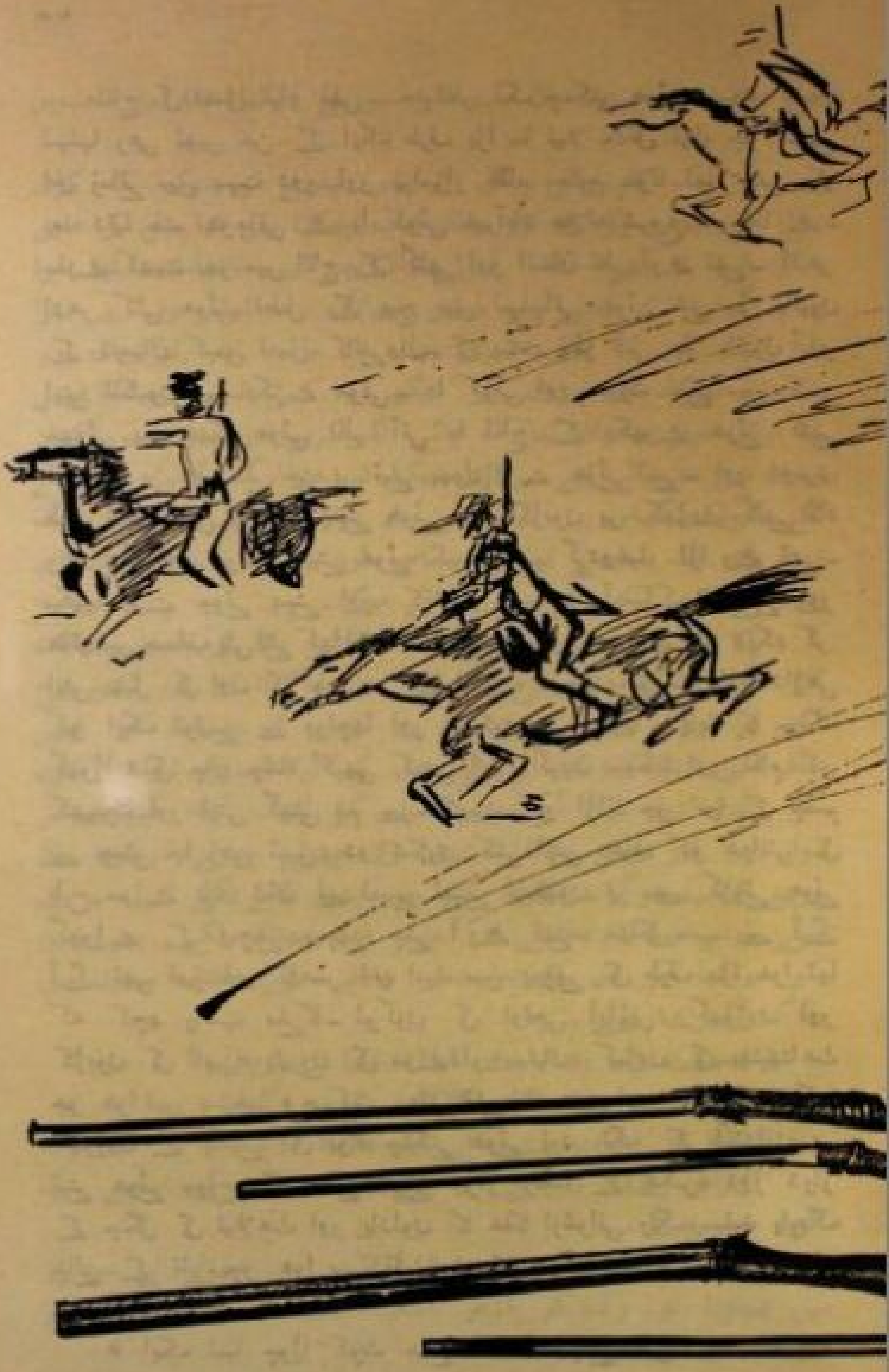

اناج کی فصل تیار تھی۔ حد نظر تک چمکتی ہوئی سنہری بالیاں لہلہا رہی تھیں جن کے ایک طرف بڑا سا نیلا جنگل تھا، جو مجھے اس زمانے میں بہت دور اور پراسرار مقام معلوم ہوتا تھا، جس کے بعد دنیا ختم ہوجاتی ہے یا کوئی غیرآباد علاقہ شروع ہوجاتا ہے۔ سارے کھیت بھر میں اناج کے گٹھے اور انسان نظر آرہے تھے۔ ادھر ادھر کٹی ہوئی فصل کے بیچ میں لہلہاتی ہوئی غلے کی بالیوں کے درمیان کسی فصل کاٹنےوالی کی پشت نظر آتی جو بالیوں کو اپنی انگلیوں میں پکڑے ہوتی۔ یا کوئی اور عورت سائے میں کسی جھولے پر جھکی ہوئی نظر آتی یا اناج کے بکھرے ہوئے گٹھے ڈنٹھلوں پر نظر آتے جن پر نیلے پھول پڑے ہوئے تھے۔ اور دوسری طرف لمبی لمبی قمیصیں پہنے ہوئے مرد گاڑیوں پر کھڑے گٹھے لاد رہے تھے اور سوکھے تپتے ہوئے کھیت میں گردوغبار اڑا رہے تھے۔ مکھیا بڑے جوتے پہنے اور کاندھے پر اپنا آرمیاک* ڈالے اور ہاتھ میں حساب پٹی لئے کھڑا تھا۔ اس نے بابا کو دور سے آتے دیکھ کر اپنی بھیڑ کی اون کی ٹوپی سر سے اتاری، سرخی مائل سر اور داڑھی کو ایک تولیے سے پونچھا اور عورتوں پر چلایا۔ بابا کا سرنگ گھوڑا دلکی چال چلتا، کبھی کبھی اپنی گردن جھکاتا اور لگام کو کھینچتا اور اپنی گھنی دم سے مکھیوں کو اڑاتا جو اس کے جسم سے چمٹی جا رہی تھیں، دو شکاری کتے اپنی دموں کو درانتی کی طرح موڑے بڑی شان سے لمبے لمبے ٹھنٹھوں پر سے گزرتے ہوئے گھوڑے کے پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے۔ میلکا سب سے آگے آگے تھی اور اس کا سر اس امید میں پیچھے کی طرف مڑا ہوا تھا کہ کچھ راتب ملےگا۔ لوگوں کی اونچی آوازیں، گھوڑوں اور گاڑیوں کی ٹاپیں، بٹیروں کی مزےدار سیٹیاں، کیڑوں کی بھنبھناہٹ جو ہوا میں بےحس وحرکت معلق تھے، افسنتین اور پیال کی مہک، گھوڑوں کے پسینے کی بو، چمکتے ہوئے زرد رنگ کے ڈنٹھلوں پر تپتے ہوئے سورج کے بنائے ہوئے ہزار رنگ کے عکس، دور دراز کے جنگل کی نیلاہٹ اور بادلوں کا ہلکا ارغوانی رنگ، سفید باریک جالے کے تار جو ہوا میں اڑ رہے تھے یا ڈنٹھلوں پر لگے ہوئے

---

* ایک لمبا چوڑا کوٹ جسے کسان پہنتے ہیں۔

تھے - ان تمام چیزوں، ان سب کو میں نے دیکھا، سنا اور محسوس کیا۔

ہم لوگ کالینووائی جنگل کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ گاڑی پہلے ہی پہونچ چکی ہے اور وہاں ایک چھکڑا بھی تھا جس کی ہمیں بالکل امید نہ تھی، ایک گھوڑےوالا جس پر خانساماں بیٹھا ہوا تھا۔ گھاس کے نیچے سے سماور جھانک رہا تھا۔ برف سے بھرا ہوا ایک لگن تھا اور دوسری بہت سی جاذب نظر ٹوکریاں اور چھابیاں تھیں۔ ان چیزوں کو دیکھ کر کسی قسم کی غلط فہمی کا امکان نہیں رہ جاتا تھا کہ چائے، آئس کریم اور پھل ہمیں کھلے میدان میں ملنےوالے تھے۔ گاڑی دیکھ کر ہم لوگ خوشی سے چلانے لگے کیونکہ گھاس پر کھلے میں بیٹھ کر چائے پینے کو ہم لوگ بہت بڑی بات سمجھتے تھے اور خاص طور پر ایسی جگہ جہاں اس سے پہلے کبھی کسی نے چائے نہ پی ہوگی۔

ترکا اس چھوٹے سے جنگل میں آیا، رکا اور پاپا کی تفصیلی ہدایات کو سنتا رہا کہ کس طرح سب کو ہنکوا کرنا ہے اور کس طرح شکار پر جھپٹنا ہے (اصل بات یہ ہے کہ وہ ان ہدایات کو کبھی خاطر میں نہیں لاتا تھا اور اپنے دل کی کرتا تھا)۔ اس نے کتوں کو چھوڑ دیا، بہت آرام سے تسموں کو ٹھیک کیا، گھوڑے پر سوار ہوا اور سیٹی بجاتا سفیدے کے چھوٹے چھوٹے درختوں کے پیچھے غائب ہوگیا۔ شکاری کتے جو چھوڑ دئے گئے تو سب سے پہلے خوشی سے دم ہلانے اور جسم پھٹ پھٹانے لگے۔ پھر زمین کو سونگھا اور اس کے بعد دمیں ہلاتے ہوئے مختلف سمتوں میں بھاگ کھڑے ہوئے۔

''تمہارے پاس رومال ہے کیا؟،، پاپا نے پوچھا۔

میں نے جیب سے رومال نکالا اور انہیں دکھایا۔

''اچھا تو اس بھورے کتے کے باندھ دو۔،،

''ژیران کے؟،، میں نے اس طرح دریافت کیا گویا مجھے سب کچھ معلوم ہے۔

''ہاں اور ذرا راستے پر دوڑ لگاؤ۔ جب چھوٹےوالے سبزہ‌زار میں پہنچنا تو رک کر ادھر ادھر دیکھنا۔ خرگوش لئے بغیر میرے پاس مت لوٹنا۔،،

میں نے اپنا رومال ژیران کی جھبری گردن میں باندھ دیا اور بڑی تیزی سے مقررہ جگہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ پاپا ہنسے اور مجھے آواز دی:

''جلدی کرو، جلدی، نہیں تو دیر ہوجائیگی۔''

ژیران رک رک کر کان کھڑے کرتا اور شکاریوں کی آہٹ سنتا۔ میں اسے پوری قوت سے کھینچ رہا تھا لیکن اس وقت تک اسے گھسیٹ نہ سکا جب تک چلا کر نہیں کہا: ''ہاتو! ہاتو!'' پھر تو وہ اس زور کے ساتھ جھپٹا کہ میں مشکل سے اسے روک سکا اور اس جگہ پہونچنے سے پہلے کئی مرتبہ گرا۔ ایک بڑے سے شاہبلوط کے درخت کے نیچے سائےدار، ہموار جگہ تلاش کرکے میں گھاس پر لیٹ گیا اور ژیران کو اپنے نزدیک ہی لٹاکر انتظار کرنے لگا۔ جیسا کہ ایسی صورتوں میں ہمیشہ ہوتا ہے میرا تصور حقیقت سے کہیں آگے پہونچ گیا۔ تصور میں میں اب تیسرے خرگوش کا پیچھا کررہا تھا اور عین اسی وقت پہلے کتے نے شکار کو دیکھ کر بھونکنا شروع کیا۔ ترکا کی آواز جنگل میں زیادہ تیز اور جاندار معلوم ہو رہی تھی۔ کوئی کتا غرایا اور پھر یہ آواز جنگل میں باربار آنے لگی۔ اس کے بعد ایک اور زیادہ بھاری آواز اس میں شامل ہوگئی اور اس کے بعد تیسری اور پھر چوتھی... کبھی یہ آوازیں دب جاتیں اور کبھی پھر بلند ہوکر ایک دوسرے کی آواز کو کاٹنے لگتیں۔ آوازیں تیز سے تیزتر اور مسلسل ہوتی گئیں، یہاں تک کہ یہ سب مل کر ایک لگاتار ہنگامہ‌خیز شور میں بدل گئیں۔ جنگل آوازوں سے بھرگیا اور شکاری کتے جانوروں کا تعقب کرنے اور زور زور سے بھونکنے لگے۔

اس کو سن کر میں جہاں تھا وہیں جم کر رہ گیا، جنگل کے کنارے نظریں جماکر بلا کسی خیال کے مسکرانے لگا۔ میں پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ حالانکہ پسینے کے قطرے میری ٹھوڑی کے نیچے ٹپکنے میں گدگدی پیدا کر رہے تھے لیکن میں نے پسینہ پونچھا نہیں۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس لمحے سے زیادہ فیصلہ کن کوئی اور وقت نہ ہوگا۔ انتظار کی یہ حالت اتنی سخت تھی کہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکتی تھی۔ شکاری کتوں کی آوازیں کبھی جنگل کے کنارے سے آنے لگتیں اور کبھی دور ہوجاتیں

لیکن کوئی خرگوش نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ ژیران بھی اسی حالت میں تھا — پہلے تو اس نے دم سمیٹی اور غرایا، پھر میرے پاس لیٹ گیا، میرے گھٹنوں پر ناک رکھ لی اور خاموش ہو گیا۔

شاہبلوط کے جس درخت کے نیچے میں بیٹھا تھا، اس کی ننگی جڑوں کے چاروں طرف بھوری سوکھی مٹی پر شاہبلوط کے خشک پتوں، زردی مائل سبز کائی، جمی ہوئی خشک لکڑیوں اور گھاس کی باریک سبز پتیوں کے درمیان لاتعداد چیونٹیاں گتھی ہوئی تھیں اور ایک دوسرے کے پیچھے اپنے بنائے ہوئے راستوں پر تیزی سے دوڑی جا رہی تھیں — کچھ تو لدی پھندی تھیں اور بعض خالی جا رہی تھیں۔ میں نے ایک ڈالی ہاتھ میں لیکر ان کا راستہ روک دیا۔ یہ بات بھی عجیب تھی کہ کچھ تو تمام خطرات کو حقارت سے ٹھکرا کر اس کے اوپر یا نیچے چڑھ گئیں اور دوسری، خاص طور پر جن کے پاس سامان تھا، پریشان معلوم ہوتی تھیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں۔ وہ رکیں اور راستہ تلاش کرنے لگیں یا واپس مڑ گئیں یا ڈالی پر چڑھ کر میرے ہاتھ پر پہونچ گئیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ میرے جیکٹ کی آستین کے نیچے سے چلی جائیں۔ زرد پروں والی ایک تتلی نے اس دلچسپ منظر کی طرف سے میری توجہ ہٹائی جو میری آنکھوں کے سامنے بڑے لبھا لینےوالے انداز میں اڑ رہی تھی۔ میں جیسے ہی اس کی طرف متوجہ ہوا وہ دو تین قدم دور ہٹ گئی، جنگلی گھاس کے تقریباً مرجھائے ہوئے سفید پھول پر منڈلانے لگی اور اس پر بیٹھ گئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ دھوپ تاپ رہی تھی یا اس گھاس سے رس چوس رہی تھی لیکن یہ بات بالکل ظاہر تھی کہ اس کو بڑا مزا آرہا تھا۔ کبھی کبھی وہ اپنے پروں کو پھڑپھڑاتی اور پھول سے اور چمٹ جاتی اور بالآخر بالکل خاموشی سے بیٹھ گئی۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا اور مزے لےلے کر اسے دیکھنے لگا۔

ژیران ایک دم سے بھونکا اور مجھے اتنی زور سے گھسیٹا کہ میں گرتے گرتے بچا۔ نظر اٹھائی تو جنگل کے کنارے ایک خرگوش چوکڑیاں بھرتا جا رہا تھا۔ ایک کان نیچے کی طرف لٹکا تھا اور دوسرا کھڑا ہوا۔ خون میرے سر تک دوڑ گیا اور ذرا

دیر کو ہر چیز بھول کر میں بے طرح چلایا، کتے کو چھوڑ دیا اور اس کے پیچھے بھگا۔ لیکن ایک ہی لمحے بعد مجھے ایسا کرنے پر بہت افسوس ہو رہا تھا۔ خرگوش دبکا، چھلانگ ماری اور میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

لیکن مجھے اصل ندامت تو اس وقت ہوئی جب شکاری کتوں کے پیچھے پیچھے جو بھونکتے ہوئے جنگل کے کنارے تک آگئے تھے، جھاڑی کے پیچھے سے ترکا بھی نمودار ہوا۔ اس نے میری غلطی دیکھ لی تھی (جو یہ تھی کہ میں نے خود کو قابو میں نہیں رکھا) اور میری طرف ملامت سے دیکھ کر بولا: ''واہ مالک!،، کیسے بتاؤں کہ اس نے یہ کس طرح کہا۔ کاشکہ وہ یہ کہنے کے بجائے مجھے اپنی کاٹھی میں کسی خرگوش کی طرح لٹکا لیتا تو مجھے اتنا گراں نہ گزرتا۔

میں بہت دیر تک اسی جگہ بہت غمزدہ رہا۔ میں نے کتے کو بھی آواز نہیں دی اور اپنی رانوں پر ہاتھ مارنے اور باربار یہ کہنے کے علاوہ کچھ نہ کرسکا: ''اف، خدایا، میں نے یہ کیا کیا!،،

کتوں کے اور آگے دوڑنے کی آواز میرے کانوں میں آئی۔ جنگل کی دوسری طرف کو کتے شکار پر بھونک رہے تھے اور خرگوش مار لیا تھا اور ترکا اپنے بڑے نرسنگھے کے ذریعے کتوں کو بلا رہا تھا۔ لیکن میں پھر بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

باب ۸

کھیل

شکار ختم ہوا۔ سفیدے کے نوخیز درختوں کے سائے میں فرش بچھا دیا گیا اور سب لوگ جمع ہو گئے۔ خانساماں گاوریلو اپنے پاس کی بڑی بڑی گھاس کو پیروں سے روندتا ہوا طشتریاں صاف کررہا تھا اور پتوں میں لپٹے ہوئے آلوچے اور خوبانیاں جھابے سے نکال رہا تھا۔ سفیدے کے نوخیز درختوں کی ہری شاخوں میں سے

سورج جھانک رہا تھا اور وہاں بچھی ہوئی دری پر، میرے پیروں پر اور گوریلو کے گچھے چمکتے ہوئے پسینے سے بھیگے ہوئے سر پر طرح طرح کی آڑی ترچھی لکیریں بنا رہا تھا۔ ٹھنڈی فرحت‌بخش ہوا پتوں میں ہوکر آرہی تھی اور میرے بالوں اور گرم چہرے سے کھیل رہی تھی۔

جب ہم آئس کریم اور پھل کھا چکے تو پھر فرش پر بیٹھے بیٹھے کیا کرتے چنانچہ سورج کی آڑی لیکن گرم کرنوں کے باوجود ہم اٹھ کھڑے ہوئے اور کھیلنے چل دئے۔

''اب کونسا کھیل ہوگا؟،، لیوبوچکا نے دھوپ کی وجہ سے پلکیں جھپکاتے اور گھاس پر اچھلتے ہوئے کہا۔ ''آؤ رابنسن کھیلیں!،،

''نہیں... اس میں مزا نہیں آتا،، ولودیا نے کاہلی سے گھاس پر لوٹتے ہوئے کہا۔ ''ہمیشہ وہی رابنسن! اگر کھیلنا ہی ہے تو آؤ کنج بنا لیں۔،،

بالکل صاف تھا کہ ولودیا شان کی لے رہا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ شکاری گھوڑے پر سواری کرکے فخر محسوس کررہا تھا اور بہانہ کر رہا تھا کہ میں تھک گیا ہوں۔ یا شاید یہ بات ہو کہ اس کے پاس پختہ خیالات تو بہت تھے مگر رابنسن کے کھیل سے لطف اندوز ہونے کےلئے جس تخیل کی ضرورت ہوتی ہے، وہ کم تھا۔ اس کھیل میں «Robinson Suisse»* کے مختلف مناظر پیش کئے جاتے تھے جسے ہم لوگوں نے بہت دن نہیں ہوئے کہ پڑھا تھا۔

''نہیں... ہماری خوشی کیوں نہیں کرتے تم؟،، لڑکیوں نے اصرار کیا۔ ''اس میں Charles بن جاؤ یا Ernest یا باپ، جو جی چاہے بن جاؤ،، کاتینکا نے اس کے کوٹ کی آستین پکڑ کر زمین سے اٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں بھئی، میں نہیں کھیلونگا۔ اس میں لطف نہیں آتا،، ولودیا اور پھیل گیا اور خودپسندی سے مسکرانے لگا۔

''اگر کسی کو کھیلنا نہیں تھا تو اچھا تھا کہ وہ گھر پر ہی بیٹھے رہتا،، لیوبوچکا روھانسی ہوگئی۔

وہ بڑی رونی تھی۔

---

* ''سوئٹزرلینڈ کا خاندان رابنسن۔،،

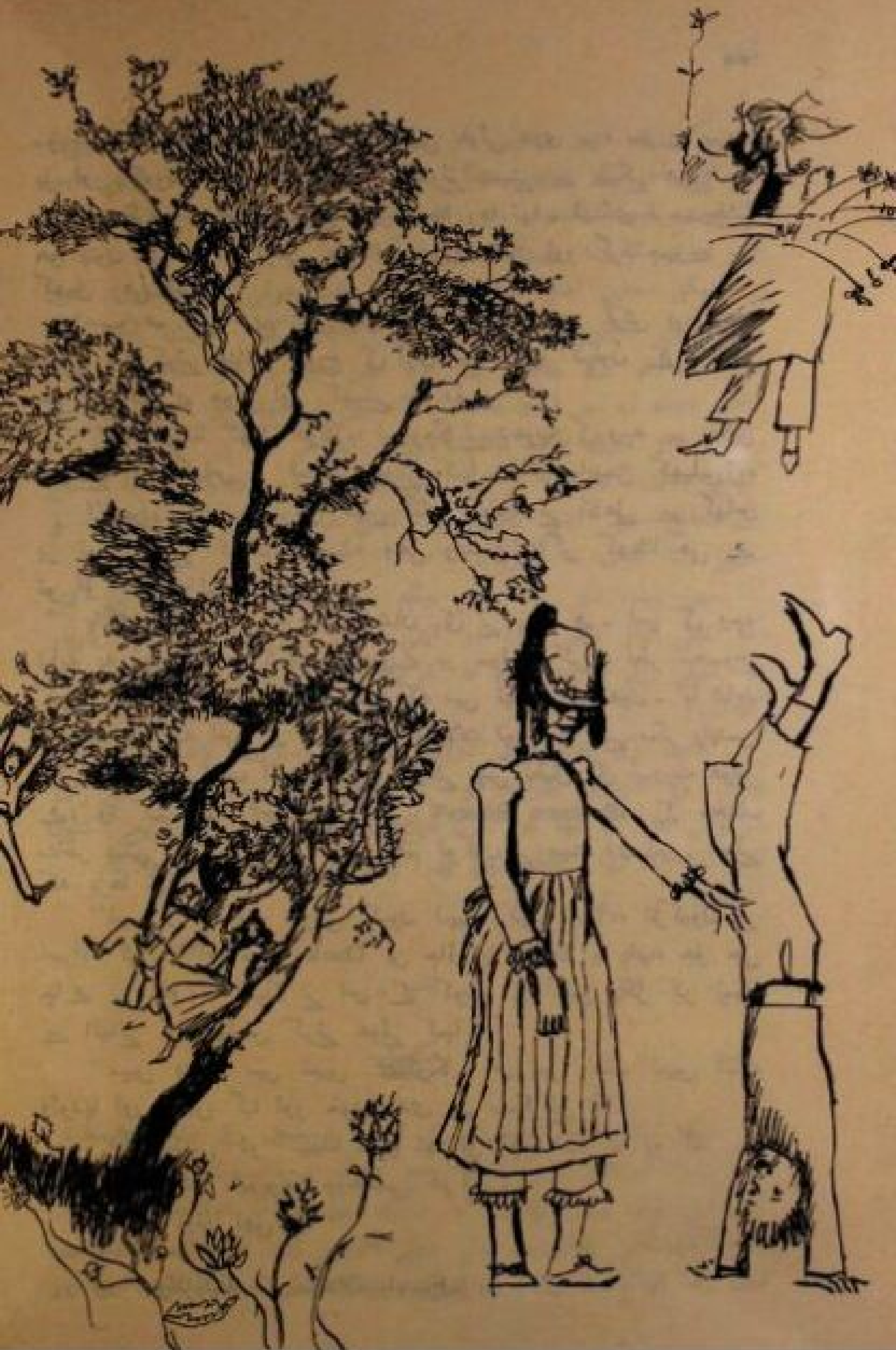

''اچھا بھئی چلو مگر دیکھو روؤ مت، میں رونا برداشت نہیں کر سکتا۔ ''

ولودیا کی رضامندی سے ہم لوگ کچھ زیادہ مطمئن نہیں ہوئے۔ اس کے برخلاف اس کے اکتائے ہوئے سست انداز نے کھیل کا سارا مزا کرکرا کردیا۔ جب ہم لوگ زمین پر بیٹھ گئے اور یہ تصور کرکے کہ اب ہم لوگ مچھلی کے شکار پر کشتیوں پر روانہ ہو رہے ہیں، پوری طاقت سے کشتیاں کھینا شروع کیں تو ولودیا کو ضد آگئی، میں تو ہاتھ باندھے ہی بیٹھونگا۔ وہ ایسے انداز میں بیٹھا جس سے مچھیرے کو تو کوئی نسبت ہو نہیں سکتی۔ میں نے یہ بات اس سے کہہ دی لیکن اس نے الٹ کر جواب دیا کہ تم لوگ چاہے بہت ہاتھ ہلاؤ چاہے کم ہاتھ ہلاؤ، اس سے نہ ہار ہوگی نہ جیت اور ہم آگے جانے سے تو رہے۔ بیدلی کے ساتھ میں نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ کھیل میں جب فرض کیا گیا کہ میں شکار پر جا رہا ہوں اور کاندھے پر ایک لکڑی رکھ کر جنگل کی طرف چلا تو ولودیا چت لیٹ گیا اور ہاتھ سر کے نیچے رکھ کر بولا کہ سمجھ لو میں بھی تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔ اس کی ان حرکتوں نے اور اسی قسم کی باتوں نے کھیل سے ہم لوگوں کا دل اچاٹ کردیا، خاص طور پر اس‌لئے کہ دل ہی دل میں ہم لوگ یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے کہ ولودیا کہتا تو ہے عقل کی بات۔

مجھے معلوم تھا کہ لکڑی سے چڑیا کو مارنا تو دور رہا گولی بھی نہیں چلائی جا سکتی۔ یہ تو محض کھیل تھا۔ اگر اس طرح جانچنے لگو تو پھر کرسیوں پر بھی سواری نہیں کر سکتے۔ لیکن میں نے سوچا کہ خود ولودیا کو یاد ہونا چاہئے کہ سردیوں کی لمبی شاموں کو ہم لوگ کس طرح ایک آرام کرسی پر کپڑا لپیٹ کر اسے گھوڑاگاڑی بنایا کرتے تھے اور ہم میں سے ایک کوچوان بن کر بیٹھتا تھا اور دوسرا پیچھے خدمتگار کی طرح کھڑا رہتا تھا، لڑکیاں بیچ میں بیٹھا کرتی تھیں اور تین کرسیوں کو تین گھوڑے فرض کیا جاتا تھا — اور ہم لوگ سفر پر روانہ ہوجاتے تھے۔ راستے میں ہم لوگوں کو کتنی مہمیں سر کرنی ہوتی تھیں! اگر حقیقت کے پیچھے پڑو تو بس کھیل ہو چکا۔ اور اگر کھیل نہیں رہا تو پھر رہا کیا؟..

باب ۹

پہلی محبت ہو جیسے

ایسا تصور کرکے جیسے وہ کوئی امریکی پھل توڑنے جا رہی ہو لیوبوچکا نے درخت سے ایک بڑا سا پتا توڑ لیا جس پر تتلی کا کیڑا چمٹا ہوا تھا۔ اس نے ڈر کر پتا وہیں زمین پر چھوڑ دیا، ہاتھ اوپر اٹھائے اور اچھل کر ہٹ گئی جیسے اسے یہ ڈر ہو کہ کہیں اس میں سے زہر کی چھینٹ نہ پڑ جائے۔

کھیل رک گیا اور ہم سب لوگ سر جوڑ کر اس عجیب وغریب چیز کو دیکھنے لگے۔

میں کاتینکا کے کاندھے کے اوپر سے دیکھ رہا تھا کہ وہ کیڑے کو ایک پتے پر اٹھانے کی کوشش کر رہی ہے جو اس کے راستے میں رکھ دیا تھا۔

میں نے دیکھا تھا کہ بہت سی لڑکیوں کو یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ ایک خاص انداز سے کاندھے اچکا اچکا کر کھلے گلے کی فراکوں کو جو نیچے کھسک جاتی ہیں، ٹھیک بٹھاتی ہیں۔ مجھے یہ بھی یاد تھا کہ اس حرکت سے میمی ہمیشہ خفا ہوتی تھیں اور کہتی تھیں: C'est un geste de femme de chambre*۔ کاتینکا نے کیڑے پر جھکے جھکے یہی حرکت کی اور اسی وقت ہوا نے اس کی گوری گردن سے رومال اٹھا دیا۔ اس کا ننھا سا کاندھا میرے ہونٹوں سے صرف دو انگل دور تھا۔ میری نظر اب کیڑے کی طرف نہیں تھی بلکہ میں کاتینکا کے شانے کو دیکھ رہا تھا، دیکھتا رہا اور ایک دم پوری قوت سے میں نے اسے پیار کرلیا۔ وہ بالکل نہیں مڑی لیکن میں نے دیکھا کہ اس کی گردن بلکہ کانوں تک کا رنگ سرخ ہوگیا۔ ولودیا نے سر اٹھائے بغیر حقارت سے کہا:

''یہ کیا پیار ہے؟''

لیکن میری آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

میں کاتینکا کی طرف سے نظریں نہ ہٹا سکا۔ بہت عرصے سے اس

---

* ماماؤں کی سی حرکت!

کے تروتازہ گورے گول چہرے کا عادی ہوگیا تھا اور ہمیشہ سے اسے پسند کرتا تھا۔ لیکن اب میں نے اسے اور غور سے دیکھنا شروع کیا اور مجھے اور بھی زیادہ اچھا معلوم ہوا۔

جب ہم لوگ بزرگوں کے پاس پہنچے تو پاپا نے ہمیں بڑی خوشی کی بات سنائی کہ اماں کی درخواست پر ہمارا جانا کل صبح تک کےلئے ملتوی کردیا گیا ہے۔

ہم لوگ گاڑی کے ساتھ ساتھ گھوڑوں پر سوار ہوکر چل دئے۔ ولودیا اور میں گھڑسواری کی مہارت میں ایک دوسرے پر سبقت لےجانے کی کوشش کرتے ہوئے گاڑی کے پاس ہی گھوڑے دوڑاتے رہے۔ میرا سایہ پہلے سے زیادہ لمبا تھا اور اس سے اندازہ لگاکر میں نے تصور کیا کہ میں بہت اچھا گھڑ سوار معلوم ہوتا ہوں۔ لیکن اطمینان کا یہ احساس اس کے بعد کے واقعے کی وجہ سے جلد ہی ختم ہوگیا: گاڑی میں بیٹھے ہوئے تمام لوگوں کو پوری طرح متوجہ کرنے کےلئے میں کچھ پیچھے رہ گیا اور اس کے بعد کوڑے اور مہمیز کے ذریعہ میں نے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا دیا اور طے کیا کہ لاپرواہی کی آن کے ساتھ جس طرف کاتینکا بیٹھی ہے ادھر سے آندھی طوفان کی طرح گزر جاؤنگا۔ لیکن عین اسی وقت جب میں یہ فیصلہ کر رہا تھا کہ خاموشی سے گزرنا بہتر ہوگا یا گزرتے وقت آواز دینا بہتر ہوگا، بدتمیز گھوڑا جتے ہوئے گھوڑوں کے پاس پہونچتے ہی اچانک اس طرح رک گیا کہ میں زین پر سے قلابازی کھاکر اس کی گردن پر پہنچا اور نیچے گرتے گرتے بچا۔

باب ۱۰

میرے والد کس قسم کے انسان تھے؟

وہ گذشتہ صدی کے انسان تھے اور ان کا کردار دلاوری، اختراع پسندی، خود اعتمادی، شائستگی اور عیاشی کا وہ ناقابل توضیح مجموعہ تھا جو اس دور کے نوجوانوں میں عام تھا۔ وہ موجودہ

نسل کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اس نظر کی ایک وجہ اگر پیدائشی غرور تھی تو دوسری وجہ دل ہی دل میں یہ خفگی بھی کہ ہمارے زمانے میں ان کا نہ اتنا اثر رہ گیا تھا اور نہ ویسی فتوحات باقی تھیں جیسی اپنے زمانے میں انہیں حاصل تھیں۔ تاش اور عورتیں ان کی زندگی کے بڑے شوق تھے۔ اپنی زندگی میں انہوں نے تاش کے کھیلوں سے لاکھوں کمائے تھے اور ہر قماش کی بےشمار عورتوں سے تعلقات رکھے تھے۔

دراز اور بارعب قد، چھوٹے چھوٹے قدموں کی عجیب سی چال، کاندھے اچکانے کی عادت، چھوٹی چھوٹی آنکھیں جو ہمیشہ مسکراتی رہتی تھیں، بڑی شکرے کی سی ناک، ہونٹوں کی ساخت بگڑی ہوئی یعنی جن میں تناسب کی کمی تھی مگر مڑتے اس طرح تھے کہ اس سے خوشگوار اثر پڑتا تھا۔ تلفظ میں کچھ خرابی تھی اور سر کا بڑا حصہ بالکل صفاچٹ تھا۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا تو والد کا یہی حلیہ دیکھا اور اس حلیے میں نہ صرف یہ کہ وہ ایک à bonnes fortunes* آدمی مشہور تھے اور تھے بھی واقعی بلکہ بلا استثنا سب لوگوں میں پسند کئے جاتے تھے، تمام طبقوں اور پیشوں کے لوگوں میں اور خاص طور پر ان میں جن کے لئے وہ پسندیدہ ہونا چاہتے تھے۔

انہیں ہر شخص کو قابو میں کرنا آتا تھا۔ حالانکہ ان کا تعلق کسی وقت بھی بہت اونچے درجے کے لوگوں سے نہیں رہا لیکن ان کی آمد و رفت انہی حلقوں میں رہتی تھی اور وہ ایسی تکڑ میں لڑایا کرتے تھے کہ سب ان کی عزت کریں۔ انہیں معلوم تھا کہ خودداری اور خوداعتمادی میں اعتدال کی وہ حد کون سی ہے جہاں تک دوسروں کو ناراض کئے بغیر دنیا کی نگاہوں میں سر بلندی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ان میں جدت کا مادہ تھا لیکن ہر موقع پر نہیں اور جدت کو وہ کبھی کبھی نجابت یا دولت کے بدلے استعمال کیا کرتے تھے۔ دنیا کی کوئی چیز انہیں حیرت‌زدہ نہ کر سکتی تھی۔ ان کا رتبہ چاہے جتنا بلند ہوجائے ایسا لگتا تھا کہ وہ اس کے لئے بنے ہیں۔ ان کی اس صلاحیت پر تو رشک آتا

---

* خوش قسمت۔

تھا کہ زندگی کے تاریک پہلو کو جس کی سب کو خبر ہوتی تھی، اس کی تمام گھٹیا الجھنوں اور پریشانیوں کو دوسروں سے چھپا کر اپنے سے دور رکھتے تھے۔ وہ ان تمام چیزوں کو خوب گہرائی تک جانتے تھے جن سے راحت ملتی ہے یا لطف اٹھایا جا سکتا ہے اور ان سے پوری طرح فائدہ اٹھانا بھی جانتے تھے۔ انہیں اونچے لوگوں سے اپنے تعلقات پر بڑا فخر تھا جن میں سے کچھ تو میری ماں کے رشتے سے انہیں حاصل ہوئے اور کچھ نوجوانی کے زمانے کے ساتھیوں کے ذریعے جن سے انہیں دلی بغض تھا کیونکہ وہ سب کے سب اونچے عہدے پر پہونچ گئے تھے اور وہ خود صرف گارڈ کے لفٹننٹ ہی ہوکر رہ گئے تھے۔ دوسرے تمام سابق فوجی افسروں کی طرح انہیں بھی فیشن کے مطابق کپڑے پہننا نہ آتا تھا، پھر بھی ان کے لباس میں جدت اور دلکشی کی شان ہوتی تھی۔ ان کے کوٹ ہمیشہ ڈھیلے اور ہلکے ہوتے تھے، قمیص وغیرہ بہترین کپڑے کی ہوتی تھیں اور ان کے بڑے بڑے کف اور کالر مڑے رہتے تھے۔ واقعہ یہ تھا کہ وہ جو بھی پہنتے تھے ان کے گٹھے ہوئے جسم، بےبالوں‌والے سر اور متین اور پراعتماد چال ڈھال پر زیب دیتا تھا۔ وہ بہت حساس تھے اور بڑی آسانی سے رو پڑتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ زور زور سے پڑھتے ہوئے کسی دلخراش منظر پر پہونچ کر ان کی آواز بھرا جاتی اور آنکھوں میں آنسو آجاتے اور وہ پریشان ہوکر کتاب رکھ دیتے۔ انہیں موسیقی سے محبت تھی اور خود ہی پیانو بجا کر اپنے ایک دوست ”الف“ کے لکھے ہوئے رومانی گیت، خانہ‌بدوشوں کے گیت اور کچھ اوپیرا دھنیں گایا کرتے۔ لیکن پکے گانوں کی دھنوں سے ان کو دلچسپی نہیں تھی اور رائےعامہ کی پروا کئے بغیر وہ بہت کھلے طور پر کہہ دیا کرتے تھے کہ بیتھووین کے سوناٹا (نغمے) سن کر ان پر نیند اور تھکن سوار ہونے لگتی ہے اور وہ روسی لوک گیت ”میری بالی عمریا، مجھے نا جگاؤ“ جیسے سیمونووا نے گایا ہے اور بنجارن تانیوشا کے گائے ہوئے گیت ”میں اکیلی نہیں ہوں“ سے بہتر گانے نہیں جانتے۔ وہ اس مزاج کے لوگوں میں سے تھے جو اپنے اچھے اعمال کا سب کی نظروں میں آنا ضروری سمجھتے ہیں اور وہ صرف انہیں چیزوں کو اچھا سمجھتے تھے جنہیں پبلک اچھا کہہ دے۔

ان کے کچھ اخلاقی اعتقاد بھی تھے یا نہیں اس کا صرف خدا کو علم تھا۔ ان کی زندگی میں ایسے نوع بنوع مشاغل تھے کہ ان کے متعلق سوچنے کے لئے ان کے پاس وقت ہی نہ تھا اور وہ ایسی خوش اوقات زندگی گزارتے تھے کہ اس کے سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی تھی۔

وہ جوں جوں بوڑھے ہوتے گئے، چیزوں کے متعلق ان کا نظریہ مستقل ہوتا گیا اور اصول اٹل ہوتے گئے لیکن ان کی بنیاد خالص دنیاداری کی تھی۔ جن اعمال اور طریق زندگی سے انہیں مسرت اور لطف حاصل ہوتا تھا انہیں وہ اچھا سمجھتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ ہر شخص بہرحال ان کی پیروی کریگا۔ وہ گفتگو بہت لچھے دار کرتے تھے اور میرا خیال ہے کہ اس خوبی نے ان کے اصولوں کی لچک میں اضافہ کردیا تھا: وہ ایک ہی عمل کو بہت ہی پیاری شرارت بھی ثابت کرسکتے تھے اور گری ہوئی بدمعاشی بھی۔

باب ۱۱

مطالعے کے کمرے اور مہمان خانے کی مصروفیت

ہم لوگ گھر پہونچے تو اندھیرا ہو چکا تھا۔ امی پیانو بجانے بیٹھ گئیں اور ہم بچے اپنے اپنے کاغذ، پنسلیں اور رنگ لے آئے اور گول میز کے گرد بیٹھ کر تصویریں بنانے لگے۔ میرے پاس صرف نیلا رنگ تھا پھر بھی میں نے شکار کی تصویریں بنانی شروع کیں۔ جلد ہی میں نے ایک نیلے رنگ کا لڑکا بنا لیا جو نیلے گھوڑے پر سوار تھا اور کچھ نیلے کتے بھی۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ نیلا خرگوش بھی بنانا چاہئے یا نہیں اور میں بھاگا بھاگا مطالعے کے کمرے میں پہونچا کہ پاپا سے پوچھوں۔ پاپا پڑھ رہے تھے اور انہوں نے میرے سوال کا کہ ''کیا خرگوش نیلے بھی ہوتے ہیں؟،، سر اٹھائے بغیر جواب دیا: ''ہاں بیٹے، ہوتے ہیں،،۔ میں پھر گول میز پر پہونچ گیا اور ایک نیلا خرگوش

بنا ڈالا۔ پھر میں نے ضروری سمجھا کہ نیلے خرگوش کو جھاڑی میں بٹھایا جائے۔ لیکن جھاڑی مجھے اچھی نہیں معلوم ہوئی اسلئے میں نے درخت بنا دیا اور درخت کو پوال کے ڈھیر میں بدل دیا اور پوال کے ڈھیر کو بادل بنا دیا اور آخر میں نیلے رنگ سے میں نے کاغذ کی وہ درگت بنائی کہ جھلا کر اسے پھاڑ ڈالا اور بڑی سی آرام کرسی پر لیٹ گیا کہ کچھ سو لوں۔

امی فیلڈ کا دوسرا کنسرٹ بجا رہی تھیں جو ان کے استاد رہ چکے تھے۔ میں اونگھ گیا اور خواب کی سی کیفیت میں ہلکی سی روشن اور بڑے تعجب کی یادیں ابھر آئیں۔ اس کے بعد انہوں نے بیتھوون کا نغمۂ غم بجانا شروع کیا اور مجھے کوئی داس اور دردبھری چیز یاد آئی۔ چونکہ امی یہ دو دھنیں اکثر بجایا کرتی تھیں اسلئے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ مجھ میں کون سے جذبات جگا دیتی تھیں۔ یہ جذبہ ہوتا تھا کہ کچھ یاد آرہا ہے۔ لیکن کس چیز کی یاد؟ کسی ایسی چیز کی جو کبھی تھی ہی نہیں۔

میری نظروں کے سامنے ہی مطالعے کے کمرے کا دروازہ تھا اور میں نے دیکھا کہ یاکوف اندر داخل ہوا اور کچھ لوگ اور تھے کفتان پہنے اور ڈاڑھیاں رکھے۔ ان کے اندر جاتے ہی دروازہ فوراً بند ہوگیا۔ ''اب کام کی بات شروع ہوگی!،، میں نے سوچا۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کمرے میں جو لین دین ہوتا ہے اس سے زیادہ اہم دنیا میں اور کوئی کام نہیں ہے۔ میرے اس خیال کی تصدیق اس بات سے بھی ہوتی تھی کہ جو شخص بھی مطالعے کے کمرے میں داخل ہوتا وہ دبے پاؤں داخل ہوتا اور زیرلب باتیں کرتا۔ وہاں سے پاپا کی ہاٹ دار آواز آتی اور سگاروں کی بو جو نہ جانے کیوں میرا دل اپنی طرف کھینچتی تھی۔ آرام کرسی میں اونگھتے ہی اونگھتے مجھے خانساماں کے کمرے میں قدموں کی جانی پہچانی سی چاپ سنائی دی۔ کارل ایوانچ چہرے پر غم اور فیصلہ دونوں کے آثار لئے اور ہاتھ میں کچھ کاغذات اٹھائے دبے پاؤں دروازے تک آئے اور بہت آہستہ کھٹکھٹایا۔ انہیں اندر بلا لیا گیا اور دروازہ پھر زور سے بند ہوگیا۔

''کاش کوئی آفت نہ آئے،، میں نے دل ہی دل میں کہا۔ ''کارل ایوانچ غصے میں ہیں وہ کچھ کر سکتے ہیں۔،،

میں بھر اونگھ گیا۔

لیکن کوئی سانحہ نہیں پیش آیا۔ کوئی گھنٹہ بھر بعد مجھے پھر اسی چاپ نے جگا دیا۔ کارل ایوانچ مطالعے کے کمرے سے نکلے تو رومال سے آنکھیں پونچھتے ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ کچھ بڑبڑاتے ہوئے اوپر چلے گئے۔ ان کے بعد پاپا نکلے اور مہمان خانے میں چلے آئے۔

''جانتی ہو میں نے ابھی ابھی کیا فیصلہ کیا؟،، انہوں نے اماں کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر خوشی سے بھری آواز میں کہا۔

''کیا، کیا فیصلہ کیا، دوست؟،،

''کارل ایوانچ کو بچوں کے ساتھ لیتا جاؤنگا۔ کھلی گاڑی میں ان کے لئے جگہ ہے۔ وہ لوگ ان سے ہلے ہوئے بھی ہیں اور وہ بھی ان لوگوں سے بہت مانوس ہیں۔ سات سو روبل سال سے کچھ خاص فرق نہیں پڑتا۔ Et puis au fond c'est un très bon diable.''*

میری سمجھ میں نہ آیا کہ آخر پاپا کارل ایوانچ کے متعلق اس قدر گرے ہوئے لفظ کیوں استعمال کر رہے ہیں۔

''مجھے بہت خوشی ہوئی،، اماں بولیں ''بچوں کے خیال سے بھی اور ان کے خیال سے بھی۔ بہت اچھے بڑے میاں ہیں۔،،

''جب میں نے کہا کہ یہ پانچ سو روبل تم تحفے کے طور پر رکھ لو تو دیکھنےوالا تھا کہ وہ کتنا متاثر ہوا! لیکن سب سے زیادہ دلچسپ چیز تو یہ حساب ہے جو اس نے ابھی ابھی مجھے دیا ہے۔ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے،، انہوں نے مسکرا کر کہا اور کارل ایوانچ کی لکھی ہوئی ایک فہرست انہیں پکڑا دی ''بہت دلچسپ ہے۔،،

فہرست میں یہ لکھا تھا:

''بچوں کےلئے دو مچھلی کے کانٹے — ستر کوپک۔

''تحفے کے ڈبے بنانے کےلئے رنگین کاغذ، سنہری گوٹ اور سریش — چھ روبل پچپن کوپک۔

''کتاب اور تیر کمان، بچوں کو تحفہ — ۸ روبل ۱٦ کوپک۔

''نکولائی کےلئے پتلون — چار روبل۔

---

* چلو، کیا ہے! بھلا مانس ہے اپنی ذات سے، کم بخت!

''سونے کی گھڑی پیوتر الکساندرووچ نے ۱۸۰۰ء میں ماسکو سے لانے کا وعدہ کیا ہے۔ ایک سو چالیس روبل۔
''تنخواہ کے علاوہ کارل ساؤیر کی واجب رقم۔ ایک سو انسٹھ روبل اناسی کوپک۔ ،،

اس فہرست میں کارل ایوانچ نے نہ صرف تحفوں پر خرچ کی ہوئی رقم کا مطالبہ کیا تھا بلکہ جس تحفے کا ان سے وعدہ کیا گیا تھا اس کی رقم بھی مانگی تھی۔ اسے پڑھنے والا یہ سوچیے گا کہ کارل ایوانچ بہت لالچی اور بڑے سنگ دل خود غرض قسم کے انسان ہونگے!۔ لیکن یہ سمجھنا بالکل غلط ہے۔

جب وہ مطالعے کے کمرے میں ہاتھ میں فہرست اور ذہن میں تقریر لئے ہوئے داخل ہوئے تو ان کا ارادہ تھا کہ بابا کے سامنے بہت ہی وضاحت سے بیان کر دینگے کہ اس گھر میں مجھے کیا کچھ سہنا پڑا ہے۔ لیکن جب انہوں نے پرتاثیر آواز میں بات شروع کی اور آواز میں وہ پراثر اتار چڑھاؤ شروع ہوا جو ہمیں املا بولتے وقت استعمال کرتے تھے تو اپنی قوت گویائی سے وہ خود اتنا متاثر ہوگئے کہ اس جگہ پہونچ کر جب انہیں یہ کہنا تھا کہ ''بچوں سے جدا ہونا تو یقیناً میرے لئے انتہائی تکلیف دہ ہے،، تو جذبات امنڈ پڑے، ان کی آواز بھرا گئی، انہیں اپنا دھاری دار رومال جیب سے نکالنا پڑا۔

''جی ہاں پیوتر الکساندرووچ،، انہوں نے رندھی ہوئی آواز میں کہا (یہ حصہ تیارشدہ تقریر میں نہیں تھا) ''بچوں سے اتنا مانوس ہو گیا ہوں کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان کے بغیر کیا کرونگا۔ مجھے بغیر تنخواہ ہی کے رہنے دیجئے،، انہوں نے ایک ہاتھ سے آنسو پونچھتے اور دوسرے سے بل دیتے ہوئے کہا۔

میں چونکہ کارل ایوانچ کی نرم دلی سے واقف ہوں اسلئے ان کے خلوص کی شہادت دے سکتا ہوں لیکن یہ بات اب تک راز بنی ہوئی ہے کہ آخر انہوں نے ان الفاظ اور اس بل کو ایک ساتھ ملایا کس طرح۔

''اگر آپ کو اتنی تکلیف ہے تو مجھے آپ سے الگ ہوتے اور بھی زیادہ دکھ ہوتا،، بابا نے ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے رائے بدل دی ہے۔ ،،

کھانے سے کچھ دیر پہلے گریشا کمرے میں داخل ہوا۔ گھر میں داخل ہونے کے بعد سے اب تک اس نے ٹھنڈی سانس بھرنا اور رونا بند نہ کیا تھا اور جو لوگ اس کی پیشین گوئی کا اعتقاد رکھتے تھے ان کا ماتھا ٹھنک گیا تھا کہ اس گھر پر کوئی مصیبت ضرور آنےوالی ہے۔ آخر وہ یہ کہہ کر جانے لگا کہ میرا ارادہ ہے کہ کل رخصت ہو جاؤں۔ میں نے ولودیا کو آنکھ ماری اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

''کیا بات ہے؟،،

''اگر تم گریشا کی زنجیریں دیکھنا چاہتے ہو تو چلو اوپر مردانے میں چلیں۔ گریشا دوسرے کمرے میں سوتا ہے، گودام سے ہر چیز اچھی طرح نظر آجائیگی۔،،

''بہت خوب یہیں ٹھیرو، میں لڑکیوں کو بلا لاؤں۔،،

لڑکیاں بھاگی بھاگی باہر آئیں اور ہم لوگ اوپر پہونچ گئے۔ تھوڑی دیر کی بحث کے بعد کہ کسے پہلے جانا چاہئے ہم لوگ اندھیرے گودام میں گھس کر بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے۔

باب ۱۲

گریشا

تاریکی سے ہم سب خائف تھے۔ ہم ایک دوسرے سے سٹ کر چپکے بیٹھ گئے۔ گریشا فوراً ہی دبے پاؤں اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ایک ہاتھ میں لٹھ تھا اور دوسرے میں ایک موم‌بتی جو پیتل کے شمعدان میں رکھی ہوئی تھی۔ ہم لوگوں نے دم سادھ لیا۔

''خداوند یسوع مسیح! خداوند یسوع کی مقدس ماں! باپ بیٹا اور روح القدس!،، وہ یہ الفاظ اپنے اوپر دم کر رہا تھا اور اس کی آواز میں ایسا اتار چڑھاؤ اور اختصار تھا جیسا ان لوگوں میں ہوتا ہے جو ان الفاظ کو اکثر دوہرایا کرتے ہیں۔

دعا مانگتے مانگتے اس نے اپنی لاٹھی کونے میں لٹا دی، بستر

پر نظر ڈالی اور کپڑے اتارنے لگا۔ اس نے اپنی پرانی سیاہ پیٹی کھولی، پھٹا ہوا نان کین کا لبادہ اتارا، بڑی احتیاط سے اسے تہہ کیا اور کرسی کی پشت پر ڈال دیا۔ اس کے چہرے پر اب وہ گھبراہٹ اور بےعقلی کی کیفیت نہیں تھی جو ہر وقت موجود رہتی تھی۔ اس کے برخلاف وہ بہت متین اور اداس بلکہ وجیہ نظر آرہا تھا۔ اس کی حرکات آہستہ سنبھلی ہوئی اور سوچی سمجھی لگتی تھیں۔

صرف اپنے زیریں لباس میں وہ سکون سے بستر پر بیٹھ گیا، اس پر ہر طرف صلیب کے نشان بنانے اور قمیص کے نیچے اپنی زنجیریں ٹھیک کیں (ایسا لگا کہ مشکل سے کیونکہ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے)۔ وہاں کچھ دیر تک بیٹھے رہنے اور اپنے کپڑے کے چھیدوں کو بغور دیکھنے کے بعد وہ اٹھا، شمع کو اس کونے کی سطح تک بلند کیا جس میں کئی مقدس شبیہیں رکھی ہوئی تھیں اور کچھ دعا پڑھ کر اس نے ان کے سامنے کھڑے ہوکر اپنے اوپر صلیب کے نشان بنائے اور شمع کو بالکل الٹ دیا۔ شمع بھڑکی اور بجھ گئی۔

جو کھڑکیاں جنگل کی طرف کھلتی تھیں ان میں تقریباً پورا چاند چمک رہا تھا۔ اس مجذوب کے درازقامت سفید حلیے کے ایک جانب سے زرد اور سیمیں چاندنی کی چھوٹ پڑ رہی تھی تو دوسری طرف اس کا لمبا اجلا سایہ فرش اور دیواروں پر کھڑکیوں کے کٹھروں کے سائے میں مل کر چھت تک پہونچتا تھا۔ چوکیدار کے ڈنڈے کی آواز نیچے احاطے سے آرہی تھی۔

اپنے بڑے بڑے ہاتھ سینے پر باندھے، سر جھکائے گریشا مقدس شبیہوں کے سامنے خاموشی سے کھڑا مسلسل ٹھنڈے سانس بھر رہا تھا۔ اس کے بعد وہ مشکل سے گھٹنوں کے بل جھکا اور عبادت کرنے لگا۔

پہلے تو اس نے وہی جانی‌پہچانی دعائیں پڑھیں، صرف چند الفاظ پر زور دیتا گیا۔ اس کے بعد اس نے انہیں دوہرایا لیکن اونچی آواز میں اور زیادہ خضوع و خشوع کے ساتھ۔ اس نے خود اپنے الفاظ استعمال کرنے شروع کردئے اور بظاہر بڑی کوشش سے سلاف زبان میں بولنے لگا۔ اس کے الفاظ بےربط لیکن پرتاثیر تھے۔ اس نے اپنے

تمام محسنوں کےلئے دعا کی (جو بھی اسے اپنے ہاں رکھتے تھے انہیں وہ اسی نام سے پکارتا تھا) جن میں امی بھی تھیں اور ہم بھی۔ اس نے اپنے لئے دعا مانگی کہ گناہ کبیرہ بخش دے اور پھر کہا: ''خدایا میرے دشمنوں کو معاف کردے!،، اس کے بعد کراہ کر اٹھا اور اپنے الفاظ کو باربار دوھراتا ہوا وہ پھر زمین پر گر پڑا اور زنجیروں کے بوجھ کے باوجود پھر کھڑا ہوگیا جن کے زمین سے ٹکرانے میں ایک خشک اور تیز جھنکار پیدا ہوتی تھی۔

ولودیا نے میرے پیر میں بری طرح چٹکی کاٹی لیکن میں نے مڑکر دیکھا تک نہیں۔ میں نے صرف ایک ہاتھ سے وہ جگہ کھجائی اور طفلانہ حیرت، ہمدردی اور عقیدت کے ساتھ گریشا کے ہر لفظ اور حرکت کی طرف متوجہ رہا۔

گودام میں داخل ہوتے وقت مجھے جس تماشے اور ہنسی کھیل کی توقع تھی اس کے بجائے اس وقت کپکپاہٹ محسوس ہونے لگی اور دل ڈوبنے سا لگا۔

گریشا پر بہت دیر تک جذبے کا یہ عالم اور زبانی دعاؤں کا دورہ طاری رہا۔ وہ باربار دوھراتا: ''خدایا رحم کر،، لیکن ہر بار نئی قوت اور انداز سے کہتا۔ ''خدایا مجھے بخش دے، مجھے بتا کہ میں کیا کروں، خدایا! مجھے بتا کہ میں کیا کروں خدایا!،، اس انداز سے کہتا جیسے اسے امید ہو کہ ان الفاظ کا فوراً جواب ملیگا۔ کبھی کبھی صرف غمناک بین کی آواز آتی۔ اس کے بعد وہ گھٹنوں کے بل کھڑا ہوگیا، سینے پر ہاتھ باندھ لئے اور خاموش ہوگیا۔

میں نے آہستہ سے سر دروازے سے باہر نکالا اور دم سادھے رہا۔ گریشا خاموش بیٹھا رہا۔ جیسے ٹھنڈی سانسوں سے اس کا سینہ پھٹا جا رہا تھا۔ اس کی بےنور آنکھ کے دھندلے سے دیدے میں ایک آنسو تھا جو چاندنی میں چمک رہا تھا۔

''جا، تیرا کہا ہوگا!،، وہ دفعتاً چیخا اور چہرے پر ناقابل بیان تاثر پیدا ہوا، چیخا، ماتھے کے بل زمین پر گر پڑا اور بچوں کی طرح سسک کر رونے لگا۔

اس وقت سے اب تک بہت زمانہ گزر چکا ہے۔ ماضی کی بےشمار یادیں میرے لئے اپنی اہمیت کھو چکی ہیں، مبہم اور ناقابل شناخت ہوگئی ہیں، جیسے خواب ہوں۔ خود گریشا کو بھی اپنی

آخری زیارت کئے ایک زمانہ گزر چکا ہے۔ لیکن مجھ پر اس نے جو نقش چھوڑا اور مجھ میں جو احساس جگایا وہ میرے ذہن سے کبھی نہیں مٹ سکتا۔

اے عظیم عیسائی گریشا! تیرا ایمان اتنا پختہ تھا کہ تو خدا کی قربت محسوس کر سکتا تھا۔ تیری محبت اتنی بےپایاں تھی کہ الفاظ تیرے ہونٹوں سے خودبخود نکلتے تھے — تو اپنے عقل وفہم سے ان کو تولتا نہیں تھا۔ اور تو نے اس کی عظمت کو کتنا بلند کردیا جب الفاظ نہ ملے تو اپنے آپ کو آنسوؤں میں ڈبو کر زمین پر گرا دیا!

میں گریشا کی باتیں جس عقیدت کے جذبے سے سن رہا تھا وہ بہت دیر تک قائم نہ رہا۔ اول تو میرے تجسس کو تسکین ہو گئی تھی اور دوسرے ایک طرح بیٹھے بیٹھے میرے پاؤں سن ہوگئے تھے۔ اس لئے میں اس کھس پھس اور دوسری حرکتوں میں شامل ہونا چاہتا تھا جن کی آواز میری پشت پر اندھیرے گودام سے آرہی تھی۔ کسی نے میرا ہاتھ پکڑا اور چپکے سے کہا: ”یہ کس کا ہاتھ ہے؟“ اندھیرا بہت تھا لیکن اس لمس اور آواز سے میں پہچان گیا کہ یہ کاتینکا ہے۔

بالکل غیرشعوری طور پر میں نے اس کا بازو پکڑلیا جس کی آستین صرف کہنی تک تھی اور اسے اپنے ہونٹوں سے لگایا۔ کاتینکا کو بڑا اچنبھا ہوا ہوگا کیونکہ اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور جھٹکتے وقت اس کا ہاتھ ایک ٹوٹی ہوئی کرسی سے لڑگیا جو کمرے میں رکھی ہوئی تھی۔ گریشا نے سر اٹھایا، چاروں طرف دیکھا اور دعا پڑھتے ہوئے کمرے کے تمام کونوں میں صلیب کے نشان بنانے لگا۔ ہم لوگ بھدبھد کرتے اور آپس میں زور زور سے سرگوشیاں کرتے گودام سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

باب ۱۳

نتالیا ساویشنا

گذشتہ صدی کے کوئی وسط کا زمانہ ہوگا جب ایک چھوٹی سی لڑکی نتاشکا (نتالیا) پھٹی پرانی فراک پہنے ننگے پاؤں خاباروفکا گاؤں

سی گھر گھر پھرا کرتی تھی۔ لیکن تھی ھنس مکھ، گول مٹول سی لال لال گالوں‌والی لڑکی۔ لڑکی کا باپ ساوا الغوزہ بجانےوالا تھا۔ اس لڑکی کے باپ کی خدمات اور اس کی درخواست کا خیال کرکے میرے نانا اسے اوپر لے گئے یعنی میری نانی کی ماماؤں میں اس کو جگہ دیدی گئی۔ ملازمہ کی حیثیت سے نتاشکا بہت نیک طبیعت اور محنتی ثابت ہوئی۔ جب امی پیدا ہوئیں اور ایک آیا کی ضرورت ہوئی تو یہ خدمت نتاشکا کے سپرد ہوئی۔ اور اس نئی خدمت میں اپنی محنت اور اپنی نوعمر مالکہ سے وفاداری اور محنت کے صلے میں اس کی تعریف بھی ہوئی اور انعام بھی ملے۔

لیکن ہٹے کٹے نوجوان خانساماں فوکا کے پاؤڈروالے بالوں، موزوں اور بکسُوں نے جسے اپنے کام کی وجہ سے نتالیا سے اکثر ملنا پڑتا تھا، اس کا سخت ایکن محبت سے بھرپور دل جیت لیا۔ محبت کے نشے میں وہ خود ناناجان کے پاس پہنچی اور فوکا سے شادی کی اجازت مانگی۔ نانا نے اس درخواست کو احسان‌فراموشی تصور کیا۔ اس کی درخواست مسترد کردی اور بیچاری لڑکی کو سزا دینے کےلئے گاؤں بھیج دیا جو کہیں دور استیپی میدان میں تھا کہ وہاں جا کر گائیں چرائے۔ لیکن چونکہ اس کی جگہ لینےوالا کوئی نہ تھا اس لئے چھہ مہینے بعد نتالیا کو پھر اس کے سابق فرائض پر واپس بلا لیا گیا۔ واپس آکر وہ پھر میرے نانا کے پاس پہونچی، ان کے پیروں پر گر پڑی اور گڑگڑانے لگی کہ پھر مجھ پر عنایت اور نوازش کی جائے اور میری حماقت کو بھلا دیا جائے اور اس نے قسم کھائی کہ اب ایسی حماقت پھر نہ کرونگی اور وہ بات کی پکی نکلی۔

اس دن سے نتاشکا نتالیا ساویشنا ہو گئیں اور ٹوپ پہننے لگیں۔ ان کے پاس محبت کا جتنا کچھ ذخیرہ تھا وہ انہوں نے اپنی ننھی مالکن کےلئے وقف کردیا۔

جب بعد میں ایک استانی نے ان کی جگہ لی تو انہیں گھر کا منتظم بنا دیا گیا اور سارے کپڑے اور کھانے پینے کی چیزیں ان کی تحویل میں دے دی گئیں۔ انہوں نے ان نئے فرائض کو بھی اسی محنت سے انجام دیا۔ انہیں صرف اپنے مالک کی ملکیت کی فکر رہتی تھی، ہر طرف فضول خرچی، بربادی اور چوری نظر آتی اور ان سب چیزوں کی مخالفت کرنا اپنا اولین فرض سمجھتی تھیں۔

جب امی کی شادی ہوئی تو نتالیا ساویشنا کی بیس برس کی خدمت اور خاندان سے محبت کا صلہ دینے کے لئے انہوں نے انہیں بلایا اور اپنی محبت اور شکرگذاری کو بڑے لچھےدار انداز میں بیان کرکے انہیں ایک سرکاری دستاویز دی جس میں اعلان تھا کہ نتالیا ساویشنا اب آزاد عورت* ہیں۔ اور یہ بھی کہہ دیا کہ ان کو تین سو روبل سالانہ وظیفہ ملیگا چاہے وہ ہمارے یہاں ملازمت کرتی رہیں یا نہ کریں۔ نتالیا ساویشنا یہ سب کچھ خاموشی سے سنتی رہیں۔ پھر دستاویز کو اپنے ہاتھ میں لیکر اسے غصے سے دیکھا، زیرلب کچھ بڑبڑائیں اور بھڑ سے دروازہ بند کرتی ہوئی کمرے سے بھاگ گئیں۔ اس عجیب‌وغریب حرکت کی وجہ سے پریشان ہوکر امی نتالیا ساویشنا کے کمرے میں پہونچیں۔ دیکھا کہ وہ اپنے صندوق پر بیٹھی ہیں، آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، انگلیوں سے رومال مروڑ رہی ہیں اور اپنے آزادی کے پروانے کے پھٹے ہوئے ٹکڑوں کو بغور دیکھ رہی ہیں جو ان کے سامنے زمین پر بکھرے ہوئے تھے۔

''کیوں، بات کیا ہے، نتالیا ساویشنا پیاری؟''، امی نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیکر پوچھا۔

''کچھ نہیں بی‌بی''، انہوں نے جواب دیا۔ ''میں آپ کو کسی وجہ سے بری معلوم ہوتی ہونگیں، تبھی تو اپنے گھر سے نکال دینا چاہتی ہیں آپ۔ اچھا میں چلی جاؤنگی۔''

انہوں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور مشکل سے آنسو ضبط کئے اور کمرے سے اٹھ کر جانے ہی والی تھیں کہ امی نے ان کو روک لیا، گلے لگایا اور دونوں مل کر خوب روئیں۔

مجھے جب سے کچھ چیزیں یاد ہیں اس وقت سے نتالیا ساویشنا اور ان کی محبت اور پیار خوب یاد ہے۔ لیکن اس کے باوجود اب جاکر میں ان کی قدروقیمت پہچان سکا ہوں۔ اس وقت یہ بات میرے ذہن میں کبھی نہ آئی کہ یہ بوڑھی عورت کتنی عدیم‌المثال اور زبردست شخصیت کی مالک تھی۔ نہ صرف یہ کہ انہوں نے کبھی اپنے متعلق بات نہ کی بلکہ ایسا لگتا تھا کہ اپنے متعلق سوچتی

---

* یاد رہے کہ یہ ذکر زرعی غلامی کے زمانے کا ہے۔

تک نہیں تھیں۔ ان کی زندگی سرتاپا محبت اور قربانی تھی۔ ہم لوگوں سے ان کی شفقت‌آمیز، بےلوث محبت کا میں اتنا عادی تھا کہ تصور بھی نہ ہوتا تھا کہ ان کے علاوہ بھی کچھ ہو سکتا ہے، ان کا بالکل احسان‌مند نہ ہوتا تھا اور کبھی اپنے سے سوال نہ کرتا تھا کہ یہ خوش اور مطمئن بھی ہیں یا نہیں۔

کسی نہ کسی بہانے سے میں اکثر سبق میں سے بھاگ نکلتا اور ان کے کمرے میں گھس جایا کرتا تھا۔ وہاں ان کی موجودگی سے ذرا بھی جھجک نہ ہوتی تھی اور باآواز بلند خیالی پلاؤ پکایا کرتا۔ وہ ہمیشہ کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتیں: یا تو موزے بنتی رہتیں یا صندوقوں کو صاف کیا کرتیں جو ان کے کمرے میں بھرے ہوئے تھے یا کپڑوں کا حساب کرتی ہوتیں اور کام کرتے وقت میں جو بھی بکواس کرتا اسے سنتی رہتیں: ''جب میں جنرل ہو جاؤں‌گا تو لاجواب خوب‌صورت عورت سے شادی کرونگا، اپنے لئے سرنگ گھوڑا خریدونگا، شیش محل بناؤنگا اور سکسنی سے کارل ایوانچ کے تمام رشتےداروں کو بلوا لونگا،، وغیرہ وغیرہ، تو یہ سن کر وہ کہتی جاتی تھیں: ''ہاں بیٹے ہاں،،۔ عام طور پر جب میں اٹھ کر جانے لگتا تو وہ ایک نیلا صندوق کھولتیں — مجھے یاد ہے کہ اس ڈھکنے کے اندر کے ایک کونے میں ایک گھڑسوار کی تصویر، عطردان کے اوپر کی ایک تصویر اور ولودیا کی ایک ڈرائنگ چپکی ہوئی تھیں — اور اس صندوق میں سے ایک اگربتی نکال کر اسے جلاتیں اور اسے ہلاتے ہوئے کہتیں:

''یہ اچاکوف کے یہاں کی اگربتی ہے بیٹے۔ جب تمہارے مرحوم نانا — خدا انہیں جنت نصیب کرے — ترکوں کے خلاف لڑنے گئے تھے تو وہاں سے لائے تھے۔ بس، اب یہی آخری ٹکڑا رہ گیا ہے،، وہ ٹھنڈا سانس بھر کے کہتیں۔

نتالیا ساویشنا کے کمرے میں جو صندوق تھے، ان میں تقریباً ساری چیزیں موجود تھیں۔ اگر کبھی کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو ہم سب کہتے: ''نتالیا ساویشنا سے کہنا چاہئے۔،، واقعی تھوڑی سی الٹ پلٹ کے بعد وہ ضرورت کی چیز ڈھونڈ نکالتیں۔ ''اچھا ہی ہوا کہ میں نے چھپا کر رکھ دیا تھا،، وہ کہتیں۔ ان صندوقوں میں وہ ہزاروں چیزیں بھری ہوتی تھیں جن کی اطلاع سوائے ان کی ذات

کے گھر بھر میں کسی اور کو نہ تھی اور نہ کسی کو اس کی فکر تھی۔

ایک بار میں ان سے ناراض ہو گیا۔ بات کچھ اس طرح تھی کہ کھانے کے وقت کواس* انڈیلنے میں شیشے کا کنٹر میرے ہاتھ سے گر گیا اور میزپوش پر دھبہ پڑ گیا۔

''ذرا نتالیا ساویشنا کو بلاؤ، ذرا خوش ہولیں کہ ان کے دلارے نے کیا کرکے رکھا ہے،، امی بولیں۔

نتالیا ساویشنا آئیں اور میں نے جو ہنگامہ کیا تھا اسے دیکھ کر انہوں نے سر ہلایا۔ پھر امی نے ان کے کان میں کچھ کہا اور مجھے دھمکاتے ہوئے وہ کمرے سے باہر چلی گئیں۔

کھانے کے بعد میں ہال کی طرف جا رہا تھا اور بہت ہی مگن تھا کہ دفعتاً نتالیا ساویشنا دروازے کے پیچھے سے ہاتھ میں میزپوش لئے جھپٹ کر نکلیں اور مجھے پکڑ لیا۔ میں پوری قوت سے دھینگا مشتی کرتا رہا لیکن وہ کپڑے کا بھیگا ہوا حصہ میرے منہ پر رگڑنے لگیں اور چلانے لگیں: ''میزپوش کبھی گندا مت کرنا۔ میزپوش کبھی گندا نہ کرنا!،، مجھے اتنا ناگوار ہوا کہ غصے سے چیخنے چنگھاڑنے لگا۔

''نتالیا ساویشنا، نری نتالیا ہی ہیں میرے ساتھ تو تڑاق سے بات کرتی ہیں اور اوپر سے میرے منہ پر بھیگا میزپوش ماردیا ایسے جیسے میں نوکر ہوں!،، میں نے ہال میں ٹہلتے اور آنسو پیتے ہوئے دل ہی دل میں کہا: ''غضب خدا کا!،،

انہوں نے جیسے ہی دیکھا کہ میں رو رہا ہوں وہ بھاگ گئیں اور میں ہال میں چکر لگاتا رہا اور سوچتا رہا کہ اس بدتمیز نتالیا سے اس ناقابل برداشت توہین کا بدلہ کس طرح لیا جائے۔

چند منٹ بعد نتالیا ساویشنا واپس آ گئیں، کچھ جھجک کر میرے نزدیک آئیں اور مجھے منانے کی کوشش کرنے لگیں۔

''نہیں بیٹے روؤ مت۔ مجھے معاف کردو، مجھ بےوقوف کو۔ قصور میرا ہے۔ معاف کردیا نا بیٹا۔ کیوں؟ یہ لو یہ تمہارے لئے۔،، رومال کے نیچے سے انہوں نے سرخ کاغذ کا ایک بنڈل نکالا

---

* روٹی سے تیار کیا ہوا مشروب۔

جس میں دو کرامیل * اور ایک انجیر تھا اور مجھے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے دیدیا۔ میں اس شفیق بوڑھی عورت سے آنکھیں چار نہ کرسکا۔ مڑکر میں نے ان کا تحفہ لیا اور آنسو بھر سے بہہ نکلے، لیکن یہ غصے کے نہیں بلکہ محبت اور شرم کے آنسو تھے۔

باب ۱۳

جدائی

میں نے جو واقعات بیان کئے اس کے دوسرے دن گیارہ بجے دروازے پر ٹم ٹم اور کھلی گاڑی کھڑی ہوئی تھیں۔ دیادکا نکولائی سفری لباس پہنے تھا – یعنی اس کا پتلون جوتوں کے اندر ٹھنسا ہوا تھا اور بندگلے کے کوٹ پر کس کر پیٹی بندھی تھی۔ وہ کھلی گاڑی کے پاس کھڑا وردی کے بڑے کوٹ اور تکیوں کو سیٹ کے نیچے رکھ رہا تھا۔ جب ڈھیر بہت بڑا معلوم ہونے لگا تو خود گدوں پر بیٹھ گیا اور انہیں دبانے کےلئے ان پر کودنے لگا۔

''خدا کےلئے نکولائی دستریچ، کیا مالک کی صندوقچی اندر نہیں رکھی جا سکتی؟،، ابا کے ذاتی ملازم نے جس کا سانس پھولا جا رہا تھا ٹم ٹم میں سے جھک کر کہا ''بہت بڑی نہیں ہے....،،

''یہ پہلے ہی کہا ہوتا میجیئی ایوانچ،، نکولائی نے تیزی اور غصے سے کہا اور پورے زور سے گاڑی کے فرش پر ایک بنڈل پٹک دیا۔ ''خدا کی قسم میرا تو سر چکرانے لگا اور آپ کو اپنی صندوقچیوں کی پڑی ہوئی ہے،، اس نے سر سے ٹوپی اتاری اور دھوپ میں سنولائی ہوئی پیشانی پر سے پسینے کے بڑے بڑے قطرے پونچھتے ہوئے کہا۔

مرد ملازم بندگلے کے کوٹ، کفتان، قمیص پہنے اور بغیر ہیٹ کے اور عورتیں دھاری‌دار بلاؤزوں میں، بچوں کو گود میں

---

* کرامیل – چاکلیٹ، شکر اور بالائی ملاکر ایک مٹھائی بنائی جاتی ہے۔

لئے اور ننگے پاؤں بچے برساتی کے پاس کھڑے اس لاؤلشکر کو گھور رہے تھے اور آپس میں باتیں کئے جا رہے تھے۔ ایک گاڑی‌بان جو کمرخمیدہ بوڑھا تھا اور سرمائی ٹوپی اور آرمیاک پہنے ہوئے تھا، ہاتھ میں ٹم‌ٹم کا بم پکڑے ہوئے اسے بہت احتیاط سے آزما رہا تھا کہ آیا وہ ٹھیک ہے۔ دوسرا گاڑی‌بان خوب‌رو جوان تھا۔ وہ سفید لبادہ پہنے تھا، جس کی بغل کی لال پٹیاں ٹول کی تھیں اور سر پر سیاہ بھیڑ کے اون کی ٹوپی تھی جسے پہلے اس نے ایک کان کی طرف جھکایا اور پھر دوسرے کان کی طرف تاکہ اپنے سنہرے گھنگھریالے بالوں میں انگلی پھیرے۔ آرمیاک کو باکس پر رکھ دیا اور وہیں لگامیں ڈال دیں اور اپنے بٹے ہوئے کوڑے کو ہوا میں بجا کر پہلے اپنے جوتوں کی طرف دیکھا اور پھر گاڑی‌بانوں کی طرف جو کھلی گاڑی کے پہیوں میں تیل ڈال رہے تھے۔ ان میں سے ایک آدمی گاڑی کا بازو اونچا کرنے کے لئے پورا زور لگا رہا تھا۔ دوسرا پہیے پر جھکا اور دھرے میں بڑی احتیاط سے تیل ڈال رہا تھا اور چکرے کے نیچے بھی تیل ملے دے رہا تھا کہ کپڑے میں جتنا تیل ہے وہ بیکار نہ جائے۔ احاطے کے پاس مختلف رنگوں کے سفری گھوڑے تھکے ہوئے کھڑے اپنی دموں سے مکھیاں اڑا رہے تھے۔ کچھ اپنی جھبری سوجی ہوئی ٹانگوں کو چیرے آنکھیں بند کئے کھڑے تھے اور اونگھ رہے تھے اور کچھ کھڑے اکتاہٹ کے مارے ایک دوسرے کو رگڑ رہے تھے یا لمبی گھاس کی پتیاں اور ڈالیاں نوچ رہے تھے جو برساتی کے قریب لگی ہوئی تھیں۔ کئی شکاری کتے دھوپ میں لیٹے ہانپ رہے تھے۔ کچھ اور گاڑیوں کے نیچے سائے میں پھر رہے تھے اور دھروں کے چاروں طرف کی چربی چاٹ رہے تھے۔ ساری فضا میں گردآلود سا کہرا چھایا ہوا تھا۔ افق کا رنگ مٹیالا ارغوانی ہو رہا تھا لیکن آسمان پر ابر کا ایک ٹکڑا تک نظر نہیں آرہا تھا۔ مغرب کی طرف سے تندوتیز ہوا آکر سڑکوں اور کھیتوں میں گرد کے بگولے اڑا رہی تھی، اونچے اونچے لائم اور سفیدے کے درختوں کی پھننگیں نیچے جھکا رہی تھی اور زرد مرجھائی ہوئی پتیوں کو اڑا لئے جا رہی تھی۔ میں کھڑکی کے پاس بیٹھا بڑی بےچینی سے ان تمام تیاریوں کے مکمل ہونے کا انتظار کررہا تھا۔

جب سب لوگ مہمان‌خانے میں گول میز کے گرد جمع ہوگئے کہ چلتے چلتے آخری چند لمحے ایک ساتھ گزار لیں تو اس وقت مجھے گمان بھی نہ تھا کہ ایک انتہائی تکلیف‌دہ لمحے سے دوچار ہونا پڑیگا۔ میرے ذہن میں بہت ہی عام قسم کے خیالات چکر لگا رہے تھے۔ میں اندازہ لگا رہا تھا کہ کون‌سا گاڑی‌بان ٹم‌ٹم چلائیگا اور کون کھلی‌گاڑی ہانکے‌گا، کون ابا کے ساتھ سفر کریگا اور کون کارل ایوانچ کے ساتھ اور مجھے مفلر میں اور اس لمبے سے روئی کے لباس میں ہی کیوں لپیٹنا لازمی ہے۔

''میں اتنا نازک ہوں کیا؟ میں سردی میں اکڑ جاؤنگا؟ کاش یہ لوگ بہت کچھ جلدی سے نمٹا لیں، بیٹھیں اور چل دیں۔''

''بچوں کے کپڑوں کی فہرست کسے دوں؟''، نتالیا ساویشنا کی آنکھیں روتے روتے سوج گئی تھیں اور انہوں نے فہرست ہاتھ میں لیکر امی سے سوال کیا۔

''نکولائی کو دےدو اور اس کے بعد آکر بچوں کو رخصت کرو۔''

بیچاری بڑی بی نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن دفعتاً رکیں منہ پر رومال رکھا اور ہاتھ ہلاتی کمرے سے نکل گئیں۔ میں نے جب وہ اشارہ دیکھا تو دل پر ایک گھونسہ سا لگا لیکن روانہ ہونے کی بیتابی اس جذبے سے زیادہ تھی اور میں امی کے ساتھ بابا کی گفتگو کو اوپری دل سے سنتا رہا۔ دونوں اس قسم کی چیزوں کے متعلق باتیں کر رہے تھے جن سے بظاہر دونوں میں سے کسی کو دلچسپی نہ تھی: گھر کےلئے کیا کیا خریدنا ضروری ہے، شاہزادی Sophie اور Madame Julie سے کیا کہنا ہے اور کیا سفر اچھی طرح گزریگا؟

فوکا داخل ہوا، دہلیز پر رکا اور ''گاڑیاں تیار ہیں'' بالکل اسی لہجے میں کہا جس میں وہ اعلان کیا کرتا تھا ''کھانا تیار ہے''۔ میں نے دیکھا کہ امی اعلان سن‌کر کانپ اٹھیں اور رنگ زرد پڑگیا جیسے انہیں اس کی امید نہیں تھی۔

فوکا کو حکم دیا گیا کہ کمرے کے سارے دروازے بند کردو۔*

---

* پرانی روسی رسم کہ لمبے سفر پر جانے سے پہلے سارے دروازے بند کرکے کچھ دیر بیٹھ لیا جائے۔

مجھے یہ چیز عجیب مضحکہ‌خیز معلوم ہوئی "جیسے ہم سب کسی سے چھپ رہے ہوں۔"

ہم سب بیٹھ گئے۔ فوکا بھی کرسی کے کنارے بیٹھ گیا۔ لیکن ابھی بیٹھا ہی تھا کہ دروازہ چرچرایا اور سب نے مڑکر دیکھا — نتالیا ساویشنا نظریں اٹھائے بغیر جلدی سے اندر داخل ہوئیں اور فوکا کے ساتھ ہی دروازے کے قریب‌والی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ فوکا کا گنجا سر اور جھریوں‌دار چہرہ جس پر جذبات کے آثار نہ تھے اور وہ شفیق اور خمیدہ‌کمر ہستی جو ٹوپ پہنے تھی جس کے نیچے سے سفید بال نظر آرہے تھے، اب بھی میری نظروں کے سامنے گھوم رہے ہیں۔ دونوں ایک ہی کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے اور دونوں کو الجھن ہو رہی تھی۔

میں اب بھی بےفکر اور بےصبر ہو رہا تھا۔ وہ دس سیکنڈ جن میں ہم دروازے بند کرکے بیٹھے رہے، مجھے ایک گھنٹے کے برابر معلوم ہوئے۔ آخر ہم سب اٹھ کھڑے ہوئے، اپنے اوپر صلیب کے نشان بنائے اور رخصت ہونے لگے۔ پاپا نے اماں کو گلے لگایا اور کئی بار پیار کیا۔

"کافی ہے پیاری،" ابا بولے "ہم کوئی صدیوں کےلئے تو جدا نہیں ہو رہے۔"

"لیکن پھر بھی تکلیف ہوتی ہی ہے،" اماں ایسی آواز میں بولیں جو آنسوؤں سے رندھ گئی تھی۔

جب میں نے وہ آواز سنی اور ان کے کانپتے ہوئے ہونٹ اور آنسوؤں سے ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں دیکھیں تو میں ہر چیز بھول گیا اور مجھے اتنا دکھ ہوا اور اتنی تکلیف ہوئی اور اتنا خوف طاری ہوا کہ ان سے رخصت ہونے سے بہتر یہ معلوم ہو رہا تھا کہ یہاں سے بھاگ جاؤں۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ جب وہ پاپا سے گلے مل رہی تھیں تو ہم لوگوں سے رخصت ہو چکی تھیں۔

انہوں نے ولودیا کو اتنی بار پیار کیا اور اتنی بار اس پر صلیب کے نشان بنائے کہ یہ سمجھ کر کہ اب یہ میری طرف مڑنے‌والی ہیں، میں آگے بڑھا لیکن وہ اسی کو پیار کرتی رہیں اور اسے سینے سے چمٹائے کھڑے رہیں۔ آخر میں ان سے گلے لگ گیا اور چمٹ کر

رونے لگا اور اس وقت اپنے دکھ کے علاوہ میرے ذہن میں کوئی خیال نہ تھا۔

جب ہم لوگ گاڑی میں بیٹھنے کے لئے باہر نکلے تو تھکے ہوئے نوکر پیش‌دالان میں رخصت کرنے کےلئے آئے۔ ان کا یہ کہنا کہ ''اپنا ہاتھ بڑھائیے حضور،،' ہمارے شانوں پر ان کے چٹ‌چٹ بوسے سے اور ان کے سروں کی چربی کی بو کی وجہ سے میرے دل میں کچھ ایسا احساس پیدا ہوا جیسا بات بات پر روٹھنےوالے لوگوں میں ہوتا ہے کہ ان کا دم الٹنے لگتا ہے۔ اسی کراہیت کا اثر تھا کہ جب نتالیا ساویشنا آنسوؤں میں نہائی ہوئی مجھے رخصت کرنے آئیں تو میں نے ان کے ٹوپ پر بہت ہی اوپری دل سے پیار کرلیا۔

عجیب بات ہے کہ مجھے اب تک ان تمام نوکروں کے چہرے نظر آ رہے ہیں اور تمام‌تر جزئیات کے ساتھ میں ان کی تصویریں کھینچ سکتا ہوں لیکن امی کا چہرہ اور ان کا انداز میرے حافظے سے بالکل غائب ہو چکا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ اس تمام وقت میں اتنی ہمت نہ کرسکا کہ نظریں اٹھاکر ان کی طرف دیکھ لوں۔ مجھے ایسا احساس ہو رہا تھا کہ اگر میں نے دیکھا تو ان کا اور میرا صدمہ ناسمکنت کی حد تک پہونچ جائیگا۔

میں دوسروں سے پہلے ہی ٹم‌ٹم کی طرف چل پڑا اور پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ چونکہ ٹپ چڑھا ہوا تھا اس‌لئے مجھے کچھ نظر نہ آرہا تھا لیکن دل نے کہا کہ امی اب بھی یہاں کھڑی ہیں۔

''ایک بار اور انہیں دیکھ لوں۔ دیکھ لوں یا نہیں؟ اچھا تو آخری بار!،، میں نے دل ہی دل میں کہا اور ٹم‌ٹم میں سے جھک کر برساتی کی طرف دیکھا۔ اس وقت امی گاڑی کی دوسری طرف اسی غرض سے آئی تھیں اور انہوں نے میرا نام لیکر پکارا۔ جب میں نے اپنی پشت پر ان کی آواز سنی تو مڑا لیکن دفعتاً مڑنے کی وجہ سے دونوں کے سر ٹکرا گئے۔ وہ مغموم انداز سے مسکرائیں اور آخری بار مجھے دیر تک بہت لپٹا کر پیار کیا۔

جب ہم لوگ کئی گز چلے گئے تب کہیں جاکر مجھے ان کی طرف دیکھنے کی ہمت ہوئی۔ ان کے سر پر جو نیلا رومال بندھا ہوا تھا، ہوا سے اڑ رہا تھا۔ سر جھکائے منہ پر ہاتھ رکھے وہ

آہستہ آہستہ سیڑھیوں پر چڑھ رہی تھیں۔ لوکا انہیں سہارا دے رہا تھا۔

بابا میرے ساتھ خاموش بیٹھے رہے۔ میری آنکھوں میں آنسو امڈے آرہے تھے اور حلق میں ایسا پھندا پڑ گیا تھا کہ مجھے ڈر لگنے لگا کہ دم گھٹ جائیگا۔ بڑی سڑک پر پہونچے تو ہم نے ایک سفید رومال دیکھا جو کوئی بالکونی سے ہلا رہا تھا۔ میں نے بھی جواب میں اپنا رومال ہلایا اور اس حرکت کی وجہ سے مجھے کچھ حد تک سکون ہوا۔ میں روتا رہا اور اس تصور سے کہ یہ آنسو میرے احساس‌مند ہونے کا ثبوت ہیں بڑی مسرت اور تسکین ہوئی۔

تقریباً ایک ورسٹ جانے کے بعد مجھے کچھ سکون ہوا اور میری نظروں سے جو چیز سب سے زیادہ نزدیک تھی اس کی طرف متوجہ ہوگیا یعنی ٹم‌ٹم میں میری طرف جو ابلق گھوڑا جتا ہوا تھا، اس کے پچھلے پیر دیکھنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ یہ گھوڑا اپنی دم کس طرح ہلاتا ہے، کس طرح ایک کے بعد دوسرا قدم اٹھاتا ہے، کس طرح گاڑی‌والے کا بٹا ہوا کوڑا اس تک پہونچتا ہے اور اس کے پیر ایک ساتھ آگے بڑھنے لگتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ اس کی پیٹھ پر زین اور زین پر چھلے کس طرح اچھل رہے ہیں۔ اور میں گھورتا رہا یہاں تک کہ دم کے پاس جو پیٹیاں تھیں ان پر جگہ جگہ جھاگ جم گئی۔ میں نے اپنے ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا۔ پکی ہوئی رئی کے لہلہاتے ہوئے کھیتوں کی طرف، سیاہ پڑتی زمین کی طرف جس پر کہیں کہیں کوئی کسان ہل لئے یا کوئی گھوڑی اپنے بچھڑے کے ساتھ نظر آجاتی، اور سنگمیل کی طرف۔ میں نے گاڑی‌بان کی نشست کو بھی غور سے دیکھا کہ کونسا گاڑی‌بان ہماری گاڑی چلا رہا ہے اور ابھی میرے چہرے پر آنسو خشک بھی نہ ہونے پائے تھے کہ خیالات ماں کی طرف سے بہت دور نکل گئے جنہیں میں شاید ہمیشہ کےلئے چھوڑ کر آیا تھا۔ لیکن ہر یاد کے ساتھ خیال اسی کی طرف ہی جاتا تھا۔ اس کے بعد دفعتاً مجھے کھمبی یاد آئی جو مجھے سفیدے کی روش پر ایک دن پہلے ملی تھی اور یاد آیا کہ لیوبوچکا اور کاتینکا میں اس بات پر جھگڑا ہوا تھا کہ کون اسے اکھاڑے اور یہ بھی یاد آیا کہ ہم لوگوں سے جدا ہوتے وقت وہ لوگ کس طرح روئی تھیں۔

ان سب کا دکھ تھا! تاتایا ساویشنا کا دکھ تھا، سفیدے کی روش کا رنج تھا، فوکا کا رنج تھا اور تو اور میمی جیسی بدمزاج عورت تک کا رنج تھا۔ تمام چیزوں کا، سبھوں کا رنج تھا! بچاری امی! بھر آنکھیں بھر آئیں مگر ذرا دیر کے لئے!

باب ۱۰

بچپن

وہ خوش‌نصیب، وہ عیش‌وراحت کا زمانہ بچپن کا جو کبھی واپس نہیں آسکتا! اس سے محبت کیسے نہ کروں اور اس کی تابناک یادیں دل میں کیسے نہ بساؤں؟ وہ یادیں میری روح کو تروتازہ کرتی ہیں، اسے زندگی عطا کرتی ہیں اور بہترین لذتوں کا سرچشمہ بن‌جاتی ہیں۔

اکثر یوں ہوتا تھا کہ دوڑ دھوپ سے تھک‌کر اپنی اونچی آرام کرسی پر چائے کی میز کے پاس بیٹھا ہوں۔ کافی وقت ہوچکا ہے۔ اپنا دودھ شکر کا پیالہ کبھی کا پی لیا ہے۔ آنکھیں نیند کی وجہ سے جھپک جا رہی ہیں لیکن اپنی جگہ سے ہٹا نہیں جاتا — بیٹھا ہوں، سن رہا ہوں۔ سنونگا کیسے نہیں؟ امی کسی سے باتیں کررہی ہیں اور ان کی آواز بہت شیریں اور خوش‌گوار ہے۔ اکیلی یہ آواز ہی میرے دل سے بہت کچھ کہہ دیتی ہے! آنکھیں نیند سے بوجھل ہیں لیکن میں ان کے چہرے کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہتا ہوں اور وہ دفعتاً چھوٹی سی نظر آنے لگتی ہیں۔ اتنی چھوٹی کہ ان کا چہرہ چھوٹے سے بٹن سے زیادہ بڑا نہیں معلوم ہوتا، پھر بھی مجھے صاف طریقے سے نظر آتا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ وہ میری طرف دیکھتی ہیں اور مسکراتی ہیں۔ مجھے اتنی چھوٹی سی وہ بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ میں اپنی پلکیں کچھ اور بند کرتا ہوں اور وہ ان چھوٹے چھوٹے بچوں سے زیادہ بڑی نظر نہیں آتیں جو بعض اوقات آنکھوں کی پتلیوں میں نظر آتے ہیں۔ لیکن میں ہلتا ہوں اور یہ طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔ میں آنکھیں سکیڑتا ہوں،

ادھر ادھر مڑتا ہوں اور ہر طرح سے پھر اسے تخلیق کرنا چاہتا ہوں لیکن بےسود۔

میں اٹھ بیٹھتا ہوں، ٹانگیں سکیڑ لیتا ہوں اور سلیقے سے آرام کرسی پر دراز ہوجاتا ہوں۔

''تم پھر سو جاؤگے نکولینکا، امی کہتی ہیں ''اوپر چلے جاؤ تو اچھا ہے۔''

''میں سونا نہیں چاہتا امی''، میں جواب دیتا ہوں اور خوشگوار دھندلی دھندلی تصویریں میرے دماغ میں بھر جاتی ہیں، بچپن کی صحت‌بخش نیند میری آنکھیں بند کئے دیتی ہے اور ایک ہی لمحے میں بےسدھ ہوجاتا ہوں اور سوتا رہتا ہوں جب تک لوگ جگاتے نہیں۔ کبھی ایسا ہوتا کہ خواب میں کسی کے نرم ہاتھ کا لمس محسوس ہوتا ہے اور اس لمس سے میں اس ہاتھ کو پہچان لیتا ہوں اور سوتے میں اسے پکڑ لیتا ہوں اور محبت سے بہت ہی پیار سے اسے ہونٹوں سے لگا لیتا ہوں۔

سب لوگ جا چکے ہیں۔ مہمان خانے میں صرف ایک شمع جل رہی ہے۔ امی نے کہا تھا کہ مجھے جگا دینگی۔ میں جس کرسی پر سو رہا ہوں اس پر وہی بیٹھی ہیں اور اپنے حیرت‌ناک حد تک نرم ہاتھوں سے میرے بالوں کو سہلا رہی ہیں اور میرے کان میں پیاری پہچانی ہوئی آواز آرہی ہے:

''اٹھو میرے بیٹے: سونے کا وقت ہوگیا۔''

وہ کسی کی سردمہر نگاہوں کی پروا نہیں کرتی ہیں اور مجھ پر اپنی ساری محبت اور پیار نچھاور کرنے سے ذرا بھی نہیں جھجھکتی ہیں۔ میں ہلتا نہیں لیکن بہت زور سے اُن کے ہاتھ کو پیار کرتا ہوں۔

''اٹھ جا میرے لال۔''

وہ دوسرا ہاتھ میری گردن میں ڈال دیتی ہیں اور ان کی پیاری انگلیاں جلدی جلدی ہلتی ہیں اور میرے گدگدی کردیتی ہیں۔ کمرے میں خاموشی ہے اور تقریباً اندھیرا۔ نیند ٹوٹ جانے اور گدگدی کی وجہ سے میرے اعصاب میں تناؤ پیدا ہوجاتا ہے۔ امی بالکل میرے پہلو میں بیٹھی ہیں، مجھے چھوتی ہیں اور مجھے ان کی خوشبو آرہی ہے اور آواز سنائی دے رہی ہے۔ یہ سب باتیں آخر مجھے

اٹھا دیتی ہیں۔ میں اٹھ بیٹھتا ہوں، ان کے گلے میں باہیں ڈال دیتا ہوں، ٹھنڈی سانس لیکر اپنا سر ان کے سینے پر رکھ دیتا ہوں اور کہتا ہوں:

''میری اچھی اچھی امی، میں آپ کو کتنا چاھتا ہوں!،،

وہ اپنے مغموم اور دلکش انداز میں مسکراتی ہیں، اپنے دونوں ہاتھوں سے میرا سر تھام لیتی ہیں، میرے ماتھے پر پیار کرتی ہیں اور اپنے زانو پر بٹھا لیتی ہیں۔

''تو تم مجھے بہت چاہتے ہو؟،، وہ کچھ دیر خاموش رہتی ہیں اور پھر کہتی ہیں: ''دیکھو ہمیشہ مجھے چاہتے رہنا، کبھی بھول مت جانا۔ جب تمہاری امی نہ رہیں گی تو بھول تو نہیں جاؤ گے؟ بولو بھلاؤ گے تو نہیں نکولینکا؟،،

وہ مجھے اور بھی چاؤ سے پیار کرتی ہیں۔

''ایسا نہ کہیے امی جان!،، میں ان کے گھٹنوں کو پیار کرکے روتا ہوں اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں — محبت اور سرخوشی کے آنسو۔

اس کے بعد اوپر اپنے کمرے میں جاکر اور اپنا چھوٹا سا روئی کا ڈریسنگ گاؤن پہنے ہوئے مقدس شبیہوں کے سامنے کھڑے ہوکر کیا عجیب‌وغریب جذبہ محسوس ہوتا جب یہ الفاظ ادا کرتا: ''یا اللہ، میرے بابا اور اماں اچھے رہیں!،، ان دعاؤں کو دوہراتے وقت جنھیں میرے بچکانہ ہونٹوں نے شفیق ماں سے تتلا کر بولنا سیکھا تھا، ماں کی محبت اور خدا کی محبت کچھ عجیب طریقے سے ایک ہی جذبے میں سمو گئی تھی۔

دعا مانگنے کے بعد میں اپنا چھوٹا سا کمبل اوڑھ لیتا ہوں۔ میری روح سبک ہے، اس میں اجالا ہے، خوشی ہے۔ خواب ایک کے بعد ایک آتے جا رہے ہیں لیکن کس چیز کے بارے میں؟ ایک دوسرے میں گتھے ہوئے لیکن پاکیزہ محبت اور مسرتوں کی امیدوں سے بھرے ہوئے۔ اور پھر میں کارل ایوانچ اور ان کی دکھ بھری زندگی کے متعلق سوچتا ہوں — وہی ایک دکھی انسان ہیں جن سے میں واقف ہوں — اور ان پر میرا دل اس قدر دکھتا ہے، ان پر اتنا پیار آتا ہے کہ آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگتے ہیں اور میں دل ہی دل میں کہتا ہوں: ''اے خدا انہیں سکھ دے اور مجھے قوت دے کہ ان

کی مدد کرسکوں اور ان کے دکھ کو ہلکا کرسکوں، ان کے لئے میں ہر قسم کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہوں۔،، اس کے بعد میں اپنے پسندیدہ چینی کے کھلونے — کتا یا خرگوش پروں کے نرم تکیے کے نیچے رکھ لیتا ہوں اور مجھے یہ سوچ کر بڑی خوشی ہوتی ہے کہ یہاں اسے کتنا آرام اور چین ملیگا۔ میں پھر دعا مانگتا ہوں کہ خدا سب کو سکھ دے، ہر شخص مطمئن رہے اور کل ٹہلنے کے لئے موسم اچھا رہے۔ میں کروٹ لیتا ہوں، خیالات اور خواب آپس میں گڈمڈ ہوجاتے ہیں اور میں بہت خاموشی اور آرام سے سوجاتا ہوں اور میرا چہرہ اس وقت بھی آنسوؤں سے تر رہتا ہے۔

وہ تازگی، وہ بے فکری، محبت کی وہ طلب، اعتقاد کی وہ مضبوطی جو بچپن میں تھی، کیا پھر کبھی واپس آئیگی؟ اس سے زیادہ بہتر زمانہ اور کیا ہو سکتا ہے جب دو بہت عمدہ خوبیاں — یعنی معصوم کھلنڈراپن اور محبت کی بے پناہ پیاس — زندگی کی واحد محرک ہوتی تھیں؟

وہ پرخلوص دعائیں کیا ہوئیں؟ وہ بہترین تحفہ، جذبات میں ڈوبے ہوئے معصوم آنسو کہاں گئے؟ دلجوئی کا فرشتہ آکر ایک مسکراہٹ سے ان آنسوؤں کو پونچھ دیتا تھا اور طفلی کے معصوم تخیل میں خواب‌وخیال کی رعنائیاں بھر دیتا تھا۔

کیا واقعی زندگی نے دل پر اتنا بھاری پتھر رکھ دیا ہے کہ وہ آنسو اور سرخوشی مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوگئے؟ کیا صرف یادیں ہی ساتھ دینے کو رہ گئی ہیں؟

باب ١٦

نظمیں

ماسکو پہنچنے کے تقریباً ایک مہینے بعد میں اوپر نانی کے مکان میں ایک بڑی میز کے پاس بیٹھا لکھ رہا تھا۔ میرے سامنے ڈرائنگ ماسٹر بیٹھے تھے اور ایک پگڑی‌والے ترک چہرے کے پنسل اسکیچ کو درست کر رہے تھے۔ ولودیا ماسٹر صاحب کے پیچھے کھڑا

گردن بڑھا بڑھا کر ان کے شانے کے اوپر سے دیکھنے کی کوشش کررہا تھا۔ یہ چہرہ کالی پنسل سے ولودیا کی پہلی پیشکش تھا اور اس دن نانی کو یہ تصویر پیش کی جانےوالی تھی کیونکہ یہ ان کی نام رکھائی کا دن تھا۔

''یہاں کچھ اور سیاہی نہیں لگائیں گے آپ؟،، ولودیا نے دبے پاؤں اٹھ کر اور ترک کی گردن کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

''نہیں، کوئی ضرورت نہیں،، ماسٹر صاحب نے اپنی پنسل اور ڈرائنگ کا قلم رکھتے ہوئے کہا۔ ''اب بالکل ٹھیک ہے اور اسے اب اور مت چھونا اچھا۔ اور تم نکولینکا،، انہوں نے کھڑے ہوکر اور کنکھیوں سے اب بھی ترک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ''چلو تم اپنا راز آخر بتا ہی دو نانی کو کیا دینےوالے ہو؟ میرا خیال ہے کہ ایک چہرہ اور بنالیتے تو بہت اچھا تحفہ رہتا۔ اچھا خدا حافظ،، وہ بولے اور ٹوپی اور رجسٹر اٹھاکر رخصت ہوگئے۔

میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا کہ جس چیز پر میں نے اس وقت محنت کی ہے اس سے بہتر یہ ہوتا کہ ایک تصویر بنالیتا۔ جب ہم کو بتایا گیا کہ نانی کا نام رکھائی کا دن آنے ہی والا ہے اور اس موقع پر تحفے دینے کےلئے تیار ہو جانا چاہئے تو اس وقت مجھے ایک نظم لکھنے کا خیال آیا اور میں نے اسی وقت دو بند کہہ لئے اور امید ہونے لگی کہ باقی بھی جلد ہی ہوجائیگی۔ مجھے واقعی کچھ پتہ نہیں کہ یہ خیال جو ایک بچے کےلئے کچھ عجیب سا ہے، میرے ذہن میں آیا کیسے۔ لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ اس سے مجھے خوشی بہت ہوئی اور اس مسئلے کے متعلق تمام سوالوں کے جواب میں میں نے کہا کہ نانی کو کوئی تحفہ ضرور دونگا لیکن کسی کو بتاؤنگا نہیں کہ تحفہ کیا ہے۔

میری توقع کے خلاف اور اپنی تمام کوششوں کے باوجود میں دو سے زیادہ بند نہ کہہ سکا جو آناً فاناً ہوگئے تھے۔ میں نے اپنی کتابوں کی نظمیں پڑھنی شروع کیں لیکن نہ تو دمیتریئف سے مدد ملی نہ دیرژاوین سے۔ بلکہ اس کا الٹا ہی ہوا، یعنی انہوں نے مجھے پورا یقین دلا دیا کہ تم اس کے نااہل ہو۔ مجھے معلوم تھا کہ کارل ایوانچ کو نظم نقل کرکے رکھنے کا بہت شوق ہے۔ اس لئے میں نے چھپ کر ان کے سارے کاغذ الٹ پلٹ ڈالے اور ان میں

جرمن نظموں کے ہجوم میں ہی ایک روسی نظم مل گئی جو خاص ان کے زور قلم کا نتیجہ ہونی چاہئے تھی:

مادام ل ۔ پیتروفسکایا کے نام، ۳ جون، ۱۸۲۸ء

قریب سے یاد رکھنا
دور سے یاد رکھنا
آج سے لے کر ابد تک
میرے مرنے تک
یاد رکھنا
کہ کیا زور کی محبت کی ہے میں نے۔

کارل ماؤیر

یہ نظم جو بہت ہی خوبصورت خط میں اچھے کاغذ کے باریک سے ورق پر لکھی ہوئی تھی، مجھے بہت پسند آئی کیونکہ جس جذبے کے تحت لکھی گئی تھی اس نے مجھ پر اثر کیا۔ میں نے اسے جلدی ہی زبانی یاد کرلیا اور فیصلہ کیا کہ اسی انداز کو نمونہ بناؤں‌گا۔ اس کے بعد آسانی سے کام چل گیا۔ نام رکھائی کے دن تک مبارک‌باد کے بارہ شعر تیار ہو چکے تھے اور میں نے پڑھائی کے کمرے میں بیٹھ کر باریک کاغذ پر انھیں لکھ لیا۔

کاغذ کے دو ورق تو جلدی ہی برباد ہوگئے، اسلئے نہیں کہ میں نظم میں کچھ ردوبدل کرنا چاہتا تھا — وہ تو مجھے اچھی معلوم ہو رہی تھی — بلکہ اس لئے کہ تیسری سطر سے آخری تک سب لائنیں اوپر کو چڑھتی چلی گئی تھیں اور دور سے ہی صاف نظر آتا تھا کہ ساری چیز ٹیڑھی میڑھی لکھی ہوئی ہے اور کسی کام کی نہیں۔

تیسرا کاغذ بھی دوسروں کی طرح ٹیڑھا لکھا گیا لیکن اب میں فیصلہ کرچکا تھا کہ مزید نقل نہیں کرونگا۔ اپنی نظم میں میں نے نانی کو مبارک‌باد دی تھی، ان کی درازیٔ‌عمر اور تندرستی کی دعا کی تھی اور آخر میں لکھا تھا:

ہو جس میں خوشی آپ کی، وہ کار کریں‌گے
اماں کی طرح آپ سے ہم پیار کریں‌گے

نظم کچھ ایسی بری نہیں لگی لیکن پھر بھی آخری مصرعہ میرے کانوں پر گراں گزرا۔

''اماں... کی طرح... پیار... کرینگے،، میں دل ہی دل میں دوھراتا رہا '' تو 'اماں کی طرح آپ سے، والے ٹکڑے کی جگہ بھلا اور کونسا لفظ رکھا جائے گا؟.. خیر، چل جائے گی۔ کارل ایوانچ کی نظم سے تو بہرحال بہتر ہے۔،،

تو میں نے آخری مصرعہ بھی نقل کردیا، اس کے بعد سونے کے کمرے میں پوری نظم کو بڑے جذبے اور ہاتھوں کے اشارے کے ساتھ زور زور سے پڑھا۔ نظم میں قافیے اور بحر کا پتہ ہی نہ تھا لیکن میں نے اس کی پرواہ نہ کی۔ لیکن آخری مصرعہ اور بھی زیادہ کھٹکنے لگا اور برا معلوم ہونے لگا۔ میں بستر پر بیٹھ کر سوچنے لگا...

''میں نے یہ لکھا ہی کیوں 'اماں کی طرح'؟ وہ تو یہاں ہیں نہیں تو ان کا ذکر کیا ضرور۔ نانی کو میں چاہتا ہوں، یہ صحیح ہے، میں ان کی عزت کرتا ہوں لیکن پھر بھی وہ ویسی تو نہیں ہیں۔ میں نے یہ لکھا کیوں؟ میں نے جھوٹ کیوں لکھا؟ شاعری ہے، تو بھی کیا ہوا، یہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔،،

عین اس وقت درزی میرا نیا کوٹ لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

''خیر جی چھوڑو،، میں نے نظم کو تکیے کے نیچے گھسیڑتے ہوئے جھلاکر کہا اور ماسکوی فیشن کا فراک کوٹ پہن کر دیکھنے کےلئے بھاگا۔

یہ ماسکوی کوٹ واقعی بہت نفیس نکلا۔ چاکلیٹی رنگ کا چھوٹا کوٹ اور اس میں پیتل کے بٹن، میرے جسم پر اچھی طرح فٹ ہوتا تھا۔ ایسا نہیں تھا جیسا دیہات میں ہمارے لئے سیا جاتا تھا، لمبا کھڑے قد کا۔ سیاہ پتلون بھی چست تھا۔ اس سے پٹھے کیسے اچھے نمایاں ہوتے تھے اور لمبے جوتوں پر بھی وہ بالکل فٹ تھا۔

''آخر میرے پاس ایسا پتلون ہوگیا جس میں نیچے سچ مچ کے تسمے لگے ہوئے ہیں!،، میں نے سوچا۔ اپنے پیروں کو ہر طرف سے دیکھا تو میں خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ نئے کپڑے حالانکہ

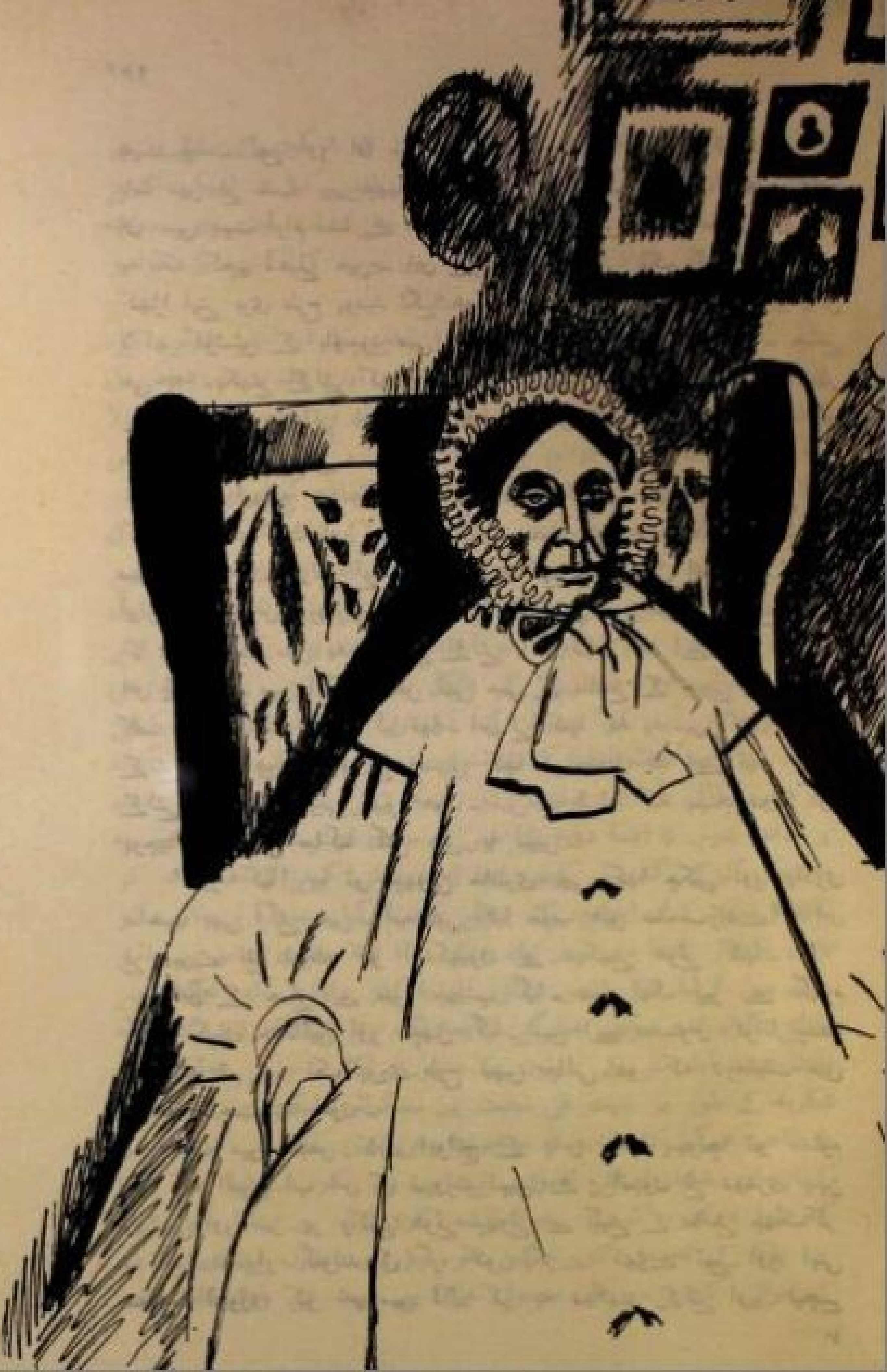

بہت چست تھے اور ان میں چلنا پھرنا مشکل ہو رہا تھا لیکن یہ بات میں نے سب سے چھپا ڈالی اور اعلان کردیا کہ واقعی مجھے ان میں بہت آرام ملتا ہے اور اگر کپڑوں میں کوئی خرابی ہے تو یہ کہ کچھ ڈھیلے ہیں۔ اس کے بعد میں دیر تک آئینے کے سامنے کھڑا اپنے بری طرح پوسید لگے ہوئے بالوں میں برش کرتا رہا۔ لیکن لاکھ کوشش کے باوجود میں چندیا کی لٹ کو دبا نہ سکا۔ جیسے ہی یہ دیکھنے کے لئے کہ بال دبے یا نہیں میں برش ہٹاتا وہ پھر سے کھڑے ہوجاتے اور ہر طرف بکھر کر میرے چہرے کو مضحکہ‌خیز بنا دیتے۔

کارل ایوانچ دوسرے کمرے میں کپڑے پہن رہے تھے۔ ان کا نیلا فراک کوٹ اور نیچے پہننے کے سفید کپڑے پڑھائی کے کمرے میں ہوکر ان کے لئے لےجائے جا رہے تھے۔ نانی کی ایک ملازمہ کی آواز مجھے اس دروازے پر سنائی دی جس سے ہوکر نیچے جانے کا راستہ تھا۔ میں یہ دیکھنے کے لئے باہر نکلا کہ اسے کیا چاہئے۔ اس کے ہاتھ میں ایک قمیص تھی جس کے سامنے کے حصے کو خوب کلف دیکر سخت کردیا گیا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ میں کارل ایوانچ کےلئے لائی ہوں۔ اس نے قسمیں کھا کر بتایا کہ اسے تیار کرنے کےلئے رات بھر سوئی نہیں ہوں۔ میں نے لےلیا کہ پہنچا دونگا اور پوچھا کہ نانی جاگ گئی ہیں یا نہیں۔

''اور کیا! وہ تو چھوٹی حاضری بھی کھا چکیں اور پادری صاحب بھی آگئے ہیں۔ آپ بھی کیا خوب ہیں صاحب‌زادے!،، اس نے میرے نئے سوٹ کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کے جملے سے میں جھینپ گیا۔ میں ایک پیر سے گھوم گیا، انگلیاں چٹخائیں اور اچھل گیا۔ میں اسے محسوس کرانا چاہتا تھا کہ تم اب تک پوری طرح نہیں جانتی ہو کہ درحقیقت میں کیسا صاحب‌زادہ ہوں۔

جب میں قمیص کارل ایوانچ کے پاس لیکر پہونچا تو معلوم ہوا کہ انہیں اب اس کی ضرورت نہیں ہے: انہوں نے دوسری پہن لی تھی اور میز پر رکھے ہوئے چھوٹے سے آئینے کے سامنے جھک کر وہ اپنے شاندار گلوبند کی گرہ کو پکڑے کھڑے تھے اور اپنی صفاچٹ ٹھوڑی کو اس میں ڈال کر یہ دیکھنے کےلئے اوپر نیچے

کر رہے تھے کہ فٹ آتی ہے یا نہیں۔ ہم لوگوں کے کپڑے ہر طرف سے ٹھیک کرکے اور نکولائی سے اپنے کپڑے ٹھیک کرانے کے بعد وہ ہم کو لیکر نانی کی طرف چلے۔ اب جب میں سوچتا ہوں کہ نیچے اترتے وقت ہم تینوں سے پومیڈ کی کتنی تیز خوشبو آرہی تھی تو مجھے ہنسی آتی ہے۔

کارل ایوانچ خود اپنا بنایا ہوا تحفے کا ڈبہ لئے ہوئے تھے، ولودیا اپنی ڈرائنگ لئے ہوئے تھا اور میں اپنی نظم۔ ہر شخص کی زبان پر وہ مبارکباد کے الفاظ تھے جن کے ساتھ وہ تحفے پیش کرنے والا تھا۔ جس وقت کارل ایوانچ نے ہال کا دروازہ کھولا تو پادری اپنی عبا پہن رہا تھا۔ اور عبادت کے پہلے الفاظ گونج رہے تھے۔

نانی ہال میں آچکی تھیں: وہ دیوار کے پاس ایک کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھے کھڑی تھیں اور سر جھکائے بڑے خضوع وخشوع سے عبادت کر رہی تھیں، ان کے پاس ہی پاپا کھڑے تھے۔ وہ ہماری طرف مڑے اور ہم لوگوں کو جلدی جلدی پیٹھ کے پیچھے اپنے تحفے چھپاتے اور دروازے کے بالکل پاس پہونچنے کے ساتھ ہی رک کر اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرتے دیکھ کر مسکرانے لگے۔ ہمارا جو منصوبہ تھا کہ غیرمتوقع طور پر پہنچینگے وہ ختم ہوگیا۔

جب آگے بڑھ کر صلیب کو بوسہ دینے کا وقت آیا تو مجھ پر دفعتاً شرم کا ایسا دورہ پڑا جس نے ساری قوت سلب کرلی اور یہ محسوس کرکے کہ میں کبھی اپنا تحفہ پیش کرنے کی ہمت نہ کر سکونگا میں کارل ایوانچ کے پیچھے چھپ گیا جنہوں نے نانی کو بڑے زوردار الفاظ میں مبارکباد دیکر اپنا ڈبہ سیدھے ہاتھ سے بائیں ہاتھ میں لےلیا اور انہیں پیش کردیا اور ولودیا کو جگہ دینے کےلئے کچھ قدم پیچھے ہٹ گئے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ نانی کو ڈبہ بہت پسند آیا جس کے کونوں پر سنہرے لکڑے چپکے ہوئے تھے۔ شکریہ کے طور پر بہت ہی محبت سے مسکرائیں لیکن اس کے باوجود یہ ظاہر ہوگیا کہ وہ یہ نہ سمجھ پا رہی تھیں کہ ڈبے کو رکھیں کہاں اور شاید اسلئے انہوں نے اسے پاپا کو دےدیا اور کہا کہ ذرا دیکھو کیسی حیرت‌ناک کاری‌گری سے بنایا گیا ہے۔

پاپا کے تجسس کو تسکین ہو چکی تو انہوں نے اسے پادری کے حوالے کردیا جو اس معمولی چیز سے بہت ہی خوش‌نظر آرہے

تھے۔ انہوں نے سر ہلایا اور کبھی ڈبے کی طرف دیکھا اور کبھی اس فنکار کی طرف جو اتنی حسین چیز بنا سکتا تھا۔ ولودیا نے ترک والی تصویر نکلی اور اس کی بھی ہر طرف سے خوب خوب تعریف ہوئی۔ اب میری باری آئی۔ نانی نے میری طرف ہمت‌افزائی کے انداز میں مسکرا کر دیکھا۔

جو لوگ شرمیلے‌پن کے مرض میں مبتلا رہ چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ وہ جذبہ ہے جس میں دیر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی مناسبت سے اضافہ ہوتا جاتا ہے اور اسی مناسبت سے قوت‌فیصلہ کم ہوتی جاتی ہے ــ یعنی یہ احساس جتنی دیر تک قائم رہتا ہے اتنا ہی ناقابل‌شکست ہوتا جاتا ہے اور قوت‌فیصلہ کم سے کم‌تر ہوتی جاتی ہے۔

جب کارل ایوانچ اور ولودیا نے اپنے تحفے پیش کردئے تو میری بچی کھچی ہمت اور قوت‌فیصلہ بھی جواب دے گئی اور شرمیلاپن نقطۂ‌عروج پر پہونچ گیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ خون مسلسل دماغ کی طرف کھنچا چلا آرہا ہے۔ کبھی چہرہ تمتما جاتا اور کبھی زرد پڑ جاتا اور ناک اور ماتھے پر پسینے کے موٹے موٹے قطرے نمودار ہوگئے، کان جلنے لگے اور سارے جسم میں ایک کپکپی اور سردی سی محسوس ہونے لگی۔ میں کبھی ایک پیر پر زور دیتا تو کبھی دوسرے پر لیکن اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

”آؤ نکولینکا، ذرا بتاؤ تو سہی تم کیا لائے ہو ــ ڈبہ یا تصویر؟“ پاپا بولے۔ اب کیا کیا جا سکتا تھا۔ میں نے کانپتے ہوئے ہاتھ سے وہی بدبخت مڑا ہوا کاغذ بڑھادیا لیکن آواز بالکل جواب دے گئی اور میں نانی کے سامنے بالکل خاموش کھڑا رہا۔ میں اس تصور کو برداشت ہی نہ کر سکتا تھا کہ متوقع تصویر کے بجائے میری بیکار سی نظم تمام لوگوں کے سامنے پڑھی جائے اور وہ الفاظ بھی کہ ”اماں کی طرح“ جو صاف طور پر ثابت کردیں‌گے کہ میں نے کبھی اماں سے محبت نہیں کی اور انہیں بھول گیا ہوں۔ میں کیا بیان کروں کہ اس وقت مجھ پر کیا گزر رہی تھی جب نانی نے میری نظم باآواز بلند پڑھنا شروع کی اور جب عبارت نہ چل سکی تو ایک مصرعہ کے درمیان رک کر پاپا کی طرف اس طرح دیکھا جو مجھے اس وقت حقارت‌آمیز مسکراہٹ معلوم ہوئی اور جب وہ اپنے

لہجے میں پڑھ رہی تھیں جو مجھے اچھا نہ معلوم ہو رہا تھا اور جب کمزور بینائی کی وجہ سے انہوں نے نظم ختم کئے بغیر کاغذ بابا کے سپرد کردیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اسے پھر شروع سے پڑھ دیں تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ انہوں نے ایسا اسی لئے کیا کہ انہیں یہ بیہودہ اور ٹیڑھی لکھی ہوئی نظم پڑھنے میں مزا نہیں آرہا ہے اور اس کے باوجود انہوں نے بابا سے کہا کہ ذرا آخری مصرعہ تو دیکھو، اس سے میرے جذبات کا فقدان ظاہر تھا۔ مجھے توقع تھی کہ بابا اس نظم کو میرے منہ پر پھینک دینگے اور کہیں گے: ''بے ایمان لڑکا، اپنی ماں کو بھول گیا۔ یہ لو۔،، لیکن ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔ اس کے برخلاف جب پوری نظم ختم ہوگئی تو نانی نے کہا: «Charmant!» * اور میرے ماتھے پر پیار کیا۔

اس چھوٹے سے ڈبے، تصویر اور نظم کو کیمبرک کے دو رومالوں اور ایک نسوار کی ڈبیا کے ساتھ جس پر اماں کی تصویر بنی ہوئی تھی، ایک میز پر چن دیا گیا جسکا تختہ کھینچ کر باہر نکالا جا سکتا تھا اور جو اس آرام کرسی کے ساتھ جڑی ہوئی تھی جس پر نانی ہمیشہ بیٹھا کرتی تھیں۔

''شاہزادی ورُوارا ایلی نیچنا،، نانی کی بندکاڑی کے ساتھ جو دو بڑے قدوالے اردلی چلا کرتے تھے ان میں سے ایک نے اعلان کیا۔

نانی بہت غوروفکر کے ساتھ اس تصویر کو دیکھ رہی تھیں جو نسوار کی ڈبیا کے کچھوے کی ہڈی کے بنے ہوئے ڈھکنے پر بنائی گئی تھی اور انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

''کیا حضور ان سے ملاقات فرمائینگی؟،، خادم نے دوہرایا۔

باب ۱۷

شاہزادی کورنا کووا

''اندر بلالو،، نانی نے آرام کرسی میں اور دھنستے ہوئے کہا۔

شاہزادی کوئی پینتالیس برس کی خاتون تھیں — مختصر، دبلی

---

* بہت خوب۔

پتلی، تکنچڑھی، خشک اور ان کی سبز سرمئی آنکھیں سخت ناگوار معلوم ہوتی تھیں۔ نظروں سے صاف پتہ چلتا تھا کہ مصنوعی طور پر جو خوش مزاجی ان کے ہونٹوں پر آگئی ہے وہ جھوٹی ہے۔ ان کی مخملی ٹوپی کے نیچے سے جس پر شترمرغ کا پر لگا ہوا تھا، ان کے ہلکے سرخی مائل بال نظر آرہے تھے۔ ان کے چہرے کے بیمار زردی مائل رنگ کے پس منظر میں ان کی بھویں اور پلکیں اور بھی زیادہ باریک معلوم ہوتی تھیں۔ لیکن ان سب چیزوں کے باوجود ان کے بےتکلف انداز، ننھے ننھے ہاتھوں اور خدوخال کی مخصوص سی درشتی کی وجہ سے ان کے پورے حلیے سے ایک قسم کا رعب ضرور پڑتا تھا۔

شاہزادی باتونی بہت تھیں اور اپنے باتونی‌پن کی وجہ سے ایسے لوگوں کے طبقے سے تعلق رکھتی تھیں جو ہمیشہ اس طرح بات کرتے ہیں جیسے کوئی ان کی بات کی تردید کر رہا ہو، چاہے کسی نے ایک لفظ بھی نہ کہا ہو۔ وہ کبھی اپنی آواز بلند کرتیں اور پھر آہستہ آہستہ دھیمی کر لیتیں اور پھر نئے دم خم کے ساتھ شروع کر دیتیں اور تمام حاضرین کی طرف مڑمڑ کر دیکھتی جاتیں، چاہے وہ گفتگو میں کوئی حصہ نہ لے رہے ہوں جیسے ان کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

حالانکہ شاہزادی صاحبہ نے نانی کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور انہیں مسلسل ma bonne tante* کہتی رہیں لیکن میں نے دیکھا کہ نانی ان سے خوش نہیں ہیں۔ جب وہ عذر پیش کر رہی تھیں کہ شاہزادہ میخائلو انتہائی خواہش کے باوجود بذات‌خود نانی کو آکر مبارکباد کیوں نہ دے سکے، نانی نے یہ سن کر عجیب انداز میں تیوریوں پر بل ڈالے اور شاہزادی کی فرانسیسی کا جواب روسی میں دیا:

''آپ کی میں بہت شکرگزار ہوں میری عزیزم کہ آپ اس قدر توجہ فرماتی ہیں،، وہ الفاظ چبا کر بولیں۔ ''جہاں تک شاہزادہ میخائلو کے نہ آنے کی بات ہے تو اس کا ذکر ہی نہ کیجئے۔ وہ تو ہمیشہ مصروف ہی رہتے ہیں۔ البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ

---

* میری اچھی چچی جان۔

سجھ بڑھیا سے مل کر ان کو کیا خوشی ہو سکتی ہے!'' اور شاہزادی کو بات کی تردید کا موقع دئے بغیر انہوں نے سوال کیا:

''کہئے آپ کے بچے کیسے ہیں عزیزم؟''

''خدا کا شکر ہے ma tante سب پھل پھول رہے ہیں، بڑھتے ہیں اور شرارت کرتے ہیں... خاص طور پر اتئین—وہ سب سے بڑا ہے اور ایسا لاابالی ہوگیا ہے کہ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ کیا کریں لیکن ہوشیار بہت ہے — un garçon, qui promet* ۔ ذرا سوچئے تو mon cousin** '' انہوں نے پاپا کی طرف مخاطب ہوکر بات جاری رکھی کیونکہ نانی نے جو شاہزادی کے بچوں میں کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھیں بلکہ خود اپنے پوتوں پوتیوں کے متعلق بڑھ چڑھ کر باتیں بنانا چاہتی تھیں، ڈبے کے نیچے سے میری نظم کو بڑی احتیاط سے نکال لیا تھا اور کاغذ کو کھولنا شروع کر دیا تھا۔ ''ذرا سوچئے تو mon cousin کہ اس دن اس نے کیا حرکت کی...''

اور شاہزادی پاپا کی طرف جھکیں اور بڑا مزا لےلیکر کوئی واقعہ بیان کرنے لگیں۔ جب اپنا قصہ ختم کر چکیں جو میں نے بالکل نہیں سنا تو ہنسیں اور پاپا کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھ کر بولیں:

''آپ کا کیا خیال ہے mon cousin؟ مار کھانے کی بات کی تھی لیکن اس کی شرارت ایسی دلچسپ اور ذہانت کی تھی کہ میں نے تو اسے معاف کردیا mon cousin ۔ ''

اور شاہزادی صاحبہ نانی کو گھورتے ہوئے بغیر کچھ کہے مسکراتی رہیں۔

''اپنے بچوں کو مارتی ہیں آپ عزیزم؟'' نانی معنی‌خیز انداز میں تیوری پر بل ڈال کر اور لفظ ''مارتی ہیں'' پر خاص زور دے کر بولیں۔

''افسوس ہے ma bonne tante'' شاہزادی نے جلدی سے پاپا کی طرف ایک نگہ ڈال کر بہت ہی خوش‌مزاجی کے انداز میں کہا

---

* امیدافزا لڑکا۔
** میرے بھائی۔

''اس کے بارے میں آپ کا خیال مجھے معلوم ہے۔ لیکن اجازت دیجئے کہ اس ایک خیال پر آپ سے اختلاف کر سکوں۔ اس موضوع پر میں نے جو کچھ پڑھا اور سوچا ہے اور مجھے جتنے بھی مشورے ملے ہیں ان سب کے باوجود تجربے سے میں اس نتیجے پر پہونچی ہوں کہ بچوں کو ڈرا کر قابو میں کرنا چاہئے۔ بچے کو اگر کچھ بتانا ہے تو ڈرانا بہت ضروری ہے، ہے نہ یہی بات mon cousin? Je vous demande un peu * بچے ڈنڈے سے زیادہ کسی اور چیز سے ڈرتے ہیں بھلا؟''

یہ کہہ کر انہوں نے ہم سب کی طرف سوالیہ انداز سے دیکھا اور مجھے اعتراف ہے کہ اس وقت مجھے بڑی پریشانی سی محسوس ہوئی۔

''جو بھی کہو لیکن بارہ برس کا لڑکا یا چودہ برس کا بھی ہوجائے، ہے تو آخر بچہ ہی۔ لڑکی کی بات البتہ الگ ہوتی ہے۔''

''کتنا خوش قسمت ہوں'' میں نے سوچا ''کہ ان کا بیٹا نہیں ہوں!''

''ہاں، یہ تو آپ نے بہت خوب فرمایا'' نانی نے میری نظم موڑکر اور ڈبے کے نیچے رکھ کر کہا جیسے آخرکار وہ اس نتیجے پر پہنچ گئی ہوں کہ شاہزادی اس قسم کی تخلیق سننے کی اہل نہیں ہیں۔ ''یہ سب تو بہت خوب ہے لیکن ذرا یہ تو بتائیے کہ اس کے بعد اپنے بچے میں نازک احساسات کی امید کیسے کر سکتی ہیں آپ؟''

اور اس دلیل کو لاجواب تصور کرکے نانی نے گفتگو ختم کرنے کی غرض سے کہا:

''لیکن اس معاملے میں ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے کا حق ہے۔''

شاہزادی نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن بہت مشفقانہ انداز میں مسکرائیں گویا انہوں نے اس طرح جتایا کہ وہ ایسے عجیب‌وغریب

---

* اب میں آپ سے پوچھتی ہوں۔

تعصبات کو معاف کرتی ہیں خصوصاً ان لوگوں کے جن کی وہ بہت عزت کرتی ہیں۔

''اچھا ذرا اپنے ان لڑکوں سے تعارف کرائیے،، انہوں نے ہماری طرف نگہ ڈال کر اور بڑے بزرگنہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

ہم کھڑے ہوگئے۔ شاہزادی کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں لیکن ہماری سمجھ میں نہ آیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے یہ دکھانے کےلئے کہ تعارف ہوگیا۔

''شاہزادی کے ہاتھ کو بوسہ دو،، بابا بولے۔

''اپنی بوڑھی خالہ کو چاہوگے نہ؟،، انہوں نے ولودیا کے سر پر پیار کرتے ہوئے کہا۔ ''میں تو صرف دور کی خالہ ہوں لیکن خون کے رشتے سے زیادہ میں دوستانہ رشتوں کی قدر کرتی ہوں،، انہوں نے خاص طور پر نانی کی طرف مخاطب ہوکر کہا۔ لیکن نانی اب تک ان سے خفا تھیں۔ وہ بولیں:

''بھلا آج کل کے زمانے میں ان رشتوں کو کون پوچھتا ہے؟،،

''میں جانوں یہ بڑا ہوکر دنیادار ہوگا،، بابا نے ولودیا کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ ''اور یہ شاعر ہے،، انہوں نے عین اس وقت کہا جب میں شاہزادی کے سوکھے مارے ہاتھ کو بوسہ دے رہا تھا اور پوری تفصیل کے ساتھ یہ تصور کر رہا تھا کہ اس ہاتھ کے اندر ایک ڈنڈا ہے اور ڈنڈے کے نیچے ایک بنچ ہے، وغیرہ وغیرہ۔

''کونسا؟،، شاہزادی نے میرا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

''یہی چھوٹا والا جس کی چندیا پر یہ گچھا ہے،، بابا نے بہت خوش‌مزاجی سے مسکرا کر جواب دیا۔

''میرے بالوں کے گچھے سے ان کا کیا تعلق؟ بات کرنے کےلئے کوئی اور چیز ہی نہیں رہ گئی ہے؟،، میں یہ سوچ کر کونے میں کھسک گیا۔

حسن کے متعلق میرا تصور عجیب‌وغریب تھا۔ اب تو کارل ایوانچ کو بھی میں دنیا کا حسین‌ترین انسان سمجھتا تھا۔ لیکن مجھے یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ میں قبول صورت نہیں ہوں اور میری یہ بات غلط نہیں تھی۔ اس‌لئے میری شکل‌وصورت کے متعلق کسی بھی قسم کے ذکر سے مجھے بہت دکھ پہنچتا تھا۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار — میں اس وقت چھ

برس کا تھا۔ کھانے کے وقت میری شکل‌وصورت پر باتیں ہورہی تھیں اور اماں میری صورت میں کوئی خوبصورت چیز ڈھونڈ نکالنے کی فکر میں تھیں۔ انہوں نے کہا: اس کی آنکھوں میں بلا کی ذہانت ہے اور مسکراہٹ بہت دلکش ہے لیکن آخر بابا کے دلائل اور قیاسوں کے آگے ہتھیار ڈال کر انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ میری صورت کچھ نہیں اور جب میں نے کھانے پر ان کا شکریہ ادا کیا تو انہوں نے میرے گال کو تھپتھپاتے ہوئے کہا:

''یاد رکھنا بیٹے، تمہاری صورت ایسی ہے کہ اس کی خاطر کوئی تمہیں نہ چاہیگا، اس لئے ہمیشہ اچھا اور تیز لڑکا بننے کی کوشش کرنا۔،،

ان الفاظ نے نہ صرف مجھے یہ یقین دلادیا کہ میں حسین نہیں ہوں بلکہ یہ بھی کہ چاہے کچھ ہو، میں اچھا اور تیز لڑکا بن کر رہونگا۔

لیکن اس کے باوجود افسردگی کے لمحات اکثر آتے تھے۔ میں سوچتا کہ ایسے شخص کےلئے دنیا میں کوئی مسرت نہیں ہے جس کی اتنی موٹی ناک، اتنے موٹے ہونٹ اور ایسی چھوٹی بھوری آنکھیں ہوں جیسی میری ہیں۔ میں خدا سے دعا کرتا کہ کوئی معجزہ کردے اور مجھے خوبصورت بنا دے اور میرے پاس جو بھی ہے یا آئندہ جو کچھ بھی ہوگا وہ میں حسین چہرے کے عوض دےدینے کو تیار تھا۔

باب ۱۸

شاھزادہ ایوان ایوانچ

جب شاھزادی نے نظم سنی اور اس کے مصنف پر تعریف کی بارش کرچکیں تو نانی کا دل پسیج گیا۔ انہوں نے ان سے فرانسیسی میں گفتگو شروع کردی، انہیں میری عزیزم کہنا بند کردیا، شام کو پھر آنے کی دعوت دی اور اس بار سارے بچوں کو لیکر۔ شاھزادی نے دعوت قبول کرلی اور رکنے کے بعد وہ رخصت ہوگئیں۔

اسی دن اتنے لوگ مبارکباد دینے آئے کہ برآمدے کے پاس باہر کے صحن میں ساری دوپہر تک گاڑیاں کھڑی رہیں۔

«Bonjour, chère cousine» * ایک مہمان نے کمرے میں داخل ہوکر نانی کے ہاتھ کو بوسہ دیتے ہوئے کہا۔

یہ کوئی ستر برس کے بزرگ تھے۔ بلند قامت، فوجی وردی میں ملبوس، جس کے کندھوں پر بڑی بڑی پٹیاں لگی ہوئی تھیں اور جس کے کالر کے نیچے سے ایک بڑی سی سفید صلیب نظر آرہی تھی اور ان کے چہرے سے پتہ چلتا تھا کہ بہت متعین اور صاف دل آدمی ہیں۔ ان کے اندازواطوار کی بےتکلفی اور سادگی سے مجھے بڑی حیرت ہوئی۔ اس حقیقت کے باوجود کہ بالوں کا صرف ایک بہت باریک سا نیم‌دائرہ ان کی گدی کے پاس باقی رہ گیا تھا اور اوپر کے دھنسے ہوئے ہونٹ سے پتہ چلتا تھا کہ دانت غائب ہیں، ان کا چہرہ اب بھی کافی حسین معلوم ہوتا تھا۔

گذشتہ صدی کے اواخر میں شاہزادہ ایوان ایوانچ نے اپنے بلند کردار، اپنی خوبصورتی، اپنی نمایاں بہادری، اپنے ممتاز اور بااثر خاندان اور خاص طور پر اپنی خوش‌قسمتی کی وجہ سے جوانی ہی میں بڑا رتبہ حاصل کرلیا تھا۔ وہ ملازمت میں رہے اور ان کے سارے حوصلے بہت جلدی اور سب کے سب پورے ہوگئے کہ اس سلسلے میں ان کے دل میں کوئی حسرت ہی نہ رہ گئی۔ نوجوانی کے ابتدائی زمانے ہی سے انہوں نے اس طرح عمل کیا جیسے دنیا میں اس اعلیٰ رتبہ تک پہونچنے کی تیاری کررہے ہوں جس پر آخرکار قسمت نے انہیں پہونچا دیا۔ اگرچہ انہیں اپنی شاندار اور کسی حد تک شیخی‌بازی کی زندگی میں کچھ ناکامیوں اور مایوسیوں سے بھی دوچار ہونا پڑا، جن سے تمام لوگوں کو دوچار ہونا پڑتا ہے تو بھی اپنے مزاج کی متانت، اپنے خیالات کی عالی حوصلگی اور مذہب اور اخلاق کے متعلق مضبوط اصولوں کو کبھی ہاتھ سے نہ‌جانے دیا اور انہوں نے جو ہر طرف عزت حاصل کی وہ شاندار رتبے کے مقابلے میں اپنے کردار کی مضبوطی اور پائداری کی وجہ سے زیادہ تھی۔ وہ کچھ ممتاز عقل و فراست کے انسان نہ تھے لیکن

---

* آداب عرض، پیاری بہن۔

اپنی حیثیت کی وجہ سے جہاں سے وہ زندگی کے تمام بیکار ہنگاموں کو حقارت کی نظر سے دیکھ سکتے تھے، ان کی فکر کا سانچہ بہت اعلی قسم کا ہوگیا تھا۔ فطرتاً وہ بہت نیک اور حساس تھے لیکن ظاہر طور پر بہت سردمہر اور کچھ حد تک خودپسند قسم کے انسان معلوم ہوتے تھے۔ یہ چیز یوں پیدا ہوئی کہ ایسی حیثیت کی وجہ سے وہ بہتوں کےلئے مفید ہو سکتے تھے، انہوں نے اپنی سردمہری کے ذریعے کوشش کی کہ ایسے لوگوں کی لگاتار درخواستوں اور اپیلوں سے اپنے آپ کو محفوظ کرلیں جو صرف ان کے رتبے سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ لیکن یہ سردمہری ایسے انسان کے انکسار اور خوش اخلاقی کے سامنے مدھم پڑجاتی تھی جس کا تعلق بہت ہی اونچی سوسائٹی سے تھا۔

شاہزادے کافی تعلیم‌یافتہ تھے اور ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا لیکن ان کی تعلیم صرف وہیں تک رہ گئی تھی جہاں تک انہوں نے اس کو جوانی میں حاصل کیا تھا یعنی گذشتہ صدی کے اواخر میں، اٹھارویں صدی میں فرانس میں فلسفے اور علم بیان پر جو بھی اچھی کتابیں لکھی گئی تھیں وہ انہوں نے پڑھی تھیں۔ فرانسیسی ادب کی تمام بہترین تخلیقات سے وہ بخوبی واقف تھے چنانچہ راسین، کورنیل، بوئیلو، مولیئر، سونٹین اور فینیلون کی تصنیفات سے اقتباسات پیش کرسکتے تھے اور یہ بات انہیں پسند بھی تھی۔ انہیں دیومالا کا بہت ہی اچھا علم تھا اور فرانسیسی ترجمے میں انہوں نے قدیم رزمیہ شاعری کے مطالعے سے بہت فائدہ اٹھایا تھا، سیگیور سے تاریخ کا مطالعہ بہت اچھا ہوگیا تھا۔ لیکن انہیں ریاضی میں علم حساب کے آگے کچھ علم نہ تھا، نہ طبیعیات کا کچھ علم تھا اور نہ اپنے زمانے کے ادب کا؛ گوئٹے، شیلر اور بائرن کے متعلق وہ بہت ہی سلیقے کے ساتھ خاموش رہ سکتے تھے یا عام قسم کے کچھ جملے کہہ سکتے تھے لیکن انہوں نے ان ادیبوں کو کبھی پڑھا نہیں تھا۔ اپنی فرانسیسی کلاسیکی تعلیم کے باوجود جس کی مثالیں اب بہت کم ملتی ہیں، ان کی گفتگو بہت سادہ تھی اور ان کی یہ سادگی بہت سی چیزوں کے متعلق ان کی لاعلمی کی پردہ‌پوشی کرتی تھی اور اسی کے ساتھ ان کی گفتگو سے رواداری اور ستھرے مذاق کا بھی پتہ چلتا تھا۔ انہیں ہر قسم کی جدت سے نفرت تھی اور وہ

کہتے تھے کہ یہ بدقماش لوگوں کا طریقہ ہے۔ وہ جہاں بھی ہوتے سوسائٹی ان کےلئے ضروری تھی۔ ماسکو میں ہوتے یا ملک سے باہر قیام ہوتا لیکن ہمیشہ ہاتھ کھلا رہتا تھا اور بعض خاص دنوں میں اپنے ہاں شہر بھر کو مدعو کرلیتے تھے۔ سوسائٹی میں ان کا وقار ایسا تھا کہ ان کا دعوت‌نامہ تمام لوگوں کے مہمان‌خانوں کےلئے پاسپورٹ کا درجہ رکھتا تھا اور بہت سی نوجوان اور خوبصورت عورتیں بڑی خوشی سے اپنے گلابی رخسار ان کے بوسوں کےلئے پیش کردیتی تھیں جن پر وہ بڑی پدرانہ شفقت سے پیار کرتے تھے اور تمام لوگوں کو اور بظاہر بہت ہی اہم اور بااثر لوگوں کو بھی شاہزادے کی دعوتوں میں شرکت کرنے میں خوشی محسوس ہوتی تھی۔

نانی کی طرح کے بہت کم لوگ باقی رہ گئے تھے جو اسی حلقے کے رکن تھے، اتنی ہی عمر کے تھے، جن کی وہی تعلیم تھی اور وہی خیالات اور اسی وجہ سے ان کے ساتھ اپنے پرانے دوستانہ رشتوں کی بڑی قدر کرتے تھے اور نانی کے ساتھ ہمیشہ عزت سے پیش آتے تھے۔

میں شاہزادے کی طرف سے دیر تک نظریں نہ ہٹا سکا۔ ہر شخص جس طرح ان کی تعظیم کررہا تھا، ان کی وردی کی بڑی بڑی پٹیاں اور انہیں دیکھ کر نانی نے جس خوشی کا اظہار کیا اور یہ بات کہ صرف وہی تھے جن کو نانی سے خوف نہ آتا تھا اور بڑی بےتکلفی سے ان کے ساتھ پیش آتے تھے بلکہ انہیں ma cousine کہنے کی جرأت کرتے تھے — ان سب چیزوں کی وجہ سے ان کی طرف سے میرے دل میں اتنی عزت پیدا ہوگئی جو اگر میرے دل میں نانی کی عزت سے زیادہ نہیں تو اس کے برابر ضرور تھی۔ جب نانی نے انہیں میری نظم دکھائی تو انہوں نے مجھے بلایا اور بولے:

''کون جانے ma cousine یہ شاید دوسرا دیرژاوین ہوجائے۔''

یہ کہہ کر انہوں نے میرے گال میں اتنے زور کی چٹکی لی کہ اگر میں چلایا نہیں تو صرف یہ سوچ کر کہ دراصل ان کا مقصد پیار کرنا تھا۔

مہمان رخصت ہوگئے، پاپا اور ولودیا بھی باہر چلے گئے۔ مہمان‌خانے میں شاہزادہ، نانی اور میں رہ گئے۔

''ھماری پیاری نتالیا نکولائےونا کیوں نہیں آئیں؟،، شاھزادے ایوان ایوانچ نے چند منٹ کی خاموشی کے بعد دفعتاً سوال کیا۔
«Ah! mon cher»* نانی نے آواز دھیمی کرکے اور ان کی وردی کی آستین پر ھاتھ رکھ کر کہا ''اگر اس کی مرضی چلتی تو ضرور آگئی ھوتی۔ مجھے لکھتی ھے گویا Pierre نے! تو کہا کہ چلو لیکن میں نے خود ھی انکار کردیا کیونکہ اس سال مانو کہ ان کی کچھ آمدنی ھی نہیں ھوئی۔ اور اس نے لکھا ھے کہ 'اس کے علاوہ کوئی ایسی وجہ بھی نہیں ھے کہ اس سال سارا گھربار لیکر ماسکو چلی آؤں۔ لیوبوچکا ابھی بہت چھوٹی ھے اور لڑکوں کا معاملہ یہ ھے کہ آپ کے ساتھ رھینگے تو مجھے ان کی طرف سے اتنا اطمینان رہے گا جتنا یہاں میرے پاس رھنے سے نہ ھوتا۔' یہ سب بہت خوب ھے!،، نانی نے ایسے لہجے میں بات جاری رکھی کہ جس سے بہت صاف طور پر پتہ چلتا تھا کہ وہ ان تمام باتوں کو ''بہت خوب،، نہیں مانتی ھیں۔ ''لڑکوں کو بہت پہلے ھی یہاں بھیج دینا چاھئے تھا تاکہ کچھ سیکھ جائیں اور سوسائٹی کے عادی ھوجائیں۔ دیہات میں ان لوگوں کی کس قسم کی تعلیم ممکن تھی؟ اب یہی دیکھئے کہ بڑا والا جلد ھی تیرہ کا ھوجائیگا اور دوسرا گیارہ کا۔ آپ نے دیکھا ھوگا mon cousin کہ وہ یہاں بالکل ھی جنگلی لگتے ھیں... انہیں کمرے میں بھی داخل ھونا بھی نہیں آتا۔،،

''تاھم میری سمجھ میں نہیں آتا،، شاھزادے نے جواب دیا ''کہ ھمیشہ تنگی کا رونا کیوں رھتا ھے؟ ان کے پاس بہت اچھی جائداد ھے اور نتاشا کی خاباروفکاوالی جائداد جہاں ایک زمانے میں میں نے آپ کے ساتھ تھیٹر میں پارٹ کیا تھا، اسے تو میں اپنے ھاتھ کی لکیروں کی طرح اچھی طرح جانتا ھوں۔ بڑی زبردست جائداد ھے اور اس سے تو بہت معقول آمدنی ھونی چاھئے۔،،

''میں آپ کو سچا دوست مان کر کہتی ھوں کہ...،، نانی نے اداس منہ بناکر بات کاٹی ''مجھے تو ایسا لگتا ھے کہ یہ سب بہانے صرف اسلئے تراشے گئے ھیں کہ اسے یہاں تنہا رھنے کا موقع

---

* میرے پیارے۔

ملے، کلبوں میں تفریح کرے، ڈنر کھائے اور خدا جانے اور کیا کیا کرے۔ لیکن وہ ہے کہ ذرا بھی شبہ نہیں کرتی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ کیسی فرشتوں جیسی نیک ہے یہ۔ وہ اس پر ہر طرح یقین رکھتی ہے۔ اس نے یقین دلایا کہ بچوں کو ماسکو لے جانا ضروری ہے اور تم خود اس بیوقوف آیا کے ساتھ تنہا رہو اور نتاشا نے یقین کرلیا۔ اگر وہ اس سے یہ بھی کہتا کہ شاہزادی وروارا ایلی نیچنا کی طرح بچوں کو مارنا ضروری ہے تو شاید اس پر بھی یقین کرلیتی۔'' نانی نے انتہائی نفرت سے منہ بنایا اور اپنی کرسی پر مڑیں۔ ''ہاں، دوست،'' نانی نے ایک لمحہ توقف کیا اور آنکھ سے آنسو پونچھنے کے لئے اپنے دو رومالوں میں سے ایک نکالتے ہوئے انہوں نے بات جاری رکھی ''میں اکثر سوچا کرتی ہوں کہ وہ نہ تو اس کی قدر کر سکتا ہے اور نہ اسے سمجھ سکتا ہے اور نتاشا اپنی ساری نیک دلی اور اس سے محبت کے باوجود، اپنا غم چھپائے رہنے کی کوشش کے باوجود، میں یہ بخوبی جانتی ہوں کہ اس کے ساتھ وہ خوش نہیں رہ سکتی اور میرے یہ لفظ یاد رکھئےگا کہ اگر وہ نہ...''

نانی نے منہ پر رومال رکھ لیا۔

«Eh! ma bonne amie»* شاہزادے نے ملامت کرتے ہوئے کہا ''میں دیکھتا ہوں کہ آپ کو اب بھی عقل نہیں آئی — ہمیشہ بیٹھے بٹھائے کسی نہ کسی فرضی غم سے کھلا کرتی ہیں۔ کیا فضول کی بات کرتی ہیں آپ! میں اسے بہت زمانے سے جانتا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ وہ بہت خیال رکھنے والا، خوش مزاج اور لاجواب شوہر ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بہت ہی شریف آدمی ہے، un parfait honnête homme**۔''

جو گفتگو مجھے نہ سننی چاہئے تھی، اسے غیرارادی طور پر سن کر میں دبے پاؤں کمرے کے باہر چلا گیا۔ اس وقت میرے اندر سخت ہل چل برپا تھی۔

---

* ارے میری اچھی دوست۔

** بہت معقول آدمی۔

باب ۱۹

ای‌ون خاندان

''ولودیا! ولودیا! ای‌ون آئے!،، میں کھڑکی میں ان تین لڑکوں کو دیکھ کر چلایا جو سمور کے کالروالے نیلے اوورکوٹ پہنے سامنے کے فٹ‌پاتھ سے ہمارے گھر کی طرف اپنے نوجوان اور چھیلا قسم کے استاد کی قیادت میں چلے آرہے تھے۔

ای‌ون لوگ ہمارے رشتہ‌دار ہوتے تھے اور قریب قریب ہمارے ہی ہم‌عمر تھے۔ ماسکو آتے ہی ہماری ان سے ملاقات ہوگئی اور اب ہم انہی کے ساتھ گھومتے پھرتے تھے۔

منجھلے لڑکے سریوژا کا رنگ سانولا اور بال گھنگھریالے تھے، چھوٹی سی اوپر کی طرف اٹھی ہوئی ناک، بہت ہی شگفتہ سے لال ہونٹ جو اس کے سفید اور ایک حد تک ابھرے ہوئے اوپر کے دانتوں کو پوری طرح بند نہ کرپاتے تھے، گہری نیلی خوبصورت آنکھیں اور چہرے کا غیرمعمولی تیکھاپن۔ وہ کبھی مسکراتا نہیں تھا بلکہ ہمیشہ سنجیدہ نظر آتا یا بہت بےتکلفی اور زور سے قہقہہ لگاتا کہ دوسرے بھی ہنس پڑتے۔ اس کی غیرمعمولی خوبصورتی کی پہلی نظر ہی نے مجھے متاثر کیا۔ اس میں مجھے بےانتہا کشش محسوس ہوئی، اسے دیکھ لینا ہی خوش ہوجانے کےلئے کافی تھا اور اس وقت میری ساری جان صرف اسی خواہش میں لگی رہتی تھی۔ اگر تین چار دن گزر جاتے اور میں اسے نہ دیکھ پاتا تو بہت سست اور اداس ہوجاتا بلکہ آنسو تک نکل آتے۔ سوتے جاگتے ہر وقت مجھے اس کا خیال رہتا: میں سونے کےلئے لیٹتا تو جی چاہتا کہ اسی کے متعلق خواب دیکھوں، آنکھیں بند کرتا تو اسے سامنے کھڑا ہوا دیکھتا اور اس منظر کو خوشی کی انتہا سمجھتا۔ یہ جذبہ اتنا قیمتی تھا کہ اسے کسی سے کہہ نہ سکتا تھا۔ اسے البتہ مجھ سے زیادہ ولودیا کے ساتھ بات کرنے اور کھیلنے میں مزا آتا تھا، شاید اسلئے کہ اپنے چہرے پر میری بےچین نگاہوں کو مسلسل دیکھ کر اکتا جاتا تھا، یا شاید اسلئے مجھ سے اسے کوئی ہمدردی محسوس نہ ہوتی تھی۔ لیکن میں بہرحال مطمئن تھا، نہ

کچھ چاھتا تھا، نہ کسی چیز کا مطالبہ کرتا تھا اور اس کی خاطر ہر چیز قربان کردینے کےلئے تیار تھا۔ میرے لئے زبردست کشش کا موجب ہونے کے علاوہ اس کی موجودگی ایک دوسرے جذبے کو بھی کچھ کم شدت سے نہ ابھارتی تھی — یعنی یہ ڈر کہ کہیں کسی طرح اسے تکلیف نہ پہنچے، اسے کوئی بات بری نہ معلوم ہو، وہ خفا نہ ہوجائے۔ شاید اسلئے کہ اس کے چہرے سے خودپسندی کا اظہار ہوتا تھا یا شاید اسلئے کہ میں اپنی صورت کو حقیر سمجھتا تھا اور اسی وجہ سے دوسروں میں حسن کی بہت زیادہ قدر کرتا تھا، یا شاید زیادہ امکانی وجہ یہ تھی کہ میرے دل میں اس کےلئے جتنی محبت تھی اتنا ہی خوف بھی تھا جو محبت کی یقینی نشانی تھی۔ جب پہلی بار سریوژا نے مجھ سے بات کی تو میں اس غیرمتوقع عنایت سے اتنا گھبرا گیا کہ رنگ زرد پڑگیا، پسینہ چھوٹنے لگا اور میں کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس کی ایک خراب عادت تھی کہ جب وہ کچھ سوچتا تھا تو کسی ایک چیز کی طرف گھورتا رہتا تھا اور مسلسل پلکیں جھپکاتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ ناک اور بھویں سکیڑ لیتا تھا۔ ہر شخص کو اتفاق تھا کہ یہ عادت اس کی صورت بگاڑ دیتی ہے۔ لیکن مجھے یہ عادت اتنی اچھی معلوم ہوئی کہ غیرارادی طور پر میں نے بھی اختیار کرلی۔ ہماری ملاقات کے چند دن بعد نانی نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہاری آنکھوں میں کچھ تکلیف ہے کہ الو کی طرح پلکیں جھپکا رہے ہو۔ ہمارے درمیان محبت کا ایک لفظ بھی کبھی نہ کہا گیا لیکن مجھ پر قبضے اور اختیار کا اسے احساس تھا اور ہماری بچکانہ ملاقاتوں میں وہ غیرشعوری طور پر لیکن بڑی بےرحمی سے اس اختیار کو استعمال کرتا تھا۔ حالانکہ میری تمنا تھی کہ اس کے سامنے دل کھول کر رکھ دوں لیکن اس قدر ڈرتا تھا کہ کھل کر بات کرنے تک کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ میں یہ دکھانے کی کوشش کرتا کہ میں بالکل بےتعلق ہوں اور بلاچوںوچرا اس کا حکم بجا لاتا۔ کبھی کبھی اس کا اثر مجھے تکلیف دہ اور ناقابل برداشت محسوس ہوتا لیکن اس سے بچ نکلنا میرے بس میں نہیں تھا۔

مجھے اس بےلوث اور اتھاہ محبت کے شگفتہ اور حسین

جذبے کے متعلق سوچ کر دکھ ہوتا ہے جو یوں ہی ختم ہوگیا، نہ اسے اظہار کا کوئی راستہ ملا اور نہ کوئی صلہ۔

آخر کیا وجہ تھی کہ جب میں بچہ تھا تو بڑوں کی طرح ہونے کی کوشش کرتا تھا اور جب بچہ نہیں رہا تو اکثر بچہ ہونے کی خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے؟ سریوژا کے ساتھ اپنے تعلقات میں بچہ معلوم نہ ہونے کی خواہش نے کتنی بار میرے جذبات کو لگام دی جو اظہار کےلئے بیتاب تھے اور دنیاداری برتنی پڑی! نہ صرف یہ کہ میں نے کبھی اسے پیار کرنے کی ہمت نہیں کی حالانکہ کبھی کبھی بہت جی چاہتا تھا کہ اس کا ہاتھ ہاتھ میں لوں، اس سے کہوں کہ تمہیں دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہوئی بلکہ اسے کبھی سریوژا تک کہہ کر نہ پکارا اور ہمیشہ بہت پابندی سے اسے سرگئی پکارتا تھا اور یہی ہمارے یہاں کا قرینہ تھا جس میں بےتکلفی نہیں تھی۔ جذبات کا کسی قسم کا اظہار بچکانہ حرکت سمجھی جاتی تھی اور جذبات کے اظہار سے صرف یہ ثابت ہوتا تھا کہ اظہار کرنےوالا ابھی ننھا سا بچہ ہے۔ ابھی ہم ان تلخ آزمائشوں سے نہیں گزرے تھے جو بڑوں کو آپس کے تعلقات میں احتیاط اور سردمہری سکھاتی ہیں مگر ہم اپنے آپ کو نازک طفلانہ الفت کی معصوم اور پاکیزہ مسرتوں سے صرف اس عجیب‌وغریب خواہش کے کارن محروم کئے ہوئے تھے کہ بڑوں کی نقل کرنی چاہئے۔

میں بالکل ڈیوڑھی میں ای‌ون بھائیوں سے ملا، سلام دعا ہوئی اور اس کے بعد میں سیدھا نانی کے پاس پہونچا۔ میں نے ان کے آنے کی خبر اتنی خوش ہوکر دی جیسے اس خبر سے وہ بس نہال ہوجائینگی۔ اس کے بعد سریوژا سے نظریں ہٹائے بغیر میں اس کے پیچھے پیچھے مہمان‌خانے میں داخل ہوا اور اس کی ایک ایک حرکت کو توجہ سے دیکھتا رہا۔ جب نانی اس سے کہہ رہی تھیں کہ تم بہت بڑے ہوگئے ہو اور اسے اپنی چبھتی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں تو مجھے اس وقت خوف اور امید کا وہ احساس ہوا جو اس مصور کو ہوتا ہے جسے اپنی تصویر کے متعلق ایسے جج کا فیصلہ سننے کا انتظار ہو جس کی وہ عزت کرتا ہے۔

ای‌ون بھائیوں کے نوجوان اتالیق Herr Frost نانی سے اجازت لےکر ہم لوگوں کے ساتھ سامنےوالے باغ میں چلے گئے۔ خود

ایک سبز بنچ پر بیٹھ گئے، بڑے انداز سے پیر پر پیر رکھ کر اور پیروں کے درمیان پیتل کی موٹھوالی ایک چھڑی رکھ کر انہوں نے ایسے انسان کی طرح شان سے سگار پینا شروع کیا جو اپنے طور طریقوں سے بہت مطمئن ہو۔

Herr Frost جرمن تھے لیکن ہمارے نیک‌دل کارل ایوانچ سے بالکل مختلف قسم کے جرمن۔ اول تو وہ روسی بالکل صحیح بولتے تھے، فرانسیسی کا لہجہ برا تھا اور عام طور سے ان کی قابلیت کا بہت چرچا تھا خاص کر باعزت گھرانوں کی عورتوں میں۔ دوسرے یہ کہ ان کی مونچھیں سرخ تھیں، سیاہ اطلس کے گلوبند میں یاقوت کی بڑی سی پن لگی ہوئی تھی اور گلوبند کے دونوں سرے پیٹی کے اندر اڑے رہتے تھے۔ وہ ہلکے نیلے رنگ کا پتلون پہنتے تھے جس میں تسمے بھی تھے اور دھاریاں بھی۔ تیسرے یہ کہ وہ نوجوان تھے، خوبصورت، خودپسند چہرہ اور انتہائی خوبصورت رگ پٹھوں‌والی ٹانگیں تھیں۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ انہیں اپنی ٹانگوں پر بہت فخر ہے۔ ان کا خیال تھا کہ صنف نازک کےلئے ان کی ٹانگوں میں زبردست کشش ہے اور شاید یہی وجہ تھی کہ جہاں تک ممکن ہوتا تھا وہ بہت ہی نمایاں جگہ پر اپنی ٹانگیں رکھتے تھے اور کھڑے بیٹھے ہمیشہ اپنی پنڈلیوں کو جنبش دیا کرتے تھے۔ وہ اس قسم کے نوجوان روسی جرمن تھے جو بڑے رسیا اور عورت باز ہونے کے ارمان رکھتے ہیں۔

ہم لوگ باغ میں بہت مگن تھے، ڈاکوؤں والا کھیل انتہائی کامیاب رہا لیکن ایک بات ایسی ہوئی کہ تقریباً سب پر پانی پھر گیا ہوتا۔ سریوژا ڈاکو بنا تھا۔ وہ مسافر کی تلاش میں بھاگا جارہا تھا کہ ٹھوکر کھائی اور اس کا گھٹنا ایک درخت سے اس زور سے ٹکرایا کہ میں سمجھا کہ ٹانگ ٹوٹ گئی۔ اس بات کے باوجود کہ میں پولیس والا تھا اور میرا فرض تھا کہ اسے پکڑ لوں میں اس کے پاس گیا اور بڑی ہمدردی سے پوچھا کہ کہیں چوٹ تو نہیں لگی۔ سریوژا مجھ سے خفا ہوگیا۔ اس نے مٹھیاں بھینچ لیں اور پیر پٹک کر ایسی آواز میں چلایا جس سے صاف پتہ چلتا تھا کہ اس کے چوٹ بہت سخت آئی ہے:

''تو اس سے کیا؟ تم سارا کھیل تباہ کئے دے رہے ہو! چلو

مجھے پکڑو! مجھے پکڑتے کیوں نہیں؟"، اس نے نئی بار یہ بات ولودیا اور بڑے ای‌ون کی طرف کنکھیوں سے دیکھ کر کہی جو مسافروں کی طرح راستے سے ہوکر گزر رہے تھے۔ دفعتاً وہ چیخا اور زور سے قہقہہ لگا کر ان لوگوں کے پیچھے لپکا۔

میں بیان نہیں کر سکتا کہ اس کی بہادری سے میں کتنا متاثر ہوا۔ سخت درد کے باوجود وہ نہ صرف یہ کہ رویا نہیں بلکہ ظاہر تک نہ ہونے دیا کہ اس کے چوٹ لگی ہے اور ایک منٹ کے لئے بھی کھیل کو نہ بھولا۔

کچھ دیر بعد جب ایلینکا گراپ بھی آکر ہم لوگوں میں شامل ہوگیا اور ہم لوگ اوپر کھانے کے وقت تک کھیلنے کے لئے گئے تو سریوژا نے ایک بار پھر اپنی حیرت‌ناک مردانگی اور کردار کی مضبوطی سے مجھے اور بھی زیادہ حیرت میں ڈال دیا اور میں بہت خوش ہوا۔

ایلینکا گراپ ایک غریب غیرملکی کا بیٹا تھا جو ایک زمانے میں میرے نانا کے یہاں رہتا تھا، کسی طرح ان کا احسان‌مند تھا اور اب اپنے بیٹے کو اکثر بھیجتے رہنا اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اگر اسے یہ خیال تھا کہ ہماری ملاقات سے اس کے بیٹے کی شان میں کوئی اضافہ ہوگا تو وہ غلطی پر تھا کیونکہ نہ صرف یہ کہ ہم نے ایلینکا سے دوستی نہیں کی بلکہ ہم اس کی طرف صرف اس وقت متوجہ ہوتے جب اس کا مذاق اڑانے کو جی چاہتا۔ ایلینکا گراپ تیرہ سال کا لڑکا تھا، چہرہ زرد اور درازقد، چڑیا جیسے چہرے سے خوش مزاجی اور اطاعت‌شعاری عیاں تھی۔ بہت ہی غریبانہ کپڑے پہنے رہتا تھا لیکن بالوں میں اتنی چکنائی ہوتی تھی کہ ہمیں یہ یقین تھا کہ جس دن دھوپ ہوتی ہے اس دن گراپ کے سر کی چکنائی بہہ کر اس کے کوٹ کے اندر چلی جاتی ہے۔ اب جو میں اسے یاد کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر کام میں ہاتھ بٹانے‌والا، خاموش اور نیک قسم کا لڑکا تھا۔ لیکن اس زمانے میں مجھے انتہائی قابل‌نفرت شخص معلوم ہوتا تھا جس پر رحم کھانا بلکہ جس کے متعلق سوچنا بھی ضروری نہیں تھا۔

جب ڈاکوؤں‌والا کھیل ختم ہوگیا تو ہم لوگ اوپر چلے گئے اور ادھم بازی کرنے لگے اور ایک دوسرے کو قلابازی کے

کرتب دکھانے لگے۔ ایلینکا تعجب‌آمیز اور خوفزدہ مسکراہٹ کے ساتھ ہمیں دیکھتا رہا اور جب ہم نے کہا کہ تم بھی کوشش کرو تو اس نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ مجھ میں اتنی قوت نہیں ہے۔ سریوژا بہت ہی حسین نظر آرہا تھا۔ اس نے جیکٹ اتاردیا تھا، اس کے رخسار اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، وہ ہنسے جا رہا تھا اور طرح طرح کے نئے کرتب ایجاد کر رہا تھا: ایک قطار میں تین کرسیاں کھڑی کرکے ان پر سے کود گیا، گاڑی کے پہیوں کی طرح چلا، تاتی‌شیف کے لغتوں پر سر کے بل کھڑا ہوگیا جن کا اس نے کمرے کے بیچوں بیچ پلیٹ‌فارم بنایا تھا، اور اسی کے ساتھ اپنے پیر اس طرح چلائے کہ ہم لوگ ہنسے بغیر نہ رہ سکے۔ اسی آخری تماشے کے بعد اس نے کچھ دیر تک سوچا، حسب‌معمول پلکیں مارنا شروع کیا اور ایلینکا کے پاس انتہائی سنجیدہ منہ بنا کر پہونچا: ''اب تم بھی یہی کرو، زیادہ مشکل نہیں ہے۔'' گراپ نے دیکھا کہ ساری نظریں اس کی طرف ہیں تو اس کا چہرہ تمتما اٹھا اور وہ بہت ہی مردہ سی آواز میں بولا کہ مجھ سے یہ ہو نہیں سکے گا۔

''اصل بات کیا ہے؟ یہ کچھ کرکے دکھاتا کیوں نہیں؟ ایسا لگتا ہے کہ لڑکی ہے... اسے سر کے بل کھڑا ہونا پڑیگا۔''

اور سریوژا نے اس کے ہاتھ پکڑلئے۔

''ہاں ہاں فوراً سر کے بل کھڑے ہوجاؤ!''، ہم سب نے ایلینکا کو گھیر کر چلانا شروع کیا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت سخت خوفزدہ ہے۔ وہ بالکل پیلا پڑگیا۔ ہم نے اس کے ہاتھ پکڑے اور اسے گھسیٹ کر لغتوں کے پلیٹ‌فارم کے پاس لے گئے۔

''مجھے چھوڑ دو، میں خود کرونگا! میرا کوٹ پھٹ جائیگا!''، بیچارہ شکار چلایا۔ لیکن مایوسی کی ان چیخوں نے ہمارا دل اور بڑھادیا، ہنسی کے مارے ہمارا دم نکلا جا رہا تھا۔ ہرے کوٹ کی ساری سیون کھلی جا رہی تھی۔

ولودیا اور بڑے ای‌ون نے اس کا سر جھکایا اور لغتوں پر رکھ دیا۔ سریوژا اور میں نے اس غریب لڑکے کے سوکھے مارے پیر پکڑلئے جو وہ ہر طرف چلا رہا تھا، اس کے پائینچے گھٹنوں

تک چڑھا دئے اور زوردار قہقہے لگاتے ہوئے اس کی ٹانگیں اوپر اٹھا دیں۔ چھوٹا ای‌ون اس کے جسم کو سہارا دئے رہا۔

دفعتاً ہمارے زوردار قہقہے رک گئے اور ہم سب خاموش ہوگئے اور کمرے میں اتنی خاموشی طاری ہوگئی کہ صرف مصیبت کے مارے گراپ کی بھاری سانسیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس لمحے مجھے پوری طرح یقین نہ تھا کہ یہ ساری باتیں اتنی ہنسی کی اور دلچسپ ہیں۔

''ہاں، یہ بات ہوئی،، سریوژا نے اس کے دھپ لگاتے ہوئے کہا۔

ایلینکا خاموش رہا اور اپنے آپ کو آزاد کرنے کی کوشش میں ہر طرف پیر چلاتا رہا۔ اس قسم کی بےتابانہ کوششوں کی وجہ سے ایک بار سریوژا کی آنکھ پر اس کی ایڑی اس زور سے جا کر لگی کہ سریوژا نے فوراً پیر چھوڑ دیا، آنکھ پر ہاتھ رکھ لیا جس میں سے آنسو آپ ہی آپ بہہ رہے تھے اور اس نے ایلینکا کو پورے زور سے دھکیل دیا۔ چونکہ اس وقت ہم لوگ اسے نہیں تھامے تھے اس‌لئے وہ بالکل مردے کی طرح زور کے دھماکے کے ساتھ فرش پر گرا اور آنسوؤں کی وجہ سے صرف اتنا کہہ سکا:

''مجھے کیوں دق کر رہے ہیں آپ؟،،

بیچارے ایلینکا کی حالت قابل رحم تھی — چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا، بال بکھرے تھے، پتلون کی مہریاں چڑھی ہوئی تھیں جن کے نیچے سے گندے جوتے نظر آرہے تھے۔ اسے دیکھ کر ہم سب حیران رہ گئے اور خاموش کھڑے کھڑے زبردستی مسکرانے کی کوشش کرنے لگے۔

سب سے پہلے سریوژا سنبھلا۔

''لو یہ رہی رونی عورت!،، اس نے اسے اپنے پیر سے آہستہ ٹھوکا دیتے ہوئے کہا ''مذاق بھی نہیں سمجھتا... بس بہت ہوگیا، چل، اٹھ۔،،

''میں نے کہا کہ تم پاجی لڑکے ہو،، ایلینکا نے غصے سے کہا اور منہ پھیر کر زور زور سے سسکیاں لینے لگا۔

''کیا کہا! پہلے لات ماری اور اب گالیاں دیتا ہے!،، سریوژا چلایا اور لغت اٹھائی اور گھما کر غریب کے سر پر دے ماری۔ ایلینکا نے اپنے کو بچانے کی بھی کوشش نہیں کی اور صرف اپنا سر ہاتھوں سے چھپا لیا۔

یہ لے! یہ لے! اگر مذاق بھی نہیں سمجھ سکتا تو اسے اکیلا چھوڑ دو... چلو نیچے چلیں،، سریوژا نے بناوٹی ھنسی ھنستے ہوئے کہا۔

میں نے اس بیچارے کی طرف ھمدردی سے دیکھا جو فرش پر لغت کی جلدوں میں منہ چھپائے پڑا تھا اور رو رہا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ وہ ذرا دیر میں ان سسکیوں کی وجہ سے مرجائیگا جو اس کے سارے جسم کو ھلائے ڈال رہی تھیں۔

''اے سریوژا!،، میں اس سے بولا ''یہ تم نے کیوں کیا؟،،

''خوب کہا! میں تو نہیں رویا تھا آج، جب میرا گھٹنا ٹوٹ ہی گیا تھا ھڈی تک۔،،

''ھاں یہ تو صحیح ہے،، میں نے سوچا ''ایلینکا بھی کیا ہے، بس بلکمتنا، البتہ سریوژا ہے بہادر آدمی! دیکھ کیا بہادر آدمی ہے!،،

مجھے یہ نہیں سوجھا کہ وہ بیچارہ لڑکا جسمانی تکلیف کی وجہ سے اتنا نہیں رو رہا تھا جتنا اس خیال سے کہ پانچ لڑکے جو شاید اسے پسند بھی ھونگے بلا وجہ اس سے نفرت کرنے میں ایک ھو گئے تھے۔

واقعہ یہ ہے کہ اپنی حرکت کی بےرحمی کو میں اب خود بھی ٹھیک سے نہیں سمجھ پاتا۔ آخر میں اس کے پاس کیوں نہ گیا، اس کی حمایت کیوں نہ کی، اسے تسلی کیوں نہ دی؟ وہ دردمندی کا جذبہ کیا ھوگیا جو اس کوے کے بچے کو دیکھ کر دل میں پیدا ھوا تھا جو اپنے گھونسلے سے گر پڑا تھا، یا اس پلے کو دیکھ کر جسے باھر نکلا جانےوالا تھا، اس چوزے کو دیکھ کر جسے باورچی کاٹ کر شوربہ پکانے لئے جا رہا تھا۔

کہیں یہ تو نہیں کہ ھمدردی کا یہ نفیس جذبہ سریوژا کی محبت کے جذبے کے سامنے اور اس آرزو کے سامنے دب گیا کہ میں سریوژا کے آگے ویسی ہی بہادری دکھاؤں جیسی اس میں تھی؟ اگر ایسا تھا تو وہ محبت بھی اور بہادری دکھانے کی آرزو بھی قابل‌رشک صفت نہیں تھی۔ میرے بچپن کی یادوں کی کتاب میں صرف یہی دو سیاہ دھبے ہیں۔

باب ۲۰

مہمانوں کا جمگھٹا

برتنوں کے کمرے میں غیرمعمولی ہنگامے کو اور جگمگ جگمگ کرتی روشنی کو دیکھ کر جس کی وجہ سے مہمان‌خانے اور ہال کی ہر چیز پر نیا اور جشن کا سا نکھار آگیا تھا اور وہ تمام چیزیں چمک اٹھی تھیں جن سے میں بہت زمانے سے واقف ہو چکا تھا اور خاص طور پر اس بات سے کہ شاہزادہ ایوان ایوانچ نے خاص اپنے یہاں کی سنگیت منڈلی یوں ہی تو نہیں بھجوائی ہے، یہ اندازہ ہوگیا کہ اس رات بہت سے مہمانوں کی آمد ہے۔

ہر گزرتی ہوئی گاڑی کی آواز سن کر میں کھڑکی کی طرف بھاگتا، شیشے سے ناک لگا دیتا اور بےصبری سے سڑک کی طرف جھانکتا۔ تاریکی کی وجہ سے کھڑکی میں سے تمام چیزیں پوشیدہ رہتی تھیں۔ سڑک کے اس طرف آہستہ آہستہ جانی‌پہچانی دوکان نظر آنے لگی جس کے پاس ایک لالٹین جل رہی تھی اور اس کے آگے بڑا سا مکان جس کی نچلی منزل پر دو کھڑکیوں میں روشنی تھی۔ سڑک کے بیچ میں کوئی معمولی سی گھوڑا گاڑی دو مسافروں کو لئے یا کوئی ٹم‌ٹم پیدل آدمی کی رفتار سے گھر واپس آرہی تھی۔ لیکن اب ایک بند گاڑی برساتی میں آکر رکی اور پورے یقین سے کہ اس میں ای‌ون گھرانےوالے آئے ہیں جنہوں نے ذرا پہلے آنے کا وعدہ کیا تھا، میں ان سے پیش‌دالان میں ملنے کےلئے دوڑا۔ ای‌ون لوگوں کے بجائے وردی پوش چپراسی کے پیچھے جس نے دروازہ کھولا دو عورتیں داخل ہوئیں: ایک لمبی تھی اور سیاہ سمور کے کالر کا نیلا لبادہ پہنے تھی۔ دوسری جو چھوٹے قد کی تھی ایک ہری شال لپیٹے تھی جس کے نیچے سے صرف فر کے جوتوں میں اس کے چھوٹے چھوٹے پاؤں نظر آرہے تھے۔ پیش‌دالان میں میری موجودگی کی پرواہ کئے بغیر — حالانکہ میں نے اپنا فرض سمجھ کر انہیں جھک کر سلام کیا — چھوٹے قدوالی بڑے قدوالی کے پاس پہونچی اور اس کے سامنے جاکر رک گئی۔ بڑی‌والی نے چھوٹی‌والی کا شال کھولا جو سر پر بندھا ہوا تھا، اس کے لبادے کے بٹن کھولے اور جب

وردی پوش چپراسی نے یہ سب چیزیں لے لیں اور اس کے چھوٹے چھوٹے فر کے جوتے اتارے تو ان تمام کپڑوں میں سے کوئی بارہ برس کی ایک خوبصورت سی لڑکی برآمد ہوگئی جو کھلے گریبان کی ململ کی پوشاک، سفید تنگمہری کا پاجامہ اور چھوٹی چھوٹی سیاہ جوتیاں پہنے تھی۔ اس کی پیاری سی سفید گردن پر ایک سیاہ مخمل کا فیتہ تھا۔ سر پر گھنے سرخی مائل بھورے گھونگھریالے بال تھے جو اس کے دلکش چہرے پر بہت ہی بھلے معلوم ہوتے تھے اور اس کے عریاں کاندھوں پر اس خوبصورتی سے بکھرے ہوئے تھے کہ میں کارل ایوانچ تک کی باتوں پر بھی یقین نہ کرتا اگر وہ یہ کہتے کہ بالوں میں خم اس لئے ہے کہ انہیں صبح ہی سے "ماسکووسکئے ویدوملستی،،* کے ٹکڑوں میں باندھ کر لوہے کی گرم سلاخوں سے تپا کر چھلے بنائے گئے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ گھنگھریالے بال لے کر ہی پیدا ہوئی تھی۔

اس کے چہرے کی حیرتناک خصوصیات تھیں اس کی غیرمعمولی طور پر بڑی بڑی ابھری ہوئی اور ادھ کھلی آنکھیں جو اس کے مختصر سے دہانے کے مقابلے میں کچھ عجیب لیکن بہت اچھا تضاد پیدا کر رہی تھیں۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں ایسی سنجیدگی تھی جس سے عام طور سے صورت پر یہ برستا تھا کہ اس سے مسکراہٹ کی امید نہیں کی جا سکتی۔ اس وجہ سے اس کی مسکراہٹ اور بھی دلکش ہوجاتی۔

میں کوشش کرنے لگا کہ مجھ پر نظر نہ پڑنے پائے اور چپکے سے ہال میں اس طرح بن کر ٹہلنے لگا کہ گویا بہت گہری سوچ میں غرق ہوں اور علم بھی نہیں کہ مہمان آگئے ہیں۔ جب وہ لوگ ہال کے بیچ میں پہنچے تو میں چونکا، تسلیم کے لئے جھکا اور انہیں مطلع کیا کہ نانی مہمان خانے میں ہیں۔ مادام والاخینا نے جن کی صورت مجھے بہت اچھی لگی خاص طور پر اس لئے کہ ان کی بیٹی سونیچکا کی شباہت مجھے صاف نظر آرہی تھی، بہت ہی شفقت سے میرے سلام کا جواب دیا۔

ایسا لگا کہ سونیچکا کو دیکھ کر نانی کو بہت خوشی ہوئی:

---

* اخبار کا نام۔

انہوں نے اسے اپنے پاس بلا لیا، اس کی ایک لٹ ٹھیک کی جو اس کے ماتھے پر آگئی تھی اور غور سے اس کی صورت دیکھ کر بولیں: «Quelle charmante enfant!» * سونیچکا اتنی خوبصورتی سے مسکرائی اور شرمائی کہ میں بھی اسے دیکھ کر شرما گیا۔

''میرا خیال ہے تمہارا دل یہاں گھبرائیگا نہیں، بیٹی،، نانی نے اس کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اوپر کی طرف کرتے ہوئے کہا۔ ''دیکھو خوب مزا کرو اور جی بھر کے ناچو، خوب بہت سا ناچو۔ لو اب ایک لڑکی اور دو نوجوان تو ہوگئے یہاں،، مادام والاخینا کی طرف مڑکر اور ہاتھ سے مجھے ٹھوکا دے کر بولیں۔

ہم لوگوں کو اس طرح نزدیک لانا مجھے ایسا اچھا معلوم ہوا کہ میں بھی شرم سے سرخ ہوگیا۔

اس احساس سے کہ میرے شرمانے میں اضافہ ہو رہا ہے اور گاڑی کے پہیوں کی آواز سن کر میں وہاں سے کھسک گیا۔ پیش دالان میں دیکھا کہ شاہزادی کورناکووا اپنے لڑکے اور بےشمار لڑکیوں کو لئے موجود ہیں۔ لڑکیاں سب کی سب بالکل ایک طرح کی تھیں — سب شاہزادی کی صورت کی اور بدشکل تھیں۔ ایک بھی اس قابل نہ تھی کہ اس کی طرف نظر اٹھائی جا سکے۔ اپنے لبادے اتارنے اور دنبالوں کو اتار پھینکنے کے بعد سب نے تیز آواز میں بولنا اور کسی چیز پر ہنگامہ مچانا اور ہنسنا شروع کردیا، شاید اس بات پر کہ وہ لوگ بہت سی تھیں۔ اتئین لمبے قد، بھرے ہوئے جسم کا پندرہ سالہ لڑکا تھا، چہرے پر خون کے آثار تک نہ تھے، اندر دھنسی ہوئی آنکھیں جن کے نیچے نیلے سے حلقے پڑے ہوئے تھے اور ہاتھ اور پیر اتنے بڑے جو اس عمر پر ناگوار گزرتے تھے۔ بہت ہی بھدا تھا، پھٹی ہوئی مری سی آواز لیکن اپنے آپ سے بہت مطمئن نظر آتا تھا اور میرے خیال میں وہ بالکل اس قسم کا لڑکا تھا جسے قمچی سے مار پڑتی ہے۔

ہم دونوں کچھ دیر تک ایک دوسرے کے آمنے سامنے ایک لفظ کہے بغیر کھڑے ہوئے اور ایک دوسرے کو غور سے دیکھتے رہے۔ اس کے بعد ہم ایک دوسرے کے کچھ نزدیک آئے بظاہر

---

* اتنی خوبصورت بچی ہے!

ایک دوسرے کو پیار کرنے کے لئے لیکن ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کے بعد کسی وجہ سے خیال بدل دیا۔ جب اس کی ساری بہنوں کے کپڑے ہمارے پاس سے سرسراتے ہوئے گزر گئے تو گفتگو شروع کرنے کی خاطر میں نے پوچھا کہ بندگاڑی میں زیادہ بھیڑ تو نہیں ہوگئی تھی۔

"پتہ نہیں" اس نے لاپرواہی سے جواب دیا "کیونکہ میں بندگاڑی میں کبھی بیٹھا نہیں اس‌لئے کہ میری طبیعت خراب ہونے لگتی ہے اور اماں کو یہ بات معلوم ہے۔ ہم لوگ جب کبھی شام میں کہیں جاتے ہیں تو میں ہمیشہ گاڑی بان کے پاس اوپر بیٹھتا ہوں — اس میں زیادہ لطف آتا ہے، ہر چیز نظر آتی ہے۔ فلپ مجھے گاڑی بھی چلانے دیتا ہے اور کبھی کبھی میں کوڑا بھی ہاتھ میں لے‌لیتا ہوں۔ اور تم جانو کہ کبھی کبھی راستہ چلنےوالوں کے بھی پڑ جاتا ہے" اس نے بڑے بھرپور انداز میں اشارہ کرکے کہا۔ "بڑا مزا آتا ہے!"

"حضور" خادم نے پیش‌دالان میں داخل ہوکر کہا "فلپ پوچھ رہا ہے کہ آپ نے کوڑا کہاں رکھ دیا ہے؟"

"ارے میں نے تو اس کو دے دیا تھا۔"

"وہ کہتا ہے نہیں دیا۔"

"تو میں نے لالٹین پر لٹکا دیا ہوگا۔"

"فلپ کہتا ہے کہ لالٹین پر بھی نہیں ہے۔ آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ کہیں کھودیا ورنہ فلپ کو اپنی جیب سے آپ کی شرارتوں کا بھگتان ادا کرنا پڑیگا" خادم بولا اور اس کا غصہ تیز ہوتا گیا۔

خادم جو دیکھنے میں بہت شریف لیکن سخت مزاج قسم کا آدمی معلوم ہوتا تھا، فلپ کا بڑا طرفدار نکلا اور معلوم ہوتا تھا کہ کچھ بھی ہو اس معاملے کو نپٹانا چاہتا تھا۔ موقع دیکھ کر میں الگ ہٹ‌گیا جیسے میں نے کچھ دیکھا نہیں۔ لیکن جتنے نوکر وہاں موجود تھے انہوں نے کچھ اور ہی کیا۔ سب اور نزدیک آگئے اور بوڑھے ملازم کی طرف اس طرح دیکھنے لگے جیسے اس کی تائید کر رہے ہوں۔

"اچھا تو مجھ سے کہیں کھوگیا تو پھر کیا ہوا؟" اٹ‌ئین

نے زیادہ حجت کرنے سے کترا کر کہا۔ ''کوڑے کی جتنی قیمت ہے میں اسے ادا کر دونگا۔ عجیب مذاق ہے!،، میری طرف آکر اور مجھے مہمان‌خانے کی طرف لے جاتے ہوئے وہ بولا۔

''معاف کیجئے گا حضور، آپ ادا کس طرح کرینگے؟ مجھے معلوم ہے کہ آپ کیسے ادا کرتے ہیں۔ آٹھ مہینے سے ماریا واسیلئےونا کے بیس کوپک ادا کر رہے ہیں اور میرے ساتھ تو دو سال سے ایسا ہو رہا ہے اور پیتروشکا...،،

''زبان سنبھال کر بات کر،، نوعمر شاہزادہ غصے سے لال پیلا ہوکر چلایا ''بس، میں کہے دیتا ہوں۔،،

''کہے دیتا ہوں، کہے دیتا ہوں!،، خادم نے منہ چڑایا۔ ''حضور کو شرم آنی چاہئے!،، ہم لوگ ہال میں داخل ہو رہے تھے تو وہ بولا اور لبادے اٹھائے ہوئے کپڑوں کی الماری کی طرف چلا۔

''بالکل ٹھیک ہے، بالکل ٹھیک ہے!،، ہماری پشت پر تائیدی آواز آئی۔

جب نانی لوگوں کے متعلق رائے ظاہر کرنا چاہتی تھیں تو انہیں ایک خاص ملکہ حاصل تھا یعنی واحد یا جمع ضمیر شخصی بہت زور دیکر استعمال کرتی تھیں۔ ''تم،، اور ''آپ،، جس معنی میں عموماً استعمال ہوتے ہیں اس کے بالکل خلاف انہیں استعمال کرتی تھیں اور ان کی زبان سے نکل کر الفاظ بالکل مختلف معنی اختیار کرلیتے تھے۔ جب نوعمر شاہزادہ ان کے پاس آیا تو پہلے تو انہوں نے اس سے دو ایک لفظ کہے اور ''آپ،، کہہ کر پکارا اور اسے اس حقارت کی نظر سے دیکھا کہ اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو پانی پانی ہوگیا ہوتا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اتئین اس طرح کا لڑکا نہیں تھا، صرف یہی نہیں کہ نانی نے جس طرح اس کا سواگت کیا اس کی اس نے کوئی پرواہ نہیں کی بلکہ خود ان کی ذات کی بھی کوئی پرواہ نہیں کی اور سب لوگوں کو اگر بڑے سلیقے سے نہیں تو کم از کم بغیر کسی جھجک کے سلام کیا۔

سونیچکا میری ساری توجہ کا مرکز بنی رہی۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں، ولودیا اور اتئین کمرے کے ایک کونے میں کھڑے باتیں کر رہے تھے جہاں سے ہم سونیچکا کو دیکھ سکتے تھے اور

وہ ہمیں دیکھ سکتی تھی ہماری باتیں سن سکتی تھی تو میں بہت ہی مزے سے باتیں کر رہا تھا، جب مجھے ایسے جملے کہنے کا موقع ملتا جنہیں میں ہنسی یا واہواہ کے قابل سمجھتا تو میں زور سے بولتا اور مہمان خانے کے دروازے کی طرف دیکھتا لیکن جب ہم لوگ دوسری جگہ چلے گئے جہاں سے مہمان‌خانے والوں کو نہ کچھ نظر آسکتا تھا، نہ سنائی دے سکتا تھا تو میں خاموش ہوگیا اور گفتگو میں میرے لئے کوئی لطف نہ رہا۔

مہمان خانہ اور ہال آہستہ آہستہ مہمانوں سے بھر گئے۔ جیسا کہ بچوں کی دعوت میں ہمیشہ ہوتا ہے مہمانوں میں کچھ بڑی عمر کے بچے بھی تھے جو ناچنے اور مزا لوٹنے کا موقع نہیں کھونا چاہتے تھے گویا صرف میزبان کو خوش کرنے کےلئے ایسا کررہے ہیں۔

جب ای‌ون کا گھرانا آیا تو خوشی محسوس کرنے کے بجائے جو سریوژا سے ملنے پر مجھے ہوتی تھی اس خیال سے الجھن ہونے لگی کہ وہ سونیچکا کو دیکھیگا اور خود کو اسے دکھائیگا۔

باب ۲۱

مازورکا ناچ سے پہلے

"اچھا تو یہاں ناچ بھی ہونےوالا ہے"، سریوژا نے مہمان خانے سے نکلتے ہوئے اور جیب سے ملائم چمڑے کے نئے دستانے نکال کر کہا۔ "مجھے دستانے پہن‌لینے چاہئیں۔"

"ہم کیا کریں؟ ہمارے پاس تو دستانے ہیں ہی نہیں"، میں نے سوچا۔ "اوپر جاکر تلاش کرنا چاہئے۔"

لیکن ساری درازوں میں الٹ پلٹ کرنے کے باوجود کچھ ملا تو سفری دستانے اور ملائم چمڑے کا ایک دستانہ جو میرے کسی کام کا نہیں تھا — اول تو اس‌لئے کہ بہت پرانا اور میلا تھا اور دوسرے اس‌لئے کہ میرے لئے بہت بڑا تھا اور سب سے بڑی وجہ یہ کہ اس

کی بیچ والی انگلی لاپتہ تھی۔ اسے بہت عرصہ پہلے کاٹ ڈالا گیا تھا۔ غالباً کارل ایوانچ نے زخمی ہاتھ کی وجہ سے کاٹ ڈالا تھا۔ لیکن اس کے باوجود دستانے کی اس یادگار کو میں نے پہنا اور اپنی بیچ کی انگلی پر اس جگہ دیکھتا رہا جہاں ہمیشہ روشنائی بھری رہتی تھی۔

''اگر نتالیا ساویشنا ہوتیں تو میرے لئے کوئی دستانہ ضرور تلاش کردیتیں۔ بغیر ان کے نیچے جانا ناممکن تھا کیونکہ اگر مجھ سے پوچھ لیا جاتا کہ ناچ کیوں نہیں رہے ہو تو جواب کیا دیتا؟ لیکن یہاں رکنا بھی ناممکن تھا کیونکہ میری غیرموجودگی کو لوگ ضرور محسوس کر لیتے۔ پھر کیا کیا جائے؟،، میں نے دونوں ہاتھ پٹکتے ہوئے کہا۔

''یہاں کیا کر رہے ہو؟،، ولودیا دوڑتا ہوا اندر آیا اور پوچھا۔ ''جاؤ اپنی جوڑ کی لڑکی پسند کرلو۔ ناچ شروع ہی ہونےوالا ہے۔،،

''ولودیا،، میں نے میلے سے دستانے میں اپنی دو انگلیاں دکھا کر مایوسی سے کہا۔ ''ولودیا تم یہ تو بھول ہی گئے۔،،

''کیا؟،، وہ بےصبری سے بولا۔ ''ارے دستانے،، میرے ہاتھ پر نظر ڈال کر اس نے لاپرواہی سے کہا ''ہاں، ہمارے پاس تو ہیں ہی نہیں۔ نانی سے پوچھنا چاہئے، کیا کہتی ہیں وہ؟،، اور زیادہ سوچے بغیر وہ بھاگتا ہوا نیچے چلا گیا۔

جس سوال کو بہت اہم سمجھ رہا تھا اس کے متعلق اس کی لاپرواہی سے میری ہمت بندھ گئی اور میں جلدی جلدی مہمان‌خانے کی طرف چلا اور یہ بالکل بھول ہی گیا کہ بائیں ہاتھ میں اب تک وہ پھٹا ہوا دستانہ موجود ہے۔ نانی کی آرام کرسی کے پاس دبے پاؤں جاکر اور ان کے لبادے کو آہستہ سے چھوکر میں نے چپکے سے کہا:

''نانی ہم لوگ کیا کریں؟ ہمارے پاس دستانے تو ہیں نہیں!،،

''کیا بیٹے؟،،

''ہمارے پاس دستانے نہیں ہیں،، میں نے اور بھی نزدیک جا کر اور دونوں ہاتھ ان کی آرام کرسی کے ہتھے پر رکھ دئے اور دہرایا۔

''اور یہ کیا ہے؟،، انہوں نے دفعتاً میرا بایاں ہاتھ پکڑکر

کہا ۔ «Voyez, ma chère, voyez comme ce jeune homme s'est fait élégant pour danser avec votre fille!»* مادام والاخینا کی طرف مڑ کر انہوں نے بات جاری رکھی۔

نانی نے میرا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے پکڑے اپنے مہمانوں کی طرف بڑی سنجیدگی اور سوالیہ انداز میں دیکھا یہاں تک کہ سارے مجمع کو تسکین ہوگئی اور تمام لوگ ہنسنے لگے۔

جس وقت میں شرم سے ناک بھویں چڑھا کر اپنا ہاتھ چھڑانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا اس وقت اگر کہیں سریوژا مجھے دیکھ لیتا تو میں شرم سے پانی پانی ہوجاتا۔ لیکن سونیچکا کی موجودگی سے میں بالکل پریشان نہیں ہوا جو اتنا ہنسی کہ آنکھوں میں آنسو آگئے اور اس کی ساری لٹیں اس کے تمتماتے ہوئے چہرے پر ادھر ادھر بکھر گئیں۔ میں نے دیکھا کہ اس کی ہنسی اتنی زوردار اور فطری ہے کہ اس میں مذاق اڑانے کا پہلو نہیں ہو سکتا۔ اس کے برخلاف ہم دونوں مل کر ہنسنے لگے اور ایسا لگا کہ اس کی وجہ سے ہم دونوں کچھ اور نزدیک آگئے۔ دستانے کا یہ واقعہ جو برے انجام پر ختم ہوسکتا تھا میرے حق میں اس طرح مفید ثابت ہوا کہ میں اس حلقے میں بےتکلف ہوگیا جو مجھے ہمیشہ خوفناک معلوم ہوتا تھا — یعنی مہمان‌خانے کا حلقہ۔ ہال میں داخل ہوتے وقت میں ذرا سا بھی نہیں جھینپا۔

شرمیلے قسم کے لوگوں کو پریشانی اسلئے ہوتی ہے کہ معلوم نہیں ہوتا کہ لوگ ان کے متعلق کیا رائے قائم کررہے ہیں۔ ایک بار یہ رائے جو اچھی ہو یا بری صاف طور سے ظاہر ہوجائے تو پھر پریشانی ختم ہوجاتی ہے۔

کتنی حسین نظر آرہی تھی سونیچکا والاخینا جب میرے سامنے فرانسیسی کوادرل ناچ رہی تھی اس بھونڈے شاہزادے کے ساتھ! جب ناچ کے گھیرے میں اس نے مجھے اپنا ہاتھ دیا تو کس پیار سے مسکرائی! تال دینے میں اس کی سنہری خم‌دار لٹیں کس خوبصورتی سے ہلتی تھیں، وہ کس معصوم انداز میں اپنے دونوں چھوٹے چھوٹے

---

* ذرا ملاحظہ تو فرمائیے آپ عزیز من کہ یہ نوجوان آپ کی صاحب‌زادی کے ساتھ ناچنے کےلئے کیا بناؤ سنگار کرکے نکلا ہے!

پیروں سے * «jeté-assemblé» کرتی! جب ناچ کے پانچویں توڑے میں میری ساتھی مجھے چھوڑ کر دوسری طرف بھاگ گئی اور میں سولو کےلئے تال کا انتظار کرنے لگا تو سونیچکا نے بڑی سنجیدگی سے ہونٹ بھینچ لئے اور دوسری طرف دیکھنے لگی۔ لیکن وہ میری خاطر بلاوجہ ڈر رہی تھی۔ میں نے بےدھڑک chassé en avant, ** chassé en arrière, glissade ناچ کرڈالے اور جب میں قدم مارتا اس کے پاس پہونچا تو مذاق کے انداز سے اپنا دستانہ دکھایا جس میں سے میری دو انگلیاں نکلی ہوئی تھیں۔ وہ قہقہہ مارکر ہنسنے لگی اور اس کے چھوٹے چھوٹے پیر چکنے فرش پر اور بھی زیادہ قیامت‌خیز انداز میں تھرکنے لگے۔ مجھے اب بھی یاد ہے کہ جب ہم نے حلقہ بنایا اور سب نے ہاتھ میں ہاتھ ڈال‌دئے تو اس نے اپنا ننھا سا سر جھکایا اور میرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑائے بغیر اپنے دستانے سے ناک کھجائی۔ یہ منظر اب بھی میری نظروں کے سامنے اس طرح ہے جیسے سب کچھ آج ہورہا ہے اور ''حسینہ' ڈینوب،، نامی ناچ کی آواز اب تک میری کان میں آرہی ہے جس کی دھن پر یہ سب کچھ ہوا تھا۔

دوسرا کوادرل شروع ہوا تو میں سونیچکا کو لیکر ناچا لیکن جب وقفے میں ہم لوگ ایک ساتھ بیٹھنے کےلئے گئے تو مجھے عجیب سا محسوس ہوا اور کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سے کیا بات کروں۔ جب میری خاموشی بہت طول کھینچ گئی تو خطرہ پیدا ہوا کہ یہ مجھے احمق سمجھیگی اور میں نے فیصلہ کیا کہ اپنے متعلق اس کو اس قسم کی کسی غلط فہمی میں بہرحال نہ مبتلا ہونے دونگا۔ *** «Vous êtes une habitante de Moscou?» میں نے فرانسیسی میں اس سے سوال کیا اور جب اس نے جواب ہاں میں دیا تو میں نے کہا: **** «et moi, je n'ai encore jamais fréquenté la capitale»

---

* ناچ کے خاص قدم۔

** ناچ کے خاص قدم۔

*** آپ ماسکو ہی کی رہنےوالی ہیں؟

**** میں نے تو ابھی تک راجدھانی کے دیدار ہی نہیں کئے تھے۔

اور خاص طور پر خیال تھا کہ لفظ «fréquenter» * بہت اثر پیدا کریگا۔ لیکن اس کے باوجود مجھے احساس تھا کہ اگرچہ ابتدا بہت شاندار ہوگئی ہے اور فرانسیسی زبان سے اعلی واقفیت کا بھی میں نے اظہار کر دیا ہے، اس انداز میں گفتگو رکھنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ ہمارے ناچ کی باری جلدی نہیں آنےوالی تھی اور خاموشی پھر طاری ہوگئی۔ میں نے اس کی طرف پریشان ہوکر دیکھا۔ جاننا یہ چاہتا تھا کہ میں نے اس پر کیا اثر ڈالا ہے اور اس انتظار میں تھا کہ وہ سہارا دے۔ ''آپ کو یہ عجیب قسم کا دستانہ کہاں سے مل گیا؟،، اس نے دفعتاً سوال کیا جس سے مجھے بہت خوشی اور اطمینان محسوس ہوا۔ میں نے بتایا کہ دستانہ کارل ایوانچ کا ہے اور ان پر ذرا چلتے ہوئے جملے کس دئے اور یہ بھی سنایا کہ جب وہ اپنی سرخ ٹوپی اتارتے ہیں تو کتنے مضحکہ‌خیز نظر آتے ہیں اور ایک بار جب انہوں نے سبز اوورکوٹ پہن رکھا تھا تو گھوڑے پر سے سیدھے ایک گڈھے میں جا پڑے تھے وغیرہ وغیرہ۔ ہم محسوس بھی نہ کرپائے تھے کہ ناچ ختم ہوگیا۔ بہت لطف رہا لیکن میں نے کارل ایوانچ کا مذاق کیوں اڑایا؟ میں ان کی جتنی عزت کرتا تھا اور ان سے جتنی محبت کرتا تھا اسی کے مطابق ان کا ذکر کرتا تو کیا سونیچکا کی رائے میری طرف سے خراب ہوجاتی؟

جب ناچ ختم ہوا تو سونیچکا نے اس پیار کے انداز سے «merci» کہا جیسے میں واقعی اس کے شکرئے کا مستحق تھا۔ میں خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا اور میری خود سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مجھ میں یہ جرأت، اعتماد بلکہ ھمت کہاں سے آئی۔ ''اب میں کسی چیز سے نہیں جھینپ سکتا،، میں نے ھال میں لاپرواھی سے ٹہلتے ہوئے سوچا۔ ''میں سب کچھ کر سکتا ہوں!،،

سریوژا نے کہا: ''میری جوڑ بن کر سامنے آجاؤ۔،، میں نے کہا: ''اچھا، میرے ساتھ کےلئے کوئی لڑکی نہیں ہے، خیر، میں ڈھونڈ لونگا۔،، ھال میں نظر دوڑائی تو معلوم ہوا کہ ایک کو چھوڑ کر باقی تمام ''خواتین،، کسی نہ کسی کے ساتھ ناچ رہی

---

* دیدار۔

ھیں۔ صرف ایک خوب بڑی سی نوجوان ''خاتون،، ھال کے دروازے پر کھڑی ھوئی تھیں، ایک نوجوان ان کی طرف جہاں تک میں سمجھ سکا اس نیت سے جا رھا تھا کہ انہیں ناچنے کی دعوت دے۔ وہ ان سے چند ھی قدم کے فاصلے پر تھا اور میں ھال کے دوسرے سرے پر۔ چکنے فرش پر نفاست سے پھسلتے ھوئے میں نے فاصلہ پلک جھپکاتے طے کرلیا، انداز میں پھسلتا اور ایک پیر پر جھک کر بہت ھی یقینی آواز میں میں نے انہیں ناچنے کی دعوت دیدی۔ نوجوان خاتون بڑے سرپرستانہ انداز میں مسکرائیں، میری طرف ھاتھ بڑھا دیا اور وہ نوجوان اکیلا رہ گیا۔

مجھے اپنی قوت کا اتنا احساس تھا کہ میں نے اس نوجوان کی خفت کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ بعد میں مجھے معلوم ھوا کہ اس نے پوچھا کہ وہ الجھے بالوں‌والا لڑکا کون تھا جو میرے سامنے آکودا اور میری ساتھی کو لے بھاگا تھا۔

باب ۲۲

مازورکا

جس نوجوان سے میں نے اس کی ساتھی چھین‌لی تھی وہ پہلے جوڑے میں مازورکا ناچ رھا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ھوگیا، اپنی ساتھی خاتون کا ھاتھ پکڑا اور «pas de Basques»* کرنے کے بجائے جو ھمیں میمی نے سکھایا تھا صرف آگے کی طرف دوڑ گیا۔ جب وہ کونے میں پہونچ گیا تو رکا، ایڑیاں زور سے ملائیں، مڑا اور پھر ناچتا ھوا آگے بڑھ گیا۔

چونکہ مازورکا میں میری کوئی ساتھی لڑکی نہیں تھی اسلئے میں نانی کی اونچی کرسی کے پیچھے بیٹھا دیکھتا رھا۔

''یہ شخص ایسا کیوں کر رھا ھے؟،، میں نے سوچا۔ ''میمی نے تو ھمیں ایسا نہیں سکھایا تھا۔ وہ ھمیشہ کہتی تھیں کہ مازورکا ھر شخص پنجوں کے بل ناچتا ھے اور دائرے بنا کر

---

* ناچ کے خاص قدم۔

پھر آگے بڑھاتا ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہ لوگ اس طرح نہیں ناچتے۔ وہ رہے ای‌ون بھائی، انٹئین اور سب ناچ رہے ہیں لیکن کوئی بھی «pas de Basques» نہیں کرتا۔ ہمارے ولودیا تک نے نیا انداز اختیار کیا ہے! برا نہیں ہے!.. اور سونیچکا کتنی حسین نظر آرہی ہے! وہ دیکھو چلی...،، مجھے بےانتہا لطف آرہا تھا۔

مازورکا قریب ختم تھا۔ بہت سی عمر رسیدہ خواتین اور حضرات نانی سے رخصت ہوتے آئے چلے گئے۔ ناچنےوالوں کا راستہ روکے بغیر نوکر بڑی ہوشیاری سے پچھلے کمروں میں کھانے کی چیزیں لا رہے تھے۔ نانی ظاہر ہے بہت تھک گئی تھیں اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ بڑی بیدلی سے اور آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھیں۔ باجےوالوں نے تیسویں بار تھکے ہوئے انداز سے پھر وہی دھن بجانا شروع کردی۔ وہ بڑی سی لڑکی جس کے ساتھ میں ناچ چکا تھا، ناچتے ہوئے اس کی نظر مجھ پر پڑگئی۔ وہ بڑی مکاری سے مسکرائی — شاید نانی کو خوش کرنا چاہتی تھی — اور سونیچکا اور بہت سے شاہزادوں میں سے ایک کو لیکر میرے پاس آئی۔ «Rose ou hortie?»* وہ بولی۔

''ارے تم یہاں ہو!،، نانی نے اپنی آرام کرسی میں مڑکر کہا ''جاؤ جاکر ناچو بیٹے۔،،

حالانکہ اس وقت جی یہ چاہ رہا تھا کہ یہاں سے نکلنے کے بجائے نانی کے کرسی کے نیچے سر چھپا لوں لیکن میں انکار کیسے کر سکتا تھا؟ میں کھڑا ہوگیا اور بولا: «Rose» اور شرماکر سونیچکا کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے کہ میں حواس صحیح کر سکوں کہ کسی کا سفید ملائم چمڑے کے دستانےوالا ہاتھ میرے ہاتھ پر آگیا اور شاہزادی پر مسرت مسکراہٹ کے ساتھ مجھے لیکر آگے بڑھ گئی۔ اسے ذرا سا شبہہ تک نہ تھا کہ میں اس وقت یہ سمجھ ہی نہیں پا رہا ہوں کہ اپنے پیروں کا کیا کروں۔

مجھے پتہ تھا کہ «pas de Basques» غیرمناسب اور غلط اور میرے لئے شرم کا باعث تک ہو سکتا ہے لیکن مازورکا کی مشہورومعروف

---

* گلاب یا بچھوا۔

دھن نے کانوں میں پہنچ کر میرے صوتی اعصاب کو جانی پہچانی حرکت سے روشناس کرادیا اور اعصاب نے اسے پیروں تک پہونچا دیا اور پیروں نے بالکل غیرارادی طور پر اور تمام دیکھنے والوں کو حیرت میں ڈال کر پنجوں کے بل وہی ناھنجار حلقے بنا کر گھومنا شروع کردیا۔ جب تک ھم لوگ سیدھے چلتے رہے اس وقت تک تو ایک طرح سے ٹھیک ھی رھا لیکن جب ھم مڑے تو میں نے محسوس کیا کہ اگر میں کوئی حفاظتی تدبیر نہیں کرتا تو میرا آگے بڑھ جانا یقینی ھے۔ اس مصیبت سے بچنے کے لئے اس نیت سے ایک دم رک گیا کہ میں بھی اسی طرح تیزی سے مڑونگا جیسے پہلے جوڑے والا وہ شخص خوبصورتی سے مڑا تھا۔ لیکن عین اس وقت جب میں نے اپنے پاؤں ایک دوسرے سے الگ کئے اور اچھلنے کی تیاری کر رھا تھا کہ شاھزادی نے میرے گرد تیزی سے ناچ کر احمقانہ تجسس اور حیرت سے سر جھکا کر میرے پیروں کی طرف دیکھا۔ بس اس نگاہ نے میرا قصہ تمام کردیا، اپنے اوپر میرا اختیار اس طرح ختم ھوا کہ ناچنے کے بجائے میں نے عجیب و غریب انداز میں ایک ھی جگہ پیر پٹکنے شروع کردئے اور آخر بالکل رک گیا۔ ھر شخص میری طرف گھور رھا تھا، کچھ لوگ حیرت و استعجاب یا ھمدردی سے دیکھ رہے تھے۔ صرف نانی تھیں جو بالکل لاپرواھی سے دیکھ رھی تھیں۔

«Il ne fallait pas danser, si vous ne savez pas!» *

پاپا کی غصے کی آواز میرے کانوں میں آئی اور حلقے سے مجھے دھکا دیکر میری ساتھی کا ھاتھ انھوں نے اپنے ھاتھ میں لے لیا، اس کے ساتھ پرانے انداز میں ناچے جس سے سب لوگ بہت خوش ھوئے اور اسے اس کی نشست تک لے گئے۔ مازورکا فوراً ختم ھوگیا۔

''خدایا آخر تو مجھے اتنی سخت سزا کس بات کی دیتا ھے؟،،

. . . .

ھر شخص مجھ سے نفرت کرتا ھے اور ھمیشہ نفرت کریگا۔ محبت، دوستی، عزت — تمام راھیں میرے لئے مسدود ھیں۔ اب کچھ نہیں ھوسکتا! ولودیا نے مجھے اشارے کیوں کئے جو سب

---

* اگر تمہیں ناچنا نہیں آتا تو مت ناچے ہوتے!

ہی نے دیکھ لئے اور جو میرے لئے کسی کام کے نہ تھے؟ اس قابل نفرت شاہزادی نے اس طرح میرے پیروں کی طرف کیوں دیکھا ؟ سونیچکا — وہ حسین تھی لیکن آخر وہ اس وقت کیوں مسکرا پڑی؟ پاپا کا چہرہ تمتما کیوں اٹھا اور انہوں نے میرا ہاتھ کیوں پکڑ لیا؟ کیا انہیں بھی میری وجہ سے شرم آرہی تھی؟ یہ سب کچھ کتنا برا ہوا! اگر ماں یہاں ہوتیں تو اپنے نکولینکا کو دیکھ کر کبھی نہ شرماتیں اور یہ تصور مجھے اس دل‌فریب دنیا کی طرف لے گیا۔ گھر کے سامنے‌والا بائیں باغ، باغ میں لمبے لمبے لائم کے درخت، صاف شفاف تالاب جس کے اوپر چڑیاں اڑتی رہتی تھیں، نیلا آسمان جس پر شفاف بادل نظر آتے تھے، تازہ کٹی ہوئی گھاس کے خوشبودار ڈھیر اور بہت سی دلکش اور مسحورکن یادیں میرے منتشر تصور میں ڈیرے جمانے لگیں۔

باب ۲۳

مازورکا کے بعد

کھانے کے وقت وہ نوجوان شخص جو پہلے جوڑے میں ناچا تھا، ہم لوگوں کے ساتھ بچوں کی میز پر بیٹھ گیا اور میری طرف خاص طور پر متوجہ ہوگیا۔ مجھ پر جو سانحہ گزرا تھا اس کے بعد اگر کچھ محسوس کرنے کی مجھ میں صلاحیت ہوتی تو اس بات سے میرے غرور کو کچھ تسکین ضرور ہوتی۔ لیکن وہ نوجوان شخص مجھے بہلانے پر تلا ہوا تھا: وہ میرے ساتھ مذاق کرنے لگا، کہا کہ تم بہت اچھے آدمی ہو اور جب کوئی بھی بزرگ نہیں دیکھ رہا تھا اس نے کئی بوتلوں سے مجھے شراب دی اور زور دیا کہ پیو۔ کھانے کے بعد جب بٹلر نے کپڑے میں لپٹی ہوئی بوتل میں سے میرے چھوٹے سے شراب کے گلاس میں صرف چوتھائی شیمپین ڈالی تو اس نوجوان نے اصرار کیا کہ پورا گلاس بھر دو اور مجھے ایک ہی گھونٹ میں پینے پر مجبور کیا۔ مجھے سارے جسم میں بڑی خوشگوار سی گرمی محسوس ہونے لگی اور اپنے پرمذاق نگران کی طرف سے خاص محبت پیدا ہوگئی اور میں دل کھول کر ہنسنے لگا۔

دفعتاً ہال سے گروسفاتر ناچ کی آواز آنے لگی اور مہمان میز سے اٹھنے لگے ۔ اس نوجوان شخص سے میری دوستی فوراً ختم ہو گئی۔ وہ بڑوں کے ساتھ ساتھ چلا گیا ۔ مجھ میں اس کے ساتھ جانے کی ہمت نہ تھی اس لئے میں یہ جاننے کے لئے مادام والاخینا کی طرف چلا کہ وہ اپنی بیٹی سے کیا کہہ رہی ہیں۔

’’بس آدھ گھنٹہ اور،، سونیچکا خوشامد کر رہی تھی۔

’’ناممکن ہے میرے لال۔،،

’’میری خاطر،، وہ لجاجت سے کہہ رہی تھی۔

’’اگر کل میں بیمار پڑگئی تو تمہیں خوشی ہوگی کیا؟،، مادام والاخینا بولیں لیکن اتنی بداحتیاطی کر گئیں کہ مسکرادیں۔

’’تو ٹھہر سکتے ہیں نا؟ ہاں؟،، سونیچکا خوشی سے ناچتے ہوئے چلائی۔

’’اب کیا کروں؟ اچھا جاؤ ناچو ۔ یہ رہے تمہارے ساتھی،، انہوں نے میری طرف اشارہ کرکے کہا۔

سونیچکا نے میری طرف ہاتھ بڑھادیا اور ہم لوگ دوڑتے ہوئے ہال میں پہونچ گئے۔

میں نے جو شراب پی تھی اور سونیچکا کی موجودگی اور ہنسی ٹھٹھے نے مازورکا کے اس کمبخت جوڑ کو ذہن سے بالکل نکال دیا۔ اپنے پیروں سے میں شرارتیں اور نقلیں کرتا ہوا چلا، گھوڑے کی چال دکھائی، دلکی چال چلا ۔ پھر پیروں کو اکڑ شان سے دھمکتا ہوا چلا، ایک جگہ پر ایسے مینڈھے کی طرح ہاؤں مارنے لگا جس کو کتے پر تاؤ آگیا ہو ۔ اور یہ خیال کئے بغیر کہ دیکھنےوالوں پر کیا اثر رہا ہے میں خوب دل کھول کر ہنسا ۔ سونیچکا کی ہنسی بھی بالکل نہ رکی جب ہم ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر دائرے میں ناچنے تب ہنسی۔ جب اس نے ایک بوڑھے حضرت کو دیکھ لیا جو بہت پھونک پھونک کر قدم بڑھا رہے تھے اور ایک رومال پھلانگ گئے اور یہ دکھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کےلئے یہ بہت مشکل ہے تو بھی وہ ہنسی اور جب اپنا پھرتیلاپن دکھانے کےلئے میں چھت تک اچھل گیا تو ہنستے ہنستے اس کا برا حال ہوگیا۔

نانی کے مطالعے کے کمرے کی طرف سے گزرا تو میں نے آئینے میں اپنی صورت دیکھی: چہرہ پسینے میں شرابور تھا، بال بکھرے

ہوئے تھے، چندیا کے بال پہلے سے بھی بری طرح کھڑے ہوئے تھے لیکن میرے چہرے سے اتنی خوشی، محبت اور صحت کا اظہار ہورہا تھا کہ مجھے خود اپنے اوپر پیار آ گیا۔

''اگر میں ہمیشہ ایسا ہی لگتا جیسا اب لگ رہا ہوں تو لوگوں کو اور بھی پسند آ سکتا تھا،، میں نے جی میں سوچا۔

لیکن جب میں نے ساتھی کے دلکش چھوٹے سے چہرے کی طرف دیکھا تو زندہ‌دلی، صحت اور بےفکری کے علاوہ جن کو میں نے اپنے میں اتنا پسند کیا تھا، وہاں اتنا سبک اور لطیف حسن تھا کہ مجھے اپنے آپ سے الجھن محسوس ہونے لگی۔ میں نے محسوس کیا کہ ایسی شاندار ہستی کی توجہ اپنی طرف کھینچنے کی امید دل میں رکھنا میرے لئے حماقت ہے۔

میں باہمی محبت کی امید ہی نہ کر سکتا تھا اور واقعہ تو ہے کہ اس کے متعلق سوچا تک نہیں تھا: اس کے بغیر ہی میری روح میں خوشی بسی ہوئی تھی۔ میں سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ اس محبت کے بدلے میں جس نے میری روح کو خوش کردیا تھا، کسی اور زیادہ خوشی کی تمنا کی جا سکتی تھی یا اس سے زیادہ کسی چیز کی خواہش ہو سکتی تھی کہ یہ احساس کبھی ختم نہ ہو۔ اسی حالت میں خوش تھا۔ میرا دل کسی کبوتر کی طرح پھڑک رہا تھا، اس میں خون زوروں سے چلا آ رہا تھا اور جی چاہ رہا تھا کہ رو پڑوں۔

جب ہم لوگ سیڑھیوں کے نیچےوالے تاریک گودام کے پاس سے ہوکر گزرگاہ میں جا رہے تھے تو میں نے اس کی طرف دیکھا اور سوچا کیا خوش‌نصیبی ہوتی اگر اس کے ساتھ اس تاریک گودام میں ساری عمر رہنا ہوتا اور کسی کو پتہ نہ چلنے پاتا کہ ہم لوگ یہاں رہتے ہیں۔

''آج رات کتنا مزا آیا نا؟،، میں نے آہستہ آہستہ سے تھرتھراتی ہوئی آواز میں کہا اور قدم تیز کردئے جو بات منہ سے نکلی اس کا اتنا ڈر نہیں جتنا اس بات کا جو کہنے کی نیت تھی۔

''ہاں بہت مزا آیا،، اس نے جواب دیا اور اپنا ننھا سا چہرہ میری طرف کردیا۔ سب میں اتنی سادگی اور نرمی تھی کہ میرے دل کا ڈر دور ہوگیا۔

''خاص طور پر کھانے کے بعد... لیکن کاش آپ کو معلوم ہوتا

کہ مجھے اس بات کا کتنا افسوس ہے (میں کہنا چاھتا تھا کہ دکھ ہے لیکن کہہ نہ سکا) کہ آپ اتنی جلدی چلی جا رہی ہیں اور ہم لوگ ایک دوسرے سے پھر نہ مل سکیں گے!،،

''کیوں نہ مل سکیں گے؟،، اس نے اپنی جوتیوں کے پنجے غور سے دیکھتے اور جنگلے دار پردے پر ھاتھ پھیرتے ہوئے کہا جس کے پاس سے ہم لوگ گزر رہے تھے۔ ''اماں اور میں ہر منگل اور جمعہ کو توورسکوئی بلوار ھواخوری کو جاتے ہیں۔ آپ کبھی ادھر نہیں جاتے کیا؟،،

''آئندہ منگل کو جانے کی اجازت مانگونگا اور اگر اجازت نہ ملی تو اکیلا بھاگ نکلونگا، ٹوپی پہنے بغیر ہی، راستہ مجھے معلوم ہے۔،،

''جانتے ہیں آپ میں نے ابھی کیا سوچا؟،، سونیچکا یکبارگی بولی ''جو لڑکے ھمارے گھر آتے ہیں انہیں میں ھمیشہ تم کہہ کر پکارتی ہوں۔ تو ہم دونوں بھی ایک دوسرے کو تم کہا کریں۔ کیا چاھتے ہو؟،، اس نے سر کو جھٹکا دے کر اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہوئے کہا۔

اس وقت ہم ھال میں نکل آئے اور گروسفاتر ناچ کا دوسرا دھوم دھام والا حصہ شروع ھوا۔

''اچھا تو رہی... آپ سے،، یہ لفظ جواب میں میرے منہ سے اس وقت نکلا جب باجا بجا اور شورغل اتنا بلند ھوگیا کہ میرے الفاظ اس ھنگامے میں دب کر رہ گئے۔

''نہیں، آپ سے نہیں، تم سے رہی،، سونیچکا نے میری غلطی درست کردی اور ھنس پڑی۔

پورا گروسفاتر ناچ ختم ھوگیا اور مجھے یہ ھمت نہ ھوئی کہ تم کے لفظ سے خطاب کرکے ایک ہی جملہ بول دوں۔ اگرچہ دل ہی دل میں کتنے ایسے جملے میں نے سوچ ڈالے جہاں تم کا لفظ ایک بار نہیں، کئی بار آسکتا تھا۔ منہ سے تم نکالنے میں میری ھمت جواب دے گئی۔ ''بولو، کیا چاھتے ھو؟،، ''رہی تم سے؟،، میرے کانوں میں گونجتا رہا اور ایک نشے کی سی کیفیت طاری ھوگئی۔ سونیچکا کے سوا میں کسی کو نہیں دیکھ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کی لٹیں کانوں کے پیچھے سمیٹ دی گئی تھیں جس کی وجہ سے اس کے ماتھے اور کنپٹی کا وہ حصہ نظر آرہا تھا جو میں نے

اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ اسے سبز شال میں اس طرح لپیٹ دیا گیا کہ صرف اس کی ناک کی پھنگ نظر آرہی تھی۔ اگر وہ اپنی چھوٹی چھوٹی گلابی انگلیوں سے اپنے منہ کے پاس جگہ نہ بنالیتی تو یقیناً اس کا دم گھٹ جاتا۔ اور پھر میں نے دیکھا کہ اپنی ماں کے ساتھ سیڑھیوں سے اترتے وقت وہ ہم لوگوں کی طرف کس تیزی سے مڑی، سر سے اشارہ کیا اور دروازے کے پیچھے غائب ہوگئی۔

ولودیا، ای‌ون برادران، نوجوان شاہزادہ اور مجھے—سب کو سونیچکا سے محبت ہوگئی تھی اور سیڑھیوں پر کھڑے ہوئے ہم لوگ نگاہوں سے اس کا تعاقب کرتے رہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس نے کس کی طرف دیکھ کر اپنے ننھے سے سر سے اشارہ کیا تھا لیکن اس وقت مجھے پورا یقین تھا کہ اشارہ مجھے کیا تھا۔

ای‌ون برادران کو رخصت کرتے وقت میں نے بلا جھجھک باتیں کیں اور ہاتھ ملایا اور سریوژا سے تو کچھ حد تک سردمہری سے پیش آیا۔ اگر وہ سمجھ گیا تھا کہ اس دن وہ میری محبت اور مجھ پر اپنے اثر سے محروم ہو گیا ہے تو اسے یقیناً افسوس ہوا ہوگا حالانکہ وہ یہ دکھانے کی کوشش کررہا تھا کہ اس کو کوئی پرواہ نہیں ہے۔

اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے محبت میں بیوفائی کی اور پہلی بار اس احساس کی مٹھاس کو محسوس کیا۔ جانے پہچانے پیار کے دقیانوسی احساس کے بدلے پراسراروغیریقینی محبت کے تازے جذبے کو حاصل کرنے میں مجھے بہت لطف آیا۔ اس کے علاوہ بیکوقت محبت ترک کرنے اور محبت کرنے کے معنی ہیں پہلے کے مقابلے میں دگنی شدت سے پیار کرنا۔

باب ۲۲

بستر میں

''سریوژا سے اس شدت کے ساتھ اور اتنے عرصے تک میں محبت کس طرح کرسکا؟''، میں نے بستر پر لیٹ کر سوچا۔ ''نہیں اس نے مجھے کبھی سمجھا ہی نہیں، وہ میری محبت کو کبھی سمجھ ہی

نہ سکا اور نہ وہ اس کا اہل تھا۔ اور سونیچکا؟ کتنی اچھی ہے وہ! 'بولو، کیا چاہتے ہو؟، 'ہم سے شروع کرتے ہیں'۔''

اس کا ننھا سا چہرہ نظروں کے سامنے آیا تو میں نے سر لحاف سے ڈھک لیا، اپنے چاروں طرف سے سمیٹ لیا اور جب کوئی سوراخ نہیں رہ گیا تو میں لیٹ گیا اور گرمی کے خوشگوار احساس کے ساتھ یادوں کی دلفریب وادی میں پہونچ گیا۔ روئی کے لحاف کے استر کو گھورتے گھورتے وہ واضح طور پر میری نظروں کے سامنے آگئی جیسے میں نے اسے ایک گھنٹہ قبل دیکھا تھا، دل ہی دل میں اس سے باتیں کرنے لگا جو حالانکہ بےمعنی تھیں لیکن اس سے مجھے بہت خوشی ہوئی کیونکہ اس میں ''تم''، ''تمہیں''، ''تمہارے ساتھ''، ''تمہارا''، کی ضمیریں لگاتار آتی رہیں۔

خواب‌وخیال کا منظر اتنا واضح تھا کہ شدت‌جذبات سے میں سو نہ سکا اور مسرت کے اس انتہاء جذبے کا کسی کو رازداں بنانا چاہتا تھا۔

''میری جان!''، میں نے ذرا ذرا سنائی دینےوالی آواز سے کہا اور دفعتاً دوسری طرف کروٹ لی۔ ''ولودیا! جاگ رہے ہو کیا؟''

''نہیں''، وہ خواب آلود آواز میں بولا ''بات کیا ہے؟''

''ولودیا، مجھے محبت ہوگئی ہے، مجھے سونیچکا سے یقیناً محبت ہوگئی ہے۔''

''تو پھر کیا ہوا؟''، اس نے پیر پھیلاتے ہوئے جواب دیا۔

''ولودیا، تم سمجھ نہیں سکتے کہ اس وقت مجھ پر کیا گزر رہی ہے۔ ابھی لحاف میں لپٹا لپٹایا لیٹا ہوا تھا کہ اس کی صورت پوری طرح نظر آئی بالکل صاف اور میں نے اس سے باتیں کیں، بڑا لطف آیا! اور جانتے ہو جب میں اس کے متعلق سوچتا ہوں تو اتنا رنج ہوتا ہے کہ رونے کو جی چاہتا ہے۔''

ولودیا کسمسایا۔

''میں صرف ایک چیز چاہتا ہوں''، میں نے بات جاری رکھی ''یعنی ہمیشہ اس کے ساتھ رہوں، ہمیشہ اسے دیکھتا رہوں، اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیا تمہیں بھی محبت ہوگئی ہے؟ سچ سچ بتاؤ ولودیا!''

عجیب تو معلوم ہوتا ہے لیکن میرا جی چاہتا تھا کہ ہر شخص سونیچکا سے محبت کرے اور چاہتا تھا کہ سب لوگ اس کی بات کریں۔

''تم سے کیا مطلب؟،، ولودیا نے میری طرف منہ کرکے کہا ''ممکن ہے ہوگئی ہو۔،،

''تم سونا نہیں چاہتے، صرف بن رہے ہو!،، میں چلایا اور اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ سونے کے متعلق بالکل نہیں سوچ رہا ہے اور میں نے لحاف اتارکر پھینک دیا۔ ''اس کے بارے میں باتیں کرو۔ بہت اچھی ہے نا؟ اتنی اچھی ہے کہ اگر مجھ سے کہتی: 'نکولاشا، اس کھڑکی سے کودجاؤ یا آگ میں چھلانگ لگا دو'، تو قسم کھاکے کہتا ہوں: فوراً کود جاتا،، میں نے کہا ''اور خوشی سے کودتا۔ ہائے کتنی کشش ہے اس میں!،، میں نے اس کا تصور کرتے ہوئے کہا اور پوری طرح لطف‌اندوز ہونے کےلئے میں دفعتاً دوسری طرف قلابازی کھا گیا اور سر تکیے کے نیچے گھسیڑ لیا۔ ''ولودیا، مجھے تو بری طرح رونا آرہا ہے!،،

''کتنے احمق ہو!،، وہ مسکراکر بولا اور پھر کچھ دیر کےلئے خاموش ہوگیا۔ ''مجھے تو تمہاری طرح کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا۔ میں تو سوچتا ہوں کہ اگر ممکن ہوتا تو اس کے نزدیک بیٹھ کر باتیں کرتا۔،،

''اچھا تو تمہیں بھی محبت ہے؟،، میں نے بات کاٹی۔

''اور اس کے بعد،، ولودیا نے بڑے پیار سے مسکراکر بات جاری رکھی ''اس کے بعد اس کی ننھی ننھی انگلیوں کو، اس کی آنکھوں کو، اس کے ہونٹوں، اس کی ناک کو، اس کے ننھے ننھے پیروں کو خوب پیار کرتا—سب جگہ خوب پیار کرتا...،،

''ہشت!،، میں تکیے کے نیچے سے چلایا۔

''تم کچھ سمجھتے تو ہو نہیں،، ولودیا نے حقارت سے کہا۔

''ضرور سمجھتا ہوں لیکن تم نہیں سمجھتے اور بکواس کررہے ہو،، میں نے آبدیدہ ہوکر کہا۔

''اس میں رونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ تم بھی کیا بالکل چھوکری ہو!،،

باب ۲۵

خط

جس روز کا ابھی ذکر ہوا اس کے تقریباً چھ مہینے بعد ۱۶ اپریل کو پڑھائی کے وقت والد اوپر ہمارے پاس آئے اور بولے کہ تم سب میرے ساتھ آج رات دیہات چل رہے ہو۔ یہ خبر سن کر میرا دل دھک سے ہو گیا اور میں والدہ کے متعلق سوچنے لگا۔

ہماری غیرمتوقع روانگی کا سبب یہ خط تھا:

پیتروفسکوئے، ۱۲ اپریل

"تمہارا ۳ اپریل کا خط مجھے ابھی ابھی دس بجے رات کو ملا اور حسب معمول میں اس کا فوراً جواب دے رہی ہوں۔ فیودر کل رات شہر سے لایا تھا لیکن چونکہ دیر ہو گئی تھی اس لئے اس نے میمی کو دے دیا اور چونکہ میں بیمار اور پریشان تھی اسلئے میمی نے دن بھر مجھ سے چھپائے رکھا۔ مجھے کچھ حرارت سی تھی اور سچی بات یہ ہے کہ آج چار دن سے بستر پر لیٹی ہوئی ہوں۔

"لیکن گھبرا مت جانا پیارے۔ میں اچھی ہوں اور اگر ایوان واسی‌لیچ نے اجازت دے دی تو غالباً کل اٹھ بیٹھونگی۔

"جمعہ کو بچوں کو گاڑی میں بٹھا کر گھمانے لے گئی تھی۔ لیکن گھوڑے بڑی سڑک کے نزدیک بالکل اس پل کے پاس جس سے مجھے بہت خوف آتا ہے، کیچڑ میں پھنس گئے۔ دن بہت اچھا تھا اور میں نے سوچا کہ بڑی سڑک تک پیدل چلی چلوں جب تک یہ لوگ گاڑی کو نکال لینگے۔ گرجے کے پاس پہونچ کر اتنی تھک گئی کہ بیٹھنا پڑا اور اس طرح آدھ گھنٹہ گزر گیا اور وہ لوگ گاڑی کو دلدل سے نکالنے کے لئے اور لوگوں کو بلانے چلے گئے۔ مجھے سردی محسوس ہونے لگی خاص طور پر پیروں میں کیونکہ پیروں میں ہلکے تلے کے جوتے تھے اور وہ بھی بری طرح بھیگے ہوئے۔ کھانے کے بعد مجھے حرارت سی محسوس ہونے لگی لیکن میں لیٹی نہیں اور چائے کے بعد حسب معمول لیوبوچکا کی سنگت میں پیانو بجانے بیٹھ گئی۔ (وہ اس قدر سیکھ گئی ہے کہ تم پہچان بھی نہ سکوگے!) لیکن حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب مجھے یہ محسوس

ہوا کہ تال کی گنتی بھی نہیں گن سکتی۔ کئی مرتبہ گننے کی کوشش کی لیکن سر بری طرح چکرا رہا تھا اور کانوں میں عجیب قسم کی آوازیں آرہی تھیں۔ میں نے گنا ایک، دو، تین اور پھر اس کے بعد آٹھ اور پندرہ اور عجیب بات یہ ہے کہ مجھے یہ احساس تھا کہ یہ سب مہمل بک رہی ہوں لیکن بےبس تھی۔ آخر میمی میری مدد کو آئی اور تقریباً زبردستی مجھے بستر پر لٹا دیا۔ تو یہ ہے میری جان تفصیل کہ میں کس طرح بیمار پڑی اور اس کی ذمہ‌دار میں خود ہی ہوں۔ دوسرے دن مجھے کافی تیز بخار ہوگیا اور وہ ہمارے نیک بزرگ ایوان واسی‌لیچ دیکھنے آئے۔ اس وقت سے وہ ہم سے جدا نہیں ہوئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ جلد ہی مجھے چلنے پھرنے کی قابل بنا دینگے۔ بڑے میاں بھی کتنے مزے کے آدمی ہیں! جب مجھے بخار تھا اور ہذیانی کیفیت طاری تھی تو ساری رات میری پٹی کے پاس بیٹھے رہے۔ اس وقت چونکہ انہیں علم ہے کہ میں لکھ رہی ہوں اسلئے بیٹھک میں لڑکیوں کے پاس بیٹھے ہیں اور میرے کان میں آواز آرہی ہے کہ وہ جرمن کہانیاں سنا رہے ہیں اور وہ لوگ سن سن کر ہنسی کے مارے لوٹ‌پوٹ ہوئی جا رہی ہیں۔

''وہ تم جسے la belle Flamande* کہتے تھے وہ دوسرا ہفتہ ہورہا ہے کہ میرے یہاں مہمان ہے کیونکہ اس کی ماں کسی سے ملنے گئی ہے اور وہ بہت ہی مخلص ہے اور مجھ سے ہلی ہوئی ہے۔ اپنے دل کے سارے راز مجھ سے کہہ دیتی ہے۔ خوبصورت ہے، نرم دل ہے اور نوجوان ہے۔ اگر اچھے ہاتھوں میں ہوتی تو بہت ہی اچھی لڑکی نکلتی۔ لیکن وہ خود جو بتاتی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس ماحول میں رہتی ہے وہاں بالکل تباہ ہوجائیگی۔ میرے دل میں خیال آیا کہ اگر میرے اتنے بچے نہ ہوتے تو اس کو اپنی نگرانی میں لیکر ثواب کماتی۔

''لیوبوچکا خود تمہیں خط لکھنا چاہتی تھی لیکن اب تک تیسرا کاغذ پھاڑ چکی ہے اور کہتی ہے: 'مجھے معلوم ہے پاپا کیسا مذاق اڑاتے ہیں، ایک بھی غلطی ہوگئی تو سب کو دکھاتے

---

* حسینہ فلامان۔

پھرینگے، - کاتینکا ویسے ہی پیاری ہے، میمی ویسی ہی اچھی اور روکھی ہے۔

''اب تم سے کچھ اہم معاملات کے متعلق بات کرونگی۔ تم نے لکھا ہے کہ ان سردیوں میں تمہارے معاملات سنبھل نہیں رہے ہیں اور تمہیں خاباروفکا کی آمدنی لینی پڑیگی۔ مجھے حیرت ہے کہ اس معاملے میں تم اجازت چاہتے ہو۔ ظاہر ہے جو چیز میری ہے وہ اسی حد تک تمہاری بھی ہے۔

''تم اتنے پیارے اور اچھے ہو کہ اصلی حالت کو مجھ سے چھپا ڈالتے ہو کہ کہیں میں پریشان نہ ہوجاؤں۔ لیکن میرا اندازہ ہے کہ غالباً تم تاش میں بہت ہار گئے ہو اور میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ میں خفا نہیں ہوں۔ اسلئے اگر اس مشکل کو جھیل لے جاؤ تو خدا کےلئے اس کی زیادہ فکر نہ کرو اور بلاوجہ پریشان مت ہو۔ میں تو اس بات کی عادی ہو چکی ہوں کہ نہ صرف بچوں کےلئے تمہاری جیت سے کوئی توقع نہ رکھوں بلکہ (معاف کرنا) تمہاری ساری جائداد پر بھی بھروسہ نہ کروں۔ تمہارے جیتنے سے مجھے اسی حد تک خوشی ہوتی ہے جس حد تک تمہارے ہارنے سے افسوس ہوتا ہے۔ جس چیز سے واقعی تکلیف ہوتی ہے وہ ہے تمہاری جوئے کی لت جو مجھ سے تمہارے پیار محبت کا ایک حصہ چھین لیتی ہے اور تم سے ایسی تلخ حقیقت بیان کرانے پر مجبور کرتی ہے جو میں اس وقت بیان کررہی ہوں اور خدا گواہ ہے کہ اس سے مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے! میں کبھی خدا سے یہ دعا مانگنا نہ چھوڑونگی کہ ہمیں اپنی امان میں رکھے — مفلسی سے نہیں (مفلسی کیا ہے؟) — بلکہ اس خوفناک صورت‌حال سے جب بچوں کا مفاد جس کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے، ہمارے مفاد سے ٹکرانے لگے۔ اب تک تو خدا نے میری دعائیں سن لی ہیں۔ تم اس حد سے آگے نہیں بڑھے ہو، جہاں ہمیں یا تو اپنی جائداد کی قربانی دینی پڑے جو اب کسی طرح بھی ہماری نہیں بلکہ ہمارے بچوں کی ہے یا... اس کے متعلق سوچنا بھی تکلیف‌دہ ہے لیکن اس کے باوجود یہ بدبختی برابر ہمیں ڈراتی رہتی ہے۔ ہاں خدا نے ہمیں جس آزمائش میں مبتلا کیا ہے وہ بہت سخت ہے۔

''تم نے بچوں کے متعلق لکھا ہے اور پرانا جھگڑا پھر اٹھایا

ہے: تم کہتے ہو کہ میں اجازت دے دوں کہ انہیں کسی تعلیمی ادارے میں بھیج دیا جائے۔ ایسی تربیت سے مجھے جو چڑھ ہے اس سے تم واقف ہو...

"مجھے نہیں معلوم، میرے دوست، کہ تم مجھ سے اتفاق بھی کروگے یا نہیں، پھر بھی میں التجا کرتی ہوں کہ میری خاطر یہ وعدہ کرو کہ جب تک میں زندہ ہوں اور اگر خدا کی مرضی ہوئی کہ ہم جدا ہوجائیں تو میرے مرنے کے بعد بھی کبھی ایسا نہ کروگے۔

"تم لکھتے ہو کہ ہمارے معاملات کے سلسلے میں تمہیں سینٹ پیٹرس‌برگ جانا ضروری ہے۔ تمہیں یسوع کی حفاظت میں دیا، میرے دوست، جاؤ اور جتنی جلد ممکن ہو واپس آجاؤ، تمہارے بغیر ہم سب لوگ بہت اداس رہتے ہیں۔ بہار بڑے زوروں میں آئی ہے۔ بالکونی کا دروازہ کھول دیا گیا ہے، چار دن پہلے گرم‌خانے کا راستہ بالکل خشک ہوگیا۔ ناشپاتی کے درختوں پر پھول ہی پھول ہیں، برف صرف چند جگہوں پر باقی رہ‌گئی ہے، چڑیاں آگئی ہیں اور آج لیوبوچکا میرے لئے موسم بہار کے پہلے پھول لیکر آئی ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ میں تین دن میں ٹھیک ہوجاؤنگی اور تازہ ہوا اور اپریل کی دھوپ کھا سکونگی۔ اچھا اب رخصت میرے عزیز، میری بیماری سے پریشان مت ہونا اور نہ تاش میں اپنی ہار سے۔ جتنی جلد ممکن ہو سکے اپنا کام ختم کرلو اور ساری گرمی بھر کےلئے بچوں کو لیکر چلے آؤ۔ گرمی کےلئے میں بہت منصوبے بنا رہی ہوں اور صرف تمہاری غیرموجودگی ہی ان کی تکمیل میں حائل ہے۔"

خط کا باقی حصہ ایک دوسرے کاغذ پر فرانسیسی زبان میں شکستہ اور ناہموار خط میں لکھا ہوا تھا۔ میں حرف‌بہ‌حرف اس کا ترجمہ کئے دیتا ہوں:

"میں نے اپنی بیماری کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس پر یقین مت کرنا۔ کسی کو بھی علم نہیں کہ بیماری کتنی خطرناک ہے۔ صرف میں جانتی ہوں کہ اب کبھی پلنگ سے اٹھ نہ سکونگی۔ ایک لمحہ بھی ضایع مت کرو۔ آجاؤ اور بچوں کو بھی لیتے آؤ۔

شاید انہیں ایک بار اور سینے سے لگا سکوں اور دعا دے سکوں۔ یہی میری آخری خواہش ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ میں تمہیں کتنی وحشتناک خبر دے رہی ہوں۔ لیکن جلد یا بدیر یہ خبر مجھ سے نہ پہونچتی تو دوسروں سے پہنچتی۔ آؤ اس بدبختی کو پامردی سے برداشت کریں اور خدا پر بھروسہ رکھیں۔ اس کی مرضی کے آگے سر جھکا دیں۔

''یہ نہ سمجھنا کہ جو کچھ لکھ رہی ہوں وہ هذیانی بکواس ہے۔ اس کے برخلاف اس وقت میرا ذهن بہت ہی روشن ہے اور میں بالکل ہوش‌وحواس میں ہوں۔ یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی نہ دے لینا کہ یہ سب ایک خوفزدہ روح کے مبہم اور بےبنیاد وسواس ہیں۔ نہیں، مجھے محسوس ہوتا ہے بلکہ میں جانتی ہوں کیونکہ خدا نے میرے دل پر آشکار کردیا ہے کہ میں زیادہ دن نہیں جیونگی۔

''کیا اس زندگی کے ساتھ تمہارے اور بچوں کےلئے میری محبت ختم ہو جائیگی؟ مجھے معلوم ہے کہ ناممکن ہے۔ اس وقت میرے دل میں محبت کا اتنا اتھاہ جذبہ ہے کہ میں یہ تصور تک نہیں کرسکتی کہ یہ جذبہ جس کے بغیر میں زندگی کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتی کبھی ختم بھی ہوسکتا ہے۔ میری روح تم سے محبت کئے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتی اور مجھے معلوم ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ رهیگی، صرف اس‌لئے کہ میرے دل میں جیسی محبت ہے وہ اس وقت تک ہو ہی نہیں سکتی تھی جب تک کہ ہمیشہ زندہ رهنا اس کا مقصد نہ ہو۔

''میں تمہارے ساتھ نہ رهونگی لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ میری محبت تمہارا ساتھ کبھی نہ چھوڑیگی اور یہ تصور میرے دل کو اتنا تسکین دیتا ہے کہ میں سکون قلب کے ساتھ اور بلاخوف موت کا انتظار کر رہی ہوں۔

''مجھے بہت سکون ہے اور خدا گواہ ہے کہ میں نے ہمیشہ سمجھا ہے اور اب بھی سمجھتی ہوں کہ موت بہتر زندگی کی طرف ایک راستہ ہے۔ پھر بھی یہ آنسو کیوں امڈے آتے ہیں؟ آخر میرے بچے اپنی چہیتی ماں سے محروم کیوں ہوجائیں؟ تمہیں اتنا زبردست اور غیرمتوقع صدمہ کیوں پہونچے؟ میں کیوں مروں جب کہ تمہاری محبت نے میری زندگی کو بےپناہ مسرت عطا کی ہے؟

''اس کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم ہے!
''آنسوؤں کی وجہ سے اب زیادہ نہیں لکھ سکتی۔ شاید میں تم سے نہ مل سکونگی۔ میری جان، ان تمام مسرتوں کا شکریہ جو تم نے اس زندگی میں مجھے عطا کیں، میں خدا سے دعا کرونگی کہ تمہیں اس کا اجر دے۔ خدا حافظ جان من۔ یاد رکھنا کہ جب میں نہ رھونگی تب بھی تم جہاں بھی ہو تمہارا ساتھ کبھی نہ چھوڑونگی۔ خدا حافظ ولودیا میرے لال، خدا حافظ میرے ننھے وینیامین، میرے نکولینکا۔
''کیا یہ سب مجھے بھول جائیں گے؟!''

اس خط کے ساتھ میمی کا ایک خط فرانسیسی میں تھا جس میں لکھا تھا:

''جس افسوسناک پیش‌اندیشی کا انہوں نے ذکر کیا ہے، ڈاکٹر نے اس کی پوری توثیق کردی ہے۔ کل رات انہوں نے مجھے حکم دیا کہ یہ خط فوراً ڈاک سے بھیجدوں۔ میں نے سوچا کہ سرسام کی حالت ہے اسلئے میں نے آج صبح تک انتظار کیا اور پھر فیصلہ کیا کہ خط کھول لوں۔ میں نے خط جیسے ہی کھولا نتالیا نکولائےونا نے پوچھا کہ تم نے خط کیا کیا اور حکم دیا کہ اگر ابھی ڈالا نہیں ہے تو اسے جلا دو۔ وہ اس کا ذکر کیا کرتی ہیں کہ وہ خط آپ کو مار ڈالیگا۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ اس فرشتہ صفت ہستی کو ہمیشہ کےلئے رخصت ہونے سے پہلے دیکھ لیں تو آنے میں دیر مت کیجئے۔ اس ٹوٹی پھوٹی تحریر کو معاف کیجئے گا۔ میں تین راتوں سے سوئی نہیں ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ مجھے ان سے کتنی محبت ہے!''

نتالیا ساویشنا نے جنھوں نے ۱۱ اپریل کو ساری رات اماں کے کمرے میں گزاری تھی، مجھے بتلایا کہ خط کا پہلا حصہ لکھ چکنے کے بعد اماں نے اسے اپنے پاس کی میز پر رکھ دیا اور سو گئیں۔
''میں اقرار کرتی ہوں،'' نتالیا ساویشنا نے کہا ''کہ میں خود بھی آرام کرسی پر لیٹی لیٹی اونگھ گئی اور میرے موزے میرے

ہاتھ سے گر گئے۔ لیکن کوئی ایک بجے کے قریب میں نے خواب میں سنا جیسے وہ کسی سے باتیں کررہی ہیں۔ میں نے آنکھ کھول کے دیکھا تو وہ بستر پر بیٹھی ہوئی تھیں، میری اچھی بی‌بی، ہاتھ اس طرح باندھے ہوئے تھیں اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ بس انہوں نے اتنا کہا: 'تو کیا خاتمہ قریب ہے؟'، اور ہاتھوں میں چہرہ چھپا لیا۔ میں اچھل کر کھڑی ہوگئی اور بولی: 'آپ کیسی ہیں؟ کیا ہوا؟'

''نتالیا ساویشنا کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ میں نے ابھی ابھی کس کو دیکھا ہے، وہ بولیں۔

''لیکن میں نے لاکھ التجا کی کہ میرے سوال کا جواب دیں لیکن وہ کچھ نہ بولیں، صرف اتنا کہا کہ چھوٹی‌والی میز اٹھا لاؤ، کچھ اور لکھا، مجھ سے وہیں خط بند کرایا اور فوراً روانہ کردیا۔ اس کے بعد ان کی حالت خراب سے خراب‌تر ہوتی گئی۔''

باب ۲۶

دیہات میں ہمیں کیا پیش آنا تھا

۱۸ اپریل کو ہم لوگ گاڑی سے اتر کر پیتروفسکوئےوالے گھر کی برساتی میں گئے۔ جب ہم لوگ ماسکو سے رخصت ہورہے تھے تو پاپا بہت فکرمند تھے اور جب ولودیا نے ان سے پوچھا کہ کیا اماں بیمار ہیں تو انہوں نے اس کی طرف بہت ہی اداسی سے دیکھا اور خاموشی سے تصدیق کرتے ہوئے سر ہلادیا۔ سفر کے دوران میں انہیں کچھ سکون سا ہوگیا لیکن جیسے جیسے گھر کے قریب پہونچنے لگے تو ان کا چہرہ زیادہ غم‌زدہ معلوم ہونے لگا اور جب گاڑی سے اترنے کے بعد انہوں نے فوکا سے پوچھا جو ہانپتا کانپتا باہر آیا تھا کہ ''نتالیا نکولائےونا کہاں ہیں؟'' تو ان کی آواز بھرائی ہوئی تھی اور ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ہمارے اچھے بوڑھے فوکا نے ہماری طرف دیکھا، نظریں جھکالیں اور پیش‌دالان کا دروازہ کھول کر ایک طرف کو ہوگیا اور بولا:

''آج چھٹا دن ہے حضور کہ وہ خوابگاہ سے باہر نہیں نکلی ہیں۔''

میلکا کتا (بعد میں معلوم ہوا کہ جس دن سے امی بیمار ہوئی تھیں اس دن سے اس نے غمناک انداز میں بھونکنا بند نہیں کیا تھا) خوشی سے بابا کی طرف لپکا، ان پر کود پڑا، غرایا اور ان کے ہاتھ چاٹنے لگا لیکن انہوں نے اسے جھٹک دیا اور مہمان خانے سے ہوتے ہوئے بیٹھک کی طرف چل دئے جہاں سے ایک دروازہ سیدھا خوابگاہ کو جاتا تھا۔ کمرے کے نزدیک پہونچتے پہونچتے انہیں اور گھبراہٹ ہونے لگی جو ان کی ہر حرکت سے عیاں تھی۔ وہ دبے پاؤں بیٹھک میں داخل ہوتے ہوئے سانس بھی مشکل سے لے رہے تھے اور بند دروازے کا دستہ پکڑنے کا فیصلہ کرنے سے پہلے انہوں نے صلیب کا نشان بنایا۔ اسی وقت میمی بال کھولے، چہرہ آنسوؤں سے بھگوئے گزرگاہ میں آئیں۔ ''آہ پیوتر الکساندرووچ،، انہوں نے سچ مچ بڑے حسرتناک انداز میں آہستہ سے کہا اور یہ دیکھ کر کہ بابا دروازے کا کنڈا گھما رہے ہیں وہ اسی آواز میں بولیں جو ٹھیک سے سنائی بھی نہ دی: ''یہاں سے نہیں، یہ دروازہ تو مقفل ہے۔ راستہ نوکرانیوں کے 'کمرے' سے جاتا ہے۔،،

ہاں ان سب چیزوں نے میرے طفلانہ تصور پر کیسا اثر کیا جو خوفناک وسوسوں کی وجہ سے غمزدہ ہوچکا تھا۔

ہم لوگ نوکرانیوں کے کمرے میں پہونچے۔ گزرگاہ میں ہمیں وہ احمق اکیم ملا جو طرح طرح کے منہ بناکر ہمیشہ ہمیں خوش کیا کرتا تھا۔ لیکن اس وقت مجھے اس میں کوئی مضحکہ‌خیز بات نظر نہیں آئی۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اس وقت مجھے اس کا بےحس اور بےپروا چہرہ دیکھ کر بہت تکلیف ہوئی۔ نوکرانیوں کے کمرے میں دو نوکرانیاں جو بیٹھی ہوئی کوئی کام کررہی تھیں، اٹھ کر اس غمزدہ انداز میں تسلیم بجالائیں کہ مجھے ڈر لگنے لگا۔ میمی کے کمرے سے گزر کر بابا نے خوابگاہ کا دروازہ کھولا اور ہم لوگ اندر داخل ہوئے۔ دروازے کے دائیں طرف دو کھڑکیاں تھیں جن پر بڑے رومال پڑے ہوئے تھے۔ ایک کے قریب نتالیا ساویشنا ناک پر عینک رکھے بیٹھی موزے بن رہی تھیں۔ انہوں نے خلاف معمول ہمیں پیار نہیں کیا بلکہ صرف کھڑی ہوگئیں، عینک کے شیشوں میں سے ہمیں دیکھا اور آنسو ان کے گالوں پر بہہ نکلے۔

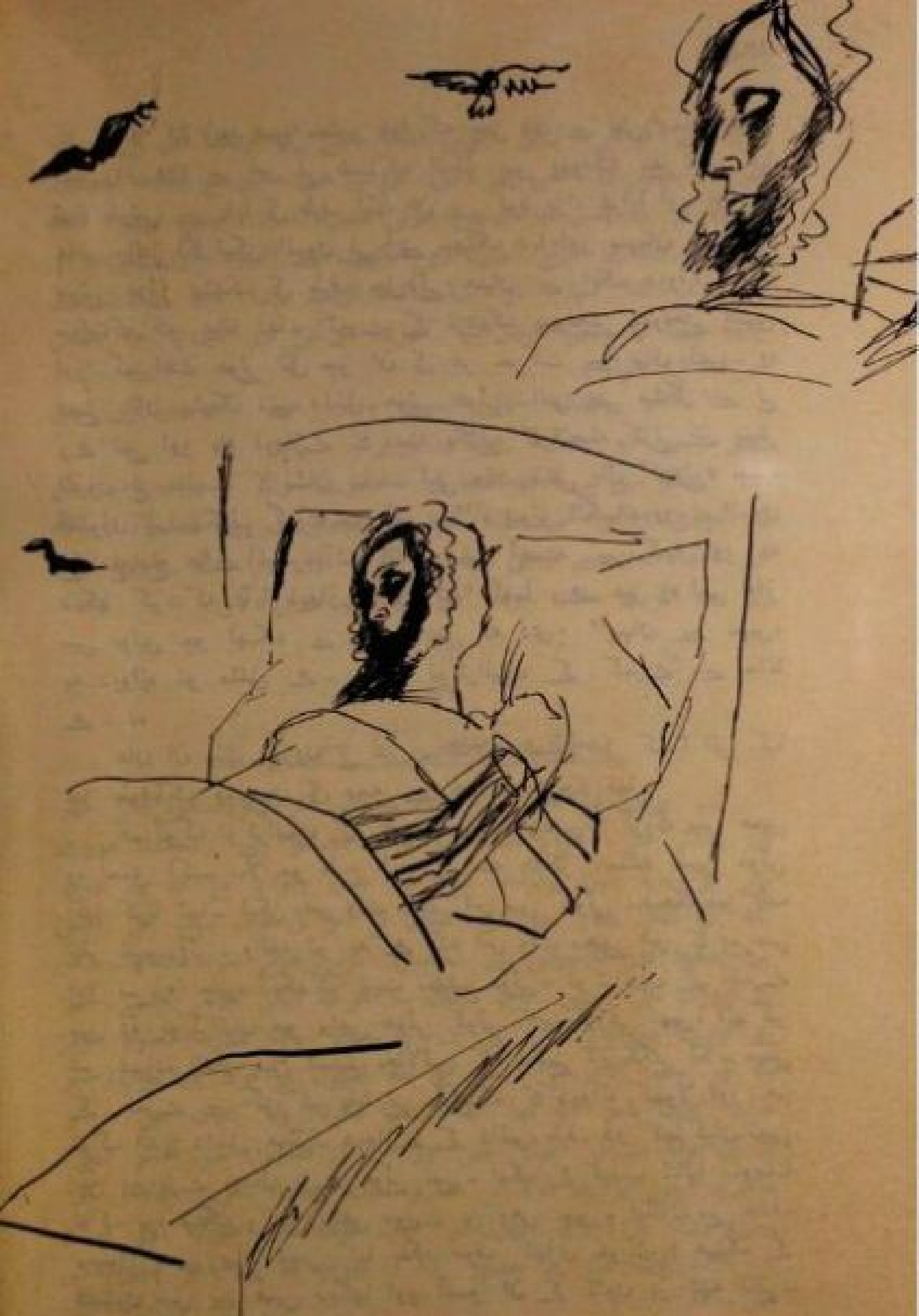

مجھے یہ دیکھ کر انتہائی تکلیف ہوئی کہ جو لوگ ہمیشہ بہت متین اور سنجیدہ رہتے تھے، وہ ہمیں دیکھتے ہی رونے دھے رہے تھے۔

دروازے کے بائیں طرف ایک پردہ تھا اور پردے کے پیچھے ایک پلنگ، ایک میز، ایک چھوٹی سی الماری جس میں دوائیں ہی دوائیں بھری تھیں اور بڑی سی آرام کرسی رکھی تھی جس پر ڈاکٹر اونگھ رہے تھے۔ پلنگ کے پاس ایک انتہائی حسین لڑکی کھڑی تھی جس کے بال بکھرے تھے۔ اس کے صبح کے لباس کی آستینیں چڑھی ہوئی تھیں اور وہ اماں کے سر پر برف رکھ رہی تھی۔ لیکن خود اماں کو میں نہیں دیکھ سکا۔ یہی لڑکی la belle Flamande کہلاتی تھی جس کے متعلق اماں نے لکھا تھا اور جس نے آگے چل کر ہمارے سارے خاندان کی زندگی میں بہت اہم پارٹ ادا کیا۔ ہم لوگ جیسے ہی اندر داخل ہوئے اس نے اپنا ہاتھ اماں کے سر سے ہٹالیا، سینے پر اپنے گاؤن کے سلوٹیں ٹھیک کیں اور اس کے بعد زیرلب بولی:

"بیہوشی کے عالم میں ہیں۔"

اس وقت میری حالت بہت ہی خستہ تھی لیکن غیرارادی طور پر میں نے یہ ساری چھوٹی چھوٹی باتیں بخوبی دیکھلیں۔ کمرے میں تقریباً اندھیرا تھا اور گرمی بھی اور پودینے، یوڈی‌کلون، بابونا اور ھافمین کے قطروں کی ملی‌جلی بو بسی ہوئی تھی۔ اس بو نے مجھ پر اتنا اثر کیا کہ جب بھی یہ بو میری ناک میں جاتی ہے یا جب بھی میں اسے یاد کرتا ہوں تو تصور فوراً اس تنگ‌وتاریک کمرے کی یاد دلا دیتا ہے، اس جانگداز لمحے کی ہر تفصیل کو یہاں تک کہ چھوٹی سی چھوٹی چیز کو سامنے لے آتا ہے۔

امی کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن انہیں نظر کچھ نہیں آرہا تھا۔ میں ان خوفناک نگاہوں کو کبھی نہ بھول سکوں گا! ان میں کتنی تکلیف کا احساس تھا!

ہم لوگوں کو باہر بھیج دیا گیا۔

بعد میں جب میں نے نتالیا ساویشنا سے اماں کے آخری لمحات کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے مجھے بتایا:

"جب تم لوگوں کو باہر لےجایا گیا تو اس کے بعد بی‌بی بہت دیر تک بےچین رہیں جیسے ان کے دل پر کسی چیز کا بوجھ ہو۔ اس کے بعد انہوں نے سر تکیہ پر سے ہٹالیا اور اس طرح

بےحس‌وحرکت سونے لگیں جیسے کوئی آسمانی فرشتہ ہو۔ میں یہ دیکھنے کےلئے باہر چلی گئی کہ ان کےلئے پانی کیوں نہیں لایا گیا واپس آئی تو بی‌بی جاگ رہی تھیں اور تمہارے پاپا کو اشارے سے اپنی طرف بلا رہی تھیں۔ وہ ان کے پاس جھکے لیکن ان کی طاقت جواب دے گئی تھی اور جو کچھ کہنا چاہتی تھیں نہ کہہ سکیں۔ صرف ہونٹوں کو کھولتیں اور پھر آہ آہ کرنے لگتیں۔ ''خدایا! میرے اللہ! بچے، بچے!،، میں چاہتی تھی کہ دوڑ کر تم لوگوں کو بلالوں لیکن ایوان واسی‌لیچ نے مجھے روک دیا اور کہا: ''اس سے انہیں اور ہیجان ہوگا، بہتر ہے کہ نہ بلاؤ۔،، اس کے بعد انہوں نے صرف ہاتھ اٹھایا اور پھر ڈالدیا۔ خدا معلوم اس سے ان کا مطلب کیا تھا۔ میرا خیال ہے تمہاری غیرموجودگی میں تم لوگوں کو دعائیں دے رہی تھیں۔ خدا کو منظور نہیں تھا کہ آخری بار اپنے لالوں کو دیکھ سکیں۔ اس کے بعد میری بی‌بی کوشش کرکے اٹھ بیٹھیں، ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا اور ایسی آواز میں بولیں کہ میں اس کا اب تصور بھی نہیں کر سکتی: ''مقدس ماں ان کی حفاظت کرنا!..،، اس کے بعد درد ان کے دل میں پہونچ گیا ہوگا، ان کی آنکھوں سے معلوم ہو رہا تھا کہ کتنی تکلیف سے گزر رہی تھی۔ وہ تکیہ پر گر پڑیں، چادر دانتوں میں دبالی اور آنسوؤں کا سلسلہ بندھ گیا۔،،

''اور پھر کیا ہوا؟،،

لیکن نتالیا ساویشنا اس کے آگے کچھ نہ کہہ سکیں: انہوں نے منہ پھیرلیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

اماں پر آخری وقت بہت تکلیف کا گزرا۔

باب ۲۷

غم

دوسرے دن کافی رات گئے میں انہیں ایک بار پھر دیکھنا چاہتا تھا۔ میں نے بےاختیار خوف کے احساس کو دبا کر آہستہ سے دروازہ کھولا اور دبے پاؤں ہال میں داخل ہوا۔

ھال کے بیچ میں ایک میز پر تابوت رکھا ہوا تھا اور اس کے چاروں طرف چاندی کے لمبے لمبے شمع دانوں میں شمعیں جل رہی تھیں۔ دور کونے میں ایک پادری بیٹھا بہت ہی مدھم اور یکساں آواز میں دعائیں پڑھ رہا تھا۔

میں دروازے پر ٹھہر کر گھورنے لگا لیکن میری آنکھیں رونے کی وجہ سے ایسی سوج گئی تھیں اور میرے اعصاب میں ایسا تناؤ تھا کہ کچھ بھی نظر نہ آسکا۔ ہر چیز عجیب انداز میں گڈمڈ ہورہی تھی — روشنیاں، کمخواب، مخمل، بڑے بڑے شمع دان، لیس لگا ہوا گلابی تکیہ، گوٹ لگی ہوئی ٹوپی اور کوئی شفاف موم جیسی چیز۔ ان کا چہرہ دیکھنے کے لئے میں ایک کرسی پر چڑھ گیا۔ لیکن جہاں سر ہونا چاہئے تھا وہاں صرف وہی موم کے قسم کی شفاف سی کوئی چیز نظر آئی۔ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ یہ ان کا چہرہ ہے۔ پھر بھی جب میں نے اور زیادہ گھور کر دیکھا تو آہستہ آہستہ وہ جانا پہچانا، پیارا پیارا چہرہ نظر آنے لگا۔ یہ محسوس کرکے کہ وہی ہیں، میرے جسم میں جھرجھری سی آگئی۔ لیکن بند آنکھیں اندر کی طرف اتنی دھنسی ہوئی کیوں ہیں؟ یہ خوفناک زردی مائل رنگ کیسا اور ایک گال میں جلد کے نیچے ایک سیاہ سا دھبہ کیسا ہے؟ پورے چہرے سے یہ رشتگی اور سردمہری کا اظہار کیوں؟ اور ہونٹ اتنے پیلے کیوں ہیں اور ان کے خطوط اتنے حسین، اتنے پرشکوہ اور الوہی سکون واطمینان کا اظہار کیوں کر رہے ہیں کہ جب میں نے ان کی طرف دیکھا تو پھریری سی آگئی۔

میں دیکھے جا رہا تھا اور ایسا محسوس کررہا تھا کہ کوئی نامعلوم سی زبردست قوت میری نظروں کو اس بےجان چہرے کی طرف کھینچ رہی ہے۔ میں نے اس پر سے اپنی نظریں نہیں ہٹائیں اور تصور نے بھرپور زندگی اور مسرت کی تصویریں بنانا شروع کردیں۔ میں بھول گیا کہ جو لاش میرے سامنے تھی اور جس کی طرف میں احمقانہ انداز میں تک رہا تھا جیسے وہ کوئی ایسی چیز ہو جس کا میرے خوابوں سے کوئی تعلق نہ ہو، دراصل ''وہ'' تھیں۔ میں نے انہیں ایک بار اسی طرح دیکھا جیسے اکثر دیکھا کرتا تھا — زندہ خوش، مسکراتی ہوئی۔ پھر اس زرد چہرے کے کچھ خدوخال جن پر میری نظریں جمی ہوئی تھیں، عجیب سے معلوم

ہوئے، مجھے خوفناک حقیقت کا احساس ہوا، جسم میں جھرجھری آئی لیکن میں نے نظریں نہ ہٹائیں۔ کبھی تصورات حقیقت کی جگہ لے لیتے اور پھر حقیقت کا احساس تصورات کو بھگا دیتا۔ آخر تصور مدھم پڑنے لگا اور اس نے مجھے دھوکا دینا ترک کردیا۔ حقیقت کا شعور بھی غائب ہوگیا اور میری حالت خود فراموشی کے عالم میں پہنچ گئی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس حالت میں کب تک رہا یا یہ حالت ہوتی کیا ہے۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ کچھ دیر کے لئے اپنی ہستی کا سارا شعور ختم ہوگیا اور ایک لطیف، ناقابل بیان طور پر خوشگوار اور المناک کیفیت کا احساس ہوا۔

غالباً ایک بہتر دنیا کی طرف پرواز کرتے ہوئے ان کی حسین روح اس دنیا کو بہت رنج وملال کے ساتھ دیکھ رہی تھی جس میں وہ ہم کو چھوڑے جا رہی تھی۔ اس نے میرے غم کو محسوس کرلیا، اسے مجھ پر رحم آگیا اور مجھے دلاسا دینے اور دعائیں دینے کے لئے ایک الوہی مسکراہٹ کے ساتھ محبت کے شہپروں کے سہارے زمین پر اتر آئی۔

دروازہ چرچرایا، دوسرا پادری پہلے کی جگہ آگیا۔ اس آواز نے مجھے چونکا دیا اور جو پہلا خیال میرے ذہن میں آیا وہ یہ کہ چونکہ میں رو نہیں رہا ہوں اور کرسی پر اس طرح کھڑا ہوں جس سے کسی قسم کے غم کا اظہار نہیں ہوتا اس لئے یہ شخص مجھے بےحس قسم کا لڑکا سمجھے گا، جو کرسی پر صرف رحم یا تجسس کے جذبے کے تحت چڑھ گیا ہے۔ میں نے اپنے اوپر صلیب کا نشان بنایا، سر جھکایا اور رونے لگا۔

آج جب میں اپنے تاثرات کو یاد کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ خودفراموشی کا وہ لمحہ ہی سچے غم کا لمحہ تھا۔ دفنانے سے قبل اور بعد میں مسلسل روتا رہا اور اداس رہا لیکن اس اداسی کو یاد کرکے مجھے شرم آتی ہے کیونکہ کوئی خودغرضی کا جذبہ تھا جو لازمی طور سے اس میں شامل رہا: یعنی یہ جتانے کی خواہش کہ مجھے اوروں سے زیادہ غم ہے، اور اس کی فکر کہ میں دوسروں پر کیا اثر چھوڑتا ہوں اور ایک بےمعنی تجسس جس نے مجبور کردیا کہ میمی کی ٹوپی اور جو لوگ موجود تھے، ان کے

چہروں پر نظر رکھوں۔ مجھے اپنے آپ سے نفرت محسوس ہونے لگی کیونکہ مجھ پر جو جذبہ طاری تھا، وہ صرف رنج وغم کا نہ تھا اور میں تمام دوسرے جذبوں کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسی لئے میرا غم خلوص سے میرا اور غیرفطری تھا۔ اس کے علاوہ یہ جان کر کہ مجھے غم ہے مجھے خوشی محسوس ہورہی تھی۔ میں نے غم کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی اور تمام چیزوں کے مقابلے میں خودپسندی کے اس احساس نے میرے دل میں سچے غم کا گلا گھونٹ دیا۔

جیسا کہ ہمیشہ بڑے صدمے کے بعد ہوتا ہے، رات کی گہری اور پرسکون نیند کے بعد جب میں سو کر اٹھا تو میرے آنسو خشک ہو چکے تھے اور اعصاب پرسکون تھے۔ دس بجے ہم لوگوں کو نماز جنازہ کےلئے بلایا گیا جو میت دفنانے سے پہلے ادا کی گئی۔ گھر میں روتے ہوئے گھریلو ملازموں اور کسانوں کا ھجوم تھا جو اپنی مالکن کے آخری دیدار کےلئے آئے تھے۔ میں نماز کے دوران خاصا رویا، صلیب کا نشان بنایا اور زمین پر سجدے کئے۔ لیکن میں نے صدق دل سے دعا نہ مانگی بلکہ کچھ بےتعلق سا رہا۔ مجھے جو چیز پریشان کررہی تھی وہ یہ کہ جو نیا فراک کوٹ مجھے پہنایا گیا تھا، وہ بغل پر سے تنگ تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ پتلون کے گھٹنے زیادہ گندے نہ ہونے پائیں اور میں نے کنکھیوں ہی کنکھیوں سے ان تمام لوگوں کا جائزہ لےلیا جو وہاں موجود تھے۔ والد لاش کے سرہانے کھڑے ہوئے تھے۔ ان کا رنگ خود ان کے رومال کی طرح زرد پڑگیا تھا اور صاف ظاہر تھا کہ بڑی کوشش سے آنسوؤں کو ضبط کررہے ہیں۔ سیاہ فراک کوٹ میں ملبوس ان کا دراز قد، ان کا زردی مائل چہرہ جو جذبات کا آئینہ‌دار تھا، ان کی حرکات مثلاً جب انہوں نے اپنے اوپر صلیب کا نشان بنایا، جھک کر زمین پر سجدہ کیا، پادری کے ہاتھ سے شمع لی یا جنازے کے پاس گئے تو ان سے ہمیشہ کی طرح نفاست اور خود اعتمادی جھلکتی تھی اور وہ بہت متاثرکن تھیں۔ لیکن پتہ نہیں کہ اس وقت ان کی اثر ڈالنے کی صلاحیت مجھے کیوں اچھی نہیں معلوم ہورہی تھی۔ میمی دیوار کا سہارا لئے کھڑی تھیں جیسے مشکل سے کھڑی ہو پا رہی ہوں۔ ان کا لباس شکن آلود تھا اور اس پر

دھبے پڑگئے تھے، ٹوپی ایک طرف کو ہو گئی تھی، سوجی ہوئی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور سر ہل رہا تھا۔ ایک منٹ کو بھی دلخراش انداز میں آھیں بھرنا بند نہ کرتی تھیں اور باربار اپنا چہرہ ھاتھوں اور رومال میں چھپا لیتی تھیں۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنی مکاری کی آھوں کے بعد کچھ دیر سستانے کےلئے لوگوں سے اپنا چہرہ چھپا لیتی تھیں۔ مجھے یاد ھے کہ وہ پاپا سے ایک دن پہلے سے کہہ رہی تھیں کہ اماں کی موت میرے لئے اتنا زبردست صدمہ ھے کہ میں زندہ نہ رہ سکوں‌گی، میری تو ھر چیز چھن لی گئی، وہ فرشتہ صفت بی‌بی (وہ اماں کو اسی نام سے پکارتی تھیں) مرتے وقت مجھے نہیں بھولی اور میرے اور کاتینکا کے مستقبل کو پریشانیوں سے ھمیشہ کےلئے نجات دلانے کی خواھش ظاھر کی تھی۔ یہ کہتے وقت وہ بری طرح آنسو بہا رہی تھیں اور غالباً ان کا غم سچا تھا لیکن خالص اور بےلاگ نہ تھا۔ لیوبوچکا ماتمی فیتے والا سیاہ فراک پہنے، چہرہ آنسوؤں سے بھگوئے، سر جھکائے کھڑی تھی اور طفلانہ خوف کے ساتھ کبھی کبھی تابوت کی طرف دیکھ لیتی تھی۔ کاتینکا اپنی ماں کے پاس کھڑی تھی اور اپنے اداس چہرے کے باوجود ھمیشہ کی طرح سرخ‌وسفید ھو رہی تھی۔ ولودیا کی بےباک فطرت غم میں بھی بےباک تھی۔ وہ کسی وقت کچھ سوچتا ھوا کسی چیز پر نظریں گاڑدیتا، کبھی دفعتاً اس کے منہ پر تشنجی کیفیت طاری ھوتی اور وہ جلدی جلدی صلیب کا نشان بنا کر تعظیماً جھک جاتا۔ جتنے بھی اجنبی جنازے میں شرکت کےلئے آئے تھے مجھے سخت ناگوار ھورہے تھے۔ دلاسا دینے کےلئے وہ جو جملے ادا کرتے کہ وھاں وہ آرام سے رھینگی اور وہ اس دنیا کےلئے نہیں تھیں — یہ جملے مجھ کو اور غصہ دلا رہے تھے۔

انہیں ان کے متعلق باتیں کرنے اور ان کا غم کرنے کا حق کیا تھا؟ ان میں سے کچھ لوگ ھمارے متعلق باتیں کرتے، ھمیں یتیم کہتے، جیسے ان کے بتائے بغیر ھمیں معلوم ھی نہیں تھا کہ جن بچوں کی ماں نہ ھو انہیں اس نام سے پکارا جاتا ھے! لوگوں کو یہ بات ھم سے منسب کرنے کی پہل کرنے میں بظاھر خوشی محسوس ھورھی تھی جیسے انہیں اس کی جلدی ھوتی ھے کہ نئی نئی شادی‌شدہ نوجوان لڑکی کو بڑھ‌کر مادام کہہ دیا جائے۔

ہال کے دور کونے میں برتنوں کی الماری کے کھلے ہوئے پٹ کے پیچھے تقریباً چھپی ہوئی ایک سفید بالوں والی عورت گھٹنوں کے بل جھکی، ہاتھ باندھے اور نظریں آسمان کی طرف اٹھائے دعا پڑھ رہی تھی، رو نہیں رہی تھی۔ وہ خدا سے ہم کلام تھی اور اس سے التجا کر رہی تھی کہ مجھے بھی اس کے ساتھ اٹھالے جسے میں دنیا میں سب سے زیادہ عزیز رکھتی تھی اور اس عورت کو پختہ امید تھی کہ یہ بات جلد ہی ہونے والی ہے۔

"یہ ہے وہ ہستی جو ان سے سچ مچ محبت کرتی تھی!"، میں نے سوچا اور مجھے خود اپنے آپ پر شرم آنے لگی۔

نماز جنازہ ختم ہوئی۔ مرحومہ کا چہرہ کھولا گیا اور ہم لوگوں کو چھوڑ کر تمام حاضرین ایک ایک کرکے جنازے کے پاس گئے اور چہرے کو بوسہ دیا۔

سب سے آخر میں جانے اور ان سے رخصت ہونے والی ایک کسان عورت تھی جو ایک پانچ سالہ خوبصورت سی لڑکی کو ہاتھوں پر لئے ہوئے آئی تھی، خدا جانے یہاں اسے کیوں اپنے ساتھ لائی تھی۔ اس وقت غیرمتوقع طور پر میرے ہاتھ سے گیلا رومال گر گیا اور میں اسے اٹھانے کے لئے جھکا۔ لیکن ابھی میں جھکا ہی تھا کہ ایک خوفناک چیخ نے مجھے چونکا دیا۔ اس چیخ میں اتنا خوف و ہراس تھا کہ اگر میں سو سال بھی زندہ رہا تو اسے بھول نہ سکونگا اور جب بھی میں اسے یاد کرتا ہوں تو ٹھنڈا پسینہ چھوٹ جاتا ہے۔ میں نے سر اٹھایا — جنازے کے پاس ایک قدمچے پر وہی کسان عورت کھڑی ہوئی تھی اور بمشکل تمام اپنی گود میں اس چھوٹی سی لڑکی کو اٹھائے ہوئے تھی جو ہوا میں اپنے اپنے ننھے ہاتھ پیر مارکر اور اپنے خوفزدہ چہرے کو پیچھے کی طرف ہٹا کر میری مرحوم ماں کے چہرے کی طرف پھٹی پھٹی نظروں سے گھور رہی تھی اور دلخراش انداز سے چیخ رہی تھی۔ میں بھی اس آواز سے چیخ پڑا جو شاید اس کی آواز سے بھی زیادہ دلخراش تھی جس نے مجھے چونکا دیا تھا اور بھاگ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

صرف اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ وہ تیز اور بوجھل بو جو لوبان کی بو میں مل گئی تھی، کمرے میں کہاں سے آئی تھی اور اس خیال نے پہلی بار مجھے تلخ حقیقت سے دوچار کیا اور

میری روح پر غم چھا گیا کہ یہ چہرہ جو چند دن قبل تک حسن اور محبت کی آماجگاہ تھا، چہرہ جس سے میں دنیا میں سب سے زیادہ محبت کرتا تھا، خوفزدہ بھی کرسکتا تھا۔

باب ۲۸

آخری اندوہناک یادیں

اماں اب ہمارے درمیان نہیں تھیں لیکن ہماری زندگی اسی ڈھرے پر چلتی رہی: ہم انہیں کمروں میں اس وقت سوتے اور جاگتے رہے۔ صبح اور شام کی چائے، دن اور رات کا کھانا — یہ سب کچھ انہیں اوقات میں ہوتا رہا، کرسیاں اور میزیں اسی جگہ رکھی رہیں، گھر یا ہمارے طرزِزندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، صرف وہ نہیں تھیں...

مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ایسے المناک واقعے کے بعد ساری چیزوں کو بدل جانا چاہئے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ ہماری زندگی کا روزانہ کا معمول ان کی یاد کی توہین ہے اور اس کی وجہ سے ان کی غیرموجودگی اور بھی زیادہ محسوس ہونے لگتی۔

کفن دفن سے پہلےوالی شام کو، کھانے کے بعد میں چاہتا تھا کہ جاکر سو جاؤں اور میں یہ سوچ کر ناتالیا ساویشنا کے کمرے میں چلاگیا کہ ان کے پروںوالے نرم بستر پر لیٹ رہونگا اور روئی کے گرم لحاف میں دبک جاؤنگا۔ جب میں کمرے میں داخل ہوا تو ناتالیا ساویشنا بستر پر لیٹ چکی تھیں اور شاید سو رہی تھیں۔ میرے پیروں کی آہٹ سن کر وہ اٹھیں، اس اونی شال کو ایک طرف پھینکا جس سے وہ مکھیوں سے اپنے سر کی حفاظت کرتی تھیں اور اپنی ٹوپی ٹھیک کرکے پلنگ کے سرے پر بیٹھ گئیں۔

میں کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کرنے کےلئے اکثر ان کے کمرے میں آیا کرتا تھا اور میں جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا وہ فوراً سمجھ گئیں کہ میں کیوں آیا ہوں۔

''تو تم کچھ دیر آرام کرنے کےلئے آئے ہو؟ لیٹ جاؤ بیٹے،'' وہ بولیں۔

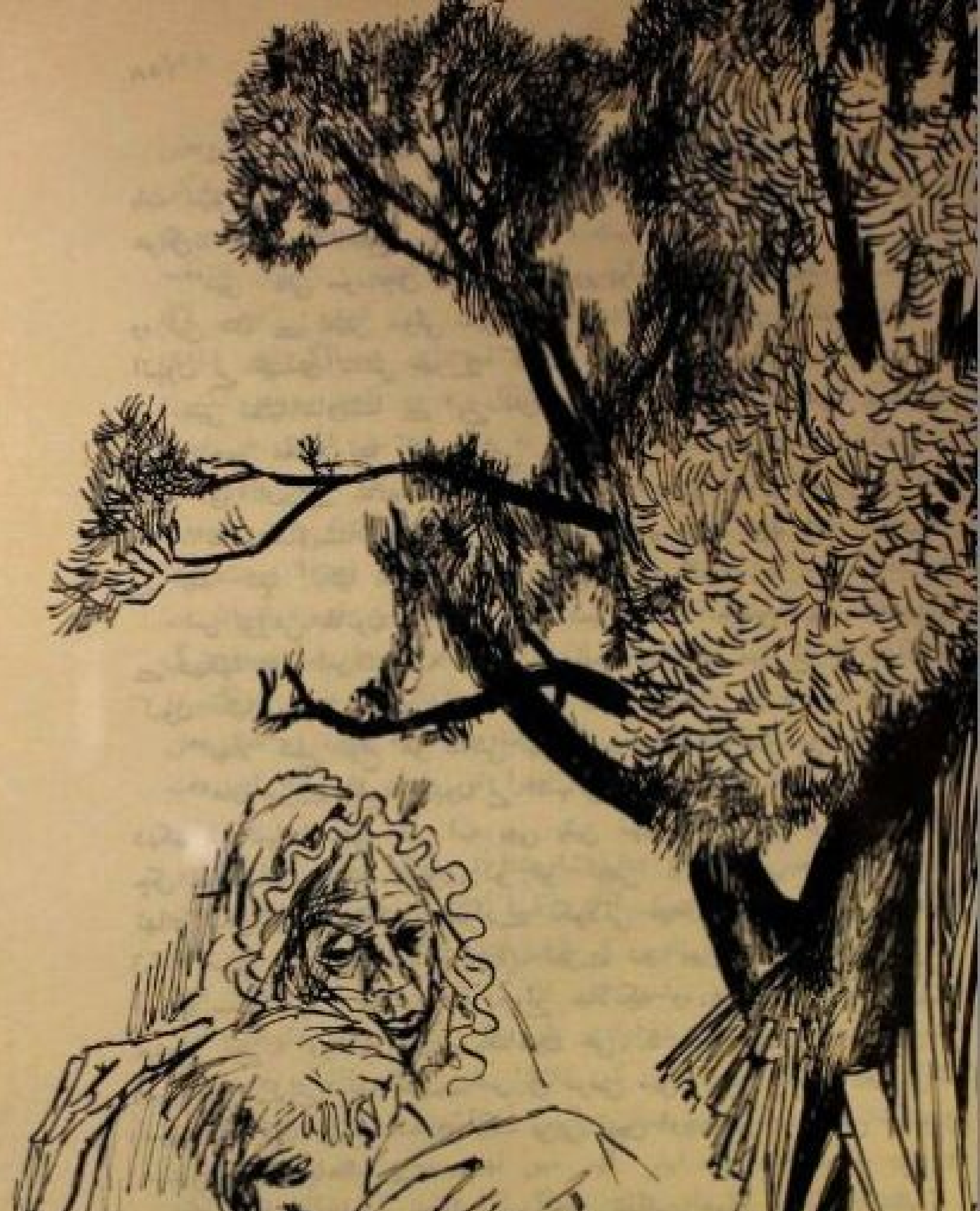

''نہیں تتالیا ساویشنا،، میں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا ''یہ بات نہیں ہے، میں بس یوں ہی چلا آیا، آپ خود بھی تھک گئی ہونگی۔ آپ لیٹ جائیے۔ ،،

''میں کافی سو چکی ہوں بیٹے،، وہ بولیں (مجھے معلوم تھا کہ وہ تین دن سے نہیں سوئی ہیں)۔ ''اور پھر نیند آتی کسے ہے،، انہوں نے ٹھنڈی سانس بھر کے کہا۔

میں تتالیا ساویشنا سے اپنے اس صدمے کے متعلق بات کرنا چاہتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ امی سے کیسی پرخلوص محبت رکھتی تھیں اور ان کے ساتھ مل کر رونے سے مجھے تسکین ہوتی۔

''تتالیا ساویشنا،، میں نے بستر پر بیٹھ کر کچھ دیر توقف کے بعد کہا ''کیا آپ کو اس کی توقع تھی؟،،

اس بوڑھی خاتون نے میری طرف حیرت اور تجسس آمیز نگاہوں سے دیکھا غالباً اس لئے کہ وہ یہ نہ سمجھ سکی کہ میں نے یہ سوال کیوں کیا۔

''بھلا کسے توقع ہو سکتی تھی اس بات کی؟،، میں نے دھرایا۔

''ہاں میرے بیٹے،، انہوں نے انتہائی ہمدردی کی نگاہ سے مجھے دیکھ کر کہا ''مجھے تو اب بھی یقین نہیں آتا۔ میں بوڑھی ہو چکی ہوں، ان بوڑھی ہڈیوں کو تو کبھی کا قبر میں ہونا چاہئے تھا۔ لیکن بڑے مالک شاہزادے نکولائی میخائلووچ، تمہارے نانا (خدا انہیں جنت نصیب کرے!)، میرے دو بھائی اور میری بہن آنوشکا سب میرے سامنے دفن ہوئے حالانکہ وہ عمر میں مجھ سے چھوٹے تھے۔ اور یہ میرے گناہوں ہی کا خمیازہ ہے کہ انہیں بھی رونے کے لئے زندہ ہوں۔ اس کی مرضی میں کسے دخل! اس نے انہیں اٹھا لیا اس لئے کہ وہ نیک بی بی تھیں اور خدا ایسی ہی نیک ہستیوں کو چاہتا ہے۔ ،،

اس سیدھے سادھے اسول سے مجھے تسکین ہوئی اور میں تتالیا ساویشنا کے اور نزدیک ہوگیا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سینے پر باندھ لئے اور اوپر دیکھنے لگیں۔ ان کی دھنسی ہوئی پرغم آنکھوں سے بے پناہ لیکن خاموش درد کا اظہار ہورہا تھا۔ ان کو پکا یقین تھا کہ خدا اس ہستی سے زیادہ دن تک انہیں جدا نہ رکھے گا جسے انہوں نے سالہا سال سے اپنا سارا پیار دے رکھا تھا۔

''ھاں میرے لال، زیادہ دن کی بات نہیں معلوم ھوتی جب میں انہیں کھلاتی تھی، کپڑے پہناتی تھی اور وہ مجھے ناشا کہہ کر پکارتی تھیں۔ وہ دوڑ کر میرے پاس آتیں، اپنے ننھے ننھے بازو میرے گلے میں ڈال کر پیار کرنے لگتیں اور کہتیں: 'میری ناشک، میری پیاری، میری جان!'، اور میں مذاق سے کہتی: 'نہیں لال تم مجھے نہیں چاھتیں، دیکھنا جب تم بڑی ھوجاؤگی اور شادی ھوجائیگی تو اپنی ناشا کو بھول جاؤگی۔'، وہ کچھ سوچنے لگتیں، پھر کہتیں: 'نہیں، اگر ناشا ساتھ نہ چلیں تو میں شادی ھی نہیں کرونگی، ناشا کو کبھی نہیں چھوڑونگی۔'، اور اب مجھے چھوڑ کر چلی گئیں اور میرا انتظار تک نہیں کیا، مجھے کتنا چاھتی تھیں! اور سچی بات تو یہ ھے کہ وہ چاھتی کسے نہیں تھیں؟ میرے لال اپنی ماں کو کبھی نہ بھولنا۔ وہ عام انسان نہیں تھیں، آسمان سے ایک فرشتہ اتر آیا تھا۔ جب ان کی روح عرش معلی پر پہونچے گی تو وھاں بھی تم سے محبت کرینگی اور تمہیں دیکھ کر خوش ھونگی۔''

''آپ یہ کیوں کہتی ھیں نتالیا ساویشنا کہ جب وہ عرش معلی پر پہونچیں گی؟''، میں نے پوچھا ''میرا تو خیال ھے کہ اس وقت وھیں ھیں۔''

''نہیں، میرے لال''، نتالیا ساویشنا نے آواز نیچی کرکے اور پلنگ پر میرے اور نزدیک آکر کہا ''ان کی روح اس وقت یہاں ھے۔''، اور انہوں نے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے یہ بات سرگوشی کے انداز میں کہی اور ان کی باتوں میں اتنا خلوص اور اعتماد تھا کہ میں نے غیرارادی طور پر نظریں اوپر اٹھائیں اور کارنس کی طرف کسی چیز کو تلاش کرنے لگا۔ ''نیک بندوں کی روح جنت میں جانے سے پہلے چالیس آزمائشوں سے گزرتی ھے بیٹے اور وہ چالیس دن تک اپنے گھر میں ٹھیر سکتی ھے۔''

وہ اس انداز سے اور اتنی سادگی اور یقین کے ساتھ دیر تک باتیں کرتی رھیں جیسے کوئی بہت ھی عام سی بات بتا رھی ھوں، جیسے انہوں نے خود دیکھا ھو اور جس کے متعلق کسی کے دماغ میں شبہ پیدا ھی نہیں ھو سکتا۔ میں دم بخود ان کی باتیں سنتا رھا اور حالانکہ وہ جو کچھ کہہ رھی تھیں، میں اچھی طرح سمجھ نہ سکا لیکن میں نے ان کی ھر ایک بات پر یقین کرلیا۔

''ہاں میرے لال، اس وقت وہ یہاں ہیں، ہماری طرف دیکھ رہی ہیں، ہم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں، شاید اسے سن بھی رہی ہیں،، نتالیا ساویشنا نے بات ختم کی۔

انہوں نے سر جھکالیا اور خاموش ہوگئیں۔ اپنے آنسو پونچھنے کےلئے انہیں رومال کی ضرورت تھی۔ وہ اٹھیں، میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور جذبات سے کانپتی ہوئی آواز میں بولیں:

''اس کے ذریعہ اللہ نے مجھے چند قدم اور اپنے نزدیک کرلیا۔ اب یہاں میرے لئے کیا رہ گیا ہے؟ کس لئے زندہ رہوں؟ کسے چاہوں؟،،

''ہم سے محبت نہیں کرتیں؟،، میں نے مشکل سے آنسو ضبط کرکے شکایت‌آمیز لہجے میں کہا۔

''خدا گواہ ہے کہ تم لوگوں کو کتنا چاہتی ہوں۔ لیکن جیسا انہیں چاہتی تھی ویسا کسی کو نہیں چاہا اور نہ کسی کو اس طرح چاہ سکونگی۔،،

اس کے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکیں، مڑیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

اب سونے کا خیال تک میرے ذہن میں نہیں تھا۔ ہم دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے روتے رہے۔

فوکا کمرے میں داخل ہوا لیکن ہماری حالت دیکھی تو شاید اس خیال سے کہ کہیں خلل‌انداز نہ ہو کچھ خوفزدہ سا ہوکر خاموشی سے ہماری طرف دیکھا اور دروازے کے پاس ٹھٹھک گیا۔

''کیا ہے فوکا بھیا؟،، نتالیا ساویشنا نے آنسو پونچھتے ہوئے پوچھا۔

''بھتی کے کھانے کےلئے ڈیڑھ پاؤنڈ کشمش، چار پاؤنڈ شکر اور تین پاؤنڈ چاول۔،،

''اچھا، ابھی دیتی ہوں،، نتالیا ساویشنا نے جلدی سے ایک چٹکی نسوار لیکر کہا اور تیز تیز قدم بڑھاتی صندوق کی طرف چل پڑیں۔ جب اپنے کام پر لگ گئیں جسے وہ انتہائی اہم سمجھتی تھیں تب وہ ہماری بات چیت سے جو غم چھا گیا تھا، اس کے آخری نشان تک غائب ہوگئے۔

''چار پاؤنڈ کا کیا کروگے،، وہ شکر نکال کر تولتے ہوئے

بڑبڑائیں ''ساڑھے تین کافی ہے''، اور انہوں نے ترازو سے کافی شکر نکال لی۔ ''اور اتنا چاول کیا ہوگا؟ کل ہی آٹھ پاؤنڈ چاول دئیے تھے! برا نہ ماننا فوکا دیمی‌دچ لیکن اس سے زیادہ چاول نہیں دے سکتی۔ وہ وانکا تو بہت خوش ہے کہ سارے گھر میں ھنگامہ ہے، سوچتا ہے کہ کوئی دیکھے گا نہیں۔ میں اپنے مالک کی چیز کو اس طرح ضایع نہیں ہونے دونگی۔ آٹھ پاؤنڈ! کبھی سنی تھی ایسی بات؟''

''تو کیا کیا جائے؟ وہ کہتا ہے کہ سب ختم ہوگیا۔''

''اچھا تو یہ لو، لےجاؤ! دےدو جاکے اسے!''

مجھ سے جس جذبے سے گفتگو کررہی تھیں اور اب جس طرح بڑبڑا رہی تھیں اور ذرا ذرا سا حساب کررہی تھیں، اسے دیکھ کر مجھے تعجب ہوا۔ بعد میں جب میں نے اس کے متعلق سوچا تو مجھے محسوس ہوا کہ اس بات کے باوجود کہ ان پر جو کچھ گزر رہی تھی وہ اتنی حاضر دماغ تھیں کہ اپنے کام میں مشغول ہوگئیں اور اپنی عادت کے مطابق اپنے روزانہ کے کام میں لگ گئیں۔ ان کا غم اتنا سچا اور گہرا تھا کہ انہیں یہ دکھانے کی ضرورت نہیں تھی کہ معمولی چیزوں میں مصروف نہیں ہوسکتیں اور یہ سمجھ بھی نہیں سکتی تھیں کہ ایسا خیال کسی کے ذہن میں آبھی سکتا ہے۔

نمودونمائش وہ جذبہ ہے جو حقیقی غم کے ساتھ میل نہیں کھاتا لیکن بہت سے لوگوں کی فطرت میں یہ چیز اس بری طرح شامل ہوتی ہے کہ شدید‌ترین غم بھی اسے دور نہیں کرسکتا۔ غم میں نمودونمائش افسردہ، غم‌گین یا ثابت‌قدم نظر آنے کی خواہش میں ظاہر ہوتی ہے اور یہ پست خواہشات جنہیں ہم تسلیم نہیں کرتے لیکن جو عموماً بڑی بڑی مصیبتوں میں بھی ہمارا ساتھ نہیں چھوڑتیں، غم سے قوت، وقار اور سچائی چھین لیتی ہیں۔ لیکن نتالیا ساویشنا اس غم سے اس بری طرح مجروح ہوئی تھیں کہ ان کی روح کے اندر کوئی خواہش باقی ہی نہ رہی تھی اور وہ بالکل عادتاً زندگی کے دن گزارتی رہی تھیں۔

فوکا نے جتنی جنس مانگی تھی، وہ دینے کے بعد اور اسے یہ یاد دلانے کے بعد کہ پادری کے لئے سموسے بنانا ہے انہوں نے اسے رخصت کردیا، سوزے اٹھا لئے اور پھر میرے پاس بیٹھ گئیں۔

گفتگو ایک بار پھر اسی موضوع پر ہونے لگی اور ہم لوگ پھر ایک ساتھ مل کر رونے لگے۔ ہم نے پھر آنسو پونچھ لئے۔

نتالیا ساویشنا کے ساتھ اس قسم کی بات چیت روزانہ کا معمول ہوگیا۔ ان کے خاموش آنسوؤں اور سکون‌آمیز پرخلوص الفاظ سے مجھے بہت تسکین اور راحت ملتی۔

لیکن آخر ہمیں جدا ہونا پڑا۔ کفن دفن کے تین دن بعد گھر پھر ماسکو منتقل کردیا گیا۔ میری قسمت میں لکھا تھا کہ ان سے پھر نہ مل سکوں۔

نانی کو صرف ہمارے پہنچنے ہی پر اس سانحے کی خبر ملی اور انہیں شدید صدمہ ہوا۔ ہمیں ان سے ملنے کی اجازت نہ تھی کیونکہ ایک ہفتہ تک وہ بےہوش رہیں اور ڈاکٹر کو ان کی زندگی کی طرف سے خطرہ پیدا ہوگیا۔ خطرہ اس وجہ سے اور بھی زیادہ تھا کہ وہ نہ صرف یہ کہ دوا نہ پیتی تھیں بلکہ کسی سے بات بھی نہ کرتی تھیں، نہ سوتی تھیں اور نہ کچھ کھاتی پیتی تھیں۔ کبھی کبھی وہ اپنے کمرے میں آرام کرسی پر تنہا بیٹھی بیٹھی ایک دم ہنسنے لگتیں اور پھر بغیر آنسوؤں کے رونے لگتیں یا پھر ان پر دورہ پڑجاتا اور خوفناک اور بےمعنی باتیں چیخ چیخ کر کرنے لگتیں۔ ان کی زندگی میں یہ پہلا سچا غم تھا اور اس نے انہیں بدحواس کردیا۔ انہیں ضرورت محسوس ہوئی کہ اس سانحے کا کسی کو ذمہ‌دار ٹھیرائیں اور وہ خوفناک باتیں کرتیں، غیرمعمولی قوت سے کسی ان دیکھے آدمی سے باتیں کرنے لگتیں، کرسی سے اچھل کر کھڑی ہوجاتیں، لمبے لمبے ڈگ بھرتی کمرے میں ٹہلنے لگتیں اور اس کے بعد بےہوش ہوکر گرپڑتیں۔

میں ایک موقع پر ان کے کمرے میں چلاگیا۔ وہ حسب‌معمول آرام کرسی پر بیٹھی تھیں اور بظاہر بہت مطمئن نظر آرہی تھیں۔ پھر بھی ان کی نگاہوں نے مجھے ڈرا دیا۔ ان کی آنکھیں خوب کھلی تھیں لیکن کھوئے کھوئے انداز میں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔ وہ سیدھی میری طرف دیکھ رہی تھیں لیکن غالباً مجھے دیکھا نہیں۔ ان کے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور انہوں نے انتہائی پراثر اور نرم آواز میں کہا: ”ادھر آ، میرے کلیجے، ادھر آ میرے لال!“ میں سمجھا وہ مجھ سے مخاطب ہیں اور میں

نزدیک پہونچ گیا۔ لیکن انہوں نے میری طرف نہیں دیکھا۔ ''ہائے کاش تجھے معلوم ہوتا میرے لال کہ میرے دل پر کیا صدمہ گزرا ہے اور اب تیرے آنے سے میں کتنی خوش ہوں!،، اس وقت میں نے محسوس کرلیا کہ وہ سمجھ رہی ہیں کہ امی سامنے ہیں اور میں رک گیا۔ ''لوگ کہتے ہیں تم مرگئیں۔ ،، وہ تیوریوں پر بل ڈال کر بولتی رہیں ''بالکل بکواس! تم مجھ سے پہلے مر سکتی ہو بھلا؟،، اور وہ انتہائی خوفناک جنونی انداز سے قہقہہ مارکر ہنسنے لگیں۔

صرف وہی لوگ جو بےپناہ محبت کرسکتے ہیں، سخت صدمے کا مزا جانتے ہیں۔ لیکن محبت کرنے کا یہی تقاضا ان کے غم کا مداوا بن‌جاتا ہے اور ان کے زخموں کو مندمل کردیتا ہے۔ اسی وجہ سے انسان کی اخلاقی قوت اس کی جسمانی قوت سے زیادہ سخت جان ہوتی ہے اور اس کو غم کبھی ہلاک نہیں کرتا۔

ایک ہفتے کے دورے کے بعد نانی رو سکیں اور ان کی حالت بہتر ہونے لگی۔ جب انہیں ہوش آیا تو سب سے پہلے ہم لوگوں کے متعلق سوچا اور ہم سے ان کی محبت اور بڑھ گئی۔ ہم لوگ کبھی ان کی آرام کرسی کے پاس سے جدا نہ ہوتے۔ وہ ہلکے ہلکے روتیں، اماں کے متعلق باتیں کرتیں اور ہولے ہولے ہم سے پیار دلار کرتیں۔

جو بھی نانی کے غم کو دیکھتا وہ یہ سوچ ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ مبالغے سے کام لے رہی ہیں۔ اس غم کا اظہار بہت ہی دلخراش ہوتا تھا لیکن جانے کیوں مجھے نتالیا ساویشنا پر زیادہ رحم آتا تھا اور آج تک یہ یقین ہے کہ اس سادہ‌لوح اور شفیق ہستی نے جس صداقت اور خلوص سے اماں سے محبت کی اور ان کا غم منایا ویسا اور کسی نے نہیں کیا۔

اماں کے انتقال کے ساتھ میرےلئے بچپن کا پرمسرت زمانہ ختم ہوگیا اور ایک نیا دور شروع ہوا—لڑکپن کا دور۔ لیکن چونکہ نتالیا ساویشنا کے متعلق میری یادوں کا تعلق پہلے دور سے ہے، جن سے میں پھر کبھی نہ مل سکا اور جنہوں نے میری ساری زندگی اور میرے احساسات کے ارتقا پر زبردست اور سودمند اثر ڈالا، اس لئے میں ان کے متعلق اور ان کی موت کے متعلق چند الفاظ اور کہونگا۔

جیسا کہ ہمیں بعد میں بتایا گیا، ہمارے چلے آنے کے بعد وہ دیہات ہی میں رہیں۔ کام نہ رہجانے کی وجہ سے وقت کاٹے نہ کٹتا تھا۔ حالانکہ اب بھی کپڑوں کی ساری الماریاں ان ہی کی نگرانی میں تھیں اور وہ انہیں دیکھنا، چیزوں کو پھیلانا اور پھر لپیٹ کر رکھنا بند نہ کرتی تھیں لیکن پھر بھی گھر میں مالک کی موجودگی کا شوروغوغا نہ ہونا ان پر بہت گراں گزرتا تھا کیونکہ وہ بچپن سے اس کی عادی رہ چکی تھیں۔ غم، زندگی کے طورطریقوں میں تبدیلی اور ذمہ‌داریوں کے فقدان کی وجہ سے ان کا ایک پرانا مرض پھر ابھر آیا جو انہیں بہت دنوں سے تھا۔ اماں کے انتقال کے پورے ایک سال بعد انہیں کا مرض لاحق ہوگیا اور وہ بستر سے لگ گئیں۔

میرا خیال ہے کہ تنہا زندہ رہنا نتالیا ساویشنا کےلئے دشوار تھا اور اکیلے مرنا اس سے بھی زیادہ دشوار — پیتروفسکوئے کے اس بڑے سے خالی مکان میں عزیزوں یا دوستوں کے بغیر۔ گھر میں ہر شخص کے دل میں نتالیا ساویشنا کی محبت اور عزت تھی لیکن انہوں نے کسی سے دوستی نہ کی اور اس بات پر انہیں فخر تھا۔ ان کا خیال تھا کہ گھر کے کاروبار کی نگراں کی حیثیت سے جسے مالک کا اعتماد حاصل ہو اور جس کے ہاتھ میں مختلف چیزوں سے بھرے ہوئے بہت سے صندوق ہوں، کسی سے بھی دوستی لازمی طور پر جانب‌داری اور رعایت کی طرف لےجا سکتی ہے۔ اس وجہ سے یا ممکن ہے اس وجہ سے کہ دوسرے نوکروں اور ان میں کوئی چیز مشترک نہ تھی، وہ سب لوگوں سے الگ تھلگ رہتی تھیں اور کہتی تھیں کہ گھر میں ان کا کوئی عزیز ہے نہ یاردوست اور مالک کی چیز کی حد تک کسی سے کوئی رو رعایت نہیں کر سکتی ہیں۔

خدا کے حضور میں خشوع وخضوع سے دعائیں مانگ کر انہوں نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔ اس میں انہوں نے سکون تلاش کیا اور اسی میں انہیں سکون نصیب ہوا۔ لیکن کبھی کبھی کمزوری کے ان لمحوں میں جس کا ہم سب شکار ہوتے ہیں یعنی جب انسان کو بہترین سکون دوسرے انسان کے آنسوؤں اور ہمدردی میں ملتا ہے وہ اپنے چھوٹے سے کتے کو اپنے ساتھ بستر پر لٹا لیتیں (کتا ان کا ہاتھ چاٹتا اور اپنی پیلی پیلی آنکھیں ان پر گاڑ دیتا)،

وہ اس سے باتیں کرتیں اور اسے تھپتھپا تھپتھپا کر دھیرے دھیرے روتی تھیں۔ جب پلا دلخراش انداز میں بھونکنے لگتا تو وہ اسے خاموش کرنے کی کوشش کرتیں اور کہتیں: ''بس! بس! تیرے کہے بغیر معلوم ہے کہ میرا وقت قریب آپہنچا ہے۔''

اپنی موت سے ایک مہینے قبل انہوں نے صندوق میں سے کچھ سفید سوتی کپڑا، کچھ سفید ململ اور گلابی فیتے نکالے، اپنی ملازمہ کی مدد سے انہوں نے اپنے لئے سفید لباس اور ٹوپا تیار کیا اور کفن دفن کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت تھی ان میں سے ایک ایک چیز تیار کرلی۔ اپنے مالک کے صندوقوں کا بھی حساب کیا اور سارے سامان کی پوری فہرست تیار کی اور داروغہ مکان کے سپرد کردی۔ پھر انہوں نے دو ریشمی لباس اپنے صندوق سے نکالے، ایک پرانی شال جو نانی نے کسی وقت انہیں دی تھی اور نانا کی فوجی وردی جو انہیں بخش دی گئی تھی۔ انہوں نے اس کی اس طرح حفاظت کی تھی کہ وردی کا کارچوبی کام اور لیس بالکل نئی معلوم ہوتی تھی اور کپڑے کو کہیں سے بھی کیڑا نہیں لگا تھا۔

مرنے سے پہلے انہوں نے وصیت کی کہ ان میں سے ایک لباس یعنی گلابی والا ولودیا کو ڈریسنگ گاؤن یا کوٹ کے لئے دے دیا جائے اور دوسرا کتھئی دھاری دار اسی مقصد کے لئے مجھے اور شال لیوبوچکا کو دے دی جائے۔ وردی کے متعلق انہوں نے یہ کہا کہ یہ اسے ملیگی جو پہلے افسر بنیگا۔ اپنے کفن دفن اور نماز جنازہ کے لئے انہوں نے جو چالیس روبل الگ کرکے رکھے تھے، ان کو چھوڑکر اپنی ساری چیزیں اور روپیہ اپنے بھائی کے نام کرگئیں۔ ان کے بھائی کو بہت عرصہ قبل کسان غلامی سے آزادی مل گئی تھی۔ وہ کسی دوردراز صوبے میں بدچلنی کی زندگی گزار رہا تھا اور اسی وجہ سے زندگی بھر انہوں نے اس سے کوئی تعلق نہ رکھا۔

جب نتالیا ساویشنا کا بھائی اپنے ورثے کا سامان لینے آیا اور مرحوم کی ساری ملکیت صرف پچیس روبل نوٹ ثابت ہوئی تو اسے یقین نہ آسکا اور بولا کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ بڑھیا ساٹھ سال تک رئیس گھرانے میں رہے، سارے گھر کا انتظام کرے اور خود اپنی خست کی زندگی گزارے، معمولی معمولی چیز کے لئے ہنگامہ کرے اور کچھ نہ چھوڑ جائے۔ لیکن واقعہ یہی تھا۔

نتالیا ساویشنا دو مہینے تک بیماری کا دکھ بھرتی رہیں اور سچے مسیحی صبروسکون کے ساتھ انہوں نے ساری مصیبت برداشت کرلی: نہ ھائے وائے کی، نہ آہ‌وفریاد بلکہ حسب عادت مستقل طور پر یاد خدا کرتی رہیں۔ موت سے گھنٹہ بھر پہلے انہوں نے خاموش اطمینان قلب کے ساتھ توبہ‌واستغفار کیا، کہا سنا معاف کرایا اور آخری رسم ادا کرائی۔

نتالیا ساویشنا نے گھر کے سارے ملازموں سے کہے سنے کی معافی مانگی اور اپنے پادری واسیلی سے کہا کہ ہم سب تک یہ پیغام پہونچا دیں کہ تمام مہربانیوں کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں اور اگر کسی کو میں نے اپنی بےوقوفی سے رنج پہونچایا ہو تو معاف کردیا جائے۔ ''لیکن میں چور ھرگز نہیں تھی اور اتنا کہہ سکتی ہوں کہ میں نے کبھی اپنے مالک کی ایک سوئی تک نہیں چرائی۔،، انہیں اپنی صرف اسی خوبی کا اعتراف تھا۔

اپنا تیار کیا ہوا لباس اور ٹوپا پہن کر اور تکیے کا سہارا لیکر انہوں نے مرتے دم تک پادری سے باتیں کرنا بند نہ کیا۔ انہیں خیال آیا کہ غریبوں کےلئے کچھ نہیں چھوڑا ہے، اسی لئے انہوں نے پادری کو دس روبل دئے اور التجا کی کہ انہیں گرجے میں تقسیم کردیا جائے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے اوپر صلیب کا نشان بنایا، لیٹ گئیں، آخری بار ٹھنڈا سانس لیا اور بڑی لگن کے ساتھ خدا کا نام لیا۔

بغیر کسی غم‌وافسوس کے انہوں نے زندگی کو تیاگ دیا۔ انہیں موت کا خوف نہیں تھا بلکہ اسے نعمت کی طرح قبول کیا۔ یہ بات کہی اکثر جاتی ہے مگر صداقت کتنی ہوتی ہے! نتالیا ساویشنا کو موت کا خوف نہ تھا کیونکہ مرتے دم تک ان کا عقیدہ راسخ تھا اور کتاب مقدس کے قانون کو برتتی رہیں۔ ان کی ساری زندگی معصوم، بےلوث محبت اور قربانی کے جذبے سے بھری تھی۔

اگر ان کا مسلک زیادہ بلند نہ تھا اگر ان کی زندگی اور بھی زیادہ اعلی مقاصد کےلئے وقف نہ تھی تو بھی فرق کیا پڑتا ہے۔ کیا اس وجہ سے یہ پاکیزہ ھستی محبت اور اقدام کی کچھ کم مستحق ہے؟

انہوں نے اپنی اس زندگی میں بہترین اور اعلیٰ ترین کام انجام دیا — وہ کسی پشیمانی یا خوف کے بغیر رخصت ہو گئیں۔

اپنی وصیت کے مطابق انہیں اس چھوٹے سے گرجے سے کچھ ہی دور دفن کیا گیا جو اماں کی قبر پر بنا تھا۔ اس ٹیلے کے چاروں طرف جس کے نیچے وہ دفن ہیں اور جہاں بچھوے اور گوکھرو شدت سے اگے ہوئے ہیں، لوہے کی سیاہ سلاخوں کا حصار ہے۔ میں اس چھوٹے سے گرجے سے اس حصار کی طرف جانا کبھی نہیں بھولتا اور جاکر زمین کو بوسہ ضرور دیتا ہوں۔

کبھی کبھی میں گرجے اور سیاہ احاطے کے درمیان خاموشی سے گزر جاتا ہوں۔ ذہن میں تکلیف دہ یادیں آنے لگتی ہیں۔ مجھے خیال آتا ہے کیا قدرت نے مجھے ان دو ہستیوں سے صرف اس لئے متعلق کردیا تھا کہ ہمیشہ ان کا سوگ منایا کروں؟..

لڑکپن

باب ۱

لگاتار سفر

پیتروفسکوئے گھر کی برساتی کے سامنے پھر دو گاڑیاں لائی گئیں۔ ان میں سے ایک بند گاڑی ہے جس میں میمی، کاتینکا، لیوبوچکا، ملازمہ اور گاڑی بان کے ساتھ ہمارے منیم یاکوف کو بیٹھنا ہے۔ دوسری کھلی ہوئی گاڑی ہے جس میں ولودیا اور مجھے خدمتگار واسیلی کے ساتھ سفر کرنا ہے جسے حال ہی میں لگان کے بدلے کام کرنے کے لئے واپس بلالیا گیا ہے۔

بابا جو ہماری روانگی کے چند دن بعد ماسکو آنےوالے ہیں، برساتی میں ننگے سر کھڑے ہیں اور بند گاڑی کی کھڑکی اور کھلی گاڑی پر صلیب کا نشان بنا رہے ہیں۔

''یسوع مسیح کی امان میں دیا! جاؤ، سدھارو!،، یاکوف اور گاڑی‌بان (ہم لوگ خود اپنی گھوڑے گاڑیوں میں سفر کر رہے ہیں) ٹوپیاں اتارتے اور اپنے اوپر صلیب کا نشان بناتے ہیں۔ ''بسم اللہ! لخ نخ!،،

بند اور کھلی گاڑیاں ناہموار سڑک پر ھچکولے کھانا شروع کرتی ہیں اور بڑی سڑک پر سفیدے کے درخت ایک ایک کرکے پیچھے چھٹنے لگتے ہیں۔ میں بالکل اداس نہیں ہوں، میرے ذہن کی نظریں وہ نہیں دیکھتیں جو ہم چھوڑ رہے ہیں بلکہ ادھر ہیں جو ہمارے آگے آ رہا ہے۔ وہ چیزیں جن کا تعلق اس لمحے تک کی تکلیف‌دہ یادوں سے تھا اور میرے ذہن میں بسی ہوئی تھیں، ایک ایک کرکے چھوٹتی جاتی ہیں اور ان یادوں کی قوت میں کمی آتی جاتی ہے اور ایک بہت ہی مسرت‌بخش احساس بہت تیزی سے ان کی جگہ لے رہا ہے کہ زندگی قوت، تازگی اور امید سے بھرپور ہے۔

میں نے شاید ہی کبھی ایسے چند روز — یہ تو نہیں کہونگا

کہ مزے کے ساتھ کیونکہ مزے لینے کی اب تک ضمیر اجازت نہیں دے رہا تھا۔ لیکن خوشگوار اور اچھی طرح گزارے ہونگے جیسے وہ چار دن ہمارے سفر کے گزرے۔ اب میری نظروں کے سامنے اماں کا وہ بند کمرے کا دروازہ نہیں ہے جس کے پاس سے میں پھریری لئے بغیر گزر نہ پاتا تھا اور نہ وہ بند پیانو ہے جسے کھولنا تو درکنار کسی خوف کے بغیر اس کی طرف نگاہ اٹھانے کی بھی کسی میں ہمت نہیں تھی، نہ سوگ کے لباس ہیں (ہم سب معمولی سفری لباس پہنے ہیں) اور نہ ان میں سے کوئی چیز جو بہت ہی واضح طور پر میرے ناقابل تلافی نقصان کی یاد تازہ کرتی ہو اور مجھے زندگی کے ہر اظہار سے باز رکھتی ہو کہ کہیں کسی پہلو سے ماں کی یاد کو صدمہ نہ پہنچ جائے۔ لیکن یہاں نئے اور خوبصورت مقامات اور چیزیں میری توجہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں اور دل بہلاتی ہیں۔ بہار کا موسم میری روح میں حال کی آسودگی اور مستقبل کی امید کا شیریں احساس بھر دیتا ہے۔

صبح بہت ہی سویرے، سنگدل واسیلی جو حد سے زیادہ تندہی سے کام کرتا ہے جیسا کہ نئے نئے منصب پر لوگ ہمیشہ کرتے ہیں، میرا کمبل گھسیٹ دیتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ اب چلنے کا وقت ہوگیا اور ہر چیز تیار ہے۔ ہڑبڑاؤ، چالاکی کرو، چاہے بگڑو، ناراض ہو کہ اور نہیں تو بس پندرہ منٹ کو ہی سہی خوابِ سحر کی لذت اور لے لیں لیکن جب واسیلی کے پرعزم چہرے پر صاف نظر آتا ہے کہ اس سے پیچھا چھڑانا ممکن نہیں ہے اور وہ بیس بار بھی کمبل گھسیٹنے سے نہیں چوکیگا تو پھر اٹھ کر منہ ہاتھ دھونے کے لئے صحن میں بھاگنا ہی پڑتا ہے۔

ڈیوڑھی میں سماور ابل رہا ہے اور ہم‌رکاب سوار میتکا زور زور سے آگ کو پھونک رہا ہے کہ اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو چکا ہے۔ باہر صحن میں کہر ہے جیسے سلگتے ہوئے گوبر کے ڈھیر سے بھاپ اٹھ رہی ہو۔ صبح سویرے کا سورج مشرقی افق پر اور باہری احاطے کے چاروں طرف کشادہ سائبانوں کے چھپروں پر تیز خوشگوار روشنی بکھیر رہا ہے جن پر اوس کے قطرے چمک رہے ہیں۔ ان کے نیچے ہمیں اپنے گھوڑے نظر آرہے ہیں جو

ناندوں پر بندھے کھڑے ہیں اور ان کے چپڑ چپڑ کرکے کھانے کی آواز مسلسل ہمارے کانوں میں آرہی ہے۔

ایک جھبرا کتا جو صبح سے پہلے خشک کھاد کے ایک ڈھیر پر سمٹا سمٹایا سویا ہوا تھا کاہلی کے ساتھ انگڑائی لیتا ہے اور دم ہلاتا آہستہ آہستہ احاطے کی دوسری طرف چلا جاتا ہے۔ کام میں مصروف گھروالی چرچراتے ہوئے دروازے کھولتی ہے اور کسی سوچ میں اونگھتی ہوئی گایوں کو سڑک پر ہانک دیتی ہے جہاں سے گایوں کے ڈکرنے اور بھیڑوں کے ممیانے کی آوازیں آنا شروع ہوگئی ہیں اور پھر نیند میں ماتی پڑوسی سے دو ایک باتیں کرلیتی ہے۔ فلپ قمیص کی آستینیں چڑھاکر گہرے کنوئیں میں سے چھکتے، چھلک چھلک کر گرتے ہوئے پانی کی بالٹی کھینچتا ہے اور اسے شاہبلوط کی ایک ناند میں ڈال دیتا ہے جس کے چاروں طرف بطخیں پہلے ہی سے گڈھوں میں صبح کا غسل کر رہی ہیں، اور میں بہت ہی محظوظ ہوکر فلپ کا حسین چہرہ، اس کی گھنی ڈاڑھی اور محنت کرتے وقت اس کے ننگے اور مضبوط بازوؤں پر ابھری مچھلیاں دیکھتا ہوں۔

پردےوالی دیوار کے اس طرف سے جہاں ممی اور لڑکیاں سو رہی تھیں، چلنے پھرنے کی آہٹ سنائی دینے لگتی ہے۔ ان کی ملازمہ ماشا مختلف چیزیں لئے ہوئے کئی بار اندر باہر آتی جاتی ہے اور ان چیزوں کو ہماری ٹوہ لینےوالی نگاہوں سے اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے۔ آخر دروازہ کھلتا ہے اور ہمیں چائے پینے کےلئے بلایا جاتا ہے۔

واسیل خواسخواہ جوش میں بھرا کمرے میں متواتر دوڑ دوڑ کر آتا ہے اور یکےبعد دیگرے چیزیں لےجا رہا ہے، اس کے ساتھ ہی ہمیں آنکھ سے اشارہ کرتا ہے اور ماریا ایوانوونا کو ہر ممکن طریقے سے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ جتنی جلد ممکن ہو روانہ ہوجانا چاہئے۔ گھوڑے جوت دئے گئے ہیں اور وہ کبھی کبھی اپنے گلے کی گھنٹیاں بجاکر بےصبری کا اعلان کر رہے ہیں۔ صندوق، صندوقچیاں، بکس اور ڈبے دوبارہ لاد دئے گئے اور ہم لوگ گاڑیوں میں بیٹھ جاتے ہیں۔ لیکن کھلی گاڑی پر ہر بار بیٹھنے کی جگہ کے بجائے ہمیں سامان کا ڈھیر نظر آتا ہے تو

یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کل سب چیزیں کیسے رکھی گئی تھیں اور اب ہم لوگ بیٹھینگے کیسے۔ اخروٹ کی لکڑی کی چائے کی تکونے ڈھکن والی پٹاری پر جو گاڑی میں میرے نیچے رکھی گئی ہے، مجھے خاص طور پر غصہ آتا ہے لیکن واسیلی کہتا ہے کہ کچھ دیر میں ٹھیک ہوجائیگی اور مجھے اس کی بات پر یقین کرنا پڑتا ہے۔

آفتاب ابھی ابھی گھرے سفید بادلوں میں سے نکلا ہے جو مشرق کی طرف چھائے ہوئے ہیں اور چاروں طرف علاقہ سکون‌بخش اور خوشگوار روشنی سے منور ہوجاتا ہے۔ مجھے ہر چیز بہت ہی حسین معلوم ہوتی ہے اور میرا دل بہت ہی پرسکون اور ہلکا ہے۔ سامنے سوکھے ڈنٹھلوں اور شبنم سے چمکتی ہوئی گھاس کے کھیتوں کے درمیان چوڑی اور غیرمتعین حدوالی سڑک بل کھاتی چلی جا رہی ہے۔ سڑک کے کنارے کہیں کہیں دلگیر سا بید کا درخت یا چھوٹی چھوٹی رس‌دار پتیوں‌والا سفیدے کا نوخیز درخت نظر آتا ہے جس کا لمبا اور ساکت سایہ خشک چکنی مٹی کی لیکھ پر اور سڑک کے کنارے کی چھوٹی چھوٹی سبز گھاس پر پڑتا رہتا ہے۔ پہیوں اور گھنٹیوں کی آواز چکاوک کے گیتوں کو نہیں دبا سکتی جو سڑک کے قریب ہی منڈلا رہے ہیں۔ کرم خوردہ کپڑے کی بو، گردوغبار اور ایک قسم کی کھٹی سی بو جو خاص ہماری گاڑی میں سے آرہی ہے، صبح کی فرحت‌بخش خوش‌بو میں دب گئی ہے۔ مجھے اپنی روح میں ایک پرمسرت بےچینی سی محسوس ہوتی ہے، ایک خواہش کہ کچھ کیا جائے جو سچے لطف کی نشانی ہے۔

مجھے سرائے میں عبادت کرنے کا وقت نہیں ملا لیکن کئی بار دیکھا ہے کہ اگر کسی وجہ سے یہ فرض ادا کرنا بھول جاتا ہوں تو اس دن کوئی نہ کوئی سانحہ ضرور پیش آتا ہے۔ اسی‌لئے میں فروگذاشت کا ازالہ کرلیتا ہوں۔ میں نے ٹوپی اتاری، گاڑی کے ایک کونے کی طرف منہ کرلیا، دعا پڑھی اور کوٹ کے نیچے اپنے اوپر صلیب کا نشان بنایا تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے۔ لیکن طرح طرح کی ہزاروں چیزیں میری توجہ ہٹا لیتی ہیں اور میں بےخیالی میں عبادت کے وہی الفاظ کئی بار دہراتا ہوں۔

سڑک کے ساتھ والی بل کھاتی پگڈنڈی پر کچھ لوگ آہستہ آہستہ چلتے نظر آتے ہیں۔ یہ لوگ زائر ہیں۔ ان کے سر پر گندے رومال بندھے ہوئے ہیں، پیٹھ پر سفیدے کی چھال کے کشکول ہیں، پیروں پر گندے پھٹے ہوئے کپڑے کی پٹیاں بندھی ہوئی ہیں اور چھال کے بھاری بھاری چپل ہیں۔ ایک ساتھ اپنی لاٹھیوں کو ہلاتے ہوئے، ہم پر ایک نظر بھی ڈالے بغیر وہ ایک دوسرے کے پیچھے بھاری قدموں سے آہستہ آہستہ چلتے رہتے ہیں۔ میں سوچتا ہوں آخر یہ لوگ کدھر جا رہے ہیں اور کیوں؟ کیا ان کا سفر بہت دنوں تک جاری رہنےوالا ہے، کیا جلد ہی یہ ہونےوالا ہے کہ ان کے لمبے لمبے سائے جو راستے پر پڑ رہے ہیں، وہ بید کے ان درختوں کے سایوں میں گھل مل کر ایک ہوجائیںگے جن کے کنارے کنارے وہ چلے جا رہے ہیں۔ اب چار گھوڑوں کی ایک گاڑی تیزی سے ہماری طرف آتی ہے۔ دو ایک لمحے اور بیتے ہونگے کہ پراخلاق اور متجسس انداز میں ہمیں دیکھتے ہوئے چہرے پاس ہی سے گزر گئے۔ یقین نہیں آتا کہ یہ چہرے بالکل اجنبیوں کے ہیں اور شاید میں انہیں پھر کبھی نہ دیکھ سکونگا۔

اس کے بعد چھریرے گھوڑوں کی ایک جوڑی پسینے میں شرابور نظر آتی ہے جو گردنوں پر جوا رکھے ہوئے بھاگتی آرہی ہے اور ان کی راسیں پٹھے کے تسموں سے لپٹی ہوئی ہیں۔ گاڑی‌بان لڑکا کوئی افسردہ سے گیت کے الفاظ کھینچ کھینچ کر گنگنا رہا ہے۔ اس کی بھیڑ کی اون کی ٹوپی ایک طرف جھکی ہوئی ہے، بڑے بڑے جوتوں میں اس کے لمبے لمبے پاؤں اس گھوڑے کے دونوں طرف جھول رہے ہیں جس پر کمان نما جوا لگا ہوا ہے اور گھنٹی کبھی کبھی ہلکے ہلکے بجتی جاتی ہے۔ لڑکے کے چہرے اور انداز میں اتنی کاہلی اور بےفکری کی خوشی ہے کہ مجھے ایسا محسوس ہونے لگتا جیسے کہ سفری گاڑی کا گاڑی‌بان ہونا، گھر کو واپس جانا اور درد بھرے گیت گانا روحانی مسرت کی معراج ہے۔ دور گھاٹی سے پرے ایک ہری چھت‌والا گرجا صاف نیلے آسمان کے پس منظر میں ابھر کر سامنے آرہا ہے۔ اس سے پرے ایک گاؤں ہے۔ کسی رئیس کے مکان کی سرخ چھت اور سبز باغ نظر آتا ہے۔ اس مکان

میں کون رہتا ہے؟ اس میں بچے، باپ، ماں، استاد ہیں یا نہیں؟ ہم لوگ یہاں جا کر مالک سے ملاقات کیوں نہ کریں؟ یہ بھاری بھرکم باربردار گاڑیوں کی قطار چلی آرہی ہے جن میں موٹے تازے پیروں والے تین تین گھوڑے جتے ہوئے ہیں اور انہیں راستہ دینے کےلئے سڑک سے ہٹنا پڑتا ہے۔ ''کیا لئے جا رہے ہو؟،، واسیلی پہلی گاڑی والے سے پوچھتا ہے جو گاڑی کے کنارے پر بیٹھا ہے۔ وہ اپنے بڑے سے پیر جھلا رہا ہے اور ہم پر طویل و بےمعنی نظریں گاڑ دیتا ہے، چابک کو نچاتا ہے اور اتنی دور آگے نکل کر جواب دیتا ہے کہ ہم کچھ سن ہی نہیں سکتے۔ ''کیا مال لے چلے؟،، واسیلی دوسری گاڑی والے کی طرف مڑکر پوچھتا ہے۔ سامنے کے سلاخ دار حصے میں دوسرا گاڑی بان نئی چٹائی کے نیچے لیٹا ہوا ہے۔ سنہرے بال اور سرخ رنگ کی ڈاڑھی والا لال چہرہ چٹائی کے نیچے سے ایک سنٹ کےلئے نکلتا ہے، ہماری طرف حقارت آمیز بےتعلقی کی نگاہ ڈالتا ہے اور پھر غائب ہوجاتا ہے۔ اور میرے ذہن میں خیال آتا ہے کہ ظاہر ہے ان گاڑی بانوں کو کیا خبر کہ ہم کون ہیں، کہاں سے آرہے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔

میں مختلف چیزوں کے مشاہدے میں اتنا محو ہوں کہ کوئی ڈیڑھ گھنٹے تک سنگمیل پر ٹیڑھے میڑھے اعداد دیکھتا ہی نہیں، لیکن اب دھوپ سے میرا سر اور پیٹھ جلنے لگی، راستہ اور زیادہ گردآلود ہوگیا، چائے کی پٹاری کی تکونی ڈھکن مجھے بےحد تکلیف دینے لگی اور میں نے کئی بار پہلو بدلا۔ مجھے گرمی، تکلیف اور کوفت محسوس ہونے لگی۔ ساری توجہ سنگمیل اور ان پر اعداد کی طرف مرکوز ہوگئی۔ میں مختلف حساب لگاتا ہوں کہ دوسری منزل تک پہونچنے میں اور کتنا وقت لگے گا۔ ''بارہ ورست چھتیس کے تہائی ہوتے ہیں اور لی‌پتسی تک اکتالیس ورست ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگوں نے ابھی تہائی کے قریب راستہ طے کیا ہے؟،، وغیرہ وغیرہ۔

جب دیکھا کہ واسیلی اوپر بیٹھا اونگھنے لگا تو میں نے کہا: ''واسیلی، مجھے اوپر بیٹھنے دو نا۔،، واسیلی راضی ہوجاتا ہے۔ ہم دونوں جگہ بدل لیتے ہیں۔ وہ فوراً خراٹے لینے لگتا ہے اور پیر پسار کر لیٹ جاتا ہے کہ گاڑی میں کسی اور کےلئے جگہ

ہی نہیں رہ جاتی۔ مجھے اب اتنی اونچائی پر بیٹھ کر انتہائی دلفریب تصویر نظر آتی ہے — ہمارے چاروں گھوڑے نیروچینسکایا، دیاچوک، لیوایا اور اپتیکر سامنے ہیں جن کی میں ایک ایک تفصیل اور ایک ایک خصوصیت سے بخوبی واقف ہوں۔

"آج دیاچوک کو بائیں کے بجائے دائیں کیوں جوتا ہے، فلپ؟"، میں کچھ جھجکتے ہوئے پوچھتا ہوں۔

"دیاچوک کو؟"

"نیروچینسکایا تو زور لگا ہی نہیں رہی"، میں کہتا ہوں۔

"دیاچوک کو بائیں طرف تو جوت ہی نہیں سکتے"، فلپ میرے آخری جملے کی طرف کوئی توجہ دئے بغیر کہتا ہے۔ "یہ گھوڑا اس کام کا ہے ہی نہیں، وہاں تو ایسا گھوڑا چاہئے یعنی کہ سچ مچ کا گھوڑا اور دیاچوک اس قسم کا نہیں ہے۔"، یہ کہہ کر فلپ داہنی طرف جھکتا ہے اور پوری قوت سے لگام کھینچ کر غریب دیاچوک کی دم اور پیروں پر نیچے سے ایک عجیب انداز میں چابکوں کی بارش کردیتا ہے، اس بات کے باوجود کہ دیاچوک ساری قوت لگا دیتا ہے اور گاڑی جھولنے لگتی ہے۔ مگر فلپ اپنی حرکت سے اس وقت تک باز نہیں آتا جب تک وہ سستانے اور اپنی ٹوپی ایک طرف کو جھکانے کی ضرورت نہیں محسوس کرتا حالانکہ وہ پہلے ہی اس کے سر پر پوری طرح مضبوطی سے جمی ہوئی تھی۔ میں اس مناسب موقع سے فائدہ اٹھاتا ہوں اور فلپ سے درخواست کرتا ہوں کہ گاڑی مجھے چلانے دے۔ فلپ پہلے مجھے ایک لگام دیتا ہے، اس کے بعد دوسری اور پھر پوری چھ لگامیں اور کوڑا میرے ہاتھ میں آجاتے ہیں اور میں بہت خوش ہوجاتا ہوں۔ میں ایک ایک بات میں فلپ کی نقل کرنے کی کوشش کرتا ہوں اور اس سے پوچھتا ہوں کہ ٹھیک کر رہا ہوں یا نہیں؟ لیکن وہ مجموعی طور پر غیرمطمئن ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک گھوڑا بہت زور لگا رہا ہے اور دوسرا زور ہی نہیں لگاتا اور جھک کر لگامیں میرے ہاتھ سے لے لیتا ہے۔ گرمی بڑھتی جا رہی ہے۔ سفید اون جیسے چھوٹے چھوٹے بادل صابن کے بلبلوں کی طرح اوپر اور اوپر اڑتے جا رہے ہیں اور ایک دوسرے میں مل کر گہرا سرمئی رنگ اختیار کر رہے ہیں۔ بند گاڑی کی کھڑکی سے ایک ہاتھ بوتل

اور ایک چھوٹی سی ٹوکری لئے نکلتا ہے۔ ہم لوگ چلتے ہی رہتے ہیں کہ واسیلی انتہائی پھرتی کے ساتھ اوپر سے کود جاتا ہے اور ہمارے لئے ہنیر کے چھوٹے چھوٹے کیک اور سیاہ روٹی کا شربت کواس لے آتا ہے۔

ہم لوگ ایک سخت ڈھال پر گاڑیوں سے اتر جاتے ہیں اور پل کی طرف بھاگتے ہیں۔ اس دوران میں واسیلی اور یاکوف پہیوں کو بریک لگاکر دونوں طرف سے بند گاڑی کو ہاتھوں سے سہارا دیتے ہیں جیسے اگر گاڑی گرنے لگے تو اسے روک سکتے ہیں۔ اس کے بعد میمی کی اجازت سے ولودیا یا میں بند گاڑی کے اندر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور لیوبوچکا یا کاتینکا کھلی گاڑی میں چلی جاتی ہیں۔ اس تبدیلی سے لڑکیوں کو بڑا مزہ آتا ہے کیونکہ ان کا یہ خیال درست ہے کہ کھلی گاڑی میں زیادہ لطف ہے۔ جب گرمی بڑھ جاتی ہے اور ہم لوگ جنگل سے ہوکر گزرتے ہیں تو کبھی کبھی ہم بند گاڑی سے پیچھے رہجاتے ہیں، ہری ٹہنیاں توڑتے ہیں اور کھلی گاڑی میں لگاکر اچھا خاصا کنج بنا لیتے ہیں۔ یہ چلتا پھرتا کنج زور زور سے دوڑ کر بند گاڑی کے برابر پہنچ جاتا ہے اور لیوبوچکا انتہائی تیز آواز میں کلکاریاں مارتی ہے جو وہ ہر اس موقع پر ضرور کرتی ہے جب اسے لطف آتا ہے۔

لیکن یہ رہا وہ گاؤں جہاں ہمیں کھانا کھانا اور آرام کرنا ہے۔ گاؤں سے دھوئیں، تارکول اور کھانا پکنے کی بو ہم تک پہنچ رہی ہے۔ شور برپا ہے، چلنے پھرنے اور پہیوں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ گھوڑوں کی گھنٹیوں سے اب ویسی آواز نہیں آتی جیسی کھلے میدان میں آرہی تھی اور ہم جدھر سے گزر رہے ہیں اس کے دونوں طرف چھپر کی جھونپڑیاں ہیں، نقشیں لکڑی کی برساتیاں اور سبزوسرخ چوکھٹوں والی کھڑکیاں ہیں جن سے کسی متجسس عورت کا چہرہ جھانکتا نظر آتا ہے۔ کسانوں کے چھوٹے چھوٹے لڑکے اور لڑکیاں خالی لمبے لمبے کرتے پہنے، آنکھیں پھاڑے، تعجب سے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے ایک جگہ جم کر کھڑے ہیں یا خاک دھول میں چھوٹے چھوٹے ننگے پاؤں بڑھاتے چلے جا رہے ہیں اور قلب کی دھمکیوں کے باوجود گاڑیوں کے پیچھے بندھے ہوئے اسباب پر چڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بال

ستوارے سرائےوالے ہر طرف سے بھاگے بھاگے گاڑیوں کی طرف آتے ہیں اور بڑی لچھےدار باتوں اور اشاروں سے مسافروں کو ایک دوسرے سے چھیننے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھاٹک چرچراتے ہیں، راستہ روکنےوالی سلاخ کھمبے پر پہونچ جاتی ہے اور ہم لوگ اندر احاطے میں داخل ہوتے ہیں۔ چار گھنٹے کا آرام اور آزادی!

باب ۲

جھگڑا

آفتاب مغرب کی طرف چلا گیا اور اپنی گرم آڑی ترچھی شعاعوں سے میری گردن اور گالوں کو بہت بری طرح جلانے لگا۔ گاڑی کے جلتے ہوئے کناروں کو چھونا ناممکن ہے۔ موٹی موٹی گرد سڑک پر اٹھی اور فضا میں بس گئی۔ اسے اڑانے کےلئے ذرا بھی ہوا نہیں چل رہی تھی۔ ہمارے آگے اونچی گردآلود بند گاڑی یکساں فاصلے پر ہچکولے کھا رہی تھی اور کبھی کبھی اس کے اوپر سے ہمیں چابک نظر آجاتا تھا جسے گاڑیبان ہلا رہا تھا اور گاڑیبان کی کیپ اور یاکوف کی ٹوپی نظر آرہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں، میرے نزدیک ہی اونگھتے ہوئے ولودیا کا گردآلود چہرہ، فلپ کی پشت کے ہچکولے اور ہمارا پیچھا کرتی ہوئی گاڑی کے لمبے آڑے ترچھے سائے، یہ سب کچھ میرےلئے دلچسپی کا سامان نہیں فراہم کررہے تھے۔ میری تمام تر توجہ سنگمیلوں پر، جنہیں میں کافی فیصلے سے دیکھنے لگتا تھا اور بادلوں پر تھی جو پہلے سارے آسمان پر بکھر گئے تھے اور اب مل کر تاریک اور خوفناک شکل اختیار کر رہے تھے۔ کبھی کبھی دور سے گرج کی آواز آجاتی تھی۔ دوسری چیزوں کے مقابلے میں یہ گرج سرائے پہونچنے کے متعلق میری بےچینی میں اضافہ کر رہی تھی۔ بادلوں کی گرج میرے دل میں ناقابل حد تک تکلیفدہ خوف اور افسردگی کا جذبہ پیدا کردیتی تھی۔

نزدیکترین گاؤں اب بھی دس ورست تھا لیکن بڑا سا گہرے ارغوانی رنگ کا ایک بادل نہجانے کہاں سے آگیا کیونکہ ہوا

کا تو نام نشان تک نہ تھا۔ وہ اب تیزی سے ہماری طرف آرہا تھا۔ سورج جو اب تک بادل کے پیچھے نہ چھپا تھا، اس سیاہ جسم کو اور اس سے نکلتی ہوئی لکیروں کو روشن کر رہا تھا، جو افق تک پھیلتی چلی گئی تھیں۔ دور بجلی اکثروبیشتر چمک جاتی اور گرج کی ہلکی سی آواز سنائی دیتی جو آگے بڑھ کر تڑاکوں میں تبدیل ہوجاتی اور زیادہ پرشور ہوکر سارے آسمان پر چھا جاتی۔ واسیلی کھڑا ہوگیا اور گاڑی کی چھتری چڑھا دی۔ گاڑی‌بانوں نے خفتان پہن لئے، بادل کی ہر گرج پر وہ اپنی ٹوپیاں اتارکر صلیب کا نشان بناتے۔ گھوڑوں کے کان کھڑے ہوگئے، نتھنے پھول گئے جیسے تازہ ہوا کو سونگھ رہے ہوں جو قریب آتے ہوئے گرج‌دار بادلوں سے ہوکر آرہی تھی۔ گاڑی گردآلود سڑک پر اور تیزی سے چلنے لگی... مجھے کچھ خوف سا محسوس ہونے لگا، مجھے احساس تھا کہ میری رگوں میں خون کی رفتار تیز ہوگئی ہے۔ جلدی ہی آگے کے بادلوں نے آفتاب کو چھپا لیا۔ اس نے آخری بار جھانک کر دیکھا، تاریک ہوتے ہوتے افق پر روشنی کی آخری کرن ڈالی اور غائب ہوگیا۔ سارا منظر اچانک تبدیل ہوگیا اور اداسی سی چھاگئی۔ سفیدے کے درختوں کا بن تھرتھرایا، پتیوں کی رنگت سرمئی ہوگئی اور وہ ارغوانی رنگ کے بادلوں کے پس‌منظر میں نمایاں ہوگئیں اور سرسرانے لگیں۔ بڑے بڑے قدآور سفیدے کے درختوں کی پھننگیں جھومنے لگیں اور خشک گھاس کی ڈھیریاں سڑک پر ناچنے لگیں۔ سفید پوٹےوالی ابابیلیں گاڑی کے گرد چکر لگاتی ہوئی آئیں اور گھوڑوں کے سینوں کے نیچے غوطے کھانے لگیں جیسے ہمیں روکنا چاہتی ہوں۔ کوّے جن کے پروں کے بال پریشان ہورہے تھے، ہوا میں ترچھے اڑ رہے تھے۔ ہم نے چمڑے کا جو پردہ کھینچ لیا تھا اس کے سرے اوپر اڑنے لگے جس کی وجہ سے نم ہوا کے جھونکے اندر گھس آئے، گاڑی کے اندر چکر لگاتے اور سر ٹکراتے۔ ایسا لگتا گویا بجلی خود گاڑی کے اندر چمک کر ہماری آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہے اور ریشمی فیتے کی گوٹ‌والے، بھورے کپڑے اور ایک کونے میں سمٹے ہوئے ولودیا کے جسم کو روشن کرجاتی۔ اسی وقت ایک زوردار گھن گرج ہمارے سروں کے اوپر سنائی دی اور ایسا محسوس ہوا جیسے بلند سے بلندتر

ہوکر اور ہر طرف پھیل کر ایک بڑی سی مخروطی شکل اختیار کرکے بتدریج پھولتی گئی یہاں تک کہ ایک زبردست تڑاکا ہوکر پھٹ گئی، جس سے ہم سب لرز اٹھے اور دم بخود ہوکر رہ گئے۔ خدا کا قہر! یہ عام مقولہ کتنا شاعرانہ ہے!

پہیے اور تیزی سے گھومنے لگے۔ واسیلی اور فلپ کی پشت سے جو لگامیں برابر کھینچتا جاتا ہے، مجھے نظر آرہا ہے کہ یہ لوگ بھی خائف ہیں۔ گاڑی پہاڑی پر سے تیزرفتاری سے نیچے جاتی ہے اور لکڑی کے پل پر کھڑکھڑاتی ہے۔ مجھ میں اس خوف سے ہلنے کی بھی ہمت نہیں کہ کوئی بھی لمحہ ہماری تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔ اف! راس ٹوٹ گئی اور بادلوں کی مسلسل اور زوردار گھن گرج کے باوجود ہمیں پل ہی پر ٹھہرنا پڑا۔

میں گاڑی سے منہ نکالتا ہوں اور سانس روک کر فلپ کی موٹی موٹی سیاہ انگلیوں کو چلتے دیکھتا ہوں تو دل میں ناامیدی گھر کر لیتی ہے۔ فلپ آہستہ آہستہ گرہ باندھتا ہے، راسیں سیدھی کرتا ہے اور کونے کے گھوڑے کو ہاتھ اور چابک کے دستے سے مارتا ہے۔

ہوا کے جھکڑ بڑھنے کے ساتھ میرے دل میں اداسی اور خوف کا تکلیف‌دہ احساس بھی تیز ہونے لگتا ہے لیکن جب پرشکوہ خاموشی چھاگئی، جو عام طور پر گھن گرج کا پیش‌خیمہ ہوتی ہے تو یہ احساسات اس نقطے پر پہونچ گئے کہ اگر یہی حالت پندرہ منٹ کے قریب اور رہتی تو مجھے یقین ہے کہ میں اعصابی ہیجان کی وجہ سے مرجاتا۔ اس وقت پل کے نیچے سے ایک انسانی جسم نمودار ہوا، جسم پر میلی پھٹی قمیص، پھولا بےمعنی چہرہ، ننگا گھٹا اور ہلتا ہوا سر، ٹیڑھے، سوکھے پیر اور ایک ہاتھ کی جگہ باہر نکلی ہوئی ہڈی جسے اس نے گاڑی کے اندر گھسیڑ دیا۔

"یسوع مسیح کے نام پر!" فقیر نے ایک ایک لفظ پر صلیب کا نشان بناکر اور پوری طرح جھک کر بیمار آواز میں کہا۔

میں بیان نہیں کر سکتا کہ اس وقت میری روح پر کتنا شدید خوف طاری ہوگیا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور نگاہیں خوف کے غلبے سے فقیر کے چہرے پر جم کر رہ گئیں۔

واسیلی جو سفر میں خیرات بانٹنے کا ذمہ‌دار تھا، فلپ کو ہدایت دئے جا رہا تھا کہ راس کو کس طرح مضبوط کیا جائے۔

جب سب کچھ ٹھیک ہوگیا اور فلپ لکس اٹھا کر اوپر بیٹھ گیا تو اس نے بغلی جیب ٹٹولنی شروع کی۔ لیکن ابھی ہم لوگ پھر سے چلے ہی تھے کہ آنکھوں کو خیرہ کردینےوالی بجلی کی تیز چمک نے ایک لمحے کےلئے ساری گھاٹی کو روشن کردیا اور گھوڑے ایک دم رک گئے۔ ذرا سے وقفے کے بغیر ہی بادل اتنے زور سے گرجا کہ معلوم ہوا آسمان کا پورا گنبد ہمارے سروں پر پھٹ پڑے گا۔ ہوا اور بھی تیز چلنے لگی، تیز ہوا کے جھونکے سے گھوڑوں کے ایال اور دم، واسیلی کا لبادہ اور پردے کے دامن سب کے سب ایک ہی سمت میں اڑنے لگے۔ بارش کا ایک بڑا سا قطرہ گاڑی کی چمڑے کی چھت پر زور سے گرا... اور دوسرا، تیسرا، چوتھا اور پھر قطرے ایک دم ہمارے اوپر تاشا سا بجانے لگے اور پھر ساری وادی بارش کی مسلسل آواز سے گونجنے لگی۔ واسیلی کی کہنی کے چلنے سے مجھے پتہ چلا کہ وہ اپنا بٹوہ کھول رہا ہے، فقیر اب بھی صلیب کے نشان بناتا اور جھکتا پہیے کے بالکل نزدیک دوڑ رہا تھا، جس کی وجہ سے ایسا معلوم ہورہا تھا کہ کچل جائیگا۔ ”یسوع مسیح کے نام پر!“ آخر تانبے کا ایک سکہ ہمارے پاس سے ہوکر گزرا، وہ بدبخت انسان رکا، سڑک کے بیچ میں کچھ جھجکا، ہوا کے ساتھ جھولا، اس کا تربتر لبادہ اس کے دبلے پتلے جسم سے چپٹا ہوا تھا اور پھر وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا۔

زوردار ہوا کی وجہ سے ترچھا گرتا ہوا پانی موسلادھار برس رہا تھا۔ واسیلی کے موٹے اونی کوٹ کے نیچے سے پانی کی دھار بہہ کر اس گندے پانی میں گر رہی تھی جو چڑھے ہوئے پردے پر جمع ہوگیا تھا۔ مٹی جو پہلے کوندنے سے سخت پڑگئی تھی اب پتلے سے کیچڑ میں تبدیل ہوگئی، جس میں سے پہیے پانی اچھالتے چلے جا رہے تھے، دھچکے کم ہوگئے اور گدلے پانی کی دھاریں لیکوں میں بہہ چلیں۔ بجلی کی لپک زیادہ چوڑی اور زرد ہوتی گئی، بارش کی ٹپ ٹپ میں بادلوں کی گرج اب اتنی وحشت‌ناک نہیں معلوم ہوتی تھی۔

بارش اب ہلکی ہو چلی تھی۔ گھنگھور بادل بکھرنے لگے، جہاں سورج تھا وہاں اجلے نظر آنے لگے۔ بادل کے سفیدی مائل

بھورے رنگ کے کناروں میں سے شفاف نیلے رنگ کا شگاف تقریباً صاف نظر آرہا تھا۔ ایک منٹ بعد سورج کی ایک دھندلی سی کرن سڑک کے گڈھوں میں چمکی، ہلکی بارش کی سیدھی اور گویا چھلنی سے گرتی ہوئی دھاریوں میں اور راستے کی دھلی ہوئی صاف شفاف ہریالی میں چمکی۔ آسمان کے دوسرے سرے پر جو سیاہ بادل چھا رہے تھے وہ کچھ کم خوفناک نہیں تھے لیکن اب مجھے ان سے ڈر نہیں لگ رہا تھا۔ میرے دل پر زندگی میں امید کا ایک ناقابل بیان پرلطف احساس چھا گیا تھا، جس نے خوف کے تکلیف دہ احساس کو دل سے نکال ڈالا۔ مناظر قدرت کی طرح میری روح بھی تروتازہ اور زندہ ہوکر مسکرانے لگی۔ واسیلی نے اپنے کوٹ کا کالر پلٹ لیا، ٹوپی اتاری اور اسے جھاڑا۔ ولودیا نے پردے کو اتار پھینکا، میں نے گاڑی کے باہر سر نکالا اور بڑے شوق سے تازہ اور معطر ہوا میں گہرے سانس لینے لگا۔ چمکتی دھلی دھلائی بند گاڑی ہمارے سامنے لڑھکتی چلی جا رہی ہے۔ گھوڑوں کی پیٹھ، تسمے اور لگامیں، پہیوں کے ٹائر، ساری چیزیں بھیگی ہوئی ہیں اور دھوپ میں اس طرح چمک رہی ہیں جیسے ان پر روغن پھیر دیا گیا ہے۔ سڑک کے ایک طرف خریف کی فصل کے کھیتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جس میں کہیں کہیں اتھلے سیدھے کھڈ اور کٹاؤ ہیں اور کھیت گیلی مٹی اور سبز پودوں کے ساتھ چمک رہے ہیں اور رنگا رنگ قالین کی طرح افق تک چلے گئے ہیں۔ دوسری طرف اخروٹ اور شاہ دانے کے چھوٹے درختوں کے ساتھ سفیدے کا ایک جھنڈ اطمینان و سکون سے کھڑا ہے جیسے محویت کے عالم میں ہو اور پانی کے چمکیلے قطرے بارش سے دھلی ہوئی شاخوں پر سے سال کی خشک پتیوں پر گر رہے ہیں۔ کلغی دار چکاوک مستی سے گاتے ہوئے ہر طرف منڈلا رہے ہیں، اڑتے ہیں اور ڈوب جاتے ہیں۔ گیلی جھاڑیوں سے چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی پھرپھر سنائی دے رہی ہے اور جنگل کا سینہ چیرتی ہوئی کوئل کی کوک صاف آرہی ہے۔ موسم بہار کے باد و باران کے بعد جنگل کی مہک اتنی دلکش ہے — سفیدے، بنفشے، خشک پتیوں، کھمبیوں اور شاہ دانے کی خوشبو — کہ میں گاڑی میں نچلا نہ بیٹھ سکا۔ پائدان پر سے کود کر جھاڑیوں کی طرف بھاگا اور بارش کے قطروں میں بھیگنے کے باوجود

شاہ دانے کی ٹہنیاں توڑ کر انہیں منہ پر پھیرنے لگا اور ان کی فرحت‌بخش خوشبو کا سرور لینے لگا۔ اگرچہ میرے جوتے کیچڑ میں لت‌پت ہوگئے ہیں اور موزے کبھی کے ترِبتر ہیں، تاہم اس سب سے بالکل بےنیاز ہوکر میں کیچڑ میں چھپ چھپ کرتا ہوا گاڑی کی کھڑکی تک دوڑ لگاتا ہوں۔

''لیوبوچکا! کاتینکا!،، میں نے شاہدانے کی ٹہنیاں آگے بڑھا کر آواز دی ''دیکھو تو کتنی اچھی ہیں!،،

لڑکیاں واہ واہ کرکے خوشی کے مارے چیخیں مارنے لگیں۔ میمی نے چلاکر مجھ سے کہا کہ یہاں سے ہٹ‌جاؤ نہیں تو کچل جاؤگے۔

''لیکن ذرا سونگھ کے تو دیکھو کتنی اچھی خوشبو آرہی ہے!،، میں نے چیخ کر کہا۔

باب ۳

نئے خیالات

گاڑی میں کاتینکا میرے قریب بیٹھی تھی اور اپنا پیارا سر جھکائے بڑے غور سے پہیوں کے نیچے سے بھاگتی ہوئی گردآلود سڑک کو دیکھ رہی تھی۔ میں خاموشی سے اسے تکتا رہا اور اس کے گلاب جیسے چہرے پر میں نے افسردگی کا پرتو اور غیرطفلانہ انداز پہلی بار دیکھا تو مجھے حیرت سی ہوئی۔

''ہم لوگ اب ماسکو پہونچنے ہی والے ہیں،، میں نے کہا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے کیسا ہے ماسکو؟،،

''پتہ نہیں،، اس نے بےدلی سے جواب دیا۔

''لیکن تمہارا کیا خیال ہے؟ سیرپوخوف شہر سے بڑا ہے یا نہیں؟،،

''کیا؟،،

''اوہ، کچھ نہیں۔،،

لیکن اس جبلی خاصیت کی مدد سے جس کے ذریعے ایک انسان

دوسرے انسان کے خیالات بھانپ لیتا ہے اور جو گفتگو کا سارا راستہ دکھاتی جاتی ہے، کاتینکا سمجھ گئی کہ اس کی بے تعلقی سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔ اس نے سر اٹھایا اور میری طرف مڑ گئی: "پاپا نے تم سے کہہ دیا کہ ہم لوگ نانی کے ساتھ رہیں گے؟"

"ہاں۔ نانی کا کہنا ہے کہ ہم لوگ ان کے ساتھ ہی رہیں۔"

"ہم سب کو بھی وہیں رہنا ہے کیا؟"

"بالکل۔ ہم لوگ اوپر آدھے مکان میں رہیں گے، تم لوگ دوسرے حصے میں اور پاپا بغلی حصے میں رہیں گے۔ لیکن کھانا ہم لوگ سب مل کر نیچے نانی کے ساتھ ہی کھایا کریں گے۔"

"اماں کہتی تھیں کہ تمھاری نانی بہت باوقار ہیں اور غصہ ور ہیں؟"

"ارے نہیں، ابتدا میں ایسا لگتا ہے! وہ باوقار ضرور ہیں لیکن غصہ ور بالکل نہیں۔ اس کے برعکس، وہ بہت نیک اور زندہ دل ہیں۔ تم نے دیکھا ہی نہیں ان کے نام رکھائی کے دن کتنا بڑا ناچ ہوا تھا!"

"پھر بھی مجھے ان سے ڈر لگتا ہے اور پھر خدا جانے ہم لوگ..."

کاتینکا دفعتاً خاموش ہو گئی اور پھر کچھ سوچنے لگی۔

"بات کیا ہے؟" میں نے بے چین ہو کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔"

"کچھ تو ہے۔ تم نے کہا: خدا جانے..."

"تم نے کہا تا کہ نانی کے یہاں کتنا بڑا ناچ ہوا تھا!"

"ہاں، افسوس تو یہ ہے کہ تم وہاں نہیں تھیں۔ اور کتنے مہمان تھے، سینکڑوں، موسیقی تھی، جنرل تھے۔ اور میں بھی ناچا تھا۔" اس ذکر کے دوران میں دفعتاً رک گیا "کاتینکا، تم سن نہیں رہی ہو؟"

"سن رہی ہوں۔ تم کہہ رہے تھے کہ تم ناچے تھے۔"

"اتنی اداس کیوں ہو؟"

"ہر وقت تو خوش نہیں رہا جا سکتا۔"

''لیکن ماسکو سے ہماری واپسی کے بعد سے تم کتنی بدل گئی ہو۔ سچ سچ بتانا،، اس کی طرف مڑ کر میں نے بڑے فیصلہ کن انداز میں اسے دیکھ کر پوچھا ''تم عجیب سی کیوں ہوگئی ہو؟،،

''میں عجیب سی ہوں؟،، کاتینکا نے کچھ خوش ہوکر جواب دیا جس سے پتہ چلتا تھا کہ میرا جملہ اسے اچھا معلوم ہوا۔ ''میں عجیب سی بالکل نہیں ہوں، بالکل نہیں۔،،

''تم جیسی پہلی تھیں ویسی نہیں رہ گئیں،، میں نے بات جاری رکھی۔ ''پہلے یہ بات بالکل صاف معلوم ہوتی تھی کہ ہر بات میں تم ہماری شریک تھیں، تم ہمیں اپنا عزیز سمجھتی تھیں اور ہم سے محبت کرتی تھیں، جیسے ہم لوگ تم سے محبت کرتے تھے۔ لیکن اب تم اتنی سنجیدہ ہوگئی ہو اور ہم سے الگ الگ رہتی ہو کہ...،،

''نہیں، بالکل نہیں...،،

''مجھے بات تو پوری کرلینے دو،، میں نے کاتینکا کی بات کاٹی اور اسی وقت مجھے ناک میں سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ یہ آنسوؤں کا پیش‌خیمہ تھا جو اس وقت میری آنکھوں میں ضرور آجاتے تھے جب میں مدت‌دراز سے دبے ہوئے دلی جذبات کا اظہار شروع کرتا تھا۔ ''تم ہم سے الگ الگ رہتی ہو۔ سوائے میمی کے کسی اور سے بات نہیں کرتیں، جیسے ہم لوگوں کو نظرانداز کرنا چاہتی ہو۔،،

''ہمیشہ ایک ہی طرح سے تو نہیں رہا جا سکتا، کبھی نہ کبھی تو تبدیلی آنا لازمی ہے،، کاتینکا نے جواب دیا۔ اس کی عادت میں داخل تھا کہ جب کسی بات کا جواب نہیں سمجھتی تو اس طرح بات ٹالنے کی کوشش کرتی جیسے مقدر کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک بار لیوبوچکا سے اس کی لڑائی ہوگئی جس نے اسے ''احمق کہیں کی،، کہہ دیا تھا تو اس نے جواب دیا: ''ہر شخص تو عقل مند ہو نہیں سکتا، کچھ لوگوں کو احمق بھی ہونا چاہئے۔،، لیکن اس جواب سے کہ تبدیلی آنا لازمی ہے، اس نے مجھے مطمئن نہیں کیا اور اسلئے میں سوال کرتا رہا:

''لیکن آخر کیوں؟،،

''اس لئے کہ ہم لوگ ہمیشہ ایک ساتھ تو رہ نہیں سکتے،، کاتینکا نے کچھ کچھ جھینپ کر اور فلپ کی پیٹھ کی طرف گھورتے ہوئے جواب دیا۔ ''میری اماں تمہاری مرحومہ اماں کے ساتھ رہیں اس لئے کہ وہ ان کی دوست تھیں لیکن خدا جانے آکاؤنٹس سے نبھےگی کہ نہیں، جن کے بارے میں کہتے ہیں کہ بڑی غصہ ور ہیں۔ پھر ہم لوگوں کو ایک دن تو بہرحال جدا ہونا ہی ہے۔ تم لوگ امیر ہو، تم پیتروفسکوئے کے مالک ہو لیکن ہم لوگ غریب ہیں، میری اماں کے پاس کچھ نہیں ہے۔،،

تم لوگ امیر ہو، ہم لوگ غریب ہیں! یہ الفاظ اور ان الفاظ کے معنے مجھے عجیب سے محسوس ہوئے۔ ان دنوں میں سمجھتا تھا کہ صرف فقیر اور کسان غریب ہوتے ہیں اور اپنے تصور میں مفلسی اور خوبصورت اور بھولی بھالی کاتینکا میں کوئی تعلق ہی نہ پیدا کر سکتا تھا۔ مجھے ایسا لگتا تھا کہ چونکہ میمی اور کاتینکا ہمیشہ سے ہمارے ساتھ رہی ہیں، اس لئے ہمارے ساتھ ہی رہیں گی اور ہر چیز میں ان کا حصہ ہوگا، اس کے علاوہ دوسرا خیال تک نہ آتا تھا۔ لیکن اب ان کی تنہائی کے متعلق ہزارہا نئے اور غیرمتعین سے خیالات میرے ذہن میں آنے لگے۔ مجھے یہ سوچ کر بڑی شرم محسوس ہوئی کہ ہم لوگ امیر اور وہ لوگ غریب ہیں اور میں کاتینکا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔

''اس کا مطلب کیا ہے،، میں نے سوچا ''کہ ہم لوگ امیر ہیں اور یہ لوگ غریب؟ اور اس کا یہ مطلب کیسے نکلتا ہے کہ ہم لوگوں کو جدا ہونا پڑیگا؟ جو کچھ ہمارے پاس ہے اسے ہم لوگ برابر برابر تقسیم کیوں نہیں کر سکتے؟،، لیکن میں سمجھ گیا کہ یہ ایسی بات نہیں ہے جس کے متعلق کاتینکا سے بات کی جائے۔ اور دل کے کونے سے کسی بڑی حقیقت‌پسند آواز نے جو ان تمام منطقی نتائج کے بالکل برعکس تھی، مجھ سے کہہ دیا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے ٹھیک ہے اور جو کچھ میں سوچ رہا ہوں، اس پر بات کرنا مناسب نہ ہوگا۔

''کیا سچ مچ ہم لوگوں کو چھوڑ کر چلی جاؤگی؟،، میں نے پوچھا۔ ''ایک دوسرے سے جدا ہو کر کیسے گزرےگی؟،،

''کر بھی کیا سکتے ہیں؟ تکلیف تو مجھے بھی ہوتی ہے۔ لیکن اگر ایسا ہوا تو مجھے پتہ ہے کہ میں کیا کروں‌گی...''

''ایکٹرس بن‌جاؤنگی! بالکل بکواس ہے!'' میں بول پڑا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ ایکٹرس بننے کا محبوب خواب وہ ہمیشہ سے دیکھتی رہی ہے۔

''نہیں۔ وہ تو میں نے اس وقت کہا تھا جب بہت چھوٹی تھی۔''

''تو پھر کیا کروگی؟''

''راہبہ بن‌جاؤنگی اور کسی خانقاہ میں رہوں‌گی اور سیاہ گاؤن اور مخمل کی ٹوپی پہنا کروں‌گی۔'' کاتینکا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

پڑھنےوالو، کیا آپ کے ساتھ بھی کبھی ایسا ہوا ہے کہ اپنی زندگی کے کسی دور میں آپ نے دفعتاً یہ محسوس کیا ہو کہ مختلف چیزوں کے متعلق آپ کے تصورات بالکل تبدیل ہوگئے ہیں، جیسے وہ تمام چیزیں جنھیں اب تک آپ دیکھتے آئے ہیں، دفعتاً اپنا دوسرا رخ آپ کے سامنے پیش کر رہی ہیں، جس سے آپ واقف ہی نہ تھے! اس قسم کی اخلاقی تبدیلی سب سے پہلے مجھ میں اس سفر کے دوران ہوئی۔ اس وقت سے میں اپنے لڑکپن کی تاریخ مقرر کرتا ہوں۔

اس وقت پہلی بار میری سمجھ میں آیا کہ دنیا میں صرف ہم لوگ یعنی صرف ہمارا خاندان ہی نہیں ہے، ہم وہ مرکز نہیں ہیں جس کے گرد سارے مفاد چکر لگاتے ہیں۔ ایک زندگی اور بھی ہے — ان لوگوں کی جن کا ہم سے کوئی تعلق نہیں، جنھیں ہماری کوئی فکر نہیں اور جنھیں ہمارے وجود تک کا خیال نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ باتیں میں اس سے قبل بھی جانتا تھا لیکن جس طرح آج جانتا ہوں ویسا پہلے نہ جانتا تھا، میں اس بات کو محسوس نہ کرتا تھا۔

تصور ایک خاص شکل میں اور بالکل غیرمتوقع انداز میں یقین کامل کی شکل اختیار کرتا ہے، کچھ دوسرے ذہن اسی یقین پر جس طرح پہونچتے ہیں اس سے اکثر و بیشتر بالکل مختلف طریقے سے۔ کاتینکا سے میری بات چیت نے مجھے بےانتہا متاثر کیا اور مجھے اس کے مستقبل کے متعلق غور کرنے پر مجبور کیا اور اس نے میرےلئے راستہ ہموار کیا۔ جب میں نے ان گاؤں اور شہروں کو دیکھا جن سے ہوکر ہم لوگ گزرے اور جن میں سے ہر ایک

میں ایک مکان ایسا ضرور تھا جس میں ہماری ہی طرح کا ایک خاندان رہتا تھا، جب عورتوں اور بچوں کو دیکھا جو ہماری گاڑیوں کی طرف کچھ دیر تجسس آمیز نظروں سے دیکھتے تھے اور ہمیشہ کے لئے نظروں سے اوجھل ہوجاتے تھے، جب ان دکانداروں اور کسانوں کو دیکھا جنہوں نے نہ صرف یہ کہ ہمیں سلام نہیں کیا جس کا میں پیتروفسکوئے میں عادی تھا بلکہ ہماری طرف نگاہ تک اٹھانے کی زحمت گوارا نہ کی — تو میرے ذہن میں پہلی بار سوال پیدا ہوا کہ اگر یہ لوگ ہماری کوئی پروا نہیں کرتے تو پھر آخر یہ لوگ کرتے کیا ہیں؟ اور اس سوال سے دوسرے سوال پیدا ہوئے: یہ لوگ کس طرح اور کس چیز کے سہارے زندگی گزارتے ہیں؟ یہ لوگ اپنے بچوں کی پرورش کس طرح کرتے ہیں؟ انہیں پڑھاتے بھی ہیں یا صرف کھیلنے دیتے ہیں؟ انہیں سزا کس طرح دیتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

باب ۴

ماسکو میں

ماسکو آتے ہی مختلف چیزوں، لوگوں اور ان کے ساتھ خود اپنے تعلق کے بارے میں میرے خیالات نمایاں طور پر تبدیل ہوئے۔

جب نانی سے پہلی ملاقات پر میں نے دیکھا کہ وہ بہت دبلی ہو گئی ہیں، چہرے پر جھریاں ہیں اور آنکھیں کمزور ہوگئی ہیں تو پہلے ان کے متعلق میرے دل میں جو ایک انتہائی تعظیم اور خوف کا جذبہ تھا، وہ ہمدردی میں تبدیل ہوگیا اور جب لیوبوچکا کے سر پر اپنا منہ رکھ کر انہوں نے رونا شروع کیا جیسے اپنی چہیتی بیٹی کی لاش کو دیکھ رہی ہیں تو میری ہمدردی محبت میں بدل گئی۔ ہمیں دیکھ کر انہیں جو دکھ ہوا اس سے مجھے بڑی تکلیف پہنچی، میں نے دیکھا کہ ہم بذاتِ‌خود ان کی نظروں میں کچھ نہیں تھے، ہم صرف یادوں کی حقیقت سے انہیں عزیز تھے، مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے رخساروں پر وہ جتنے پیار کرتی تھیں ان میں سے ہر ایک اس واحد خیال کا اظہار تھا: ''وہ رخصت ہوگئی، چل بسی، اب اسے کبھی نہ دیکھ سکوں گی!،،

ماسکو میں پاپا کا تعلق ہم لوگوں سے تقریباً ختم ہوگیا۔ وہ چہرے پر ہمیشہ فکرمندی کے آثار لئے ہوئے صرف شام کو کھانے کے وقت سیاہ بند گلے کا کوٹ یا فراک کوٹ پہن کر ہم لوگوں کے پاس آتے تھے۔ اس زمانے میں میری آنکھوں میں ان کی عزت بہت کم ہوگئی تھی اور ان کے بڑے بڑے کالروں، ان کے ڈریسنگ گاؤن، ان کے منیم، ان کے کلرکوں، کھلیان تک ان کی چہل‌قدمی اور شکار کی بھی عزت جاتی رہی۔ کارل ایوانچ کو نانی ''دیادکا،،* کہتی تھیں، انہیں خدا جانے دفعتاً کیا خیال آگیا کہ اپنی پروقار اور مانوس سی گنجی چندیا پر سرخ نقلی بال رکھنے لگے جن کے بالکل بیچوں‌بیچ مانگ تھی۔ وہ مجھے کچھ اتنے عجیب و غریب اور مضحکہ‌خیز نظر آنے لگے کہ مجھے حیرت ہوئی کہ یہ بات میری نظروں سے پہلے کیسے چوک گئی تھی۔

لڑکیوں اور ہمارے درمیان بھی کوئی غیرمرئی سا پردہ حائل ہوگیا۔ ان کے اپنے راز تھے اور ہمارے اپنے۔ ایسا لگتا تھا کہ ہمارے سامنے اپنے پیٹی‌کوٹ پر جو لمبے ہوتے جا رہے تھے، وہ بڑا گھمنڈ کرنے لگی تھیں اور ہمیں اپنے پتلونوں پر فخر تھا جن کے نیچے تسمے لگے ہوئے تھے۔ اور میمی پہلے اتوار کو ایسا شاندار گاؤن پہن کر اور بالوں میں ایسے فیتے باندھ کر کھانے پر آئیں کہ یہ بات بالکل آنکھوں کے سامنے آگئی کہ اب ہم دیہات میں نہیں ہیں اور اب ہر چیز مختلف ہوا کرے گی۔

باب ۵

بڑے بھیا

ولودیا سے میں صرف ایک برس اور کچھ مہینے چھوٹا تھا۔ ہم دونوں ساتھ ہی ساتھ پلے بڑھے تھے اور نہ پڑھتے وقت الگ ہوتے تھے نہ کھیلتے وقت۔ ہمارے درمیان چھوٹے بڑے کی تمیز

---

* شرفا کے خاندان میں اس خدمتگار کو اسی طرح پکارتے تھے جو خاص طور پر لڑکوں کی خدمت کرتا تھا۔

نہیں رہی تھی۔ لیکن میں جس وقت کا ذکر کر رہا ہوں، اس وقت مجھے یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ میں نہ تو سن و سال میں، نہ اتنے رجحان میں اور نہ قابلیت میں ولودیا کا ہم‌عمر ہوں۔ میں یہ تک سوچنے لگا کہ ولودیا کو اپنی اولیت کا احساس ہے اور اسے اس بات پر فخر بھی ہے۔ اس خیال نے ہی، جو ممکن ہے غلط ہو، مجھ میں خودپسندی پیدا کی اور ہر بار جب ولودیا سامنے ہوتا تو اس کو صدمہ پہنچتا۔ وہ ہر چیز میں مجھ سے اونچا تھا — کھیل میں، پڑھائی میں، جھگڑنے میں اور تمیز سے پیش آنے میں، اور ان سب چیزوں کی وجہ سے ہمارے درمیان دوری بڑھتی گئی اور مجھے ایسی روحانی تکلیف ہونے لگی جو میری سمجھ ہی میں نہ آتی تھی۔ جب پہلی بار ولودیا نے پلیٹوں‌دار ولندیزی قمیص پہنی تو اس موقع پر اگر میں صاف صاف کہہ دیتا کہ مجھے اپنے پاس یہ قمیص نہ ہونے سے کوفت ہے تو مجھے یقین ہے کہ میرا دل ہلکا ہوجاتا اور پھر اس کے بعد مجھے یہ احساس نہ ہوتا کہ جب بھی وہ اپنا کالر ٹھیک کرتا ہے تو اس کا مقصد میرے جذبات مجروح کرنا ہوتا ہے۔ جو بات مجھے سب سے زیادہ تکلیف پہنچاتی تھی وہ یہ کہ مجھے کبھی کبھی محسوس ہوتا تھا کہ ولودیا میرے سارے دلی جذبات سمجھ رہا ہے لیکن اس بات کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔

کون ہے جس نے ہمیشہ ایک ساتھ رہنے‌والے لوگوں میں ان پراسرار اور بے‌الفاظ تعلقات کو نہیں دیکھا جو بہت ہی خفیف سی مسکراہٹ، کسی ایک حرکت یا ایک نگاہ میں ظاہر ہوجاتے ہیں، جیسے بھائیوں میں، دوستوں میں، شوہر اور بیوی میں، آقا اور ملازم میں۔ خاص طور پر جب یہ لوگ ہر چیز میں ایک دوسرے سے قطعی بے‌تکلف نہیں ہوتے۔ زبان سے نہ نکلی ہوئی کتنی تمنائیں، خیالات اور خوف — کہ کوئی سمجھ نہ لے — اس وقت صرف ایک نگاہ میں ظاہر ہوجاتے ہیں جب جھجکتی نظریں بے‌یقینی کے ساتھ دوچار ہوتی ہیں!

لیکن ممکن ہے میں اپنی زودحسی اور چیزوں کا تجزیہ کرنے کے رجحان کی وجہ سے اس سلسلے میں دھوکا کھا گیا ہوں۔ ممکن ہے کہ جو کچھ میں محسوس کر رہا تھا ولودیا ایسا محسوس ہی

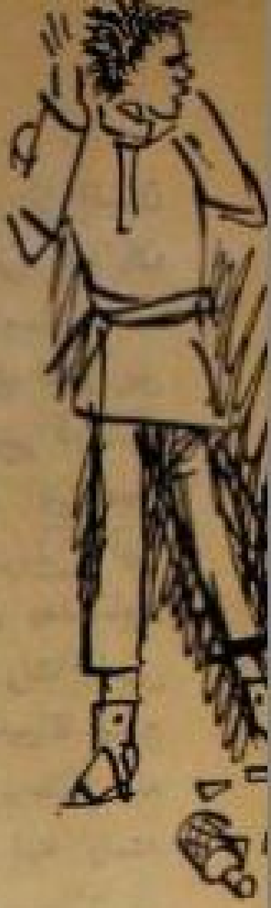

نہ کرتا ہو۔ وہ جلدباز، صاف‌گو اور متلون‌مزاج قسم کا انسان تھا۔ اسے انتہائی مختلف چیزوں میں دلچسپی ہوجاتی تھی اور ان میں دل وجان سے لگ جاتا تھا۔

ایک بار اسے تصویروں کا شوق ہوگیا۔ اس نے خود تصویریں بنانا شروع کیں، اپنا سارا پیسہ اسی پر خرچ کرتا اور اپنے ڈرائنگ ماسٹر، پاپا اور نانی سے بھی تصویریں مانگتا۔ پھر اسے اپنی میز سجانے کےلئے چھوٹی چھوٹی چیزوں کا شوق ہوا اور اس نے گھر کے کونے کونے سے بہت سی چیزیں جمع کرلیں۔ اس کے بعد ناول پڑھنے کا شوق ہوا تو چھپے چوری ناول لاتا اور دن رات انہیں پڑھتا۔ میں اس کے تمام شوقوں میں غیرارادی طور پر بہہ‌جاتا لیکن اپنے دماغ میں گھمنڈ اتنا تھا کہ اس کے نقش‌قدم پر بالکل نہ چلتا اور اتنا کم‌عمر اور دوسروں کا محتاج تھا کہ اپنا راستہ خود اختیار نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن جس چیز پر مجھے سب سے زیادہ رشک آتا تھا وہ تھی ولودیا کی خوش‌مزاجی، صاف‌گوئی اور اس کا شریفانہ کردار جو اس وقت خاص طور پر بہت نمایاں ہوجاتا تھا جب ہم دونوں لڑ پڑتے تھے۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کا برتاؤ ٹھیک ہے لیکن اس کے باوجود اس کی نقل کرنا گوارا نہ تھا۔

ایک بار جب آرائشی چیزوں کےلئے اس کا شوق عروج پر تھا، میں اس کی میز کے پاس گیا اور اتفاق سے ایک چھوٹی سی مختلف رنگوں‌والی خالی شیشی ٹوٹ گئی۔

ولودیا کمرے میں داخل ہوا اور دیکھا کہ اس کی میز پر سجی ہوئی مختلف چیزوں میں میں نے کیا گڑبڑ کیا ہے تو بولا:

''تمہیں میری چیزیں چھونے کی اجازت کس نے دی؟ اور وہ چھوٹی سی شیشی کہاں ہے؟ تم ہمیشہ...،،

''اتفاق سے میرے ہاتھ سے گرکر ٹوٹ گئی۔ تو کیا ہوا؟،،

''مہربانی کرکے میری چیزوں کو ہاتھ لگانے کی کبھی ہمت نہ کرنا،، وہ ٹوٹی ہوئی شیشی کے ٹکڑے جمع کرکے اور انہیں بڑے افسوس سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''اور برائے مہربانی تم مجھے حکم مت دو،، میں نے تڑ سے جواب دیا۔ ''ٹوٹ گئی سو ٹوٹ گئی۔ ہنگامہ کرنے سے کیا حاصل؟،،

اور میں مسکرا دیا حالاں کہ اس وقت مسکرانے کی ذرا بھی خواہش نہیں تھی۔

''تمہارا تو کچھ نہیں ہوا لیکن میرے لئے تو بہت کچھ ہوگیا،، ولودیا نے کاندھے اچکا کر کہا جو اس نے بابا سے سیکھا تھا۔ ''تم میری چیزیں توڑتے ہو اور اوپر سے ہنستے ہو۔ شریر چھوکرا کہیں کا!،،

''میں چھوکرا سہی لیکن تم جتنے بڑے ہو اتنے ہی بے وقوف ہو۔،،

''میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا،، ولودیا نے مجھے ہلکے سے دھکا دے کر کہا۔ ''چلو، ہٹو یہاں سے!،،

''مجھے دھکا مت دو!،،

''چلو، ہٹو یہاں سے!،،

''میں کہتا ہوں کہ دھکا مت دو!،،

ولودیا نے ہاتھ پکڑ کر میز کے پاس سے گھسیٹنے کی کوشش کی لیکن غصے سے میرا برا حال ہو رہا تھا۔ میں نے میز کا پایہ پکڑ لیا اور اسے الٹ دیا۔ چینی اور بلور کی ساری چیزیں چھناکے کے ساتھ فرش پر بکھر گئیں۔ ''یہ لو!،،

''بے ہودہ چھوکرا!،، ولودیا اپنے گرے ہوئے خزانے میں سے کچھ چیزوں کو بچانے کی کوشش کرتے ہوئے چلایا۔

''بس ہمارا سارا قصہ پاک ہوگیا اب،، میں نے کمرے سے جاتے ہوئے سوچا۔ ''اب ہمیشہ کے لئے لڑائی ہوگئی ہماری۔،،

شام تک ہم دونوں ایک دوسرے سے نہیں بولے۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس تھا، اس کی طرف دیکھتے ہوئے ڈر لگتا تھا اور دن بھر کوئی کام نہ کرسکا۔ اس کے برخلاف ولودیا نے اپنا سبق بھی ٹھیک سے پڑھا اور کھانے کے بعد حسب معمول لڑکیوں کے ساتھ گپ بھی لگائی اور ہنستا بھی رہا۔ پڑھائی ختم ہوتے ہی میں کمرے سے رخصت ہوگیا: میں اتنا خائف اور پریشان تھا اور میرا ضمیر اتنا ملامت کر رہا تھا کہ اپنے بھائی کے ساتھ تنہا نہ رہ سکتا تھا۔ شام کو تاریخ کے سبق کے بعد میں نے اپنی کاپی اٹھائی اور دروازے کی طرف چلا۔ ولودیا کے پاس سے گزرا تو اس بات کے باوجود کہ میں اس کے پاس جا کر میل کرلینا چاہتا تھا، میں نے منہ بنا

لیا اور کوشش کی کہ چہرے سے غصہ ٹپکنے لگے۔ اس وقت ولودیا نے نظر اٹھائی اور خوش‌مزاجی کے ساتھ طنزیہ انداز میں بہت ہلکے سے مسکراتے ہوئے میری نظروں سے نظریں ملادیں۔ ہماری نظریں چار ہوئیں اور میں سمجھ گیا کہ وہ میرے دل کی بات جان گیا ہے اور وہ یہ سمجھ گیا کہ مجھے احساس ہوگیا ہے کہ وہ میری دل کی بات کو سمجھ گیا ہے۔ لیکن اپنے سے زیادہ کسی قوی احساس کی وجہ سے میں مڑگیا۔

''نکولینکا!،، وہ ذرا سے بھی جذبات کے بغیر بالکل سیدھی سی آواز میں بولا۔ ''بس، بہت ناراض ہولئے۔ میں نے تمہیں تکلیف پہونچائی ہو تو مجھے معاف کردو۔،،

اور اس نے میری طرف ھاتھ بڑھایا۔

دفعتاً ایسا محسوس ہوا کہ کوئی چیز میرے سینے میں امنڈتی چلی آرہی ہے یہاں تک کہ اس کے دباؤ سے میرا دم گھٹنے لگا۔ یہ حالت بہت ہی تھوڑے عرصے طاری رہی۔ اس کے بعد میری آنکھوں میں آنسو آگئے اور میرا جی ہلکا ہوگیا۔

''مجھے... بہت افسوس... ہے، ولودیا!،، میں نے اس کا ھاتھ پکڑ کر کہا۔

لیکن ولودیا نے میری طرف اس طرح دیکھا جیسے اس کی سمجھ ہی میں نہ آ رہا ہو کہ آخر میری آنکھوں میں آنسو کیوں ہیں۔

باب ۲

ماشا

لیکن چیزوں کے متعلق میرے خیالات میں جو تبدیلیاں ہوئی تھیں، ان میں سے میرے لئے کوئی اتنی تعجب‌خیز نہ تھی جتنی وہ تبدیلی جس کی وجہ سے میں نے اپنے گھر کی ایک ملازمہ کو صرف نوکرانی سمجھنا ترک کردیا تھا اور اسے ایسی عورت سمجھنا شروع کردیا تھا جس پر کسی حد تک میری راحت اور شادمانی کا انحصار ہو سکتا ہے۔

جہاں تک مجھے پرانی باتیں یاد ہیں میں نے ماشا کو ہمیشہ اپنے گھر میں دیکھا اور اس وقت تک جب تک اس کے متعلق میرا خیال بالکل بدل نہیں گیا اور جیسے میں ابھی بیان کروں گا، میں نے اس کی طرف ذرا سی بھی توجہ نہ دی تھی۔ جب میں چودہ برس کا تھا تو ماشا پچیس برس کی تھی، بہت خوبصورت تھی۔ لیکن اس کا تذکرہ کرتے ہوئے مجھے ڈر لگتا ہے اور ڈر اس لئے لگتا ہے کہ کہیں میرا تصور ایک بار پھر وہ دل‌فریب تصویر نظروں کے سامنے نہ پیش کردے جو ان دنوں میرے تصور پر چھائی ہوئی تھی جب اس کے لئے میرے دل میں محبت تھی۔ اس خیال سے کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہوجائے میں صرف یہ کہوں گا کہ وہ غیرمعمولی طور پر گوری تھی، اس پر شباب پھٹا پڑتا تھا اور وہ عورت تھی اور میں چودہ برس کا تھا۔

ایسے لمحوں میں جب آپ کے ہاتھ میں سبق کی کتاب ہو، فرش پر محویت کے عالم میں ٹہل رہے ہوں، صرف فرش کی درازوں پر پیر رکھنے کی کوشش کررہے ہوں یا بے‌ربط انداز میں گنگنا رہے ہوں، یا میز کے کنارے پر روشنائی مل رہے ہوں یا بلاارادہ کوئی ایک ہی جملہ دہرائے جا رہے ہوں — مختصر طور پر یوں کہا جائے کہ ایسے لمحوں میں جب دماغ کام کرنے سے انکار کردیتا ہے اور تخیل کی پرواز غالب آکر تاثرات قبول کرتی ہے اس وقت میں پڑھائی کے کمرے سے باہر نکلا اور بغیر کسی خاص مقصد کے نیچے کی طرف چلا۔

کوئی پیروں میں جوتیاں پہنے زینے کے دوسرے موڑ پر چڑھ رہا تھا۔ ظاہر ہے میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ہے کون، لیکن پیروں کی چاپ ایک دم رک گئی اور میرے کان میں ماشا کی آواز آئی: ''چلو، بھاگ جاؤ یہاں سے! اگر ماریا ایوانوونا آگئیں تو کیا سمجھیں گی؟''

''نہیں آئیں گی''، ولودیا نے سرگوشی کے انداز میں کہا اور پھر مجھے کچھ سرسراہٹ سنائی دی جیسے ولودیا اسے روکنے کی کوشش کر رہا ہو۔

''اے خبردار جو ہاتھ لگایا، بے‌شرم!'' اور ماشا میرے نزدیک

سے دوڑتی ہوئی گزر گئی۔ اس کا قصابہ بالکل ایک طرف سرک گیا تھا اور اس کی بھری بھری گوری گردن نظر آرہی تھی۔

میں بیان نہیں کر سکتا کہ یہ بات معلوم کرکے مجھے کتنا اچنبھا ہوا تھا لیکن میری حیرت جلد ہی ختم ہوگئی اور مجھے ولودیا کی حرکت سے ہمدردی پیدا ہوگئی۔ اس نے جو کچھ کیا تھا مجھے حیرت اس پر نہیں تھی بلکہ حیرت اس پر تھی کہ اسے خیال کیسے پیدا ہوا کہ ایسا کرنا مزے کی بات ہوگی۔ اور غیرارادی طور پر مجھ میں خواہش پیدا ہونے لگی کہ اس کی نقل کروں۔

اکثر میں گھنٹوں اس زینے کے پاس کھڑا رہتا، ذہن میں کوئی خیال نہ آتا اور اگر اوپر سے ذرا سی بھی آواز آتی تو کان لگا کر سنتا۔ لیکن میں ولودیا کی نقل کرنے پر اپنے آپ کو کسی طرح آمادہ نہ کرسکا حالانکہ دنیا میں سب سے زیادہ اسی بات کی خواہش تھی۔ کبھی کبھی میں دروازے کے پیچھے چھپ جاتا اور رشک و حسد کے مجرمانہ احساس کے ساتھ نوکرانیوں کے کمرے کی آوازوں کو سنتا رہتا۔ اور میرے ذہن میں خیال آیا کہ اگر میں بھی ولودیا کی طرح اوپر جا کر ماشا کو پیار کرنے کی کوشش کروں تو مجھ پر کیا گزرے گی؟ جب وہ پوچھے گی کہ کیا چاہتے ہو تو اپنی اس موٹی سی ناک اور الجھے ہوئے بالوں کو لیکر میں کیا جواب دوں گا؟ کبھی کبھی میں سنتا کہ ماشا ولودیا سے کہہ رہی ہے: ”کیا عذاب ہے! مجھے کیوں دق کرتے رہتے ہو؟ دور ہو شریر کہیں کے! آخر نکولائی پتروویچ بھی تو ہیں لیکن وہ یہاں آکر یہ ہڑدنگاپن کیوں نہیں کرتے؟“ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ نکولائی پتروویچ اس وقت زینے کے نیچے بیٹھے تھے اور اس شرارتی ولودیا کی جگہ خود لینے کے لئے بھاری سے بھاری قیمت ادا کرنے کے لئے تیار تھے۔

میں فطرتاً شرمیلا تھا لیکن اس شرمیلے پن میں اضافہ اس خیال سے اور ہوگیا تھا کہ میں بدشکل ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ انسان کا راستہ متعین کرنے میں جتنا فیصلہ کن اثر اس کی شکل و صورت کا ہوتا ہے، اتنا اور کسی چیز کا نہیں ہوتا اور صورت و شکل کا بھی اتنا نہیں ہوتا جتنا اپنی صورت کی دل کشی یا بےڈھنگے پن کے متعلق خود انسان کے اپنے خیال کا ہوتا ہے۔

میری خودپسندی اس بات کی اجازت نہ دیتی تھی کہ اپنی اس پوزیشن کو قبول کرلوں اور اسلئے اس خیال سے اپنے دل کو تسلی دے لی کہ انگور کھٹے ہیں، یعنی میں نے ان تمام خوشیوں سے نفرت کرنے کی کوشش کی جو اچھی صورت کی بدولت نصیب ہوتی ہیں جو میری آنکھوں کے سامنے ولودیا کو نصیب تھیں اور جن پر مجھے انتہائی رشک آتا تھا اور میں عقل اور تصور کی پوری طاقت سے پرغرور تنہائی میں تسکین حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتا۔

باب ۷

پٹاخہ

''ہائے اللہ، بارود!،، میمی خوف سے ہانپتے ہوئے چلائیں ''تم لوگ کیا کررہے ہو؟ گھر کو آگ لگادینا چاہتے ہو، ہم سب کو ختم کرکے رہوگے؟...،،

اور ایک ناقابل‌بیان تحکم‌آمیز انداز میں انہوں نے سب سے کہا کہ ذرا دور رہنا۔ خود لمبے لمبے ڈگ بھرتی پٹاخے کے پاس پہونچیں اور وقت سے پہلے پھٹ جانے کے خطرے کو نظر میں نہ لاتے ہوئے انہوں نے اسے پیر سے مسلنا شروع کردیا۔ جب ان کے خیال میں خطرہ ٹل گیا تو میخیئی کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ جتنی دور ممکن ہو سکے جاکر ''بارود،، پھینک آؤ، زیادہ بہتر ہے کہ پانی میں پھینک دو اور پھر بڑے فخر سے اپنی ٹوپی ٹھیک کرکے وہ بیٹھک کی طرف چل گئیں۔ ''ان لوگوں کی بہت اچھی طرح دیکھ بھال ہو رہی ہے، کیا کہنا،، وہ منمنائیں۔

جب بابا بغلی مکان سے نکل کر آئے تو ہم لوگ ان کے ساتھ نانی کے کمرے میں پہنچے۔ وہاں میمی پہلے ہی سے ایک کھڑکی کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں اور دروازے کی طرف دھمکی‌آمیز انداز میں دیکھ رہی تھیں اور چہرے پر کچھ عجیب پراسرار سا حاکمانہ انداز تھا۔ ان کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جو کاغذ میں لپٹی ہوئی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ پٹاخہ ہے اور نانی کو ہر چیز کی اطلاع ہوگئی ہے۔

نانی کے کمرے میں میمی کے علاوہ ملازمہ گاشا بھی تھی اور اس کے تمتمائے ہوئے چہرے سے عیاں تھا کہ وہ بہت ناراض ہے۔ ڈاکٹر بلوستھال بھی موجود تھے، پستہ قد اور چیچک‌رو انسان جو آنکھوں اور سر کے پراسرار اشاروں سے گاشا کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔

نانی خود کچھ ایک طرف کو مڑی ہوئی بیٹھی ''ٹریوبل،، کے انداز میں پیشنس کھیل کے لئے تاش جما رہی تھیں۔ اس کا مطلب ہمیشہ یہ ہوتا تھا کہ اس وقت ان کا مزاج سخت برہم ہے۔

''آج کیسی طبیعت ہے ممی؟ نیند تو اچھی آئی؟،، پاپا نے بڑے احترام سے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیتے ہوئے سوال کیا۔

''اچھی ہوں بیٹے۔ میرا خیال ہے کہ تم یہ بات جانتے ہو کہ میں ہمیشہ اچھی رہتی ہوں،، نانی نے ایسے لہجے میں جواب دیا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ پاپا کا سوال انتہائی نامناسب اور توہین‌آمیز تھا۔ ''تو مجھے صاف سا رومال دے گی کہ نہیں؟،، انہوں نے گاشا کی طرف مخاطب ہوکر بات جاری رکھی۔

''دے تو دیا آپ کو،، گاشا نے جواب دیا اور ایک صاف شفاف کیمبرگ کے رومال کی طرف اشارہ کیا جو کرسی کے ہتھے پر رکھا تھا۔

''اٹھا لے جا اس گندے رومال کو۔ مجھے صاف سا لاکر دے۔،،

گاشا الماری کے پاس گئی، ایک دراز کھولی اور اسے اس زور سے بند کیا کہ کمرے کے سارے شیشے جھنجھنانے لگے۔ نانی نے غصے سے ہم سب کی طرف دیکھا اور ملازمہ کی حرکات و سکنات کو غور سے دیکھنے لگیں۔ جب اس نے انہیں رومال دیا جو میرے خیال میں پہلے والا ہی رومال تھا تو نانی بولیں:

''میری نسوار کب کوٹے گی؟،،

''جب وقت ہوگا تو کوٹ دوں گی۔،،

''کیا کہا؟،،

''آج کوٹ دوں گی۔،،

''اگر میرے یہاں ملازمت کرنا نہیں چاہتی تو صاف صاف کہہ کیوں نہیں دیتی۔ میں بہت پہلے تجھے نکال چکی ہوتی۔،،

''نکال دیں گی تو میں مر نہیں جاؤں گی،، ملازمہ دھیرے سے بڑبڑائی۔

اس وقت ڈاکٹر نے آنکھ سے اسے اشارہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے ان کی طرف اتنے غصے اور فیصلہ کن انداز سے دیکھا کہ انہوں نے فوراً نظریں جھکالیں اور اپنی گھڑی کی زنجیر سے کھیلنے لگے۔

''دیکھتے ہو، بیٹے،، گاشا بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی تو نانی بابا سے بولیں ''لوگ خود میرے مکان میں مجھ سے کس طرح بات کرتے ہیں؟،،

''اگر آپ اجازت دیں ممی تو میں آپ کی نسوار کوٹ دوں،، بابا بولے جو بظاہر اس خلاف امید رویہ سے بہت پریشان سے تھے۔

''نہیں، شکریہ۔ وہ اسلئے بدتمیز ہوگئی ہے کہ جانتی ہے کہ جیسی وہ نسوار کوٹتی ہے اور کوئی نہیں کوٹ سکتا۔ تم نے یہ بھی سنا بیٹے،، نانی نے کچھ وقفے کے بعد کہنا شروع کیا ''تمہارے بچوں نے آج مکان میں آگ لگا ہی دی ہوتی؟،،

بابا نے بہت احترام سے سوالیہ انداز میں نانی کی طرف دیکھا۔

''ھاں، وہ دیکھو، اس سے کھیل رہے تھے یہ لوگ۔ انہیں دکھلاؤ،، انہوں نے میمی کی طرف مڑکر کہا۔

بابا نے پٹاخہ ھاتھ میں لیا اور مسکراہٹ نہ روک سکے۔

''لیکن یہ تو صرف پٹاخہ ہے ممی،، وہ بولے ''یہ بالکل خطرناک نہیں ہے۔،،

''تمہارا بہت بہت شکریہ بیٹے کہ مجھے علم دے رہے ہو۔ لیکن اب میری عمر بہت ہو چکی ہے کہ...،،

''اعصاب، اعصاب،، ڈاکٹر نے سرگوشی کی۔

اور بابا فوراً ہماری طرف مخاطب ہوگئے:

''یہ کہاں سے مل گیا تم لوگوں کو؟ اور ایسی چیز سے کھیلنے کی ہمت کیسے ہوئی؟،،

''ان سے کیا پوچھتے ہو۔ ان کے دیادکا سے پوچھو،، نانی بولیں اور لفظ دیادکا بڑے توہین‌آمیز لہجے میں ادا کیا ''وہ نگرانی کیا رکھتا ہے؟،،

''ولدیمار کا کہنا ہے کہ خود کارل ایوانچ نے انہیں بارود دی تھی،، میمی نے لقمہ دیا۔

''ھاں، دیکھو تو، کیسا اچھا آدمی ہے،، نانی نے بات جاری

رکھی ''اور وہ حضرت ہیں کہاں، وہی دیادکا؟ کیا نام ہے اس کا؟ اس کو یہاں بلاؤ۔''

''میں نے اس کو ملنے ملانے جانے کی چھٹی دیدی ہے''، بابا بولے۔

''اس سے کام نہیں چلے گا۔ اس کو ہر وقت یہاں رہنا چاہئے۔ بچے میرے نہیں تمہارے ہیں۔ اور مجھے تمہیں مشورہ دینے کا کوئی حق نہیں ہے کیوں کہ تم مجھ سے زیادہ سمجھدار ہو''، نانی بولتی گئیں ''لیکن میرا خیال ہے کہ اب ضروری ہوگیا ہے کہ ان لوگوں کے لئے کوئی استاد رکھا جائے، نہ کہ خادم، وہ بھی جرمن دیہاتی۔ ہاں بالکل اکھڑ دہقان جو ان لوگوں کو بدتمیزی اور تیرولس گانوں کے علاوہ اور کچھ سکھانے کا اہل ہی نہیں ہے۔ میں پوچھتی ہوں کیا بچوں کو تیرولس گانے سکھانا کچھ ایسا ضروری ہے؟ خیر، اب ان باتوں کی کسے فکر پڑی ہے، تمہارے جو دل میں آئے کرو۔''

لفظ ''اب'' کے معنے یہ تھے کہ ان لوگوں کی ماں تو وہ نہیں گئی اور اس تصور سے نانی کے دل میں تکلیف‌دہ یادیں گھر کرنے لگیں۔ انہوں نے نظریں جھکا کر نسوار کے ڈبے پر گاڑ دیں جس پر اماں کی تصویر بنی ہوئی تھی اور فکر میں ڈوب گئیں۔

''میں تو خود ہی اس بارے میں بہت دنوں سے سوچ رہا تھا''، بابا جلدی سے بولے ''اور میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتا تھا ممی۔ کیا سینٹ جیروم سے کہا جائے جو آجکل ان لوگوں کو دن میں پڑھاتے ہیں؟''

''بہت اچھی بات بیٹے''، نانی بولیں۔ اب ان کے لہجے سے اس بےاطمینانی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا جو پہلے ان کی باتوں میں تھا۔ ''سینٹ جیروم کم سے کم اتالیق تو ہیں جنھیں معلوم ہے کہ شریف گھرانے کے بچوں کو کس طرح اچھے طور طریقے سکھانا چاہئے۔ وہ گھٹیا قسم کے ملازم تو نہیں ہیں جو بیکار محض ہو اور جس کا کام صرف یہ ہو کہ ان لوگوں کو ٹہلانے لےجایا کرے اور بس۔''

''میں کل ان سے بات کروں گا''، بابا نے جواب دیا۔

اور واقعہ یہ ہے کہ اس گفتگو کے دو دن بعد کارل ایوانچ نے اپنی جگہ نوجوان فرانسیسی بانکے کے حوالے کردی۔

باب ۸

کارل ایوانچ کی زندگی

جس دن کارل ایوانچ ہم لوگوں سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہونےوالے تھے، اس سے ایک روز پہلے شام کے وقت وہ پلنگ کے کنارے روئی کا لبادہ اور سرخ ٹوپی پہنے اپنے صندوق پر جھکے بہت احتیاط سے اپنی چیزیں رکھ رہے تھے۔

ادھر چند دنوں سے ہم لوگوں کے ساتھ کارل ایوانچ کے رویے میں خاص کر کچھ روکھاپن آ گیا تھا۔ وہ ہم سے بالکل کٹے کٹے رہنے لگے تھے۔ اس وقت بھی جب میں کمرے میں داخل ہوا تو انہوں نے بےدلی سے میری طرف دیکھا اور اپنا کام کرتے رہے۔ میں اپنے پلنگ پر لیٹ گیا۔ لیکن کارل ایوانچ نے جو پہلے اس قسم کی حرکتوں کی سختی سے ممانعت کرتے تھے مجھ سے کچھ نہ کہا۔ اس خیال نے کہ اب وہ کبھی ہم لوگوں کو نہ ڈانٹ سکیں گے اور نہ روک ٹوک کریں گے اور اب ہمارے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں رہ گیا، آنےوالی جدائی کا کھٹکا میرے دل میں پیدا کردیا۔ مجھے افسوس تھا کہ انہیں اب ہم لوگوں سے محبت نہیں رہی اور میرا جی چاہا کہ ان کے سامنے اپنا رنج ظاہر کردوں۔

’’میں آپ کی مدد کروں کارل ایوانچ،، میں نے ان کے پاس جاکر کہا۔

کارل ایوانچ نے میری طرف اچٹتی سی نظر ڈالی اور پھر مڑگئے لیکن لمحہ بھر کےلئے انہوں نے جس نظر سے میری طرف دیکھا اس میں مجھے وہ بےتعلقی نہیں نظر آئی جسے میں نے ان کی سردمہری کا سبب قرار دیا تھا بلکہ اس میں سچا، خلوص دل کا غم و ملال تھا۔

’’خدا سب کچھ دیکھتا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔ اور اسی کی مشیت سے ہر کام ہوتا ہے،، انہوں نے پورے طور پر کھڑے ہوکر ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ’’ہاں نکولینکا،، انہوں نے جب دیکھا کہ میں واقعی بہت ہمدردی سے ان کی طرف دیکھ رہا ہوں

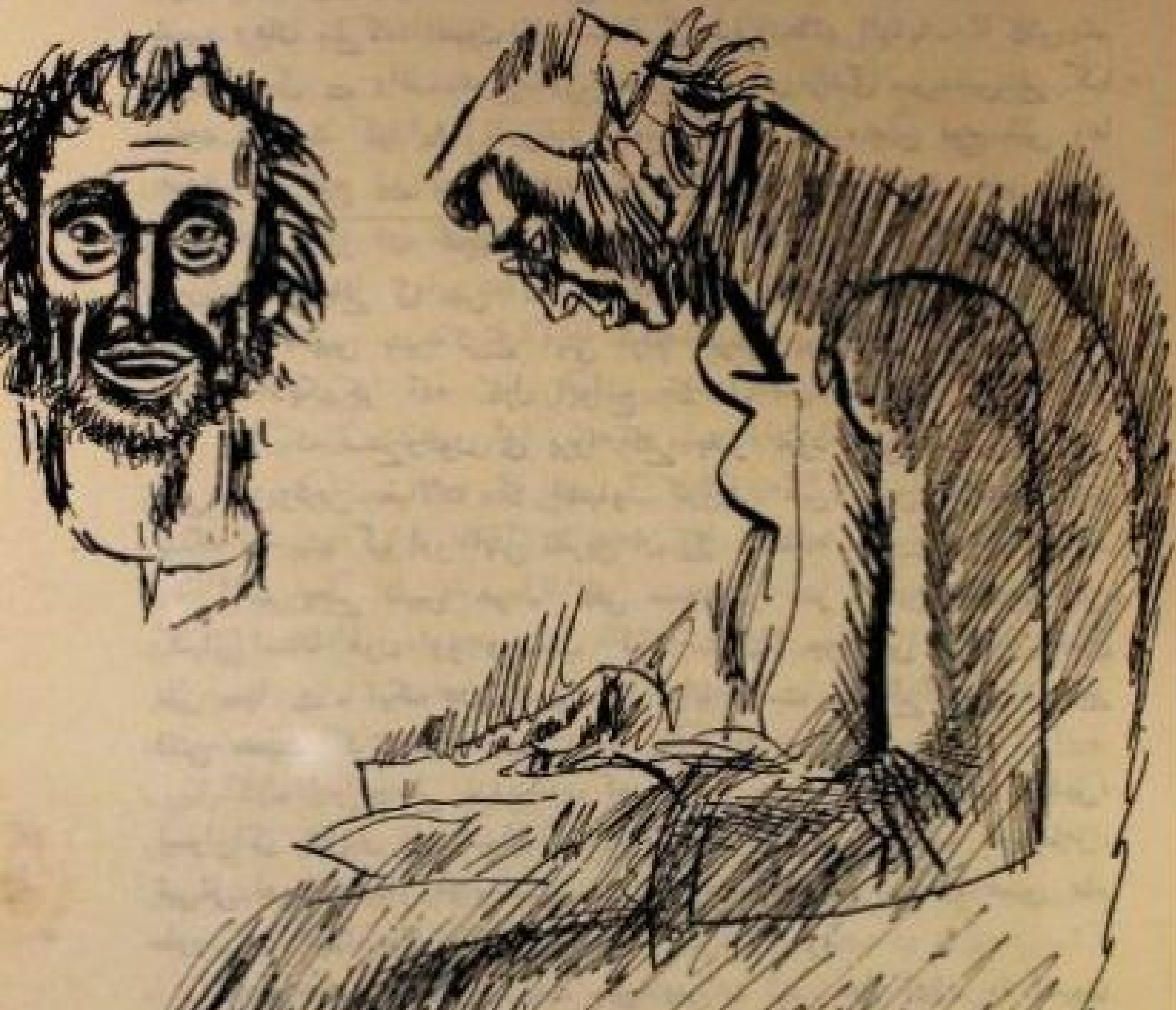

تو بات جاری رکھی ''میری قسمت ہی میں لکھا تھا کہ پیدائش سے لیکر قبر میں جانے تک دکھ اٹھاؤں۔ میں نے لوگوں کے ساتھ اچھا کیا تو اس کا صلہ مجھے ہمیشہ برا ملا۔ اور میرا صلہ یہاں نہیں وہاں ملے گا،، انہوں نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھایا۔ ''کاش تم میری زندگی سے واقف ہوتے اور جانتے کہ اس زندگی میں میں نے کیا کچھ برداشت کیا ہے! میں نے جوتے گانٹھے ہیں، میں فوج میں رہا ہوں، میں فوج سے بھاگا ہوں، میں فیکٹری چلا چکا ہوں، میں استاد رہ چکا ہوں اور اب کچھ نہیں ہوں! اور خدا کے بیٹے کی طرح میرے پاس سر چھپانے کی بھی کوئی جگہ نہیں ہے،، انہوں نے بات ختم کی اور آنکھیں بند کرکے اپنی آرام کرسی پر ڈھے گئے۔

یہ دیکھ کر کہ کارل ایوانچ کا دل اس وقت اتنا حساس ہو رہا ہے کہ سننےوالوں کی پروا کئے بغیر خود اپنی تسکین کےلئے اپنے عزیزترین خیالات کا اظہار کررہے ہیں، میں خاموشی سے پلنگ پر بیٹھ گیا اور اپنی نظریں ان کے مشفقانہ چہرے پر گاڑدیں۔

''تم بچے نہیں ہو۔ کافی سمجھدار ہو۔ میں تمہیں اپنی کہانی سناتا ہوں اور وہ سب کچھ سناؤں‌گا جو میں نے اس زندگی میں سہا ہے۔ ایک دن تمہیں اپنا پرانا دوست یاد آئےگا جو تم سے اتنی محبت کرتا تھا، بچو!..،،

کارل ایوانچ نے نزدیک رکھی ہوئی میز پر کہنیاں ٹکادیں، نسوار کی چٹکی لی اور آسمان کی طرف نظریں اٹھاکر اپنا قصہ اس خاص، نپی‌تلی اور باٹ‌دار آواز میں سنانا شروع کیا جس میں وہ ہمیں عام طور سے املا بولا کرتے تھے۔

''میں اپنی ماں کے پیٹ میں بھی دکھی ہی تھا۔،، انہوں نے اس کو بڑے جذباتی انداز سے جرمن میں دھرایا۔

چونکہ کارل ایوانچ نے اپنی کہانی بالکل ایک ہی الفاظ میں اور یکساں اتار چڑھاؤ کے ساتھ کئی بار مجھ سے بیان کی تھی اس‌لئے مجھے امید ہے کہ اسے لفظ بہ لفظ بیان کر سکونگا لیکن ظاہر ہے کہ ان کی زبان کی غلطیوں کے بغیر۔ میں آج تک یہ نہیں طے کرپایا کہ یہ واقعی ان کی زندگی کی داستان تھی یا ہمارے یہاں قیام کے دوران تنہائی کے لمحوں میں ان کے تخیل کی پیداوار تھی یا انہوں نے اپنی زندگی کے واقعات میں محیرالعقول واقعات سے رنگ

آمیزی کی تھی۔ ایک طرف تو اپنی داستان بیان کرنے میں وہ بے انتہا سرگرمی اور واقعات کے باقاعدہ تسلسل سے کام لیتے تھے جو صداقت کا ایسا بڑا ثبوت تھا کہ اس پر شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ اور دوسری طرف، اپنی داستان میں وہ شاعرانہ تفصیلات کی اتنی بھرمار کر دیتے تھے کہ اس سے شبہ ہونے لگتا تھا۔

''میری رگوں میں زومربلاٹ کے خاندانی نوابوں کا شریف خون دوڑ رہا ہے! میں شادی کے چھ ہفتے بعد پیدا ہوا تھا۔ میری ماں کا شوہر (میں انہیں ابا کہتا تھا) کاؤنٹ زومربلاٹ کا مزارع تھا۔ وہ میری ماں کی اس شرمناک حرکت کو کبھی فراموش نہ کرسکے اور مجھ سے قطعی محبت نہ کرتے تھے۔ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا جوہان اور دو بہنیں۔ لیکن میں خود اپنے خاندان، اپنے کنبے میں اجنبی سا تھا! جب جوہان کوئی حماقت کی حرکت کرتا تھا تو ابا کہتے: ''اس کارل کے بچے کی وجہ سے ایک منٹ بھی آرام نصیب نہیں ہوتا!،، اور مجھ پر ڈانٹ پڑتی اور سزا ملتی۔ جب میری بہنیں ایک دوسرے سے لڑتیں تو ابا کہتے: ''کارل کبھی فرمانبردار نہیں ہو سکتا!،، اور مجھ پر ڈانٹ پڑتی اور سزا ملتی۔ صرف میری اچھی امی مجھ سے محبت کرتی تھیں اور میرا لاڈ کرتی تھیں۔ وہ اکثر مجھ سے کہتیں: ''کارل، میرے کمرے میں آجاؤ!،، اور پھر وہ چپکے سے مجھے پیار کرتیں۔ ''بیچارہ کارل!،، وہ کہتیں ''تجھے کوئی نہیں چاہتا لیکن میں تیرے بدلے کسی اور کو نہ لوں۔ تیری ماں تجھ سے ایک بات ضرور کہتی ہے،، وہ مجھ سے کہتیں ''اچھی طرح پڑھنا لکھنا اور ہمیشہ شریف اور ایماندار آدمی رہنا، تجھ پر ہمیشہ خدا کا سایہ رہے گا۔،، اور میں نے اس بات کی کوشش بھی کی۔ جب چودہ برس کا تھا اور عشائے ربانی کی رسم میں گرجے کے communion میں جانے کے قابل ہوا تو امی نے ابا سے کہا: ''گستاف، کارل اب بڑا ہوگیا ہے۔ اب اس کا کیا ہوگا؟،، اور ابا نے کہا: ''مجھے نہیں معلوم۔،، اس پر امی نے کہا: ''اسے ہیر شولٹس کے پاس شہر بھیجدیں موچی کا کام سیکھ لے گا۔،، اور ابا نے کہا: ''ٹھیک ہے۔،، چھ سال اور سات مہینے میں شہر میں جوتے بنانےوالے کاریگر کے یہاں رہا۔ مالک مجھے بہت چاہتا تھا۔ وہ کہتا: ''کارل بہت اچھا کاریگر

ہے اور جلد ہی میرا خلیفہ بن جائیگا۔،، لیکن وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے... ۱۷۹۶ء میں جبری بھرتی کا حکم ہوگیا اور اٹھارہ سے اکیس برس تک جو جو لوگ فوجی بھرتی کے لئے موزوں تھے ان سب کو جانا پڑا۔

''ابا اور میرا بھائی جوھان شہر آئے اور ہم لوگ ایک ساتھ مل کر قرعہ نکالنے گئے کہ سپاہی کون بنے اور کون نہ بنے۔ جوھان کے نام برا نمبر نکلا، اسے سپاہی بننا تھا۔ میرے نام اچھا نمبر نکلا — میرے لئے سپاہی بننا ضروری نہیں تھا۔ اور ابا نے کہا: ''میرا ایک ہی بیٹا ہے اور اب اس سے بھی جدا ہونا پڑے گا!،،

''میں نے ان کا ہاتھ پکڑا اور کہا: ''آپ نے یہ کیوں کہا ابا؟ میرے ساتھ چلئے۔ مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔،، اور ابا میرے ساتھ چلے اور ہم لوگ شراب‌خانے میں ایک چھوٹی سی میز کے گرد بیٹھ گئے۔ ''کچھ گلاس بیئر لاؤ،، میں نے کہا جو لائی گئی۔ ہم دونوں نے ایک ایک گلاس پیا اور بھائی جوھان نے بھی پیا۔

''ابا،، میں نے کہا ''یہ مت کہئے کہ میرے صرف ایک بیٹا ہے اور مجھے اس سے بھی جدا ہونا ہے۔ جب میں یہ سنتا ہوں تو میرا دل پھٹنے لگتا ہے۔ بھائی جوھان فوج میں نہیں جائے گا! سپاہی میں بنوں‌گا۔ یہاں کسی کو بھی کارل کی ضرورت نہیں ہے، کارل سپاہی بنے گا!،،

''تم بہت شریف آدمی ہو کارل،، ابا نے مجھ سے کہا اور مجھے پیار کیا۔

''اور میں سپاہی بن گیا!،،

باب ۹

گذشتہ سے پیوستہ

''وہ بڑا سخت زمانہ تھا نکولینکا،، کارل ایوانچ نے بات جاری رکھی ''اس وقت نپولین زندہ تھا۔ وہ جرمنی کو ختم کرنا چاہتا تھا اور ہم نے آخری قطرہ خون تک اپنے ملک کی حفاظت کی!

''میں شہر الم میں موجود تھا، میں آسٹرلتس میں موجود تھا، میں واگرام میں موجود تھا!،،

''واقعی، آپ بھی لڑے تھے کیا؟،، میں نے ان کی طرف حیرت سے گھورتے ہوئے پوچھا۔ ''کیا آپ نے بھی لوگوں کو قتل کیا؟،، اس سلسلے میں کارل ایوانچ نے مجھے بالکل مطمئن کردیا۔

''ایک بار ایک فرانسیسی Grenadier اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ گیا اور سڑک پر گرپڑا۔ میں اپنی بندوق لیکر دوڑا اور اسے مار ہی ڈالتا aber der Franzose warf sein Cewehr und rief pardon* اور میں نے اسے بخش دیا۔

''واگرام میں نپولین نے ہمیں دھکیل کر جزیرے تک پہونچا دیا اور ہمارا ایسا محاصرہ کرلیا کہ بچ کر نکلنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں رہی۔ تین دن تک ہمارے پاس کھانے پینے کےلئے کچھ نہ تھا اور ہم گھٹنوں گھٹنوں پانی میں کھڑے رہے۔ بدذات نپولین نہ ہمیں قید کرتا تھا اور نہ بچ کر نکل‌جانے دیتا تھا۔

''خدا کا شکر ہے کہ چوتھے دن ہمیں قیدی بنا لیا گیا اور ایک قلعے میں بھیج دیا گیا۔ میں نیلا پتلون اور اچھے کپڑے کی وردی پہنے ہوئے تھا اور میرے پاس پندرہ ٹالر تھے اور ایک چاندی کی گھڑی جو میرے ابا نے مجھے تحفے میں دی تھی۔ ایک فرانسیسی سپاہی نے یہ ساری چیزیں مجھ سے لےلیں۔ خوش‌قسمتی سے میرے پاس تین دوکاٹ بچ گئے جو امی نے میری صدری میں سی دئے تھے۔ انہیں کوئی نہ پا سکا۔

''میں قلعے میں بہت دنوں تک رہنا نہیں چاہتا تھا اور میں نے بھاگ نکلنے کا فیصلہ کرلیا۔ ایک بار بہت بڑی دعوت کے موقع پر میں نے اپنی نگرانی کرنےوالے سارجنٹ سے کہا: ''ہیر سارجنٹ، یہ بڑا مبارک تہوار ہے اور میں تہوار منانا چاہتا ہوں۔ براہ مہربانی دو بوتل مدیرا لےآئیے تو ہم دونوں پیئں۔،، اور سارجنٹ نے کہا: ''بہت خوب،،۔ جب سارجنٹ مدیرا لےآیا اور ہم دونوں ایک ایک گلاس پی چکے تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور بولا: ''ہیر سارجنٹ،

---

* لیکن فرانسیسی نے اپنی بندوق پھینک دی اور فرانسیسی زبان میں پکارا: ''رحم کرو،،۔

کیا آپ کے ماں باپ موجود ہیں؟،، اس نے کہا: ''ہاں ہیر ماؤیر...،، میں نے کہا: ''میرے ماں باپ نے آٹھ برس سے مجھے نہیں دیکھا اور انہیں یہ بھی نہیں معلوم کہ میں زندہ ہوں یا میری ہڈیاں کہیں پانی دلدل میں پڑی ہیں۔ ہیر سارجنٹ! میرے پاس دو دوکاٹ ہیں جو میری صدری میں تھے، یہ لے لیجئے اور مجھے جانے دیجئے، مجھ پر رحم کھائیے۔ میری ماں ساری عمر خداوند تعالی سے آپ کے لئے دعا کرتی رہے گی۔،،

''سارجنٹ نے ایک گلاس مدیرا پی اور بولا: ''ہیر ماؤیر، مجھے تم پر بے انتہا پیار بھی آتا ہے اور رحم بھی۔ لیکن تم قیدی ہو اور میں سپاہی ہوں!،، میں نے اس کا ہاتھ دبایا اور کہا: ''ہیر سارجنٹ!،،

''اور پھر سارجنٹ نے کہا: ''تم غریب آدمی ہو اور میں تمہارا پیسہ نہیں لوں گا۔ لیکن میں تمہاری مدد کروں گا۔ جب میں سونے چلا جاؤں تو سپاہیوں کو ایک بالٹی ووڈکا خرید دینا اور وہ لوگ سو جائیں گے۔ میں تم پر پہرا نہ دوں گا۔،،

''بڑا اچھا آدمی تھا۔ میں نے ایک بالٹی ووڈکا خریدی اور جب سپاہی مست ہوگئے تو میں نے جوتے اور اپنا پرانا فوجی کوٹ پہنا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ میں پشتے کے پاس یہ سوچ کر گیا کہ دوسری طرف کود جاؤں۔ لیکن وہاں پانی تھا اور میں اپنے بچے کھچے کپڑے خراب نہ کرنا چاہتا تھا۔ میں پھاٹک کی طرف چلا۔

''سنتری بندوق اٹھائے ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا اور اس نے میری طرف دیکھا۔ ''کون ہے؟،، اس نے دفعتاً آواز دی اور میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ ''کون ہے؟،، اس نے دوسری مرتبہ کہا اور میں نے کوئی جواب نہ دیا۔ ''کون ہے؟،، اس نے تیسری بار پوچھا اور میں بھاگ کھڑا ہوا! میں پانی میں کود پڑا، دوسری طرف کود گیا اور بھاگنے لگا۔

''ساری رات میں سڑک پر بھاگتا رہا لیکن جب پو پھٹنے لگی تو مجھے ڈر لگا کہ کوئی مجھے پہچان نہ لے اور میں لمبی لمبی رئی کے کھیت میں چھپ گیا۔ میں نے زمین پر سجدہ کیا، ہاتھ جوڑ کر خدا کا شکر بجا لایا کہ مجھے بچا لیا اور بڑے اطمینان سے سو گیا۔

''شام کو میری آنکھ کھلی اور میں چل پڑا۔ ایک دم ایک بڑی سی جرمن گاڑی جس میں دو کالے گھوڑے جتے ہوئے تھے، میرے قریب پہونچ گئی۔ گاڑی میں ایک شخص بیٹھا تھا جو بہت اچھے کپڑے پہنے تھا اور پائپ پی رہا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھا۔ میں آہستہ آہستہ چلنے لگا تاکہ گاڑی میرے پاس سے گزر جائے۔ لیکن جب میں آہستہ آہستہ چلنے لگا تو گاڑی بھی آہستہ ہوگئی اور وہ شخص میری طرف گھورتا رہا۔ میں تیز تیز چلنے لگا تو گاڑی بھی تیز ہوگئی اور وہ شخص میری طرف مسلسل گھورے جا رہا تھا۔ میں سڑک کے کنارے بیٹھ گیا۔ اس آدمی نے اپنے گھوڑوں کو روک لیا اور میری طرف دیکھا۔ وہ بولا: ''دوست، تم اتنی دیر گئے جا کدھر رہے ہو؟،، میں نے کہا: ''میں فرینک‌فرٹ جا رہا ہوں۔،، ''میری گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔ اس ہی جگہ ہے اور میں تمہیں وہاں تک پہونچا دوں‌گا۔ تمہارے پاس کوئی چیز کیوں نہیں ہے؟ تمہاری ڈاڑھی کیوں بڑھی ہوئی ہے؟ اور تمہارے کپڑے کیچڑ میں لت‌پت کیوں ہیں؟،، میں گاڑی میں بیٹھ گیا تو اس نے پوچھا۔ ''میں غریب آدمی ہوں،، میں نے کہا ''مزدوری کی تلاش میں ہوں۔ اور میرے کپڑے کیچڑ میں لت‌پت اس‌لئے ہیں کہ میں سڑک پر گر پڑا تھا۔،،

''تم جھوٹ بول رہے ہو دوست،، وہ بولا ''سڑک تو خشک ہے۔،،

''اور میں خاموش رہا۔

''مجھ سے سچ‌سچ کہہ ڈالو،، اس بھلے مانس نے کہا ''تم کون ہو، کہاں سے آرہے ہو؟ مجھے تمہاری صورت بھاگئی اور اگر تم ایماندار ہو تو میں تمہاری مدد کروں‌گا۔،،

''اور میں نے اس سے سب کچھ بتادیا۔ وہ بولا: ''بہت خوب دوست، میرے رسی کے کارخانے میں چلو۔ میں تمہیں کام دوں‌گا، کپڑے اور پیسے دوں‌گا اور تم میرے ساتھ رہنا۔،،

''اور میں نے کہا: ''بہت خوب،،۔

''ہم رسی کے کارخانے میں گئے اور اس شریف آدمی نے اپنی بیوی سے کہا: ''یہ نوجوان اپنے ملک کےلئے لڑا اور قید سے بھاگ نکلا ہے، اس کے نہ تو گھر ہے اور نہ کھانے کپڑے کا سہارا۔

یہ میرے ساتھ ہی رہے گا۔ اسے کچھ صاف ستھرے کپڑے دیدو اور کھانا کھلا دو۔ ،،

''میں ڈیڑھ برس تک رسی کے کارخانے میں رہا اور میرا مالک مجھ سے اتنا مانوس ہوگیا کہ مجھے جانے ہی نہ دیتا تھا۔ اور میرا بھی جی لگ گیا۔ ان دنوں میں کافی حسین تھا، نوجوان تھا، دراز قد، نیلگوں آنکھیں اور ستواں ناک۔ اور مادام ل... (میں ان کا نام نہیں لے سکتا) یعنی میرے آقا کی بیوی نوجوان اور خوبصورت عورت تھی اور وہ مجھ پر مرنے لگی۔

''اس نے مجھے دیکھا تو بولی: ''ہیر ماؤیر، تمہاری اماں تمہیں کیا کہہ کر پکارتی ہیں؟،، میں نے کہا: «Karlchen»۔

''اور اس نے کہا: ''Karlchen، میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ ،،

''میں اس کے قریب بیٹھ گیا اور وہ بولی: ''Karlchen، مجھے پیار کرو!،،

''میں نے اسے پیار کرلیا اور وہ بولی: ''Karlchen، مجھے تم سے اتنی محبت ہے کہ اب رہا نہیں جاتا۔ ،، اور وہ تھرتھر کانپنے لگی۔ ،،

یہاں پہونچ کر کارل ایوانچ کافی دیر کےلئے رک گئے۔ اور اپنی مہربان نیلگوں آنکھیں اوپر اٹھاکر سر ہلاکر مسکرانے لگے جیسے وہ لوگ مسکراتے ہیں جنہیں کوئی خوشگوار بات یاد آجاتی ہے۔

''ہاں،، انہوں نے آرام کرسی پر دراز ہوکر اور اپنا ڈریسنگ گاؤن سمیٹتے ہوئے کہنا شروع کیا ''میں نے زندگی میں بہت کچھ دیکھا ہے ــ اچھا بھی اور برا بھی۔ لیکن وہ گواہ ہے،، انہوں نے عیسی مسیح کی ایک تصویر کی طرف اشارہ کرکے کہا جو ایک کینوس پر کڑھی ان کے پلنگ کے پاس لٹکی ہوئی تھی ''کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کارل ایوانچ بےایمان انسان ہے! ہیر ل... نے میرے ساتھ جس شرافت کا برتاؤ کیا تھا، اس کا بدلہ میں بدترین قسم کی احسان فراموشی سے نہیں دے سکتا تھا اور میں نے فیصلہ کیا کہ ان کے پاس سے بھاگ نکلوں۔ رات کو جب سب لوگ سونے چلے گئے تو میں نے اپنے آقا کو ایک خط لکھا، اپنے کمرے

کی میز پر اسے رکھ دیا، اپنے کپڑے اور تین ٹالر لئے اور دبے پاؤں سڑک پر نکل آیا۔ کسی کی نظر مجھ پر نہ پڑی اور میں سڑک پر چل پڑا۔ ،،

باب ۱۰

بہ سلسلہ گذشتہ

''نو برس سے میں نے اماں کو نہیں دیکھا تھا اور مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ زندہ ہیں یا ان کی ہڈیاں گیلی زمین میں دفن ہو چکی ہیں۔ میں اپنے وطن واپس پہونچ گیا۔ جب شہر میں پہونچا تو میں نے پوچھا کہ گستاف ماؤیر کہاں رہتے ہیں جو کاؤنٹ زومربلاٹ کے مزارع رہ چکے تھے؟ تو لوگوں نے کہا: ''کاؤنٹ زومربلاٹ کا انتقال ہو چکا ہے اور گستاف ماؤیر اب بڑی سڑک پر رہتے ہیں اور شراب کی دوکان چلاتے ہیں۔ ،، میں نے اپنی نئی صدری پہنی، خوبصورت کوٹ زیب تن کیا (جو کارخانےوالے نے مجھے تحفے میں دیا تھا)، بالوں میں اچھی طرح کنگھی کی اور اپنے ابا کی شراب کی دوکان کی طرف چلا۔ میری بہن ماری دوکان پر بیٹھی تھی۔ مجھ سے پوچھا تمہیں کیا چاہئے۔ میں نے کہا: ''ایک گلاس شراب مل سکتی ہے؟،، اور وہ بولی: ''ابا، ایک نوجوان ایک گلاس شراب مانگ رہا ہے۔ ،، اور ابا نے کہا: ''نوجوان کو ایک گلاس شراب دیدو۔ ،، میں میز پر بیٹھ گیا، آہستہ آہستہ اپنا گلاس ختم کیا، پائپ پیا اور ابا، ماری اور جوہان کی طرف دیکھا، وہ بھی دوکان میں آچکے تھے۔ بات‌چیت کے دوران ابا نے مجھ سے کہا: ''تم تو شاید جانتے ہو بھئی آجکل ہماری فوج کہاں ہے؟،، میں نے کہا: ''میں خود فوج سے آرہا ہوں اور فوج وی‌آنا کے نزدیک ہے۔ ،، ابا بولے: ''ہمارا بیٹا بھی سپاہی تھا اور اس کا خط آئے نو برس ہو گئے اور ہمیں کچھ نہیں معلوم کہ زندہ ہے یا مر گیا۔ میری بیوی ہمیشہ اس کے لئے رویا کرتی ہے۔ ،، میں نے پائپ کا کش لیتے ہوئے کہا: ''آپ کے بیٹے کا نام کیا ہے اور کس کام میں تھا؟ ممکن ہے میں جانتا ہوں۔ ،، ابا بولے: ''اس کا نام ہے

کارل ماؤیر اور وہ آسٹریا کے جاگر میں بھرتی تھا۔،، ’’لمبا تڑنگا، خوبصورت سا تھا، بالکل تمہاری طرح،، میری بہن ماری بولی۔ ’’آپ کے کارل کو میں جانتا ہوں،، میں بولا۔ اتنے میں میرے ابا ایک دم پکار اٹھے: ’’امیلیا، ذرا یہاں تو آؤ، ایک صاحب آئے ہیں جو ہمارے کارل کو جانتے ہیں۔،، اور میں دیکھتا کیا ہوں کہ پچھلے دروازے سے میری پیاری اماں چلی آرہی ہیں۔ میں انہیں فوراً پہچان گیا۔ ’’تم ہمارے کارل کو جانتے ہو؟،، انہوں نے پوچھا، پھر میری طرف دیکھا، رنگ ایک دم زرد پڑگیا اور کانپنے لگیں۔ ’’ہاں میں نے اسے دیکھا ہے،، میں بولا اور ہمت نہ ہوئی کہ ان سے نظریں ملاؤں، میرا دل تڑپ کر باہر نکل جانا چاہتا تھا۔ ’’میرا کارل زندہ ہے!،، اماں بولیں ’’اللہ تیرا شکر ہے۔ کہاں ہے میرا لال کارل؟ مرنے سے پہلے ایک بار دیکھ لیتی اپنے بیٹے کو تو موت بڑی آسان ہوجاتی لیکن خدا کی مرضی نہیں ہے۔،، اور وہ رونے لگیں۔ اب میں برداشت نہ کرسکا۔ ’’اماں،، میں بولا ’’میں ہوں تمہارا کارل،، اور وہ میری گود میں گر پڑیں۔،،

کارل ایوانچ نے آنکھیں بند کرلیں اور ان کے ہونٹ پھڑکنے لگے۔
«Mutter! — sagte ich, — ich bin ihr Sohn, ich bin ihr Karl! und sie stürzte mir in die Arme»* انہوں نے جرمن زبان میں دھرایا، اپنے آپ پر کچھ قابو حاصل کیا اور بڑے بڑے آنسو پونچھے جو گالوں پر ڈھلک کر نیچے آرہے تھے۔

’’لیکن خدا کی مرضی نہ تھی کہ اپنی زندگی کے باقی دن اپنے گھر میں گزاروں، میری قسمت میں تو دکھ اٹھانا لکھا تھا۔ اپنے گھر میں صرف تین مہینے رہا۔ ایک دن اتوار کو میں کافی ہاؤس گیا، ایک بوتل بیئر خریدی، پائپ سلگایا اور اپنے دوستوں کے ساتھ سیاست، شہنشاہ فرینز، نپولین اور جنگ کے متعلق باتیں کر رہا تھا اور ہر شخص اپنی رائے کا اظہار کر رہا تھا۔ ہمارے پاس ہی ایک عجیب قسم کے حضرت سرمئی رنگ کا کوٹ پہنے کافی پی رہے تھے اور پائپ کے کش لگا رہے تھے اور ایک لفظ

---

* ’’ماں،، میں بولا ’’میں ہوں تمہارا بیٹا، میں ہوں تمہارا کارل!،، اور وہ میری گود میں گر پڑیں۔

بھی نہ بول رہے تھے۔ جب رات کے پہرےدار نے دس بجے کا گھنٹہ بجایا تو میں نے اپنا ہیٹ اٹھایا، پیسے ادا کئے اور گھر چلا گیا۔ تقریباً آدھی رات کو کسی نے گھر پر دستک دی۔ میں جاگ پڑا اور پوچھا: ''کون ہے؟،، «Macht auf!» * ''لیکن تم کون ہو؟،، میں بولا ''بتاؤ تو میں دروازہ کھولوں۔،،

«Macht auf im Namen des Gesetzes!»** میں نے دروازہ کھول دیا۔ دو سپاہی بندوق اٹھائے دروازے پر کھڑے تھے اور وہ اجنبی جو سرمئی رنگ کا کوٹ پہنے ہمارے نزدیک کافی ہاؤس میں بیٹھا تھا، کمرے میں داخل ہوا۔ وہ شخص خفیہ کا آدمی تھا۔ ''میرے ساتھ چلو،، خفیہ کا آدمی بولا۔ ''اچھی بات ہے،، میں بولا... میں نے جوتے اور پتلون پہنا گیلش لگائی اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ میرے دل میں آگ لگ تھی۔ میں نے کہا: یہ بدمعاش ہے! جب میں دیوار کے پاس پہونچا، جہاں تلوار لٹک رہی تھی تو میں نے یکدم تلوار تھام لی اور بولا: ''تو خفیہ کا آدمی ہے۔ اب بچا اپنے آپ کو!،، میں نے ایک ہاتھ داھنی طرف مارا، ایک ہاتھ بائیں طرف مارا اور ایک سر پر۔ خفیہ کا آدمی گرپڑا! میں نے اپنا سوٹ کیس اور بٹوہ اٹھایا اور کھڑکی سے باھر کود گیا۔ میں شہر ایمس چلا گیا۔ وھاں میں جنرل سازین سے ملا۔ وہ مجھ پر بہت مہربان ہوگئے، سفیر کے ذریعے پاسپورٹ حاصل کیا اور وہ اپنے بچوں کو پڑھانے کےلئے مجھے اپنے ساتھ روس لیتے آئے۔ جب جنرل سازین کا انتقال ہوگیا تو تمہاری اماں نے مجھے بلایا۔ ''کارل ایوانچ،، وہ بولیں ''میں اپنے بچے آپ کے سپرد کرتی ہوں۔ ان سے محبت سے پیش آئیے اور میں آپ کو کبھی نہ نکالونگی۔ آپ کے بڑھاپے کا میں انتظام کردونگی۔،، اب ان کا انتقال ہو چکا ہے اور تمام چیزوں کو فراموش کردیا گیا ہے۔ بیس برس خدمت کرنے کے بعد اس بڑھاپے میں مجھے روٹی کے ٹکڑے کمانے کےلئے دربدر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں گی۔ خدا سب کچھ دیکھتا اور سب کچھ جانتا ہے اور ہر کام اسی کی مشیت سے ہوتا ہے۔ میرا دل تو تم لوگوں کےلئے دکھتا

---

* دروازہ کھولو!

** میں قانون کے نام پر حکم دیتا ہوں کہ دروازہ کھول دو!

ہے بچو!،، کارل ایوانچ نے اپنی کہانی ختم کی، میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے نزدیک کیا اور میری پیشانی پر پیار کرلیا۔

باب ۱۱

بڑے نمبر

سوگ کا ایک برس ختم ہوگیا تو نانی کے غم میں کچھ کمی آئی اور انھوں نے کبھی کبھار مہمانوں اور خاص طور پر ہماری عمر کے بچوں، لڑکوں اور لڑکیوں سے ملنا شروع کردیا۔

لیوبوچکا کی سالگرہ کے موقع پر یعنی ۱۳ دسمبر کو شاہزادی کورناکووا اور ان کی لڑکیاں، والاخینا اور سونیچکا، ایلینکا گراپ اور دو چھوٹے ای‌ون بھائی کھانے پر آئے۔

نیچے مہمان‌خانے سے بات‌چیت، قہقہوں اور دوڑ دھوپ کی آواز ہمارے کانوں میں آرہی تھی لیکن ہم اپنا صبح کا سبق پڑھے بغیر ان سب چیزوں میں شامل نہ ہو سکتے تھے۔ پڑھائی کے کمرے میں ٹائم‌ٹیبل کہہ رہا تھا: Lundi, de 2 à 3, Maître d'Histoire et de Géographie * اور تاریخ کے یہی استاد تھے جن کا ہمیں انتظار کرنا تھا، ان سے سبق پڑھنا تھا اور پھر خدا حافظ کہنا تھا۔ تب کہیں جاکر ہمیں چھٹی ملتی۔ دو بجکر بیس منٹ ہو چکے تھے لیکن اب تک ان کا کوئی پتہ نہ تھا، سڑک پر کوئی نشان نہ تھا جدھر میں دل میں یہ زبردست خواہش لئے ہوئے دیکھ رہا تھا کہ وہ نظر نہ آئیں تو بہتر ہے۔

''میرا خیال ہے کہ لیبیدیف آج نہیں آئیں‌گے،، ولودیا نے ایک لمحے کےلئے سماراگدوف کی کتاب پر سے نظریں اٹھاتے ہوئے کہا جس میں سے وہ اپنا سبق یاد کر رہا تھا۔

''میں تو خدا سے دعا کر رہا ہوں کہ نہ آئیں، کیونکہ مجھے

---

* دوشنبہ — دو سے تین بجے تک تاریخ اور جغرافیہ کے استاد۔

کچھ بھی یاد نہیں ہے... لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ چلے آ رہے ہیں،، میں نے مایوسی کے لہجے میں کہا۔

ولودیا اٹھ کر کھڑکی کے پاس آیا۔

''نہیں، وہ نہیں ہیں۔ یہ کوئی اور صاحب ہیں،، وہ بولا۔ ''ڈھائی بجے تک انتظار کرلیں،، اس نے دراز ہوکر سر کھجاتے ہوئے کہا جیسے وہ کام کرتے کرتے ایک منٹ سستانے کےلئے کیا کرتا تھا۔ ''اگر ڈھائی بجے تک نہیں آتے تو سینٹ جیروم سے کہہ سکتے ہیں کہ اب یہ کاپیاں اٹھالی جائیں۔،،

''وہ آتے ہی کیوں ہیں،، میں نے بھی دراز ہوکر کیدانوف کی کتاب دونوں ہاتھوں سے سر کے اوپر اٹھاتے ہوئے کہا۔

چونکہ اور کوئی کام نہ تھا اس لئے میں نے کتاب میں اپنا سبق کھولا اور پڑھنے لگا۔ سبق لمبا اور مشکل تھا، مجھے ایک لفظ بھی نہ آتا تھا اور مجھے احساس ہوا کہ میں ایک چیز بھی زبانی یاد نہ کر سکوں گا خاص طور پر اس لئے کہ مجھ پر اعصابی تناؤ کی وہ کیفیت طاری تھی کہ ذہن کسی ایک چیز پر غور کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

تاریخ کے گذشتہ سبق کے بعد (جو تمام مضامین میں مجھے سب سے زیادہ مشکل اور اکتا دینےوالا معلوم ہوتا تھا) لیبیدیف نے سینٹ جیروم سے میرے متعلق شکایت کی تھی اور میرے پرچے پر دو نمبر دئے تھے جسے بہت خراب سمجھا جاتا ہے۔ سینٹ جیروم نے مجھ سے کہا کہ اگر اگلے سبق میں تین نمبر سے کم ملے تو بری طرح خبر لی جائےگی۔ اب دوسرا سبق شروع ہونےوالا تھا اور ایمان کی بات یہ ہے کہ مجھے بہت ڈر لگ رہا تھا۔

جو سبق میں نے یاد نہ کیا تھا اسے پڑھنے میں اتنا محو تھا کہ جب گذرگاہ میں ربر کے جوتے اتارنے کی آواز آئی تو میں دفعتاً چونک پڑا۔ میں مڑکر دیکھ بھی نہ پایا تھا کہ چیچک‌زدہ چہرہ سامنے آگیا، وہی جس سے مجھے اتنی چڑھ تھی۔ اور ماسٹر کا وہ جانا پہچانا بھاری بدن دروازے میں نمودار ہوا جس پر نیلے فراک کوٹ کو ماسٹروں‌والے بٹنوں سے کسا گیا تھا۔

آہستہ آہستہ انہوں نے اپنی ٹوپی کھڑکی پر اور کاپی میز

پر رکھی، فراک کوٹ کے پلو سامنے کی طرف کئے (جیسے یہ کام بہت ضروری تھا) اور اپنی جگہ دھم سے بیٹھ گئے۔

''اچھا حضرات،، انہوں نے ہسپنے میں شرابور ایک ہاتھ سے دوسرے کو ملتے ہوئے کہا ''تو پہلے یہ دیکھنا ہے کہ پچھلے سبق میں کیا پڑھا تھا اور اس کے بعد میں کوشش کروں گا کہ تم لوگوں کو قرون وسطی کے بعد کے واقعات سے آگاہ کر سکوں۔ اس کے معنی تھے: سبق سناؤ۔

ولودیا تو ان کے سوالوں کا جواب بہت آسانی اور یقین کے ساتھ دے رہا تھا جو سبق اچھی طرح یاد کرنے سے پیدا ہوتا ہے اور میں بلا کسی ارادے کے باہر سیڑھیوں پر چلا گیا اور چونکہ نیچے جانے کی اجازت نہیں تھی اسلئے ظاہر ہے کہ پتہ بھی نہ چلنے پایا کہ میں سیڑھیوں کے اوپر چبوترے پر موجود تھا۔ لیکن میں ابھی حسب معمول دروازے کے پیچھے اپنے اس تاک جھانک کے مقام پر کھڑا ہی ہونے والا تھا کہ میمی جو ہمیشہ میری بدبختی کا باعث رہی ہیں، سامنے آگئیں۔ ''تم یہاں؟،، وہ میری طرف خشمگیں نظروں سے دیکھتے ہوئے بولیں اور انہوں نے نوکرانیوں کے کمرے کی طرف دیکھا اور پھر میری طرف۔ مجھے اپنے جرم کا شدید احساس تھا، اسلئے کہ اول تو میں پڑھائی کے کمرے میں نہیں تھا اور دوسرے یہ کہ میں ایسی جگہ تھا جہاں مجھے قطعی نہ ہونا چاہئے تھا۔ اسی‌لئے میں گردن جھکائے دم بخود کھڑا رہا اور سرتاپا ندامت کا مجسمہ بن گیا۔

''بہت بری بات ہے!،، میمی بولیں ''یہاں کیا کر رہے ہو؟،، میں خاموش رہا۔ ''نہیں، اس سے کام نہ چلے گا،، انہوں نے سیڑھی کے ہتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا ''میں تمہاری نانی سے ساری باتیں کہہ دوں گی۔،،

پڑھائی کے کمرے میں واپس آیا تو تین بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے۔ ماسٹر صاحب ولودیا کو دوسرا سبق پڑھا رہے تھے جیسے میری موجودگی سے بےخبر ہوں۔ جب سبق ختم کرچکے تو اپنی کاپیاں سنبھالنے لگے اور ولودیا دوسرے کمرے میں سبق کا کارڈ لینے چلا گیا اور مجھے یہ سوچ کر بہت سکون ہوا کہ اب سب ختم ہوچکا اور میری باری نہیں آئی۔

لیکن ماسٹر صاحب اچانک میری طرف بڑی کینہ پروری سے کچھ کچھ مسکراتے ہوئے مخاطب ہوئے:

"میرا خیال ہے جناب نے سبق تو یاد کرلیا ہوگا،، انہوں نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں،، میں نے جواب دیا۔

"تو پھر ذرا سینٹ لوئی کی صلیبی جنگ کے بارے میں بتائیے،، انہوں نے کرسی پر جھولتے ہوئے اور بڑے غور سے اپنے پیروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "پہلے یہ بتائیے کہ وہ کیا اسباب تھے جن کی وجہ سے فرانس کے بادشاہ نے صلیب بلند کرنے کا فیصلہ کیا۔،، انہوں نے تیوریوں پر بل ڈال کر دوات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس کے بعد ذرا یہ بتائیے کہ اس مہم کی عام خصوصیات کیا تھیں۔،، انہوں نے اپنی کلائی سے اس طرح اشارہ کیا جیسے کچھ پکڑنا چاہتے ہوں۔ "اور آخر میں یہ بیان کیجئے کہ اس صلیبی جنگ کا اثر عام طور پر یورپ کی ریاستوں پر کیا پڑا،، انہوں نے اپنی کاپیوں سے میز کے بائیں حصے کو چھوتے ہوئے کہا۔ "اور خاص طور پر فرانس کی سلطنت پر کیا اثر پڑا،، انہوں نے میز کے داہنے حصے کو چھوتے ہوئے اور سر سیدھی طرف جھکا کر بات ختم کی۔

میں نے کئی بار رال گھونٹی، کھانسا، سر ایک طرف جھکا لیا اور خاموش کھڑا رہا۔ اس کے بعد میز پر رکھے ہوئے پر کے ایک قلم کو اٹھا کر اسے نوچنے لگا اور بالکل خاموش رہا۔

"ادھر عنایت کیجئے یہ پر،، ماسٹر صاحب ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولے "کہیں کام آجائے گا۔ ہاں تو۔،،

"لوئی... شاہ... سینٹ... لوئی... بہت... بہت... اوں... بہت اچھا اور عقلمند زار تھا...،،

"کیا تھا؟،،

"زار۔ اس نے یروشلم جانے کا فیصلہ کیا اور حکومت کی باگ ڈور اپنی ماں کو منتقل کردی۔،،

"ماں کا نام کیا تھا؟،،

"ب... ب... لنکا۔،،

''کیا کہا؟ بولنکا*؟''

میں کچھ روکھی کھسیانی ہنسی ہنس دیا۔

''ہاں تو ۔ اور آگے کچھ معلوم ہے آپ کو؟'' انہوں نے ذرا مسکرا کر کہا۔

اب کیا خطرہ تھا چنانچہ جو بھی ذہن میں آیا بکتا چلا گیا۔ ماسٹر صاحب خاموشی سے بیٹھے میرے ہاتھ سے لئے ہوئے پر کے قلم سے میز کی گرد جھاڑ رہے تھے اور میرے کان کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے دہرایا: ''خوب، بہت خوب۔'' مجھے احساس تھا کہ مجھے کچھ نہیں آتا اور مجھے جو کچھ کہنا چاہئے وہ بالکل نہیں کہہ رہا ہوں اور یہ دیکھ کر طبیعت اور پریشان ہوگئی کہ ماسٹر صاحب نے نہ تو مجھے ٹوکا اور نہ میری اصلاح کی۔

''تو اس نے یروشلم جانے کا فیصلہ کیوں کیا؟'' انہوں نے میرے الفاظ دہراتے ہوئے پوچھا۔

''اس لئے کہ... تاکہ... مقصد یہ تھا... مطلب یہ کہ...'' میں نے بری طرح ٹھوکر کھائی۔ اس کے بعد ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔ مجھے محسوس ہوا کہ اگر یہ کینہ پرور ماسٹر سال بھر تک خاموشی کے ساتھ میری طرف سوالیہ انداز سے گھورا کرے تو بھی میں ایک لفظ اور نہ کہہ سکوں گا۔ ماسٹر صاحب کوئی تین منٹ تک مجھے گھورتے رہے۔ اس کے بعد ان کے چہرے پر انتہائی صدمے کے آثار پیدا ہوئے اور انہوں نے ولودیا سے جو ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوا تھا، جذباتی لہجے میں کہا:

''ذرا نمبروالی کاپی تو دینا۔''

ولودیا نے انہیں کاپی دیدی اور اس کے نزدیک اپنے سبق کا کارڈ بہت احتیاط سے رکھ دیا۔

ماسٹر صاحب نے کاپی کھولی اور بڑی احتیاط سے قلم دوات میں ڈبو کر بڑی خوبصورتی سے ولودیا کے نام پر نظم خوانی اور چال چلن کے خانے میں پانچ نمبر لکھ دئے۔ اس کے بعد انہوں نے قلم اس خانے کے اوپر لیجا کر روک دیا جس پر میرا نام لکھا تھا، میری طرف دیکھا، روشنائی جھٹکی اور غور کرنے لگے۔

---

* زردی مائل رنگ کے گھوڑے کو کہتے ہیں۔

دفعتاً ان کے ہاتھ میں غیرمرئی سی حرکت پیدا ہوئی اور بہت خوبصورتی سے لکھا ہوا ایک نمبر ابھرآیا اور بس۔ اور چال چلن کے خانے میں بھی ایک نمبر نظر آنے لگا۔

کاپی کو بہت احتیاط سے بند کرکے ماسٹر صاحب اٹھے اور دروازے کی طرف اس طرح چلے جیسے میری نظروں کو دیکھ ہی نہ رہے ہوں جن میں مایوسی، التجا اور شکایت جھلک رہی تھی۔

''میخائل الاریونچ،، میں بولا۔

''نہیں،، وہ یہ فوراً سمجھ کر بولے کہ میں کیا کہنا چاہتا تھا ''اس طرح نہیں پڑھا جاتا۔ میں مفت کی تنخواہ نہیں لینا چاہتا۔،،

ماسٹر صاحب نے اپنے ربر کے جوتے اور موٹے اون کا لبادہ پہنا اور بڑی احتیاط سے گلوبند باندھا۔ مجھ پر جو کچھ گزر رہی تھی، اس کے بعد گویا کسی چیز کی فکر بھی ہو سکتی تھی! انہوں نے تو قلم کو ذرا سی جنبش دیدی لیکن میرےلئے یہی سب سے بڑی بدبختی بن گئی۔

''سبق ختم ہوگیا؟،، سینٹ جیروم نے کمرے میں داخل ہوکر پوچھا۔

''ہاں۔،،

''ماسٹر تم سے مطمئن تھے؟،،

''ہاں،، ولودیا بولا۔

''کتنے نمبر ملے،،

''پانچ۔،،

''اور Nicolas؟،،

میں کچھ نہ بولا۔

''میرا خیال ہے چار نمبر،، ولودیا بولا۔

اسے احساس تھا کہ صرف ایک ہی دن کےلئے سہی لیکن آج مجھے بچانا ضروری ہے۔ اگر مجھے سزا ہی ملنی ہے تو آج نہ ملے جب گھر میں مہمان موجود ہیں۔

«Voyons, Messieurs»* (سینٹ جیروم کی عادت تھی کہ ہر جملے سے پیشتر voyons ضرور کہتے تھے) «faites votre toilette et descendons».**

---

* تو جناب۔

** آپ لوگ آراستہ ہوکر نیچے چلئے۔

باب ۱۲

چھوٹی کنجی

ابھی نیچے اتر کر ہم مہمانوں سے ملے ہی تھے کہ اعلان ہوگیا کہ کھانا تیار ہے۔ بابا بڑے مزے میں تھے (اس وقت وہ تاش کے کھیل میں جیت رہے تھے)۔ انہوں نے لیوبوچکا کو بڑا خوبصورت سا چاندی کا سٹ تحفے میں دیا اور کھانے کے دوران انہیں یاد آگیا کہ ان کے کمرے میں مٹھائی کا ایک ڈبہ بھی رکھا ہے جو وہ اسی کےلئے لائے تھے۔

''نوکر کو کیوں بھیجا جائے؟ کوکو، تم چلے جاؤ تو بہتر ہے،، انہوں نے مجھ سے کہا ''کنجیاں بڑی‌والی میز پر پڑی ہیں، اس سیپی میں تم تو جانتے ہو؟ انہیں لے لینا اور جو سب سے بڑی ہے اس سے داہنے ہاتھ والی دوسری دراز کھولنا۔ اس میں ڈبہ بھی ہے اور کاغذ میں لپٹی ہوئی کچھ مٹھائی بھی، سب اٹھا لاؤ۔،،

''آپ کے سگار بھی لے آؤں، کیا؟،، میں نے اس خیال سے پوچھا کہ کھانے کے بعد ہمیشہ کچھ سگار ضرور منگاتے تھے۔

''ہاں لیتے آنا لیکن کچھ اور مت چھونا،، انہوں نے پکار کر کہا۔

کنجیاں جہاں بتائی تھیں وہیں مل گئیں اور میں دراز کھولنے ہی والا تھا کہ دل میں یہ جاننے کی خواہش ابھری کہ اس لچھے میں سب سے چھوٹی کنجی کس تالے کی ہے۔

میز پر مختلف چیزوں کے درمیان اور تختے سے لگا ہوا ایک تھیلا رکھا تھا جس پر کشیدہ‌کاری کا کام تھا۔ اس میں ایک تالا پڑا ہوا تھا۔ میرے جی میں آئی کہ آزما کر دیکھوں کہ چھوٹی‌والی کنجی اس میں لگتی ہے یا نہیں۔ میری کوشش پوری طرح کامیاب ہوئی۔ تھیلا کھل گیا اور اس کے اندر دیکھا کہ کاغذ ہی کاغذ ہیں۔ ان کاغذوں کے متعلق جاننے کی خواہش اتنی شدید تھی کہ ضمیر کی آواز دب گئی اور میں نے دیکھنا شروع کیا کہ تھیلے میں کیا کیا ہے۔

. . . .

تمام بڑوں کی اور خصوصاً بابا کی بے پناہ عزت کا ایسا بچکانہ جذبہ مجھ میں تھا کہ عقل نے اسے ماننے سے انکار کردیا جیسے آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ بابا کو خود اپنے اس ماحول میں رہنے کا حق ہے جو خوبصورت ہے اور جہاں میرے لئے پہنچنا یا جسے سمجھنا ناممکن ہے اور ان کی زندگی کے راز کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کا شمار گناہ کبیرہ میں ہوگا۔ اسلئے بابا کے تھیلے میں میں نے غیرارادی طور پر جو کچھ دیکھ لیا تھا، اس نے میرے ذہن پر کوئی واضح اثر نہ چھوڑا بلکہ صرف مبہم سا احساس باقی رہ گیا کہ میں نے غلط حرکت کی ہے۔ مجھے شرم اور بےچینی سی محسوس ہونے لگی۔

اس احساس سے یہ خواہش پیدا ہوئی کہ تھیلا جتنی جلد ہو سکے بند کردیا جائے لیکن ایسا لگتا تھا کہ قسمت میں لکھا تھا کہ اس یادگار دن کو ہر قسم کی مصیبت مجھ پر نازل ہو۔ میں نے تالے کے اندر کنجی ڈالی اور اسے غلط طرف گھمادیا۔ یہ سوچ کر کہ تالا بند ہوگیا میں نے کنجی باہر کھینچی اور — توبہ ہے میری! کنجی کا سرا ہاتھ میں آگیا۔ میں نے بلاوجہ کوشش شروع کردی کہ اس کو تالے میں لگے ہوئے ٹکڑے میں جوڑ دوں اور کسی جادو کے زور سے کنجی باہر نکل آئے۔ آخر مجھے اس خوفناک خیال کے آگے ہتھیار ڈال دینے پڑے کہ میں نے پھر ایک نیا جرم کیا ہے جو اسی دن جب بابا کمرے میں آئیں گے تو پکڑا جاؤں گا۔

سیمی کی شکایت، خراب نمبر اور وہ چھوٹی سی کنجی! مجھ پر اس سے زیادہ اور کیا مصیبت آسکتی تھی۔ سیمی کی شکایت کی وجہ سے نانی، خراب نمبر کی وجہ سے سینٹ جیروم اور کنجی کی وجہ سے بابا — یہ سب کی سب مجھ پر ٹوٹ پڑیں گے اور وہ بھی زیادہ دن بعد نہیں بلکہ اسی رات۔

''میرا کیا ہوگا؟ یہ میں نے کیا کیا؟،، میں نے کمرے کے نرم فرش پر ٹہلتے ہوئے بلند آواز سے کہا۔ ''خیر،، میں نے مٹھائی اور سگار نکال کر اپنے آپ سے کہا ''جو ہونا ہے وہ ہوکر رہے گا۔،، اور میں بھاگ کر گھر میں چلا گیا۔

تن بہ تقدیروالی کہاوت جو میں نے بچپن میں نکولائی سے سنی

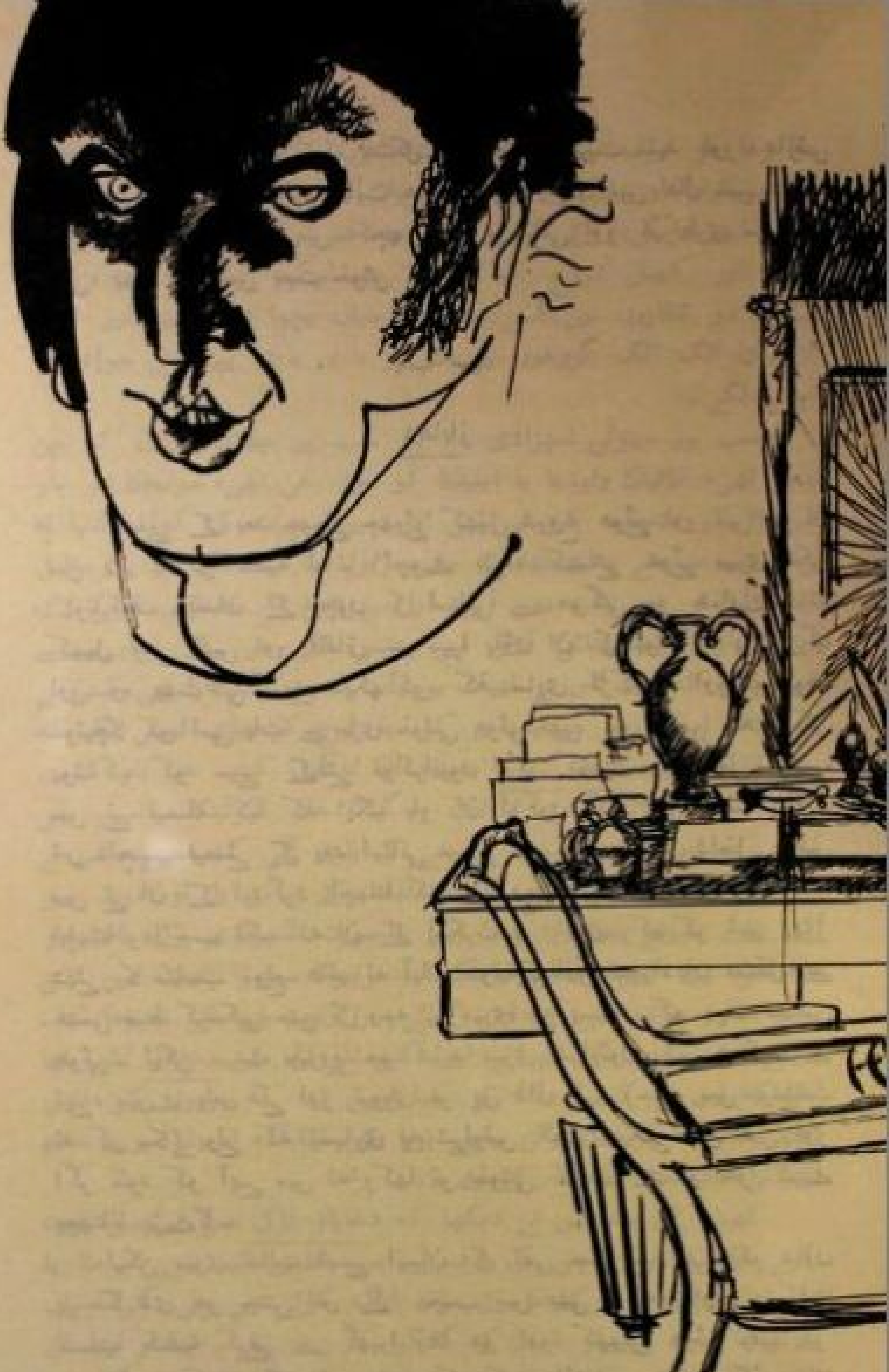

تھی، میری زندگی کے تمام مشکل لمحات میں بہت مفید اور عارضی طور پر بہت سکون‌بخش ثابت ہوئی تھی۔ جب میں ہال میں داخل ہوا تو میرے انداز میں کچھ پریشانی اور غیرفطری سی بات تھی، پھر بھی میں بہت خوش تھا۔

باب ۱۳

دغاباز

کھانے کے بعد چھوٹے چھوٹے کھیل شروع ہوئے اور میں نے ان میں دل لگاکر حصہ لیا۔ ''چوہے بلی،، کھیلتے ہوئے میری ٹکر کارناکوف خاندان کے بچوں کی استانی سے ہوگئی جو ہمارے ساتھ کھیل رہی تھیں اور اتفاق سے میرا پاؤں ان کی پوشاک پر پڑگیا اور وہ پھٹ گئی۔ یہ دیکھ کر کہ ساری لڑکیوں اور خصوصاً سونیچکا کو اسی بات سے بڑی خوشی ہوئی تھی کہ استانی منہ بناکر پوشاک کو سینے کےلئے نوکرانیوں کے کمرے میں چلی گئیں، میں نے فیصلہ کیا کہ ایک بار ان لوگوں کو اور ہنسا دوں۔ اس دلچسپ فیصلے کے بعد استانی جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئیں میں نے ان کے اردگرد اچھلنا کودنا شروع کردیا اور اس وقت تک اچھلتا رہا جب تک کہ ان کے اسکرٹ پر ایڑی رکھ کر اسے پھاڑ دینے کا مناسب موقع ہاتھ نہ آیا۔ سونیچکا اور شہزادیاں مشکل سے ہنسی ضبط کرسکیں جس کی وجہ سے میری خودپسندی کو بہت تسکین ہوئی۔ لیکن سینٹ جیروم جو شاید میری شرارتوں کو دیکھ رہے تھے، میرے پاس آئے اور تیوری پر بل ڈال کر (جسے میں برداشت نہ کر سکا) بولے کہ تمہاری یہ شرارتیں کچھ ٹھیک نہیں ہیں اور اگر خود کو آپے میں نہ رکھا تو خوشی کا دن ہے تو ہوا کرے پچھتانا پڑےگا۔

لیکن میری حالت ایسے انسان کی تھی جس نے اتنی رقم داؤں پر لگا دی ہو جتنی اس کے جیب میں بھی نہ ہو اور جو اپنا حساب کتاب کرنے سے گھبرا رہا ہو اور کھوئی ہوئی رقم پھر سے حاصل کرنے کی ساری امید کھوکر داؤں پر داؤں لگائے چلا

جا رہا ہو صرف اس‌لئے کہ حقیقت ذہن سے دور رہے۔ میں حقارت سے مسکرایا اور ان کے پاس سے چلا آیا۔

''چوہے بلی،، کے کھیل کے بعد ہم لوگوں میں سے کسی نے ایک اور کھیل شروع کیا۔ جسے ہم لوگ ''لمبی ناک،، کہتے تھے۔ دو قطاروں میں آمنے سامنے کرسیاں بچھا دی گئیں اور لڑکے لڑکیاں الگ الگ گروہوں میں بٹ کر باری باری سے اپنے جوڑی‌دار چننے لگے۔

سب سے چھوٹی شہزادی ہر بار سب سے چھوٹے ای‌ون کو چن رہی تھی، کاتینکا ولودیا یا ایلینکا کو چن رہی تھی، سونیچکا ہر بار سریوژا کو منتخب کر رہی تھی اور میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے یہ دیکھا کہ جب سریوژا جاکر بالکل اس کے مقابل بیٹھ گیا تو اس وقت بھی اسے ذرا سی شرم نہ محسوس ہوئی۔ وہ اپنی پیاری کھنکھناتی آواز میں ہنسی اور سر کے اشارے سے اسے بتایا کہ ہاں اس نے ٹھیک بوجھا۔ مجھے ایک بار بھی کسی نے نہ چنا۔ اور میری خودپسندی کو یہ سوچ کر بڑی ٹھیس لگی کہ میں فالتو ہوں، ردوا کھدوا ہوں، ان لوگوں کو ہر بار میرے متعلق کہنا پڑتا تھا: ''کون رہ گیا؟ ہاں نکولینکا۔ انہیں بھی لےلو۔،، اس‌لئے جب میری بوجھنے کی باری آئی کہ مجھے کس نے منتخب کیا ہے تو میں بڑے اعتماد کے ساتھ یا تو اپنی بہن کے پاس پہونچ جاتا یا سب سے بدصورت شہزادی کے پاس اور بدقسمتی سے کبھی غلطی نہ کرتا۔ سونیچکا سریوژا ای‌ون میں اتنی محو معلوم ہوتی تھی کہ اس کےلئے میرا وجود ہی باقی نہ رہا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں نے اسے کس لئے دل میں دغاباز کہا تھا کیونکہ اس نے کبھی وعدہ تو کیا نہیں تھا کہ سریوژا کو نہیں مجھے منتخب کرےگی لیکن مجھے پورا یقین تھا کہ اس نے میرے ساتھ انتہائی ناشائستہ حرکت کی ہے۔

کھیل کے بعد میں نے دیکھا کہ دغاباز لڑکی جس سے میں نفرت کرنے لگا تھا لیکن جس کی طرف سے میں نظریں اب بھی نہ ہٹا پا رہا تھا سریوژا اور کاتینکا کے ساتھ ایک کونے میں چلی گئی جہاں وہ لوگ کچھ پراسرار قسم کی گفتگو کر رہے تھے۔ ان لوگوں کی خفیہ باتیں معلوم کرنے کےلئے میں پیانو کے پیچھے چھپ گیا اور

میں نے دیکھا کہ کاتینکا ایک کیمبرک کے رومال کو دو کونوں سے پکڑے ہوئے تھی اور اس طرح سونیچکا اور سریوژا کے سروں کے درمیان اس نے پردہ سا کر رکھا تھا۔ سریوژا بولا: ''نہیں، تم ہار گئی ہو۔ اب تمہیں جرمانہ ادا کرنا ہی پڑیگا!'' سونیچکا اس کے سامنے ہاتھ لٹکائے مجرمانہ انداز میں کھڑی تھی اور شرما کر بولی: ''نہیں، میں ہاری نہیں ہوں۔ کیوں m-lle Catherine؟'' کاتینکا نے اسے جواب دیا: ''میں سچ بولنا پسند کرتی ہوں، تم شرط ہار گئی ہو ma chère۔''

کاتینکا نے ابھی یہ کہا ہی تھا کہ سریوژا سونیچکا کی طرف جھکا اور اس کا بوسہ لے لیا۔ اس نے بھرپور انداز سے اس کے گلابی ہونٹوں کو پیار کرلیا۔ اور سونیچکا اس طرح ہنس دی جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، جیسے اس میں بڑا مزا آیا ہو! توبہ توبہ! اف ری دغاباز لڑکی!

باب ۱۳

زوال

دفعتاً میرے دل میں صنف نازک کی طرف سے عام طور پر اور سونیچکا کی طرف سے خاص طور پر نفرت کا جذبہ پیدا ہوگیا۔ میں نے دل کو سمجھانا شروع کیا کہ ان کھیلوں میں رکھا ہی کیا ہے، یہ تو صرف لڑکیوں کے لئے ہیں۔ اور مجھ میں کوئی ہنگامہ برپا کرنے، کوئی ایسا غیرمعمولی جرأت کا کام کرنے کی بےتحاشا خواہش پیدا ہوئی جس سے ہر شخص حیرت میں پڑجائے۔ اور ایسا موقع ملنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔

میمی سے کسی چیز کے متعلق بات کرنے کے بعد سینٹ جیروم کمرے سے چلے گئے۔ ان کے قدموں کی چاپ سیڑھیوں پر سنائی دی اور پھر معلوم ہوا کہ وہ اوپر پڑھنے کے کمرے کی طرف جا رہے ہیں۔ مجھے خیال ہوا کہ میمی نے ان سے کہہ دیا ہے کہ پڑھنے کے وقت انہوں نے مجھے کہاں دیکھا تھا اور وہ اس وقت رجسٹر دیکھنے گئے تھے۔ اس زمانے میں میں سمجھتا تھا کہ سینٹ

جیروم کی زندگی میں اس کے علاوہ اور کوئی مقصد ہی نہیں ہے کہ ہمیں سزا دلوائیں۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ بارہ اور چودہ برس کی عمر کے درمیان یعنی لڑکپن کے عبوری دور میں لڑکوں میں آتش‌زنی بلکہ قتل تک کا رجحان پیدا ہوجاتا ہے۔ اپنے لڑکپن کے زمانے کو یاد کرتا ہوں اور خاص طور پر اس بات کو کہ اس بدبخت دن میری ذہنی کیفیت کیا تھی تو واقعی میری سمجھ میں صاف طور پر آجاتا ہے کہ نقصان پہنچانے کے مقصد یا منشا کے بغیر اور صرف تجسس اور کچھ کرنے کے جبلی جذبے کے تحت انتہائی خوفناک جرم بھی کیا جا سکتا ہے۔ ایسا وقت بھی آتا ہے جب انسان کے سامنے مستقبل کچھ ایسے مایوسی بھرے رنگ میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہے کہ اسے اس طرف ذہنی طور پر متوجہ ہونے میں ڈر محسوس ہوتا ہے اور وہ دل کو یوں سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ مستقبل کبھی نہ آئےگا اور ماضی کبھی تھا ہی نہیں۔ ایسے لمحات میں جب ذہن خواہش کے ہر فیصلے کو پہلے سے نہیں پرکھتا اور جسمانی جبلت ہی زندگی کا واحد سرچشمہ ہوتی ہے، اس وقت میں سمجھ سکتا ہوں کہ ایک بچہ ناتجربہ‌کار ہونے کی وجہ سے اس ذہنی کیفیت میں خاص طور پر کیوں مبتلا ہوتا ہے، ذرا بھی خوف یا جھجک کے بغیر اور تجسس کی ایک مسکراہٹ کے ساتھ اس وقت وہ اس گھر میں بھی آگ لگا سکتا ہے جس میں اس کے بھائی، اس کے ماں باپ، جن سے وہ بےانتہا محبت کرتا ہے، محو خواب ہوتے ہیں۔ اسی عارضی بےخیالی میں — یعنی تقریباً ذہنی فقدان کے تحت — سترہ برس کا ایک کسان لڑکا تازہ تازہ دھار رکھے ہوئے کلہاڑے کو بڑے تجسس سے دیکھتا ہے جو اس بنچ کے پاس رکھا ہوا ہے جس پر اس کا ضعیف باپ اوندھا لیٹا سو رہا ہے۔ وہ دفعتاً کلہاڑا چلاتا ہے اور سونے والے کی گردن کے زخم سے نکلتے ہوئے خون کو احمقانہ تجسس سے گھورتا ہے۔ اسی بےخیالی میں اور جبلی تجسس کے اسی جذبے کے تحت انسان کو چٹان کے کنارے پر کھڑے ہوکر ایک قسم کا لطف آتا ہے جب وہ سوچتا ہے: "اگر نیچے کود جاؤں تو کیا ہو؟"، یا بھرا ہوا پستول کنپٹی پر رکھتا ہے اور سوچتا ہے: "اگر گھوڑا دبا دوں تو کیا ہو؟"، یا جب کسی ایسے شخص کی طرف دیکھتا ہے جس کی سماج میں

چاپلوسی بھری عزت ہوتی ہے اور سوچتا ہے: اگر میں اس شخص کے پاس جاکر اس کی ناک پکڑ کر کہوں: ''چل یار یہاں سے، چل،، تو کیا ہو؟

ابھی میں اسی ذہنی خلجان اور بے‌خیالی میں مبتلا تھا کہ سینٹ جیروم نیچے آئے اور مجھ سے بولے کہ مجھے وہاں رہنے کا کوئی حق نہیں ہے کیونکہ میری حرکتیں اور پڑھائی بری رہی تھیں اور مجھے فوراً اوپر چلے جانا چاہئے۔ میں نے زبان نکال کر ان کا منہ چڑا دیا اور کہہ‌دیا کہ یہاں سے نہیں کھسکوں‌گا۔

حیرت و غصے کی وجہ سے ایک لمحے کےلئے سینٹ جیروم کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔

«C'est bien» * انہوں نے مجھے غصے سے گھورتے ہوئے کہا ''کئی بار تمہیں سزا دینے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ لیکن تمہاری نانی نے تمہیں ہر بار بچا لیا لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ چھڑی سے مرمت کئے بغیر تم کہنا نہیں مان سکتے اور آج تمہیں پوری سزا ملنی ہی چاہئے۔

وہ اتنی اونچی آواز میں بول رہے تھے کہ ہر شخص نے ان کی بات سن‌لی۔ میں نے محسوس کیا کہ خون غیر معمولی تیزی سے میرے دل کی طرف کھنچ کر آیا جس کی وجہ سے دل بری طرح دھڑکنے لگا، چہرے کا رنگ اڑ گیا اور میرے ہونٹ غیرارادی طور پر کانپنے لگے۔ اس وقت میری صورت کافی خطرناک ہوگئی ہوگی کیونکہ سینٹ جیروم نے مجھ سے نظریں نہ ملائیں اور میری طرف تیزی سے بڑھ کر ھاتھ پکڑ لیا۔ لیکن ان کے ھاتھوں کی گرفت محسوس کرتے ہی میں آپے سے باہر ہوگیا اور ھاتھ چھڑا کر اپنی ساری طفلانہ قوت کے ساتھ ایک ھاتھ مارا ان کو۔

''تمہیں کیا ہوگیا ہے؟،، ولودیا میری حرکت سے حیران و پریشان ہوکر میرے پاس آیا۔

''دفان ہوجاؤ یہاں سے!،، میں چلایا۔ آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے۔ ''تم لوگوں میں سے کوئی مجھے نہیں چاہتا اور نہ

---

* اچھی بات ہے۔

کوئی جانتا ہے کہ میں کتنا دکھی ہوں۔ تم سب ذلیل اور بیہودہ ہو،، میں نے سارے مجمع کی طرف مڑکر غصے سے پاگل ہوتے ہوئے کہا۔

''لیکن اسی عرصے میں سینٹ جیروم میرے نزدیک آئے۔ ان کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا اور اس پر عزم کے آثار تھے اور اس سے قبل کہ میں اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر نکالتا انہوں نے بڑی مضبوطی سے میرے دونوں ھاتھ اس طرح پکڑلئے جیسے شکنجے میں کس لئے ہوں اور وہ مجھے کھینچتے ہوئے لے چلے۔ غصے کی وجہ سے میرا سر چکرا رھا تھا۔ مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ جب تک مجھ میں طاقت باقی رھی سر اور گھٹنوں کے ذریعے بری طرح لڑتا رھا۔ یاد ہے کہ میری ناک کئی بار کسی کے پٹھوں سے رگڑ گئی اور کسی کا کوٹ میرے منہ میں آگیا اور لگتا تھا کہ ہرطرف سے مجھے کسی کی ٹانگیں گھیرے ہوئے ہیں۔ اور گرد کی بو ناک میں آرھی تھی اور بنفشے کی خوشبو بھی جو سینٹ جیروم عطر کے طور پر استعمال کیا کرتے تھے۔ پانچ منٹ بعد اوپروالی منزل کے گودام میں مجھے ڈال کر دروازہ باھر سے بند کر دیا گیا۔

''واسیلی،، انہوں نے نفرت‌انگیز اور فاتحانہ آواز میں کہا ''چھڑی لانا ذرا...،،

باب ۱۰

خیال گھوڑے

کیا اس وقت میں تصور بھی کر سکتا تھا کہ مجھ پر جو جو مصیبتیں نازل ہوئیں انہیں برداشت کر لےجاؤں گا اور ایک وہ دن بھی آئے گا جب میں ان چیزوں کو اطمینان قلب کے ساتھ یاد کروں گا؟

جب مجھے خیال آیا کہ میں نے کیا کیا ہے تو تصور ہی نہ کر سکتا تھا کہ میرا حشر کیا ہونےوالا ہے لیکن ایک مبہم سا خوف ضرور تھا کہ اب ھمیشہ کےلئے تباھی آگئی۔

پہلے تو نیچے اور میرے چاروں طرف بالکل خاموشی طاری

رہی یا کم سے کم مجھے ایسا محسوس ہوا کیونکہ دل میں ایک ہیجان سا برپا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ مختلف آوازیں صاف سنائی دینے لگیں۔ واسیلی اوپر آیا اور کھڑکی کے چھجے پر جھاڑو سے ملتی جلتی کسی چیز کو پھینک کر انگڑائی لیتے ہوئے بکس کے اوپر لیٹ گیا۔ نیچے سے سینٹ جیروم کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی (وہ میرے ہی متعلق بات کر رہے ہونگے)۔ اس کے بعد بچوں کی آوازیں اور پھر قہقہوں اور دوڑنے بھاگنے کی آوازیں آنے لگیں۔ اور چند منٹ بعد گھر کے اندر ہر چیز اپنے پرانے ڈھرے پر چلنے لگی جیسے کسی کو نہ اس بات کا علم ہو اور نہ کوئی سوچ رہا ہو کہ میں اندھیرے گودام میں بیٹھا ہوں۔

میں رویا نہیں لیکن دل پر بھاری سا بوجھ تھا جیسے پتھر رکھا ہو۔ میرے منتشر تخیل میں خیالات اور تصورات بہت تیزی کے ساتھ گزرتے رہے۔ لیکن میں جس بدبختی کا شکار ہوا تھا اس کی یاد میری خیالی زنجیر کو متواتر توڑتی رہی اور میں اس بھول بھلیوں میں جا پڑا جہاں اس کا پتہ نہیں تھا کہ آگے کیا ہونےوالا ہے اور کس مایوسی اور خوف کا سامنا ہونا تھا۔

اس وقت مجھے خیال آیا کہ عام طور پر مجھے ناپسند کیا جاتا ہے بلکہ نفرت کی جاتی ہے۔ اس کی کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ (اس وقت مجھے یقین کامل تھا کہ نانی سے لے کر کوچوان فلپ تک سب لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں اور میرے دکھ سے خوش ہوتے ہیں۔) میں نے سوچا کہ شاید میں اپنے ماں باپ کا بیٹا نہیں ہوں، ولودیا کا بھائی نہیں ہوں بلکہ ایک دکھی یتیم ہوں، کہیں پڑا ہوا مل گیا ہوں جسے رحم کھاکر گود لےلیا گیا ہے۔ اور اس مہمل خیال سے نہ صرف مجھے ایک رنج‌آمیز سکون محسوس ہوا بلکہ محسوس ہوا کہ یہ خیال صحیح بھی ہے۔ مجھے اس خیال سے خوشی محسوس ہوئی کہ میں جو دکھی ہوں تو اس کی ذمہ‌داری خود مجھ پر نہیں ہے بلکہ پیدائش سے میری قسمت ہی میں یہ بات لکھی تھی اور میری تقدیر بدقسمت کارل ایوانچ کی طرح ہے۔

"لیکن اب جبکہ میں نے یہ راز پالیا ہے تو اسے چھپانے سے کیا فائدہ؟" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ "کل پاپا کے پاس جاؤں‌گا اور کہوں‌گا: "پاپا آپ بلاوجہ مجھ سے میری پیدائش کا

راز چھپاتے ہیں، مجھے اس کا علم ہے۔،، وہ کہیں گے: ’’اچھا، اب کیا کیا جائے، آج نہیں تو کل تمہیں یہ راز معلوم ہونا ہی تھا۔ تم میری اولاد نہیں ہو۔ لیکن میں نے تمہیں گود لیا ہے اور اگر تم نے ثابت کر دیا کہ میری محبت کے لائق ہو تو تمہیں کبھی جدا نہ کروں گا۔،، اور میں ان سے کہوں گا: ’’پاپا، حالانکہ مجھے آپ کو اس نام سے پکارنے کا کوئی حق نہیں ہے اور اس وقت آخری بار آپ کو اس نام سے پکار رہا ہوں۔ میں نے ہمیشہ آپ سے محبت کی ہے اور ہمیشہ آپ سے محبت کروں گا اور کبھی نہ بھولوں گا کہ آپ میرے محسن ہیں لیکن اب آپ کے گھر میں نہیں رہ سکتا۔ یہاں مجھ سے کوئی محبت نہیں کرتا اور سینٹ جیروم نے تو مجھے تباہ کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ یا تو انہیں یا مجھے آپ کے گھر سے جانا ہی ہوگا کیونکہ میں اب اپنے فعل کی ذمہ‌داری نہیں لے سکتا۔ مجھے اس شخص سے اتنی نفرت ہے کہ کچھ بھی کر گزروں گا۔ میں انہیں قتل کر دوں گا۔،، بالکل یہی کہوں گا: ’’پاپا، میں انہیں قتل کر دوں گا۔،، پاپا میری خوشامد کریں گے لیکن میں ان کی بات کو جھٹک کر کہوں گا: ’’نہیں، میرے مہربان، میرے محسن، اب ہم ایک ساتھ نہیں رہ سکتے، مجھے جانے دیجئے۔،، اور اس کے بعد میں ان سے گلے ملوں گا اور نہ‌جانے کیوں فرانسیسی میں کہوں گا: «Oh mon père, oh mon bienfaiteur, donne moi pour la dernière fois ta bénédiction et que la volonté de Dieu soit faite!»* اور اندھیرے گودام میں بکس پر بیٹھ کر اس خیال سے میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کے بعد دفعتاً مجھے یاد آیا کہ مجھے بڑی شرمناک قسم کی سزا ملنے‌والی ہے۔ حقیقت میرے سامنے اصلی رنگ میں جلوہ‌گر ہوگئی اور میرے خواب فوراً رفوچکر ہوگئے۔

اس کے بعد میں نے تصور کیا کہ میں چھوٹ گیا ہوں اور گھر سے بہت دور ہوں۔ میں خصاروں کے شاہی رسالے میں بھرتی ہوکر جنگ پر جاتا ہوں۔ دشمن مجھے ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں۔ میں تلوار چلاتا ہوں اور ایک کو گراتا ہوں، پھر دوسرے کو اور پھر تیسرے کو اور آخرکار زخموں اور تھکن سے چور

---

* میرے باپ، میرے محسن، آخری بار مجھے دعا دیجئے اور وہی ہوگا جو خدا کو منظور ہے۔

ہوکر زمین پر گر پڑتا ہوں اور چلاتا ہوں: ''ہم جیت گئے!'' جنرل کی سواری آتی ہے اور وہ پوچھتا ہے: ''وہ کہاں ہے جس نے ہمیں بچا لیا؟'' لوگ میری طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ وہ میری گردن سے لپٹ جانے کو جھپٹتا ہے اور خوشی کے آنسو بہاتا ہوا چلاتا ہے: ''ہم جیت گئے!'' میں اچھا ہوجاتا ہوں اور ہاتھ سیاہ پٹی میں لٹکا کر تویرسکوئی بلوار پر چہل‌قدمی کر رہا ہوں۔ میں جنرل ہوں! شہنشاہ سے میری ملاقات ہوتی ہے اور وہ پوچھتے ہیں: ''یہ زخمی نوجوان کون ہے؟'' ان کو بتایا جاتا ہے کہ یہ مشہور ہیرو نکولائی ہے۔ شہنشاہ میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں: ''میں تمہارا بہت شکرگذار ہوں جو کہو وہ میں پورا کروں گا''۔ میں جھک کر آداب بجالاتا ہوں اور اپنی تلوار کا سہارا لیتے ہوئے کہتا ہوں: ''شہنشاہ اعظم، مجھے خوشی ہے کہ اپنے وطن کی خاطر میں نے اپنا خون بہایا اور میں اس مسرت کے ساتھ اس کے لئے مر بھی سکتا ہوں۔ لیکن چونکہ آپ مجھ پر اتنے مہربان ہیں، اس لئے مجھے ایک چیز مانگنے کی اجازت دیجئے۔ اجازت دیجئے کہ اپنے دشمن غیرملکی سینٹ جیروم کا قلع قمع کر دوں۔'' میں سینٹ جیروم کے سامنے خوفناک انداز میں کھڑا ہوجاتا ہوں اور ان سے کہتا ہوں: ''تو میری بدبختی کا باعث ہے، گھٹنوں کے بل جھک!'' لیکن دفعتاً مجھے خیال آتا ہے کہ اصلی سینٹ جیروم کسی لمحے بھی چھڑی لئے ہوئے داخل ہو سکتے ہیں اور ایک بار پھر میں اپنے آپ کو جنرل محسوس نہیں کرتا جس نے اپنے ملک کو آزاد کرایا ہو بلکہ قابل‌رحم روتا بسورتا ہوا انسان محسوس کرتا ہوں۔

مجھے خدا کا خیال آتا ہے اور میں بہت بددماغی سے اس سے پوچھتا ہوں کہ مجھے سزا کیوں دے رہا ہے؟ ''میں نے کبھی صبح شام اپنی عبادت میں ناغہ نہیں کیا تو پھر مجھے سزا کیوں مل رہی ہے؟'' میں آج پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اپنے لڑکپن میں جن مذہبی شبہات نے مجھے پریشان کیا، ان کی طرف پہلا قدم اسی دن اٹھایا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ رنج‌وملال نے مجھے شکایت اور عدم‌اعتقاد پر اکسایا بلکہ خدا کی ناانصافی کا خیال جو اس روحانی انتشار اور پورے دن کی تنہائی کے وقت میرے ذہن میں آیا جلد ہی ایک ایسے مہلک بیج کی طرح

جڑ پکڑ گیا جو بارش کے بعد نرم مٹی میں بو دیا گیا ہو۔ اس کے بعد میں نے سوچا کہ میں مر رہا ہوں اور بہت تفصیل سے سوچنے لگا کہ سینٹ جیروم آکر جب گودام میں میری جگہ لاش دیکھیں گے تو کتنے حیران و پریشان ہوں گے۔ نتالیا ساویشنا کے قصے یاد کر کے کہ مرنے کے بعد انسان کی روح چالیس دن تک مکان سے نہیں جاتی میں نے تصور کیا کہ میں سب کی نظروں سے اوجھل نانی کے مکان کے سارے کمروں میں اڑتا پھر رہا ہوں اور لیوبوچکا کے پرخلوص آنسو اور نانی کے دکھ کو دیکھ رہا ہوں اور سینٹ جیروم کے ساتھ پاپا کی گفتگو کو سن رہا ہوں۔ ''بہت ہی اچھا لڑکا تھا،، پاپا آنکھوں میں آنسو بھر کے کہتے ہیں۔ ''جی ہاں،، سینٹ جیروم جواب دیتے ہیں ''لیکن انتہائی بےحیا تھا۔،، ''مرے ہوئے لوگوں کو عزت سے یاد کرنا چاہئے،، پاپا کہتے ہیں ''اس کی موت کا سبب تم ہو۔ تم ہی نے اسے ڈرایا۔ تم اس کی جس طرح توہین کرنے کی کوشش کر رہے تھے وہ اسے برداشت نہ کر سکا۔ نکل جاؤ یہاں سے بدمعاش کہیں کے!،،

اور سینٹ جیروم پیروں پر گر پڑتے ہیں اور رو رو کر معافی مانگتے ہیں۔ چالیس دن کے بعد میری روح آسمان کی طرف اڑ جائے گی۔ وہاں مجھے بہت ہی خوبصورت، سفید شفاف اور لمبی سی چیز نظر آئے گی اور مجھے محسوس ہوگا کہ یہ اماں ہیں۔ اور یہ سفید سی چیز مجھے حلقے میں لے لیگی اور مجھے پیار کریگی لیکن میں اس طرح پریشان ہوں گا جیسے انہیں پہچانتا ہی نہیں۔ ''اگر یہ آپ ہی ہیں،، میں کہوں گا ''تو پھر مجھے اور صاف طور پر دیکھنے دیجئے تاکہ میں آپ کے سینے سے لگ سکوں۔،، اور ان کی آواز مجھے جواب دیگی: ''یہاں ہم سب اسی طرح ہیں۔ تمہیں اس سے بہتر طریقے سے گلے نہیں لگا سکتی۔ کیا اس طرح تمہیں خوشی نہیں محسوس ہوتی؟،، ''ہاں ضرور ہوتی ہے! لیکن آپ مجھے گدگدا نہیں سکتیں اور میں آپ کے ہاتھوں کو پیار نہیں کر سکتا...،، ''اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، یہاں جو حالت ہے وہی بہت عمدہ ہے،، وہ کہیں گی اور مجھے محسوس ہوگا کہ واقعی یہ سب بہت عمدہ ہے اور ہم بلند سے بلندتر پرواز کرتے جا رہے ہیں۔ اور پھر اتنے میں جیسے میری آنکھ کھل گئی ہو، دیکھتا کیا ہوں کہ

وہیں اندھیرے گودام میں صندوق پر پڑا ہوا ہوں، گال آنسوؤں سے تر ہیں، ذہن خالی ہے اور الفاظ دوہرانا چاہتا ہوں: ''اور ہم بلند سے بلندتر پرواز کرتے جا رہے ہیں''۔ بہت دیر تک میں پوری قوت سے کوشش کرتا رہا کہ اپنی حالت کو سمجھوں لیکن ذہن نے اس وقت تصور کیا تو صرف ایک فضائے بسیط کا، جس کی تہہ تک پہونچنا ناممکن تھا اور جس کی اداسی خوفناک تھی۔ میں نے روحانی مسرت کے خوابوں کو پھر سے واپس لانے کی کوشش کی جنہیں حقیقت کے شعور نے منتشر کر دیا تھا لیکن مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ میں نے اپنے سابقہ خیالوں کی دنیا میں جیسے ہی قدم رکھا تو معلوم ہوا کہ اس راہ پر اب آگے چلنا ناممکن ہے اور زیادہ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اب اس میں مجھے لطف بھی نہیں آرہا تھا۔

باب ۱٦

چکی پیسو، تو آٹا ملیگا

رات میں نے گودام میں گزاری اور کوئی بھی میرے پاس نہیں آیا۔ دوسرے دن یعنی اتوار کو مجھے پڑھائی کے کمرے سے ملے ہوئے چھوٹے سے کمرے میں لے جایا گیا اور وہاں بند کر دیا گیا۔ مجھے امید ہو چلی کہ میری سزا صرف کمرے میں بند کرنے تک محدود رہےگی اور میٹھی گہری نیند، کھڑکیوں پر جمی ہوئی برف کی مختلف شکلوں سے کھیلتی ہوئی تیز دھوپ اور سڑکوں پر دن کے حسب معمول شوروغل کے اثر سے میرے خیالات میں نظم‌وضبط پیدا ہونے لگا۔ پھر بھی تنہائی بہت ہی گراں گزر رہی تھی: میں باہر نکلنا چاہتا تھا، میری روح پر جو کچھ گزر رہی تھی وہ کسی کو بتانا چاہتا تھا اور میرے پاس ایک ذی روح بھی نہ تھا۔ میری حالت اسلئے اور بھی زیادہ تکلیف‌دہ تھی کہ تمام کراہت کے باوجود مجھے سننا پڑ رہا تھا کہ سینٹ جیروم اپنے کمرے میں ٹہل ٹہل کر بہت ہی اطمینان قلب کے ساتھ سیٹی بجا بجا کر رنگین قسم کی دھنیں نکال رہے ہیں۔ مجھے پورا یقین تھا

کہ وہ سیٹی بجانا بالکل نہیں چاہتے تھے لیکن صرف مجھے تکلیف پہونچانے کےلئے ایسا کر رہے تھے۔

دو بجے سینٹ جیروم اور ولودیا نیچے چلے گئے اور نکولائی میرے لئے کھانا لےآیا۔ اور جب میں نے اسے بتایا کہ میں نے کیا کیا تھا اور مجھے کیا سزا ملنےوالی ہے تو وہ بولا:

''ارے ہٹئے صاحب۔ دل مت تھوڑا کیجئے۔ چکی پیسنے سے آٹا ملتا ہے۔''

اس کہاوت نے، جس نے بعد میں کئی بار میری روح کے استحکام کو برقرار رکھا، مجھے کچھ ڈھارس دی لیکن اس بات نے کہ مجھے صرف روٹی اور پانی نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ پورا کھانا آیا تھا جس میں لذیذ کیک بھی شامل تھے، مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کردیا۔ اگر یہ لوگ میرے لئے کیک نہ بھیجتے تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ مجھے کمرے میں بند کرنے کی سزا مل رہی ہے۔ لیکن اب ایسا لگتا تھا کہ ابھی مجھے سزا نہیں دی گئی ہے، کہ ابھی مجھے برے آدمی کی حیثیت سے صرف دوسروں سے الگ کردیا گیا ہے اور سزا آئندہ ملےگی۔ میں اس مسئلے کو سلجھانے ہی میں مصروف تھا کہ میرے قیدخانے کے تالے میں کنجی کی آواز آئی اور سینٹ جیروم چہرے پر درشت اور سرکاری قسم کے آثار پیدا کئے ہوئے داخل ہوئے۔

''چلو نیچے چل کر اپنی نانی سے ملو،'' انہوں نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

کمرے سے روانہ ہونے سے قبل میں اپنے کوٹ کے کف صاف کرلینا چاہتا تھا جن میں چاک بھر گئی تھی لیکن سینٹ جیروم نے مجھ سے کہا کہ یہ بالکل غیرضروری ہے جیسے میں ایسی قابل‌رحم اخلاقی حالت کو پہنچ چکا تھا کہ اپنی ظاہری ٹیپ‌ٹاپ کو دیکھنا بالکل فضول تھا۔

سینٹ جیروم میرا ہاتھ پکڑے ہال میں سے گزرنے لگے تو کاتینکا، لیوبوچکا اور ولودیا نے میری طرف گھور گھور کر بالکل اس طرح دیکھا جیسے ہم لوگ قیدیوں کو دیکھا کرتے تھے جنہیں دوشنبے کو ہماری کھڑکیوں کے سامنے سے لےجایا جاتا تھا۔ اور جب میں نانی کے ہاتھ کو پیار کرنے کی غرض سے ان کی آرام

کرسی کے نزدیک پہونچا تو انہوں نے میری طرف سے منہ پھیر لیا اور اپنا ہاتھ فرغل کے اندر چھپا لیا۔

''تو فرمائیے جناب،، انہوں نے کافی طویل خاموشی کے بعد کہا۔ اس دوران میں وہ مجھے سر سے پیر تک اس انداز سے دیکھتی رہیں کہ میری سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ کس طرف دیکھوں اور اپنے ہاتھوں کا کیا کروں۔ ''میری محبت کی آپ نے خوب قدر کی اور مجھے کیا سکون بخشا ہے۔ سینٹ جیروم صاحب جنہوں نے میری درخواست پر،، وہ ایک ایک لفظ کو رک رک کر کہتی رہیں ''آپ کی تعلیم کی ذمہ داری قبول کی، اب وہ میرے گھر میں رہنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ کیوں؟ آپ کی وجہ سے۔ مجھے امید تھی کہ ان کی شفقت اور محنت کی وجہ سے آپ ان کے شکرگذار ہوں گے،، انہوں نے کچھ دیر خاموشی کے بعد اس انداز میں بولنا شروع کیا جس سے پتہ چلتا تھا کہ ان کی تقریر پہلے ہی سے تیار کرلی گئی تھی: ''اور آپ ان کی خدمات کی قدر کریں گے۔ لیکن آپ نے اتنے ذرا سے ہوکر ان پر ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی۔ بہت خوب! کیا کہنے! میں بھی سوچنے لگی ہوں کہ آپ رورعایت سے راہ پر آنے والے نہیں ہیں بلکہ آپ کے ساتھ سخت برتاؤ کی ضرورت ہے۔ اسی وقت ان سے معافی مانگو،، انہوں نے سینٹ جیروم کی طرف اشارہ کرکے سخت تحکمانہ لہجے میں کہا: ''سنتے ہو؟،،

میں نے نانی کے ہاتھ کی طرف دیکھا اور سینٹ جیروم کے کوٹ کی جھلک دیکھتے ہی منہ موڑلیا اور اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ ایک بار پھر مجھے محسوس ہوا کہ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔

''میں نے جو کچھ کہا وہ سنائی نہیں دیا کیا؟،،

میں سر سے پیر تک کانپ گیا لیکن ہلا نہیں۔

''کوکو!،، نانی بولیں۔ انہوں نے اس روحانی تکلیف کو محسوس کرلیا ہوگا جو مجھ پر گزر رہی تھی۔ ''کوکو،، وہ تحکم کے بجائے پیار کے انداز میں بولیں ''تم کو کیا ہوگیا؟،،

''نانی، میں ان سے معافی نہیں مانگوں گا چاہے کچھ ہو،، میں بولا اور فوراً رک گیا کیونکہ مجھے احساس ہوگیا کہ اگر اب میں نے ایک لفظ اور کہا تو جو آنسو میرا دم گھونٹے دے رہے تھے بہہ نکلیں گے۔

''میں تمہیں حکم دیتی ہوں۔ میں تم سے کہتی ہوں، اسی وقت!،،

''میں... میں... نہیں مانگوں گا۔ نہیں مانگ سکتا،، میں نے ہچکی لی اور جن سسکیوں کو میں نے اتنی دیر تک دبا کر رکھا تھا وہ دفعتاً مایوسی کا طوفان بن کر پھوٹ پڑیں۔

«C'est ainsi que vous obéissez à votre seconde mère, c'est ainsi que vous reconnaissez ses bontés»* سینٹ جیروم نے بڑے پرملال انداز میں کہا «à genoux!»

''میرے اللہ اگر کہیں وہ یہ دیکھ لیتی!،، نانی نے میری طرف سے منہ پھیر کر اور آنسو پونچھتے ہوئے کہا ''اگر کہیں وہ دیکھ لیتی۔ جو کچھ ہوا اچھا ہی ہوا۔ نہیں، وہ اس صدمے کو کبھی برداشت نہ کرپاتی، کبھی نہیں۔،،

اور نانی اور بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں، میں بھی رو رہا تھا لیکن معافی مانگنے کا میرا قطعی ارادہ نہ تھا۔

«Tranquillisez — vous au nom du ciel, M — me la comtesse»** سینٹ جیروم نے کہا۔

لیکن نانی نے ان کی بات کی طرف دھیان نہیں دیا۔ انہوں نے چہرہ ہاتھوں سے چھپالیا اور ان کی سسکیاں جلد ہی ہچکیوں اور دورے کی شکل اختیار کر گئیں۔ میمی اور گاشا خوفزدہ سی بھاگی ہوئی آئیں اور انہیں لخلخہ سنگھانے لگیں اور جلد ہی سارے گھر میں دوڑ دھوپ مچ گئی، کانا پھوسی کی آوازیں آنے لگیں۔

''اب اپنی حرکت پر فخر کیجئے،، سینٹ جیروم نے مجھے اوپر لے جاتے ہوئے کہا۔

''یا اللہ میں نے کیا کردیا؟ میں بھی کتنا بیہودہ اور قصوروار ہوں!،،

ابھی سینٹ جیروم مجھے اپنے کمرے میں رہنے کا حکم دے کر نانی کے پاس واپس ہی گئے تھے کہ میں بغیر سوچے سمجھے

---

* اپنی دوسری ماں کا کہنا ایسے ہی مانا جاتا ہے، ان کی مہربانی کا معاوضہ اسی طرح دیا جاتا ہے؟

** خدا کے لئے، دل کو سنبھالئے مادام کاؤنٹس۔

بڑے والے زینے کی طرف بھاگا جو سڑک کی طرف نکلتا تھا۔

مجھے یاد نہیں کہ میں بھاگ جانا چاہتا تھا یا پانی میں ڈوب مرنا چاہتا تھا۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ اپنا چہرہ ہاتھوں سے چھپاکر کہ کسی کو دیکھ نہ لوں، میں دیوانےپن سے نیچے کی طرف بھاگا۔

''کہاں چلے؟،، دفعتاً ایک جانی پہچانی آواز نے دریافت کیا ''تمہاری تو مجھے تلاش تھی برخوردار۔،،

میں نے کتراکر نکل‌جانے کی کوشش کی لیکن پاپا نے میرا ہاتھ پکڑلیا اور درشتی سے بولے:

''ذرا میرے ساتھ چلئے، مہربان۔ میرے مطالعے کے کمرے میں تھیلے کو ہاتھ لگانے کی ہمت کیسے کی تم نے؟،، انہوں نے مجھے اپنے پیچھے پیچھے چھوٹے مہمان‌خانے میں لیجاتے ہوئے پوچھا ''کیوں؟ جواب کیوں نہیں دیتے؟،، انہوں نے میرا کان پکڑکر سوال کیا۔

''مجھے معاف کردیجئے،، میں بولا ''پتہ نہیں مجھے کیا ہوگیا تھا۔،،

''ہوں تو پتہ نہیں کہ کیا ہوگیا تھا! کچھ پتہ نہیں۔ کیوں؟ کچھ پتہ نہیں۔ واقعی؟ تمہیں واقعی کچھ پتہ نہیں!،، انہوں نے ایک ایک لفظ پر میرے کان کو کھینچتے ہوئے دہرایا۔ ''جہاں تمہارا کوئی دخل نہیں وہاں آئندہ پھر ہاتھ ڈالوگے؟ کیوں؟ بتاؤ؟،،

میرے کان میں سخت درد ہو رہا تھا لیکن میں رویا نہیں اور مجھے جو اخلاقی احساس ہوا وہ بہت اچھا تھا، جیسے ہی پاپا نے میرا کان چھوڑا ویسے ہی میں نے ان کا ہاتھ پکڑلیا اور اس پر پیار اور آنسوؤں کی بوچھار کردی۔

''مجھے ماریئے،، میں نے آنکھوں میں آنسو بھرکر کہا ''اور زور سے ماریئے تاکہ مجھے تکلیف ہو۔ میں بہت بیہودہ ہوں، نالائق ہوں، بدنصیب ہوں۔،،

''تمہیں ہو کیا گیا ہے؟،، انہوں نے مجھے ہلکے سے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا۔

''نہیں، میں نہیں جاؤں‌گا،، میں ان کے فراک کوٹ سے چمٹتے ہوئے بولا۔ ''ہر شخص مجھ سے نفرت کرتا ہے مجھے معلوم ہے، لیکن خدا کےلئے میری بات سنئے، مجھے بچائیے یا مجھے گھر سے نکال دیجئے۔ میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا، میری توہین کرنے کی

وہ ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ مجھے اپنے سامنے گھٹنوں پر جھکنے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ مجھے پیٹنا چاہتے ہیں۔ میں یہ نہیں برداشت کر سکتا۔ میں ننھا بچہ نہیں ہوں۔ میں یہ نہیں برداشت کرسکتا۔ میں مرجاؤں گا۔ میں اپنے آپ کو ختم کرلوں گا۔ انہوں نے نانی سے کہا کہ یہ بیہودہ لڑکا ہے اور اب ان کی طبیعت خراب ہوگئی اور وہ میری وجہ سے مرجائیں گی۔ میں... خدا کے لئے میرے کوڑے لگائیے، یہ سب مجھے تکلیف دینا کیوں چاہتے ہیں؟،،

آنسوؤں کی وجہ سے میرا دم گھٹا جا رہا تھا۔ میں صوفے پر بیٹھ گیا اور ان کے گھٹنوں پر سر رکھ دیا اور اس طرح ھچکیاں لینے لگا کہ مجھے لگا کہ اب مرا اور اب مرا۔

''رو کیوں رہے ہو بیٹے؟،، پاپا نے جھک کر پیار سے پوچھا۔

''وہ مجھ پر ظلم کرتے ہیں، تکلیف پہنچاتے ہیں۔ میں مرجاؤں گا۔ کوئی بھی مجھ سے محبت نہیں کرتا!،، میں بات ہی نہ کر پا رہا تھا اور پھر مجھ پر دورہ پڑگیا۔

پاپا نے مجھے گود میں اٹھا لیا اور مجھے خوابگاہ میں لے گئے۔ میری آنکھ لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو کافی دیر ہو چکی تھی۔ میرے پلنگ کے پاس صرف ایک شمع روشن تھی اور ہمارے خاندانی ڈاکٹر، میمی اور لیوبوچکا کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے چہروں سے عیاں تھا کہ ان کو میری حالت کے متعلق تشویش ہے۔ لیکن بارہ گھنٹے کی نیند کے بعد میں اتنا بہتر اور ہلکا محسوس کر رہا تھا کہ اگر ان کے ذہنوں سے یہ خیال دور کرنے میں ھچکچاہٹ نہ ہوتی کہ میں بہت بیمار ہوں تو پلنگ سے اچھل کر کھڑا ہوگیا ہوتا۔

باب ۱۷

نفرت

ہاں یہ واقعی نفرت کا احساس تھا۔ وہ نفرت نہیں جس کے متعلق ناولوں میں لکھا جاتا ہے اور جس پر میں یقین نہیں رکھتا — یعنی نفرت جس سے بری حرکتیں کرنے میں لطف آتا ہے۔ بلکہ وہ

نفرت جو اس شخص کے متعلق آپ کے دل میں کراہت کا ناقابل بیان جذبہ پیدا کر دیتی ہے جو بہرحال آپ کی عزت کا مستحق ہوتا ہے اور اس کے بال، گردن، رفتار و گفتار تک سے طبیعت الٹنے لگتی ہے، مگر ساتھ ہی ساتھ ایک ناقابل فہم قوت کے ذریعہ اس کی طرف آپ کو کھینچتی ہے اور آپ کو مجبور کردیتی ہے کہ آپ اس کی ذرا ذرا سی حرکت کو بےتابی کے ساتھ دیکھا کریں۔ سینٹ جیروم کے متعلق میرے دل میں یہی احساس تھا۔

سینٹ جیروم ہمارے یہاں ڈیڑھ برس سے رہتے تھے۔ اب ٹھنڈے دل سے ان کے متعلق سوچتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ بہت اچھے فرانسیسی تھے لیکن سر سے پیر تک تھے فرانسیسی۔ وہ احمق نہیں تھے بلکہ اچھے پڑھے لکھے آدمی تھے۔ اور ہم لوگوں کے تعلق سے اپنا کام بہت فرض شناسی سے کرتے تھے۔ لیکن ان میں کچھ خصوصیات تھیں جو ان کے ہم‌وطنوں کا طرہ‌امتیاز تھا اور روسی کردار کے بالکل برعکس — چھچھوری خودپسندی، خودنمائی، بےحیائی اور جاہلانہ خوداعتمادی۔ یہ سب چیزیں مجھے سخت ناگوار ہوتی تھیں۔ ظاہر بات ہے کہ نانی نے جسمانی سزا کے متعلق انہیں اپنے خیالات سے واقف تو کردیا تھا اور انہوں نے کبھی ہمیں مارنے کی ہمت بھی نہیں کی لیکن اس کے باوجود وہ ہم لوگوں کو اور خاص طور پر مجھے چھڑی سے دھمکایا ضرور کرتے تھے اور لفظ fouetter* (جیسے لفظ fouatter) کو بڑے مکروہ انداز میں اور ایسے لہجے میں ادا کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں مجھے مار کر بڑی تسکین ہوگی۔

مجھے مار کی چوٹ کا کوئی ڈر تھا نہیں کیونکہ اس کا کبھی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن یہ تصور ہی کہ ممکن ہے سینٹ جیروم مجھے ماریں مجھ میں دبے دبے غصے اور مایوسی کا جذبہ پیدا کردیتا تھا۔

کبھی کبھی کارل ایوانچ رولر یا اپنی ہتھیلی سے ہم لوگوں کی مرمت کر دیا کرتے تھے لیکن اس کے خیال سے مجھے ذرہ برابر بھی

* فرانسیسی لفظ جس کے معنی ہیں چھڑی سے مارنا۔

غصہ نہیں آتا۔ میں جس زمانے کا ذکر کر رہا ہوں (یعنی جب میں چودہ برس کا تھا) اس زمانے میں اگر کارل ایوانچ مجھے مارتے تو میں بہت اطمینان وسکون سے اسے برداشت کرلیتا۔ کارل ایوانچ سے مجھے محبت تھی، جس حد تک مجھے اپنے متعلق یاد ہے اسی حد تک ان کے متعلق یاد ہے اور میں انہیں خاندان کا فرد سمجھنے کا عادی ہو چکا تھا۔ لیکن سینٹ جیروم مغرور اور خودپسند قسم کے آدمی تھے جن کے متعلق میرے دل میں اس غیرارادی عزت کے علاوہ اور کوئی جذبہ نہ تھا جو بڑی عمر کے سبھی لوگوں کے لئے ایک سا پایا جاتا تھا۔ کارل ایوانچ مسخرے سے بڑے میاں تھے، جن سے میں بےانتہا محبت کرتا تھا لیکن سماجی رتبے کے بارے میں جو میرا طفلانہ تصور تھا اس میں انہیں اپنے سے نیچا سمجھتا تھا۔ اس کے برخلاف سینٹ جیروم حسین، تعلیم یافتہ نوجوان، چھیلا قسم کے انسان تھے جن کی کوشش یہ تھی کہ ہر شخص کے ساتھ برابری سے پیش آئیں۔ کارل ایوانچ ہمیشہ ہم لوگوں کو بغیر غصے کے ڈانٹا اور سزا دیا کرتے تھے۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس بات کو ضروری لیکن تکلیف‌دہ فرض تصور کرتے ہیں۔ اس کے برعکس سینٹ جیروم کو استادی کا رعب جمانے میں مزا آتا تھا۔ جب وہ ہمیں سزا دیتے تھے تو صاف پتہ چلتا تھا کہ انہیں ہماری بھلائی سے زیادہ خود اپنی تسکین مقصود ہے۔ انہیں خود اپنی عظمت کا کچھ حد سے زیادہ احساس تھا۔ ان کے بھاری بھرکم فرانسیسی جملوں سے جنہیں وہ الفاظ کے آخری رکن پر زور دے کر ادا کیا کرتے تھے، مجھے اتنی چڑ تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ جب کارل ایوانچ کو غصہ آتا تھا تو ان کے منہ سے نکلتا تھا: ''کٹھ پتلی کا تماشا، شریر چھوکرا یا شمپین کا مکھا،،۔ سینٹ جیروم ہمیں فرانسیسی میں بدمعاش، بیہودہ، پاجی وغیرہ کہا کرتے تھے جن سے میرے وقار کو ٹھیس لگتی تھی۔

کارل ایوانچ ہمیں گھٹنوں کے بل کونے کی طرف منہ کرکے کھڑا کردیا کرتے تھے۔ اور سزا یہی تھی کہ ایسی حالت میں جسم کو تکلیف ہوتی تھی۔ سینٹ جیروم سینہ پھلاکر چلاتے تھے اور بڑی شان سے ہاتھ کے اشارے کے ساتھ حزنیہ آواز میں کہتے تھے: بدمعاش، بیہودہ، پاجی اور اپنے سامنے ہم لوگوں کو جھکنے پر

مجبور کرکے معافی منگواتے تھے۔ دراصل سزا تھی اسی بےعزتی میں۔

مجھے سزا نہیں ملی اور کسی نے ذکر تک نہیں کیا کہ مجھے کیا ہوا تھا۔ لیکن مجھ پر جو کچھ گزری تھی اسے میں بھول نہیں سکتا تھا — وہ مایوسی، شرم، خوف اور ان دو دنوں کی نفرت۔ اس بات کے باوجود کہ سینٹ جیروم نے میری طرف سے بالکل ہاتھ دھو لیا اور مجھے تنگ کرنا بالکل چھوڑ دیا میں ان کے لئے عزت کا جذبہ پیدا نہ کرسکا۔ ہماری نظریں جب بھی ملتیں تو مجھے محسوس ہوتا کہ میری نگاہوں میں دشمنی بہت واضح ہے اور میں فوراً بےتعلقی کا انداز اختیار کرلیتا لیکن پھر بھی مجھے محسوس ہوتا کہ وہ میری بناوٹ سمجھ گئے ہیں اور میں شرم کی وجہ سے منہ پھیر لیتا۔

مختصر یہ کہ میں بیان نہیں کرسکتا کہ ان سے کسی قسم کے تعلق سے بھی مجھے کتنی نفرت ہوتی تھی۔

باب ۱۸

نوکرانیوں کا کمرہ

میں اور بھی زیادہ تنہائی محسوس کرنے لگا اور تن تنہا رہ کر خیال دوڑانے اور مشاہدے کرنے میں مجھے سب سے زیادہ لطف آنے لگا۔ اپنی غور و فکر کے موضوع کے متعلق میں اس کے بعدوالے باب میں بتاؤں گا۔ میرے مشاہدے کا اصل مرکز نوکرانیوں کا کمرہ تھا جہاں ایک رومان پرورش پا رہا تھا جس سے مجھے بےانتہا دلچسپی تھی اور جس کا مجھ پر بےانتہا اثر تھا۔ اس رومان کی ہیروئن تو ظاہر ہے ماشا تھی۔ اسے واسیلی سے محبت تھی جو اسے تب سے جانتا تھا جب وہ ملازمت میں نہیں تھی اور اسی وقت وہ اس سے شادی کا وعدہ کرچکا تھا۔ لیکن قسمت جس نے انہیں پانچ برس پہلے جدا کردیا تھا اور پھر نانی کے گھر میں لا ملایا تھا، اس بار نکولائی (ماشا کے چچا) کی شکل میں دونوں کے درمیان حائل ہوگئی کیونکہ وہ اپنی بھتیجی کی شادی کسی حالت میں واسیلی

کے ساتھ کرنے پر رضامند نہ ہوتا تھا جسے وہ کوڑمغز اور عیاش سمجھتا تھا۔

اس اڑنگے کا نتیجہ یہ ہوا کہ واسیلی جو اب تک خاصا ٹھنڈے مزاج کا اور اپنے برتاؤ میں لاپروا قسم کا انسان تھا، ایک دم ماشا کی محبت میں مبتلا ہوگیا اور اس سے اس بری طرح محبت کرنے لگا جیسی اس خانہ‌زاد درزی ہی کے بس کی بات تھی جو گلابی قمیص پہنے اور سر پر تیل چپڑے رہتا تھا۔

اس کی محبت کا اظہار بہت ہی عجیب و غریب اور غیرمناسب طریقے سے ہوتا تھا (مثلاً جب ماشا سے ملتا تھا تو اسے ہمیشہ تکلیف دیتا تھا اور اس کے یا تو چٹکی کاٹ لیتا یا تھپڑ مار دیتا تھا یا اس زور سے چمٹاتا تھا کہ وہ سانس بھی مشکل سے لے‌پاتی تھی) لیکن اس کی چاہت سچی تھی جس کا ثبوت یہ بات تھی کہ جس دن سے نکولائی نے اپنے بھتیجی کی شادی کرنے سے آخری بار انکار کیا تھا اس دن سے واسیلی نے غم کی وجہ سے شراب‌خانوں کا چکر کاٹنا اور ہنگامے برپا کرنا شروع کردئے یعنی مختصراً یہ کہ اس نے ایسی شرمناک حرکتیں شروع کیں کہ پولیس نے کئی بار اسے شرمناک سزائیں دیں۔ لیکن اس رویے اور اس کے نتائج نے اسے ماشا کی نظروں میں اور چڑھادیا اور اس کی محبت اس کے دل میں اور بڑھ گئی۔ واسیلی کی گرفتاری کے زمانے میں ماشا کے آنسو کئی دن تک خشک نہ ہوئے، گاشا سے (جو ان دکھی دلوں کے معاملات سے بہت دلچسپی رکھتی تھی) اپنی بدقسمتی کا رونا رویا کرتی اور اپنے چچا کی ڈانٹ ڈپٹ اور ماریپٹ کو ہیچ سمجھ کر وہ چوری چھپے تھانے پہونچ جایا کرتی تھی کہ اپنے دوست سے مل کر اس کی ڈھارس بندھائے۔

پڑھنےوالو، اس سوسائٹی کو حقارت سے مت دیکھنا جس میں تم کو لئے جا رہا ہوں۔ اگر تمہاری روح میں محبت اور ہمدردی کے تار ڈھیلے نہیں پڑگئے ہیں تو انہیں چھیڑنے کےلئے نغمہ نوکرانیوں کے کمرے میں ملے گا۔ تمہیں میرے ساتھ آنا اچھا لگے یا نہ لگے میں زینے کے اس حصے کی طرف چلا، جہاں سے مجھے نوکرانیوں کے کمرے میں ہونےوالی ہر چیز نظر آتی ہے۔ ایک بنچ پڑی ہے اور اس پر استری، ٹوٹی ہوئی ناک‌والی دفتی کی گڑیا، چھوٹا سا طشت

اور سلفچی رکھے ہیں۔ کھڑکی کی سل ہے جس پر سیاہ موم کا ٹکڑا، ریشم کا لچھا، دانت سے کتا ہوا ہرا کھیڑا اور مٹھائی کا ڈبہ الٹے سیدھے پڑے ہیں۔ ایک بڑی سی سرخ میز بھی ہے۔ اس پر ململ میں لپٹی ہوئی ایک اینٹ سلائی کے ادھورے کام پر رکھی ہے۔ اور اس کے پیچھے وہ میرا پسندیدہ سوتی کپڑے کا گلابی لباس پہنے اور نیلا قصابہ باندھے بیٹھی ہے، جس کی وجہ سے میں اور بھی متوجہ ہوتا ہوں۔ وہ سی رہی ہے، کبھی کبھی رک کر سوئی سے اپنا سر کھجا لیتی ہے یا موم بتی کی لو ٹھیک کردیتی ہے اور میں گھورتا رہتا ہوں اور سوچتا رہتا ہوں: ''وہ شریف‌زادی کیوں نہ پیدا ہوئی، وہ جس کی ایسی اجلی اجلی نیلی آنکھیں ہیں، بڑی موٹی گھنی چوٹی ہے اور خوب ابھرا ہوا سینہ ہے؟ اگر وہ مہمان‌خانے میں گلابی فیتوں کا ٹوپا پہنے گہرے سرخ رنگ کے ریشمی گاؤن میں بیٹھتی تو کیسی لگتی اور وہ چیزیں ایسی نہیں جیسی میمی کے پاس ہیں، بلکہ ایسی ہوتیں جیسی میں نے تویرسکوئے بلوار میں دیکھی تھیں! وہ فریم ہاتھ میں لئے کشیدہ‌کاری کر رہی ہوتی اور میں خاموشی سے اس کی صورت دیکھتا رہتا۔ اور وہ جو کچھ کہتی میں کرتا۔ میں خود اپنے ہاتھ سے اسے کوٹ اٹھا کر دیتا اور کھانا لاتا...،،

اور اس تنگ کوٹ اور اس کے نیچے سے نظر آنےوالی گندی گلابی قمیص میں واسیلی کا بدن کتنا بےہنگم نظر آتا ہے اور وہ صورت سے ہی کتنا شرابی ہے! اس کے جسم کی ہر حرکت، اس کی پشت کے ہر بار جھکنے پر مجھے ایسا نظر آتا کہ اسے جو سزا ملی ہے یقیناً اسی کی یہ سب نشانیاں ہیں۔

''ارے واسیا پھر؟،، ماشا نے تکیے میں سوئی پروتے ہوئے کہا۔ لیکن واسیلی کے داخل ہونے پر اس نے سلام کو سر تک نہیں اٹھایا۔

''تو کیا ہوا؟ بھلا اس سے کسی اچھی بات کی امید کی جا سکتی ہے؟،، واسیلی نے جواب دیا۔ ''ادھر یا ادھر، کسی بھی ایک ڈھب سے طے کردیتا۔ لیکن میری ساری کوشش رائگاں گئی اور سب اس کی وجہ سے۔،،

''چائے پیوگے؟،، ایک دوسری نوکرانی نادیژدا نے پوچھا۔

''بہت بہت شکریہ۔ اور تمہارا ڈاکو چچا مجھ سے نفرت کیوں کرتا ہے؟ آخر کیوں؟ اسلئے کہ میرے پاس اچھے خاصے کپڑے ہیں، اسلئے کہ میں سر ہمیشہ اونچا رکھتا ہوں، اسلئے کہ میں خاص انداز سے چلتا ہوں۔ ایسی تیسی میں جائے!،، واسیلی نے ہاتھ جھٹک کر بات ختم کی۔

''فرمانبردار بننا چاہئے،، ماشا نے دھاگا توڑتے ہوئے کہا ''اور تم اتنے....،،

''اب برداشت نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ بھی ہے!،،

اسی وقت نانی کے کمرے کا دروازہ بھڑ سے کھلا اور سیڑھیوں سے گاشا کے بڑبڑانے کی آواز سنائی دی۔

''خوش رکھو انہیں، جن کو خود پتہ نہیں کہ چاہئے کیا۔ زندگی دوبھر ہوگئی! بس کام میں جتے رہو! میرا تو جی چاہتا ہے ــ یا اللہ مجھے معاف کردے،، وہ ہاتھ جھٹکتے ہوئے بڑبڑائی۔

''میں نے کہا آداب اگافیا میخائلوونا،، واسیلی نے اٹھ کر سلام کیا۔

''ارے تم یہاں موجود ہو! مجھے نہیں چاہئے تمہارا سلام دعا،، اس نے اس کی طرف سختی سے گھورتے ہوئے جواب دیا ''اور آخر یہاں آئے کیوں ہو؟ بھلا نوکرانیوں کے کمرے میں مردوں کا کیا کام؟،،

''میں آپ کی خیریت پوچھنے آگیا تھا،، واسیلی نے کچھ جھک کر کہا۔

''اب میرا دم نکلنا ہی رہ گیا ہے۔ یہ ہے میری خیریت،، اگافیا میخائلوونا نے اور بھی غصے میں آکر چلاتے ہوئے کہا۔

واسیلی کو ہنسی آگئی۔

''اس میں ہنسنے کی کوئی بات نہیں اور جب میں نے کہہ دیا کہ یہاں سے چلے جاؤ تو بس چلتے بنو۔ ذرا حلیہ تو دیکھو، اوپر سے شادی رچانے چلا ہے۔ پاجی! ہاں تو بس۔ ہوجاؤ نودو گیارہ!،، اور اگافیا میخائلوونا پیر پٹکتی اپنے کمرے میں چلی گئی اور دروازے کو اس زور سے بند کیا کہ کھڑکیوں کے شیشے جھنجھنا اٹھے۔

دیر تک پردے کے پیچھے سے اس کی آواز آتی رہی کہ ہر ایک چیز اور ہر ایک شخص کو برا بھلا کہہ رہی ہے، خود

[stamp]

اپنے رہن سہن کو کوس رہی ہے۔ اس نے اپنی چیزیں ادھر ادھر پھینک دیں اور اپنی دلاری بلی کے کان کھینچ ڈالے۔ آخر دروازہ ذرا کھلا کہ بلی کو دم پکڑ کر باہر پھینک دیا گیا اور وہ شکایت میں میاؤں میاؤں کرتی بھاگی۔

''بہتر یہ ہے کہ چائے کے لئے کسی اور وقت آؤں،، واسیلی نے سرگوشی کی۔ ''خدا حافظ۔ بہتر موقع پر ملیں گے۔،،

''کوئی بات نہیں،، نادیژدا نے آنکھ مارتے ہوئے کہا ''میں جا کر ذرا سماور دیکھتی ہوں۔،،

''میں اب اس کا فیصلہ ہی کر کے چھوڑوں گا،، نادیژدا کے جاتے ہی واسیلی ماشا کے بالکل نزدیک بیٹھ کر بولا ''یا تو سیدھا کاؤنٹس کے پاس جا کر کہوں گا: ''یہ ہیں سارے احوال،، اور یا ـــ سب کچھ چھوڑ کر دنیا کے کسی کونے میں نکل جاؤں گا، خدا کی قسم!،،

''اور میں یہاں اکیلی رہوں گی؟،،

''بس تیرے ہی لئے تو دل دکھتا ہے۔ ورنہ میں کبھی کا اپنی منڈیا نکال کے بھاگ لیا ہوتا۔ خدا کی قسم... قسم خدا کی۔،،

''یہ کیا حرکت ہے تمہاری، واسیا؟ اپنی قمیص مجھے دھونے کے لئے کیوں نہیں دے دیتے؟،، ماشا نے کچھ توقف کے بعد کہا ''دیکھو تو کیسی چکٹ ہو رہی ہے،، اس نے قمیص کا کالر پکڑ کر کہا۔

اس وقت نانی کی چھوٹی والی گھنٹی کی آواز نیچے سے سنائی دی اور گاشا اپنے کمرے سے نکلی۔

''اب اس کے ساتھ تو کیا کرنا چاہتا ہے پاجی؟،، واسیلی اسے دیکھ کر جلدی سے اٹھا تو گاشا نے اسے دروازے کی طرف ڈھکیل کر کہا ''اس کی یہ حالت کردی اور اب بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ میں تو کہتی ہوں تو اسے روتے دیکھنا چاہتا ہے، بے شرم کہیں کا! چل نکل یہاں سے! دور ہو میری نظروں سے! تجھے آخر اس میں کون سی بات نظر آئی؟،، اس نے ماشا کی طرف مخاطب ہو کر بات جاری رکھی ''اس کی وجہ سے تیرے چچا نے آج تیری مرمت نہیں کی کیا؟ لیکن تو تو اپنی مرضی پر چلے گی: میں تو سوائے واسیلی گروسکوف کے اور کسی سے شادی نہ کروں گی، احمق کہیں کی!،،

''ہاں نہیں کروں گی، مجھے کسی اور سے محبت نہیں ہے چاہے

اس تصور پر مار مار کر مجھے ختم کردیں،، ماشا دفعتاً پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

میں دیر تک ماشا کی طرف دیکھتا رہا جو صندوق پر لیٹی تھی اور رومال سے آنسو پونچھ رہی تھی۔ اور میں نے واسیلی کے متعلق اپنا خیال بدلنے کی ہر ممکن کوشش کی اور ایسا نقطۂ نظر تلاش کرنے کی کوشش کی جہاں سے وہ اسے اس قدر اچھا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن ماشا کے غم سے اپنی پرخلوص ہمدردی کے باوجود میں کسی طرح یہ نہ سمجھ پایا کہ ماشا جیسی خوبرو ہستی جو مجھے اتنی اچھی لگتی تھی آخر واسیلی سے محبت کیسے کرسکتی ہے۔

''جب میں بڑا ہوں گا،، اوپر اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے سوچا ''تو پیتروفسکوئے کی جاگیر میری ہوگی اور ماشا اور واسیلی میری رعایا ہوں گے۔ میں مطالعے کے کمرے میں بیٹھا پائپ پی رہا ہوں گا۔ اور ماشا استری اٹھائے ہوئے باورچی‌خانے کی طرف جائے گی۔ میں کہوں گا: ''ماشا کو یہاں بھیجو،، وہ آئے گی اور کمرے میں اور کوئی نہ ہوگا۔ دفعتاً واسیلی اندر داخل ہوگا اور جب ماشا کو دیکھے گا تو کہے گا: ''میں تباہ ہوگیا!،، اور ماشا روئے گی اور میں کہوں گا: ''واسیلی، مجھے معلوم ہے کہ تجھے اس سے محبت ہے اور یہ بھی تجھے چاہتی ہے۔ یہ رہے ایک ہزار روبل، اس سے شادی کرلو اور خدا کرے تم دونوں ہمیشہ خوش رہو۔،، اور پھر میں بیٹھک میں چلا جاؤں گا۔ ان بہت سے خیالوں اور خوابوں میں جو ذہن اور تخیل میں آتے اور کوئی تاثر چھوڑے بغیر چلے جاتے ہیں کچھ ایسے ہوتے ہیں جو ایک گہرا اور نازک سا احساس چھوڑ جاتے ہیں۔ اور یہ یاد کئے بغیر کہ ہم نے سوچا کیا تھا صرف اتنا یاد رہتا ہے کہ کوئی بہت خوشگوار سی بات تھی۔ ہم اس خیال کا اثر محسوس کرتے ہیں اور ایک بار پھر سے اسے چکانا چاہتے ہیں۔ جب میں نے یہ سوچا کہ واسیلی کے ساتھ شادی کرکے ماشا کو جو مسرت حاصل ہو سکتی ہے اس کے لئے میں اپنے جذبے کو قربان کردوں گا تو اس تصور نے میری روح پر اتنا ہی گہرا اثر چھوڑا۔

باب ۱۹

لڑکپن

اگر میں لوگوں کو بتا دوں کہ لڑکپن میں میرے سوچ بچار کے پسندیدہ اور مستقل موضوع کیا تھے تو انہیں مشکل سے یقین آئے گا کیونکہ وہ میری عمر اور حیثیت سے بالکل میل ہی نہیں کھاتے تھے۔ لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ انسان کی حیثیت اور اس کی اخلاقی سرگرمیوں میں تفاوت خلوص کی سب سے بڑی شہادت ہے۔

اس ایک سال کے دوران جب میں نے صرف اپنی ہستی کی اندرونی دنیا میں رہ کر تنہائی کی اخلاقی زندگی بسر کی تو انسان کی قسمت، آئندہ کی زندگی اور روح کے جاوداں ہونے کے متعلق طرح طرح کے بسیط سوال میرے ذہن میں آئے اور میرے کمزور طفلانہ ذہن نے ناتجربہ کاری کے تمام جوش و خروش کے ساتھ ان سوالوں کو حل کرنے کی کوشش کی جن کو بسیط سوالوں کی شکل دینا وہ اعلیٰ‌ترین منزل ہے جہاں تک انسانی ذہن پہونچ سکتا ہے لیکن جن کا حل اس کے بس میں نہیں۔

مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہر فرد بشر کا ذہن اسی راستے پر ترقی کرتا ہے جس پر ساری نسلیں آگے بڑھتی ہیں۔ وہ خیالات جو مختلف فلسفیانہ نظریوں کے سنگ بنیاد ہوتے ہیں، ذہن انسانی کے لازمی جزو ہوتے ہیں لیکن ہر انسان کو فلسفیانہ نظریوں سے واقف ہونے سے قبل ان کا کافی واضح حد تک شعور ہوجاتا ہے۔

یہ خیالات میرے ذہن میں اس وضاحت اور اتنے روشن طریقے سے آئے کہ میں نے انہیں زندگی پر منطبق کرنے تک کی کوشش کی اور یہ تصور کرنے لگا کہ میں ہی وہ پہلا آدمی ہوں جس نے ایسے عظیم الشان اور مفید حقائق کو کھوج کر نکالا ہے۔

ایک بار مجھے یہ خیال ہوا کہ مسرت کا انحصار خارجی اسباب پر نہیں بلکہ اس بات پر ہے کہ ہم ان کے ساتھ کیا رویہ رکھتے ہیں۔ وہ شخص جو مصیبتیں برداشت کرنے کا عادی ہوجائے دکھی نہیں رہ سکتا۔ اور اپنے آپ کو محنت کا عادی بنانے کے لئے میں نے تاتی‌شیف کی کئی جلدوں‌والے لغت کو سخت تکلیف کے باوجود پانچ

منٹ تک اپنے پھیلے ہوئے ہاتھوں پر اٹھائے رکھا یا گودام میں پہونچ گیا اور ایک رسی سے اپنی ننگی پیٹھ کو اس بری طرح رگڑا کہ آنکھوں میں آنسو آگئے۔

دوسری بار یکایک میرے ذہن میں خیال آگیا کہ ہر گھنٹے، ہر منٹ موت میری تاک میں ہے۔ میں ایک نتیجے پر پہنچا اور یہ سمجھ نہ سکا کہ آخر اب تک لوگ اس بات کو سمجھ کیوں نہ سکے تھے کہ انسان صرف حال کو استعمال کرکے اور مستقبل کے متعلق نہ سوچ کر ہی خوش رہ سکتا ہے اور اس تصور کے تحت تین دن تک میں نے پڑھنے لکھنے کی طرف توجہ ہی نہ دی اور بس بستر پر لیٹا ناول پڑھ پڑھ کر خوش ہوتا رہا اور ادرک پڑی میٹھی ٹکیاں اور شہد کھاتا رہا جو میں نے اپنے آخری پیسوں سے خریدے تھے۔

ایک اور بار میں تختۂ سیاہ کے سامنے کھڑا تھا جس پر چاک سے مختلف شکلیں بنائی گئی تھیں اور مجھے دفعتاً یہ خیال ہوا کہ آخر تناسب نظروں کو اتنا اچھا کیوں لگتا ہے؟ تناسب ہے کیا؟ میں نے خود ہی جواب دیا کہ یہ ایک اندرونی احساس ہے۔ لیکن اس کی بنیاد کس چیز پر ہے؟ کیا زندگی کی ہر چیز میں تناسب ہے؟ نہیں، اس کے برخلاف تو، یہ رہی زندگی اور میں نے ایک بیضوی شکل بنائی۔ زندگی کے بعد روح کو ابدیت حاصل ہوجاتی ہے۔ یہ ہے ابدیت — اور اس بیضوی شکل کے ایک طرف میں نے لکیر کھینچی جو بورڈ کے بالکل کنارے تک پہنچ گئی۔ دوسری طرف اس قسم کی لکیر کیوں نہیں ہے؟ اور واقعی سوچنے کی بات ہے کہ یہ ابدیت کس قسم کی ہے جس کی صرف ایک ہی سمت ہے؟ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس زندگی سے پہلے بھی ہمارا وجود تھا اگرچہ یہ بات ہمارے حافظے سے نکل گئی ہے۔

یہ تصور جو مجھے بہت ہی انوکھا اور واضح معلوم ہوا اور جس کا تسلسل اب مشکل ہی سے میرے ذہن میں آتا ہے، مجھے بہت ہی پسند آیا اور میں نے اس تصور کو ٹانک لینے کی غرض سے ایک کاغذ نکالا لیکن اس سلسلے میں میرے ذہن میں دفعتاً اتنے بہت سے خیالات آگئے کہ میں مجبوراً کھڑا ہوگیا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ کھڑکی کے نزدیک پہنچا تو میری توجہ پانی لانے والے گھوڑے

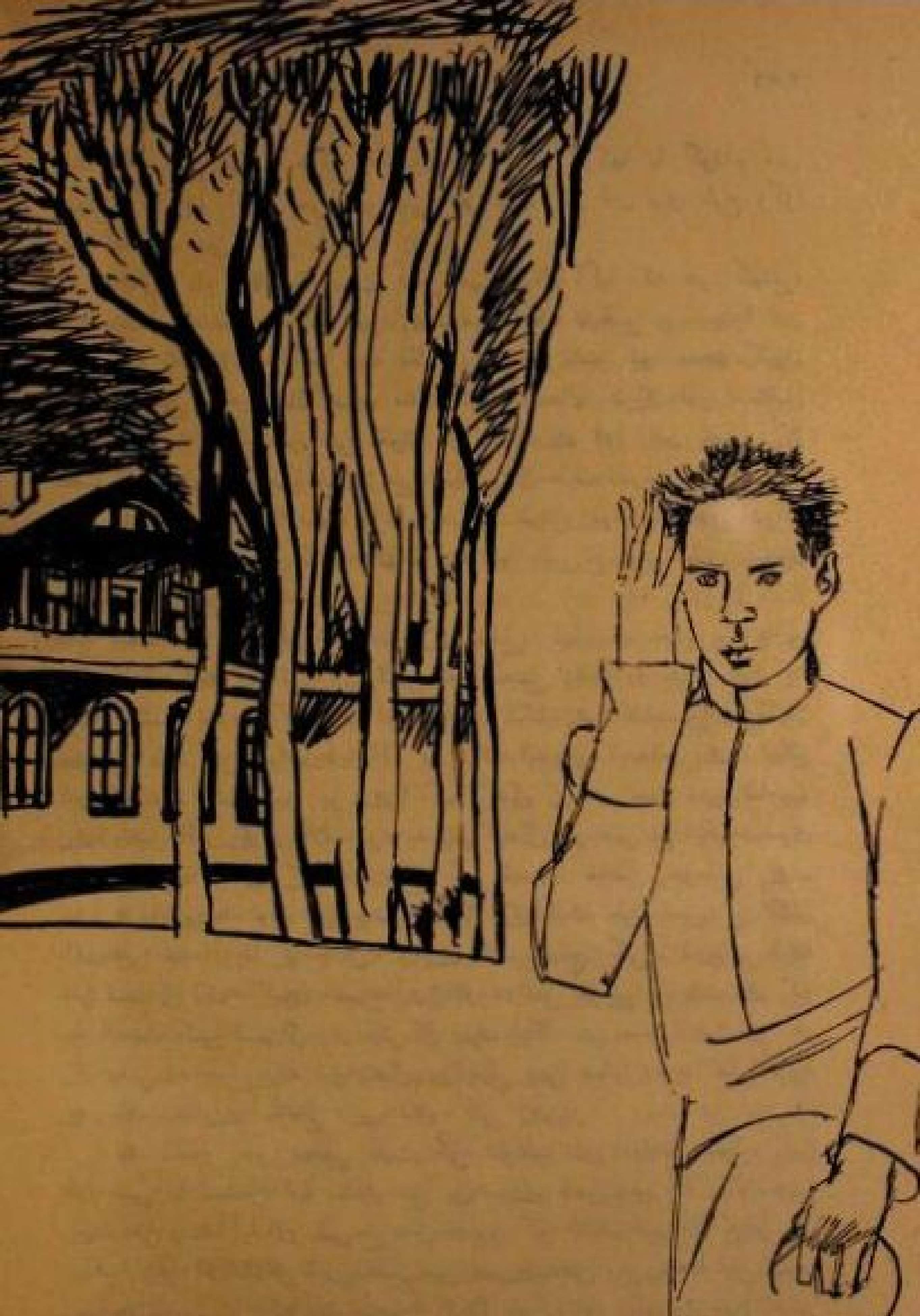

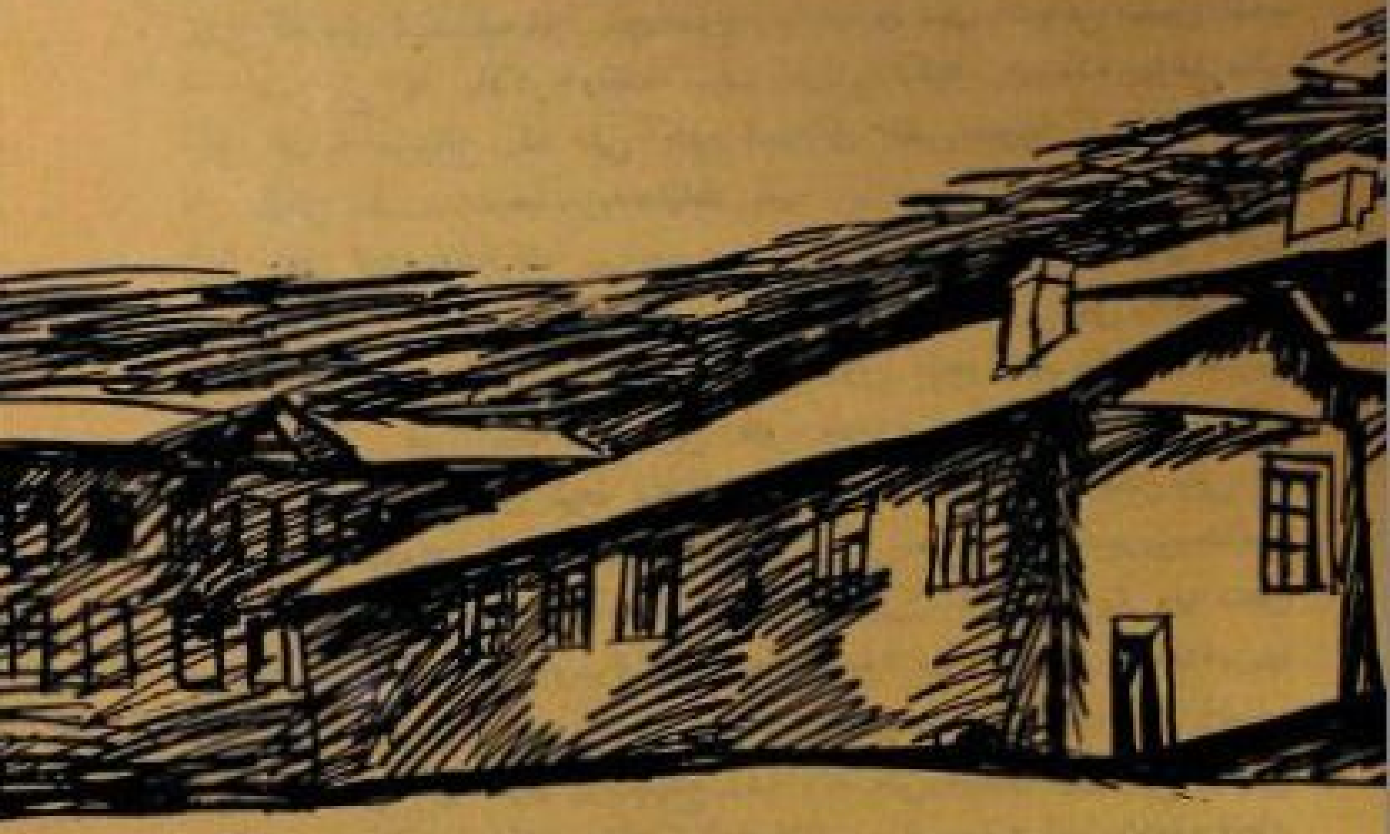

کی طرف چلی گئی جسے گاڑی‌بان اس وقت گاڑی میں جوت رہا تھا۔ اور میرے سارے خیالات اس سوال کو حل کرنے پر مرکوز ہوگئے کہ جب اس گھوڑے کی روح پرواز کرے‌گی تو کس جانور یا انسان کے جسم میں حلول کرے‌گی؟ اسی وقت ولودیا کمرے سے ہو کر گزرا۔ اس نے دیکھا کہ میں کسی چیز کے متعلق غور کر رہا ہوں تو مسکرایا۔ اور یہ مسکراہٹ مجھے یہ بتا دینے کےلئے کافی تھی کہ میں اب تک جو کچھ سوچ رہا تھا وہ سب انتہائی مہمل تھا۔

میں نے یہ یادگار واقعہ صرف اس‌لئے لکھا ہے کہ پڑھنےوالے کو اندازہ ہوجائے کہ میں کس قسم کی باتیں سوچا کرتا تھا۔

لیکن سارے فلسفیانہ رجحانات میں سے میں کسی سے اتنا متاثر نہیں ہوا جتنا تشکیک سے جس نے مجھے ایک وقت تو اس حالت پر پہونچا دیا جو قریب قریب دیوانگی کے برابر تھی۔ میں نے سوچا کہ میرے سوا دنیا میں کوئی اور کچھ نہیں ہے، چیزیں چیزیں نہیں ہیں بلکہ تصویریں ہیں جو صرف اس وقت نظر آتی ہیں جب میں ان کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور میں جیسے ہی ان چیزوں کے متعلق سوچنا بند کردوں‌گا ویسے ہی یہ تصویریں غائب ہوجائیں‌گی۔ مختصر یہ کہ میں شیلینگ کے اس تصور سے متفق تھا کہ اشیا کا کوئی وجود نہیں بلکہ وجود صرف ان کے ساتھ میرے تعلق کا ہے۔ ایسے بھی لمحے آئے جب اس مستقل تصور کے زیراثر میں جنون کی اس منزل پر پہنچ گیا کہ میں جلدی سے اپنے پیچھے اس امید کے ساتھ دیکھنے لگا کہ جہاں میں اب خود نہیں ہوں وہاں دفعتاً مڑکر خلا کو دیکھ لوں۔

انسان کا ذہن بھی اخلاقی اعمال کا کیسا حقیر اور بیکار سرچشمہ ہے!

میری کمزور عقل ناقابل گزر چیزوں سے گزر نہ سکی۔ لیکن اپنی بساط سے بڑھ کر جو محنت کی، اس کی وجہ سے میں ایک کے بعد ایک ایسے اعتقادوں سے محروم ہوتا گیا جنہیں خود اپنی زندگی کی آسایش کی خاطر چھونے کی کوشش ہی نہ کرنی چاہئے تھی۔

اس ساری مشکل اخلاقی محنت سے مجھے کچھ نہ ہاتھ آیا سوائے عقل کے پیچ وخم کے جس نے مجھ میں قوت‌ارادی کو کمزور کردیا اور مسلسل اخلاقی تجزیہ کرنے کی عادت پڑگئی جس

نے احساس کی تازگی اور قوت فیصلہ کی وضاحت کو مٹا دیا۔

انسان کا ذہن اپنی روح کی کیفیت کو کسی خاص وقت پر جس حد تک سمجھنے کا اہل ہوتا ہے مجرد تصورات اس کے مطابق ذہن میں آتے ہیں اور حافظے میں منتقل ہوجاتے ہیں۔ مجرد تصورات کی طرف میرے رجحان کی وجہ سے مجھ میں قوت‌ادراک اس غیرفطری حد تک بڑھ گئی کہ بعد کے زمانے میں جب میں بہت ہی معمولی چیزوں کے متعلق سوچتا تو اپنے خیالات کے تجزیے کے ایک لامتناہی سلسلے میں پھنس جاتا اور اس پر غور ہی نہ کرتا کہ کونسا سوال میرے ذہن میں تھا بلکہ یہ سوچتا کہ میں سوچ کیا رہا تھا۔ جب میں اپنے آپ سے سوال کرتا: میں سوچ کس چیز کے متعلق رہا ہوں؟ تو خود ہی جواب دیتا: میں جو کچھ سوچ رہا ہوں اسی کے متعلق سوچ رہا ہوں۔ اور اب میں کیا سوچ رہا ہوں؟ میرا خیال ہے کہ میں سوچ رہا ہوں کہ میں کیا سوچ رہا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ مجھے دلائل کی منطق نظر نہ آتی۔

بہرحال میں نے جو فلسفیانہ دریافتیں کیں ان سے میری خودپسندی کو بہت سکون ہوا۔ میں اکثر اپنے متعلق سوچتا کہ بہت بڑا آدمی ہوں جو بنی‌نوع انسان کے‌لئے نئی حقیقتوں کی کھوج کر رہا ہے اور میں دوسرے انسانوں کی طرف دیکھتا تو اپنی حیثیت کے متعلق پرغرور احساس کے ساتھ۔ لیکن حیرت کی بات تو یہ تھی کہ جب ان لوگوں سے ملتا تو ان میں سے ہر ایک کی موجودگی سے شرما جاتا اور اپنے متعلق میری رائے جس قدر بلند ہوتی جاتی دوسروں کے سامنے اپنی خصوصیت کے شعور کے اظہار کی اہلیت کم ہوتی جاتی اور میں اپنے آپ کو اس بات کا بھی عادی نہ بنا سکا کہ اپنی معمولی سے معمولی حرکت یا لفظ پر شرم محسوس نہ کروں۔

باب ۲۰

<u>ولودیا</u>

جی ہاں، اپنی زندگی کے اس دور کا ذکر کرتے ہوئے میں جتنا آگے بڑھتا جاتا ہوں یہ کام مجھے اتنا ہی زیادہ تکلیف‌دہ اور مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس دور کی یادوں میں ایسے لمحات بہت ہی کم

آتے ہیں جب مجھے جذبات و احساسات کی سچی گرمی نظر آتی ہو جس نے میری زندگی کے ابتدائی راستے کو اس قدر روشن کردیا تھا۔ مجھے خوشی ہوگی کہ لڑکپن کے ریگستان سے جتنی جلد ممکن ہو سکے گزر جاؤں اور جتنی جلد ممکن ہو سکے اس پرمسرت گھڑی کی طرف پہنچ جاؤں جب دوستی کے واقعی نازک اور شریفانہ جذبے نے اس دور کے آخری زمانے کو منور کردیا اور ایک نئے دور کا آغاز کیا جس میں کشش تھی اور شاعری — یعنی جوانی کا زمانہ۔

میں ہر لمحے کی یادیں نہ لکھوں‌گا بلکہ اس زمانے سے لے کر ایک غیرمعمولی شخصیت سے اپنی ملاقات تک کے اہم واقعات کا سرسری سا جائزہ لوں‌گا جس نے میرے کردار اور ارتقا پر فیصلہ کن اور مفید اثر ڈالا۔

ولودیا چند دن بعد یونی‌ورسٹی میں داخل ہوجائےگا، اس کےلئے خاص استاد آتے ہیں اور جب وہ چاک لیکر تختۂ‌سیاہ پر بیباکی سے چلاتا ہے اور تفاعل، زاویوں، محددی ہندسوں وغیرہ کی باتیں کرتا ہے تو میں رشک اور غیرارادی تعظیم کے ساتھ دیکھتا رہ جاتا ہوں اور یہ ساری باتیں مجھے عقل و فہم کےلئے ناقابل حصول معلوم ہوتی ہیں۔ آخرکار ایک اتوار کو کھانے کے بعد سارے استاد اور دو پروفیسر نانی کے کمرے میں جمع ہوتے ہیں اور پاپا اور کئی مہمانوں کی موجودگی میں ولودیا سے یونی‌ورسٹی کے امتحان کا ریہرسل کراتے ہیں جس میں ولودیا ایسے غیرمعمولی علم کا ثبوت دیتا ہے کہ نانی خوش ہوجاتی ہیں۔ مجھ سے بھی مختلف موضوعات کے متعلق سوال پوچھے جاتے ہیں لیکن میں سراسر کچا نکلتا ہوں اور پروفیسر حضرات نانی کے سامنے میری لاعلمی کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں جس سے میں اور زیادہ بوکھلا جاتا ہوں۔ لیکن میری طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے۔ میں صرف پندرہ سال کا ہوں اسلئے ابھی امتحان کی تیاری کےلئے پورا ایک سال پڑا ہے۔ ولودیا صرف کھانے کےلئے نیچے آتا ہے اور دن بھر یہاں تک کہ شام کو بھی اوپر بیٹھا پڑھا کرتا ہے۔ وہ ایسا کسی کی زبردستی سے نہیں بلکہ خود اپنی خواہش سے کر رہا ہے۔ وہ بہت خودپسند ہے اور کہتا ہے کہ مجھے صرف پاس ہونا نہیں ہے بلکہ امتحان میں امتیاز حاصل کرنا ہے۔

آخر پہلے امتحان کا دن آجاتا ہے۔ ولودیا پیتل کے بٹن والا نیلا کوٹ پہنتا ہے، سونے کی گھڑی لگاتا ہے اور چمڑے کے پینٹ جوتے پہنتا ہے۔ بابا کی فٹن دروازے پر لائی جاتی ہے، نکولائی پردہ ہٹاتا ہے اور ولودیا اور سینٹ جیروم یونیورسٹی کی طرف روانہ ہوجاتے ہیں۔ لڑکیاں اور خاص طور پر کاتینکا کھڑکی میں سے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ولودیا کے خوبصورت جسم کی طرف دیکھتی ہیں تو چہرے سے خوشی اور مسرت پھوٹ پڑتی ہے۔ اور بابا کہتے ہیں: ''خدا کامیاب کرے! خدا کامیاب کرے!،، اور نانی بھی جن کی آنکھوں میں آنسو ہیں، کسی طرح کھڑکی کے نزدیک پہونچ کر ولودیا کو دعائیں دیتی ہیں یہاں تک کہ فٹن سڑک کے کونے پر مڑکر نظروں سے اوجھل ہوجاتی ہے اور وہ سرگوشی سی کچھ کہتی رہتی ہیں۔

ولودیا واپس آجاتا ہے۔ سب لوگ بےصبری سے اسے گھیر لیتے ہیں۔ ''کیوں؟ اچھا رہا؟ کتنے نمبر ملے؟،، لیکن اس کا مسرور چہرہ بذات خود ان سب سوالوں کا جواب ہے۔ ولودیا کو پورے نمبر ملے ہیں۔ دوسرے دن انہی فکروں، دعاؤں اور اللہ آمین کے ساتھ وہ روانہ ہوا اور اسی بےصبری اور خوشی کے ساتھ اس کا خیرمقدم کیا گیا۔ اس طرح نو دن گزر گئے۔ دسویں دن اس کا آخری اور سب سے مشکل امتحان ہے — مذہبی معلومات۔ ہم سب کھڑکی کے پاس کھڑے پہلے سے بھی زیادہ بےصبری کے ساتھ اس کا انتظار کر رہے ہیں۔ دو بج گئے لیکن ولودیا کا اب تک کوئی پتہ نہیں۔

''ہائے اللہ! وہ دیکھو! وہ آگئے! وہ آرہے ہیں!،، لیوبوچکا کھڑکی کے شیشے سے منہ لگاکر چلاتی ہے۔ اور واقعی ولودیا سینٹ جیروم کے ساتھ فٹن میں بیٹھا ہوا ہے۔ اور وہ نیلا کوٹ اور بھوری ٹوپی نہیں پہنے ہے بلکہ طلبا کی وردی میں ہے: کڑھا ہوا نیلا کالر، تکونا ہیٹ اور کمر میں لٹکتا ہوا سنہرا خنجر۔

''ہائے اگر وہ اس وقت زندہ ہوتی!،، ولودیا کو اس وردی میں دیکھ کر نانی بیساختہ چیخ پڑتی ہیں اور بےہوش ہوجاتی ہیں۔

ولودیا چہرے پر مسرت لئے ڈیوڑھی میں دوڑ کر آجاتا ہے

اور مجھے، لیوبوچکا، میمی اور کاتینکا کو پیار کرتا ہے جو شرم کے مارے سرخ ہوجاتی ہے۔ ولودیا خوشی کے مارے پھولا نہیں سماتا۔ اور اپنی وردی میں کتنا حسین لگتا ہے! اس کے سبزہ آغاز چہرے پر یہ نیلا کالر کتنا بھلا معلوم ہوتا ہے! کمر کتنی لمبی اور نازک سی ہے اور چال کتنی اچھی ہے! اس یادگار دن سب لوگ نانی کے کمرے میں کھانا کھاتے ہیں، ہر چہرے سے خوشی ٹپکی پڑ رہی ہے اور کھانے کے بعد بٹلر مودبانہ شان لیکن مسرور انداز میں صافی میں لپٹی ہوئی شیمپین کی بوتل لاتا ہے۔ اماں کے انتقال کے بعد نانی پہلی بار شیمپین پیتی ہیں۔ ولودیا کو مبارکباد دینے کےلئے وہ پورا گلاس پی جاتی ہیں اور اس کی طرف دیکھتی ہیں تو خوشی کی وجہ سے پھر رونے لگتی ہیں۔ اب ولودیا خود اپنی گاڑی میں باہر گھومنے جاتا ہے، خود اپنے کمرے میں ملاقاتیوں سے ملتا ہے، سگریٹ پیتا ہے، ناچنے جاتا ہے اور ایک بار تو میں نے یہ تک دیکھا کہ اپنے کمرے میں کچھ مہمانوں کے ساتھ شیمپین کی دو بوتلیں پی گیا اور سارے لوگ ہر جام کے ساتھ کسی پراسرار شخصیت کے جام صحت کا نام لیتے تھے اور پھر اس پر بحث کرنے لگتے تھے کہ le fond de la bouteille* لیکن وہ کھانا ہمیشہ گھر پر کھاتا ہے اور حسب سابق سہ پہر بیٹھک میں گزارتا ہے اور کاتینکا کے ساتھ ہمیشہ پراسرار قسم کی باتیں کیا کرتا ہے۔ لیکن جہاں تک میں سن سکتا ہوں کیونکہ میں خود گفتگو میں تو حصہ نہیں لیتا، تو وہ لوگ ہر وقت اپنے پڑھے ہوئے ناولوں کے ہیروؤں اور ہیروئنوں کے متعلق، رقابت اور محبت کے متعلق باتیں کیا کرتے ہیں۔ میں یہ کسی طرح نہیں سمجھ پاتا کہ ایسی بحث میں انہیں لطف کیا آتا ہے یا وہ لوگ اس نزاکت کے ساتھ مسکراتے کیوں ہیں اور اتنی گرما گرمی سے بحث کیوں کرتے ہیں۔

عام طور پر میں یہ دیکھتا ہوں کہ بچپن کے ساتھیوں کی فطری دوستی کے علاوہ کاتینکا اور ولودیا کے درمیان کچھ عجیب سے تعلقات بھی پیدا ہوگئے ہیں جو انہیں ہم سے الگ کر دیتے ہیں اور آپس میں دونوں کو پراسرار انداز میں ایک دوسرے سے وابستہ کرتے ہیں۔

---

* تلچھٹ کس کے حصے میں آئے گی۔

باب ۲۱

کاتینکا اور لیوبوچکا

کاتینکا اب سولہ برس کی ہے۔ بڑی ہوگئی ہے، جسم کے خطوط کے ابھار، چال ڈھال میں الھڑپن اور جھجک نے جو لڑکیوں میں بچپن سے نوجوانی کی طرف جاتے ہوئے پیدا ہوجاتی ہے، نوشگفتہ پھول کی تازگی اور خوبصورتی بخش دی ہے۔ لیکن وہ بدلی نہیں ہے۔ وہی نیلگوں اور ہمیشہ مسکراتی ہوئی آنکھیں، وہی چھوٹی سی ستواں ناک جو تقریباً پیشانی کے ساتھ مل کر ایک سیدھا سا خط بنا دیتی ہے، تنے ہوئے نتھنے اور درخشندہ مسکراہٹ‌والا چھوٹا سا دھانہ، گلابی اور نازک جلد کے رخساروں کے دلکش گڈھے، وہی چھوٹے چھوٹے گورے سے ہاتھ... اور نہ‌جانے کیوں اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اپنے آپ کو لئے دئے رہتی ہے۔ اس میں نئی بات صرف یہ ہے کہ اپنے سنہرے بالوں کی چوٹی گوندھتی ہے اور بڑھی بوڑھی عورتوں کی طرح بال بناتی ہے۔ اور دوسری نئی بات اس کا نوخیز سینہ ہے جس کے نمودار ہونے سے اسے یقیناً خوشی ہوتی ہے اور شرم بھی آتی ہے۔

لیوبوچکا کی نشوونما اور تعلیم بھی اسی کے ساتھ ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود ہر معنی میں وہ مختلف قسم کی لڑکی ہے۔

لیوبوچکا کا قد بلند نہیں ہے اور سوکھے کی بیماری کی وجہ سے اس کے پیر اب بھی ٹیڑھے ہیں اور کمر بہت ہی بھدی سی ہے۔ اس کے چہرے میں اچھی چیز صرف اس کی آنکھیں ہیں، بہت خوبصورت ــ بڑی بڑی سیاہ سی آنکھیں اور ان میں وجاہت اور سادگی کا ایسا ناقابل بیان پرکشش اظہار ہوتا ہے کہ ان کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ لیوبوچکا ہر کام کو فطری انداز اور سادگی کے ساتھ کرتی ہے جبکہ کاتینکا کسی اور کی نقل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیوبوچکا کی نظروں میں بیباکی ہے اور کبھی کبھی وہ اپنی سیاہ آنکھیں کسی شخص پر گاڑ دیتی ہے اور اتنی دیر تک گھورتی ہے کہ اسے ڈانٹ دیا جاتا ہے اور کہدیا جاتا ہے کہ یہ بات مناسب نہیں ہے۔ اس کے برخلاف کاتینکا اپنی پلکیں

جھکا لیتی ہے، آنکھیں سکیڑ لیتی ہے اور کہتی ہے میری نظر کمزور ہے۔ مگر مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ اس کی نظر بالکل ٹھیک ہے۔ لیوبوچکا اجنبیوں کے سامنے تکلف برتنا نہیں جانتی اور جب کوئی شخص محفل میں اسے بوسہ دینا چاہتا ہے تو وہ منہ بنا کر کہتی ہے کہ میں جذباتیت برداشت نہیں کر سکتی۔ اس کے برخلاف کاتینکا مہمانوں کی موجودگی میں میمی کے ساتھ بہت ہی محبت سے پیش آتی ہے اور کسی بھی لڑکی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ہال میں ٹہلنے میں اسے مزا آتا ہے۔ لیوبوچکا بہت جلد قہقہہ لگانے لگتی ہے اور کبھی کبھی مسرت کی اس فراوانی میں وہ ہاتھوں سے اشارے کرتی ہے اور کمرے میں دوڑی دوڑی پھرتی ہے۔ اس کے برخلاف کاتینکا جب ہنسنے لگتی ہے تو اپنے منہ پر ہاتھ یا رومال رکھ لیتی ہے۔ لیوبوچکا ہمیشہ سیدھی بیٹھتی ہے اور جب چلتی ہے تو اس کے ہاتھ سیدھے رہتے ہیں۔ کاتینکا سر ایک طرف جھکا لیتی ہے اور چلتے وقت ہاتھ باندھ لیتی ہے۔ لیوبوچکا کو جب بھی کسی زیادہ عمر کے مرد سے بات کرنے کا موقع ملتا ہے تو اسے بےانتہا خوشی ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ میں شادی تو کسی خصار (شاہی رسالے کے سوار) سے کروں‌گی۔ لیکن کاتینکا کہتی ہے کہ سارے مرد واہیات ہوتے ہیں اور میں کبھی شادی نہ کروں‌گی اور جب کوئی مرد اس سے بات کرتا ہے تو بالکل مختلف قسم کی لڑکی ہوجاتی ہے جیسے اسے کسی چیز کا ڈر ہے۔ لیوبوچکا ہمیشہ میمی سے پریشان رہتی ہے کیونکہ اس کا کمر کا پٹکا اتنا تنگ باندھا جاتا ہے کہ "سانس لینا ناممکن ہوجاتا ہے" اور اسے کھانے کا شوق ہے۔ لیکن اس کے برخلاف کاتینکا اکثر اپنے بلاوز کی پیٹی میں انگلی ڈال کر ہمیں دکھاتی ہے کہ کتنا ڈھیلا ہے اور وہ کھاتی بہت کم ہے۔ لیوبوچکا کو انسانی شکلیں بنانے میں مزا آتا ہے اور کاتینکا صرف پھولوں اور تتلیوں کی تصویریں بناتی ہے۔ لیوبوچکا فیلڈ کے کنسرٹو اور بیتھوون کے کچھ سوناٹے بہت عمدہ بجاتی ہے۔ کاتینکا طرزیں اور والز بجاتی ہے اور آہنگ کو برقرار رکھتی ہے، پیانو کے پردوں پر زور سے انگلیاں مارتی ہے اور پائدان کو مسلسل استعمال کرتی رہتی ہے،

کوئی بھی چیز بجاتی ہو وہ اس سے پہلے جذباتی انداز میں تین گتیں ضرور بجاتی ہے۔

اس زمانے میں میرا خیال تھا کہ کاتینکا میں بالغ لڑکی جیسی باتیں پائی جاتی ہیں اسی‌لئے وہ مجھے زیادہ اچھی لگتی تھی۔

باب ۲۲

پاپا

جب سے ولودیا یونی‌ورسٹی میں داخل ہوا پاپا بہت خوش ہیں اور پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ نانی کے کمرے میں کھانا کھانے آتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ مجھے نکولائی نے بتایا ان کی خوشی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان دنوں انہوں نے کافی بڑی رقم جیتی ہے۔ کبھی کبھی وہ شام کو کلب جانے سے قبل ہمیں دیکھنے آجاتے ہیں۔ پیانو کے پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ ہم لوگ ان کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں اور وہ اپنے نرم جوتوں سے تال دے کر (وہ ایڑی‌دار جوتے برداشت ہی نہیں کرپاتے اسی‌لئے پہنتے ہی نہیں) خانہ‌بدوشوں کے گیت گاتے ہیں۔ اس وقت ان کی سب سے چہیتی لیوبوچکا کے چہرے پر مسخرے‌پن کی بے‌پناہ مسرت قابل‌دید ہوتی ہے جو ان کی پرستش کرتی ہے۔ کبھی کبھی وہ پڑھائی کے کمرے میں آتے ہیں اور میں اپنا سبق پڑھتا ہوں تو سنجیدہ سا منہ بنا کر سنتے ہیں۔ لیکن جب کبھی وہ چند لفظوں میں میری غلطیاں درست کرتے ہیں تو مجھے اندازہ ہوجاتا ہے کہ میں جو کچھ پڑھ رہا ہوں اس سے وہ کچھ زیادہ واقف نہیں ہیں۔ جب نانی بلاوجہ بڑبڑانے اور خواہ‌مخواہ ہر شخص کے خلاف خفا ہونے لگتی ہیں تو وہ چپکے سے ہم لوگوں کو آنکھ مار کر اشارہ کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد کہتے ہیں: ”لو اب آپڑی ہمارے سر، بچو، دیکھا؟“ میرے بچکانہ تصور نے انہیں میری رسائی سے پرے جس بلندی پر بٹھا رکھا تھا، اس کے مقابلے میں اب مجموعی حیثیت سے ان کا رتبہ میری نظروں میں کم ہوتا جاتا ہے۔ میں ان کے بڑے بڑے گورے

ہاتھوں کو اب بھی اسی پرخلوص محبت اور عزت کے ساتھ پیار کرتا ہوں۔ لیکن اب میں ان کے متعلق سوچتا ہوں، ان کے اعمال کو جانچتا ہوں اور ایسے خیالات آتے ہیں جو مجھے خوفزدہ کردیتے ہیں۔ میں ایک واقعے کو کبھی نہیں بھول سکتا جس نے میرے ذہن میں ایسے بہت سے خیالات پیدا کئے اور جن کی وجہ سے میری روح بہت بےچین رہی۔

ایک دن رات گئے وہ اپنا سیاہ فراک کوٹ اور سفید واسکٹ پہنے مہمان‌خانے میں داخل ہوئے تاکہ ولودیا کو اپنے ساتھ ناچ کی محفل میں لےجائیں۔ وہ اپنے کمرے میں کپڑے بدل رہا تھا۔ نانی اپنی خوابگہ میں انتظار کر رہی تھیں کہ ولودیا آکر دکھائے کہ لگتا کیسا ہے (ان کی عادت تھی کہ ہر ناچ سے پہلے اسے اپنے پاس بلاتی تھیں، اس کا معائنہ کرتی تھیں اور اسے دعائیں اور ہدایتیں دیتی تھیں)۔ میمی اور کاتینکا ہال میں چکر لگا رہی تھیں جہاں صرف ایک شمع روشن تھی اور لیوبوچکا پیانو کے سامنے بیٹھی ممی کی پسندیدہ دھن فیلڈ کا دوسرا کنسرٹو بجانے کی مشق کر رہی تھی۔

میری بہن اور میری ماں میں جتنی مشابہت تھی اتنی میں نے کسی اور میں نہیں دیکھی۔ یہ مشابہت نہ تو چہرے میں تھی، نہ جسم میں بلکہ کچھ سبک قسم کی خصوصیات میں — ہاتھوں میں، چلنے کے انداز میں، آواز کی خصوصیات میں اور چہرے کے کچھ اتارچڑھاؤ میں۔ جب لیوبوچکا غصہ ہوتی اور کہتی: ''ساری عمر اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی،، تو ''ساری عمر،، کے الفاظ جو ممی کی زبان پر بھی چڑھے ہوئے تھے ایسے لگتے جیسے کہ میں نے ممی کی آواز سنی ہو اور انہوں نے یہ لفظ کھینچ کر ادا کئے ہوں۔ لیکن جب وہ پیانو بجاتی تو اس کے ہر انداز سے یہ مشابہت غیرمعمولی طور پر نمایاں ہوجاتی۔ بیٹھتے وقت اپنا لباس بالکل اسی انداز سے ٹھیک کرتی اور گانے کی کتاب کے صفحے اوپر سے بائیں ہاتھ سے الٹتی، اور جب کسی مشکل حصے کو ٹھیک طرح نہ بجا سکتی تو جھنجھلا کر پردوں پر گھونسے مارتی اور کہتی: ''ہائے خدایا!،، اور وہ اس ناقابل بیان حد تک رواں، نازک اور سبک ہاتھوں سے اور صحت کے ساتھ خوبصورت انداز میں فیلڈ بجاتی جسے

بالکل بجا طور پر jeu perlé کہا جاتا ہے اور جس کی خوبصورتی کو نئی قسم کے پیانو بجانےوالوں کی ساری الٹی پلٹی ترکیبیں فراموش نہیں کرا سکتیں۔

بابا چھوٹے چھوٹے تیز قدموں سے کمرے میں داخل ہوئے اور لیوبوچکا کے پاس پہنچے جس نے انہیں دیکھ کر بجانا بند کردیا۔

''نہیں، بجاتی رہو لیوبا، بجاؤ،، انہوں نے اسے پھر سے بٹھاتے ہوئے کہا۔ ''تم جانتی ہو کہ تمہارا بجانا مجھے کتنا پسند ہے۔،،

لیوبوچکا بجاتی رہی اور بابا دیر تک اس کے سامنے اپنے ہاتھ سے سر کو سہارا دئیے بیٹھے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے دفعتاً کاندھے جھٹکے، اٹھے اور کمرے میں چکر لگانے لگے۔ جتنی بار وہ پیانو کے پاس آتے رک کر لیوبوچکا کی طرف گھور کر دیکھتے۔ ان کی حرکات وسکنات اور ٹہلنے کے انداز سے مجھے پتہ چل گیا کہ اس وقت جذبات سے مغلوب ہو رہے ہیں۔ ہال میں کئی چکر لگانے کے بعد وہ لیوبوچکا کی کرسی کے پیچھے آکر رکے، اس کے سیاہ بالوں پر پیار کیا اور اس کے بعد مڑکر پھر سے ٹہلنے لگے۔ جب لیوبوچکا بجانا ختم کر چکی تو ان کے پاس جاکر پوچھا: ''آپ کو پسند آیا؟،، انہوں نے خاموشی سے اس کے سر کو اپنے ہاتھوں میں لیکر ایک لفظ کہے بغیر اس کی پیشانی اور آنکھوں پر اتنی شفقت سے پیار کرنے لگے کہ میں نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

''ارے آپ تو رو رہے ہیں!،، لیوبوچکا بولی اور ان کی گھڑی کی زنجیر دفعتاً ہاتھ سے چھوڑکر ان کے چہرے پر اپنی بڑی بڑی حسرت‌زدہ آنکھیں گاڑ دیں۔ ''معاف کردو، پیارے بابا۔ میں بالکل بھول گئی تھی کہ وہ خاص اماں کی چیز تھی۔،،

''نہیں بیٹی، اسے اکثر بجایا کرو۔ بجاؤگی نہ؟،، انہوں نے جذبات سے بوجھل آواز میں کہا ''کاش تمہیں خبر ہوتی کہ تمہارے ساتھ مل کر رونے سے میرا دل کتنا ہلکا ہوجاتا ہے۔،،

انہوں نے ایک بار پھر اسے پیار کیا اور اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے کاندھے جھٹکے اور گذرگاہ اور ولودیا کے کمرے میں کھلنےوالے دروازے سے باہر چلے گئے۔

''ولدیمار! جلدی تیار ہوجاؤگے؟،، انہوں نے گذرگاہ میں آدھی دور جاکر آواز دی۔ اسی وقت ملازمہ ماشا ان کے قریب سے گزری

اور مالک کو دیکھ کر اس نے آنکھیں نیچی کرلیں اور ان سے بچ کر نکل جانے کی کوشش کی۔ انھوں نے اسے روک لیا۔

''تو روز بہ روز ہی حسین ہوتی جا رہی ہے،، انھوں نے اس پر جھکتے ہوئے کہا۔

ماشا شرم کے مارے سرخ ہوگئی اور سر کو اور جھکا لیا۔

''مجھے جانے کی اجازت دیجئے،، اس نے سرگوشی کے لہجے میں کہا۔

''ولدیمار، کیا تم تیار ہوگئے؟،، ماشا چلی اور بابا نے مجھے دیکھا تو منہ بنا کر اور کھانس کر پھر آواز دی۔

مجھے اپنے والد سے محبت ہے۔ لیکن انسان کا ذہن دل سے مشورہ نہیں کرتا اور اکثر ایسے خیالات کی آماجگاہ بن جاتا ہے جو اس کے احساسات کے دامن پر دھبہ ہوتے ہیں اور اس کی فہم سے بالاتر اور خوفناک۔ اور حالانکہ میں نے ایسے خیالات کو دور بھگانے کی کوشش کی لیکن وہ باربار میرے ذہن میں آتے رہے۔

باب ۲۳

نانی

نانی روز بہ روز کمزور ہوتی گئیں۔ ان کی گھنٹی، بڑبڑانے والی گاشا کی آواز اور دروازوں کی بھڑبھڑ اب ان کے کمرے سے زیادہ سنائی دینے لگیں اور اب وہ پڑھنے لکھنے کے کمرے میں اپنی بڑی سی آرام کرسی پر بیٹھ کر ہم لوگوں سے نہ ملتی تھیں بلکہ خوابگاہ میں اونچی مسہری پر لیٹے لیٹے جس پر لیس لگا ہوا تکیہ رکھا تھا۔ جب وہ میرے سلام کا جواب دیتیں تو ان کے ہاتھ پر زردی مائل چمکتی ہوئی سوجن نظر آتی اور کمرے میں وہ سخت ناگوار بو بسی ہوئی تھی جو میں نے پانچ برس پہلے اماں کے کمرے میں محسوس کی تھی۔ ڈاکٹر دن میں تین بار آتے اور کئی بار اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرتے۔ لیکن نانی کے کردار، ان کی اکڑ اور گھر کے سارے لوگوں اور خاص طور پر بابا کے ساتھ رکھ رکھاؤ اور تکلف کے برتاؤ میں ذرہ برابر تبدیلی نہ آئی۔ وہ اب بھی الفاظ کو کھینچ کر بولتیں، بھویں چڑھا لیتیں اور بالکل اسی پرانے انداز سے کہتیں: ''ہاں میرے پیارے۔،،

پھر چند دن کے لئے ہمیں ان کے پاس جانے سے منع کردیا گیا اور ایک دن صبح کو سینٹ جیروم نے مجھ سے پڑھائی کے وقت یہ کہا کہ تم لیوبوچکا اور کاتینکا کے ساتھ گاڑی پر گھومنے چلے جاؤ۔ میں گاڑی پر بیٹھا تو میں نے دیکھا کہ نانی کی کھڑکی کے سامنے بھوسے کا ڈھیر لگا ہے اور بہت سے لوگ بڑے نیلے کوٹ پہنے ہمارے پھاٹک کے پاس کھڑے ہیں۔ لیکن پھر بھی میں یہ نہ سمجھ سکا کہ ہم لوگوں کو اس خلاف معمول وقت پر گھومنے کے لئے کیوں بھیجا جا رہا ہے۔ اس دن گاڑی پر سیر کے دوران میں اور لیوبوچکا نہ جانے کیوں اتنے خوش اور مسرور تھے کہ ہر ہر لفظ اور حرکت پر ہنسی چلی آرہی تھی۔

ایک خوانچے والے کو دیکھ کر جو اپنا خوانچہ اٹھائے ہوئے سڑک پر سے بھاگتا ہوا گزر رہا تھا، ہم لوگ ہنس پڑے۔ کچھ گاڑی والے، گھوڑے دوڑاتے لگامیں ہلاتے ہماری گاڑی سے آگے نکل گئے اور ہم زور زور سے ہنسنے لگے۔ فلپ کا کوڑا گاڑی کے پہیے میں پھنس گیا۔ اس نے مڑ کر کہا: "ہت تیری کی!" اور ہنسی کے مارے ہمارا برا حال ہوگیا۔ میمی نے ہماری طرف خفگی سے دیکھا اور کہا کہ صرف احمق لوگوں کو بلاوجہ ہنسی آتی ہے اور لیوبوچکا نے بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کرکے کنکھیوں سے میری طرف دیکھا۔ ہماری نظریں چار ہوئیں اور ہم لوگ اس بری طرح ہنسنے لگے کہ آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اور ہم ان قہقہوں کو نہ روک سکے جو ہمارا دم گھونٹے دے رہے تھے۔ ابھی ہم لوگ خاموش ہی ہونے تھے کہ میں نے لیوبوچکا کی طرف دیکھا اور ایک پراسرار لفظ کہا جو کچھ دنوں سے ہم لوگوں کے درمیان چالو تھا اور جس کو سن کر ہمیشہ ہنسی آتی تھی اور ہم لوگ پھر ہنسنے لگے۔

گاڑی جب گھر کے پاس پہنچ رہی تھی تو میرے جی میں آئی کہ لیوبوچکا کا ایک بار اچھی طرح منہ چڑا دوں۔ ابھی منہ کھولا ہی تھا کہ دفعتاً میں ایک تابوت کے سیاہ ڈھکنے کو دیکھ کر چونک پڑا جو دیوار کے سہارے رکھا ہوا تھا اور مسخرے پن کا انداز میرے چہرے پر جیسے جم کر رہ گیا۔

''تمہاری نانی کا انتقال ہوگیا،، سینٹ جیروم نے ہمارے پاس آکر فرانسیسی میں کہا۔ ان کا چہرہ زرد پڑگیا تھا۔

نانی کی لاش جتنی دیر گھر میں رہی موت کا ایک وحشتناک خوف مجھ پر طاری رہا جیسے لاش زندہ ہو اور مجھے ناخوشگوار طور پر یاد دلا رہی ہو کہ تمہیں بھی ایک دن مرنا ہے۔ اس احساس کو عموماً کسی وجہ سے غلطی سے غم سمجھ لیا جاتا ہے۔ مجھے نانی کا افسوس نہ تھا اور اس بات کے باوجود کہ گھر میں ماتم‌پرسی کرنےوالوں کا ہجوم تھا، مشکل ہی سے کوئی ایسا شخص ہوگا جسے واقعی افسوس رہا ہو، سوائے ایک فرد کے جس کے جنون کی حد تک پہونچیے ہوئے غم نے مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ اور وہ تھی ملازمہ گشا۔ وہ اوپری کمرے میں بند ہوگئی، مسلسل روتی رہی، اپنے آپ کو کوستی رہی، بال نوچیے، کسی کے دلاسے پر کان نہ دھرتی اور مسلسل کہے جاتی کہ میری مالکہ مرگئیں اور اب میری بھی تمنا ہے کہ مرجاؤں۔

میں پھر کہتا ہوں کہ احساسات کے معاملے میں پورا پورا یقین نہ ہونا، یہ خلوص کی پکی نشانی ہے۔

نانی ہمارے ساتھ نہیں ہیں پھر بھی گھر میں ان کی یادوں کا چرچا ہے اور انہی کے تذکرے ہوتے رہتے ہیں۔ ان چرچوں کا خاص تعلق ان کے وصیت‌نامے سے تھا جو انہوں نے مرنے سے پہلے لکھا تھا اور جس کے مضمون کے متعلق ان کے وصی شاہزادے ایوان ایوانچ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو علم نہ تھا۔ نانی کے خانہ‌زاد لوگوں میں میں نے کافی گرماگرمی دیکھی اور اکثر میں نے ان کو کہتے سنا کہ کون کس کے حصے میں جائےگا۔ اور مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ میں اس تصور سے یقیناً خوش ہوا کہ ہم لوگوں کو بھی نانی کا ورثہ ضرور ملےگا۔

چھ ہفتے ختم ہونے کے بعد نکولائی نے جو ہمارے گھر کا سدا بہار اخبار تھا، مجھے بتایا کہ نانی اپنی ساری جائداد لیوبوچکا کے نام لکھ گئی ہیں اور اس کی شادی ہونے تک پاپا کو نہیں شاہزادہ ایوان ایوانچ کو سرپرست بنایا ہے۔

باب ۲۳

میں

یونیورسٹی میں میرے داخلے کو صرف چند مہینے رہ گئے ہیں۔ بہت محنت سے پڑھ رہا ہوں۔ نہ صرف یہ کہ میں اب اپنے استاد کا انتظار بلاکسی خوف کے کرتا ہوں بلکہ اپنا سبق پڑھنے میں مجھے ایک خوشی سی محسوس ہوتی ہے۔

مجھے اپنا سبق باآواز بلند بہت واضح اور صاف طریقے سے دوہرانے میں لطف آتا ہے۔ میں شعبہ ریاضی کےلئے تیاری کررہا ہوں اور سچی بات یہ ہے کہ اس کا چناؤ محض اس وجہ سے کیا ہے کہ اس قسم کے الفاظ جیسے sinuses, tangents, differentials, integrals مجھے بہت پسند ہیں۔

میرا قد ولودیا سے بہت ہی چھوٹا ہے، شانے چوڑے ہیں اور جسم پر گوشت کافی ہے۔ صورت بری بائی ہے سو ویسی ہی ہے اور اس کی بدولت پہلے کی طرح ہی دکھی رہتا ہوں۔ میں ہر بات میں انوکھا ہونے کی کوشش کرتا ہوں۔ صرف ایک چیز سے دل کو تسکین ہوتی ہے یہ کہ پاپا نے ایک بار کہا تھا کہ ''تمہارا چہرہ مہرہ کافی ذہین ہے۔،، اور مجھے ان کی بات کا پورا اعتبار ہے۔

سینٹ جیروم مجھ سے مطمئن ہیں اور میں ان سے نفرت نہیں کرتا۔ بلکہ جب وہ کبھی کبھہ دیتے ہیں کہ بڑی شرم کی بات ہے کہ ''اپنی ایسی صلاحیت،، اور ''ایسی ذہانت،، کے باوجود تم فلاں چیز نہیں کرتے تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں انہیں پسند کرتا ہوں۔

نوکرانیوں کے کمرے میں تاکنے جھانکنے کا کام میں بہت دن ہوئے چھوڑ چکا ہوں۔ مجھے دروازے کے پیچھے چھپتے ہوئے شرم آتی ہے اور پھر ایمان کی بات یہ ہے کہ اس یقین نے مجھے تسکین دےدی ہے کہ ماشا کو واسیلی سے محبت ہے۔ اور اس کم بخت آتش شوق سے واسیلی کی شادی نے بالکل ہی میری جان چھڑا دی اور اس کے کہنے سننے پر میں نے خود ہی پاپا سے اجازت دلوائی۔ جب نیا شادی‌شدہ جوڑا تھال میں مٹھائی لئے ہوئے پاپا کا شکریہ

ادا کرنے آیا اور نیلی کوٹ کا ٹوپا پہن کر ماشا نے ہم میں سے ہر ایک کے شانے کو بوسہ دیا اور کسی بات کے لئے ہم لوگوں کا شکریہ ادا کیا، تو میں صرف اس کے بالوں کے گلابی پوماد کو سونگھتا رہ گیا اور کوئی جذبہ دل میں نہیں ابھرا۔

مجموعی حیثیت سے میں بچکانہ خامیوں پر بتدریج قابو پا رہا ہوں، سوائے ایک خاص خامی کے جو میری زندگی میں ابھی اور بہت نقصان پہنچانےوالی ہے یعنی فلسفیانہ انداز میں غوروفکر کا رجحان۔

باب ۲۰

ولودیا کے دوست

اگرچہ ولودیا کے دوستوں میں اٹھنے بیٹھنے سے میری خودپسندی کو ٹھیس لگتی تھی پھر بھی مجھے اس کے کمرے میں اس وقت بیٹھنے میں بڑا مزا آتا جب اس کے مہمان آتے اور میں خاموشی سے ہر چیز کو دیکھا کرتا۔ ولودیا کے پاس اکثر آنےوالوں میں دبکوف تھا جو ایڈجوٹنٹ تھا اور ایک طالب علم شاہزادہ نخلیودوف بھی تھا۔ دبکوف پستہ قد، گٹھے ہوئے جسم اور سانولے رنگ کا تھا۔ اب اس کی نوجوانی کا اولین زمانہ بیت چکا تھا، پیر کچھ چھوٹے تھے لیکن بدقطع آدمی نہ تھا۔ ہمیشہ خوش‌وخرم رہتا۔ وہ ان گنے چنے لوگوں میں سے تھا جو خاص طور پر اپنی تنگ‌نظری کی وجہ سے مقبول ہوتے ہیں، جو چیزوں کو مختلف زاویہ سے دیکھ ہی نہیں سکتے اور جو ہمیشہ تیار رہتے ہیں کہ کسی نہ کسی چیز میں بہہ‌جائیں۔ اس قسم کے لوگوں کے اندازے یکطرفہ اور غلط ہوتے ہیں لیکن وہ بہت صاف دل اور دلکش شخصیت کے مالک ہوتے ہیں۔ کسی وجہ سے حقیر خودپسندی بھی ناقابل معافی اور دلکش معلوم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ولودیا اور میرے لئے دبکوف میں دوہری کشش تھی — سپاہیانہ وضع قطع اور سب سے بڑھ کر وہ عمر جس کے ساتھ نوعمر لوگ تعظیم کا جذبہ ضرور شامل کردیتے ہیں جسے comme il faut کہا جاتا تھا اور جسے ہماری

عمر کے لوگ بہت پسند کرتے ہیں، پھر دبکوف واقعی ایسا آدمی تھا جسے un homme comme il faut کہتے ہیں۔ صرف ایک چیز جو مجھے پسند نہیں تھی وہ یہ کہ اس کی موجودگی میں کبھی کبھی ولودیا میری انتہائی معصومانہ حرکتوں اور سب سے بڑھ کر میری کم عمری کی وجہ سے شرمندہ ہوجاتا تھا۔

نخلیودوف خوبصورت آدمی نہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی بھوری آنکھیں، نیچا ابھرا ہوا ماتھا، غیرمتناسب لمبے لمبے ہاتھ پیر، اس کے خدوخال کو حسین نہ کہا جا سکتا تھا۔ اس میں جو خوبصورت چیز تھی وہ تھا اس کا غیرمعمولی بلند و بالا قد، اس کے چہرے کا نرم و نازک رنگ اور بہت ہی خوبصورت دانت۔ لیکن چھوٹی چھوٹی تیز آنکھوں سے اور اس مسکراہٹ کی وجہ سے، جس سے کبھی سختی اور درشتی ظاہر ہوتی اور کبھی بچوں کی سی بےخیالی، اس کے چہرے پر ایسا اچھوتا اور جاندار تاثر پیدا ہوتا تھا کہ اس کو نظرانداز کرنا ناممکن تھا۔

وہ انتہائی شرمیلا معلوم ہوتا کیونکہ ذرا ذرا سی بات پر شرمیلے پن کی وجہ سے اس کا چہرہ کانوں تک تمتما اٹھتا۔ لیکن یہ شرمیلاپن میری طرح کا نہیں تھا۔ اس کا چہرہ جتنا زیادہ تمتماتا اس کے بشرے سے اتنا ہی زیادہ عزم کا اظہار ہوتا جیسے اپنی کمزوری کی وجہ سے خود اپنے اوپر غصہ کر رہا ہو۔

معلوم یہ ہوتا تھا کہ دبکوف اور ولودیا کے ساتھ اس کی دوستی بہت اچھی تھی لیکن صاف پتہ چلتا تھا کہ اتفاقیہ طور پر ان لوگوں کی ملاقات ہوتی ہے۔ یہ لوگ مختلف قسم کے تھے: ولودیا اور دبکوف ہر اس چیز سے خائف معلوم ہوتے تھے، جس میں سنجیدہ بحثابحثی اورجذباتیت کا شبہہ بھی ہوتا تھا، اس کے برخلاف نخلیودوف کے مزاج میں بڑا جوشیلاپن تھا اور دوسروں کے مذاق کا خیال کئے بغیر وہ فلسفیانہ اور جذباتی سوالوں پر سرگرمی سے بحث شروع کردیتا۔ ولودیا اور دبکوف کو اپنی محبتوں کے متعلق باتیں کرنے میں لطف آتا تھا (ہمیشہ ایسا ہوتا تھا کہ ان دونوں کو ایک ساتھ کئی سے محبت ہوتی اور دونوں ہی ان محبتوں میں شریک رہتے)۔ اس کے برخلاف جب وہ لوگ سرخ بالوں‌والی لڑکی سے نخلیودوف کی محبت کا ذکر کرتے تو وہ ہمیشہ ناراض ہوجاتا۔

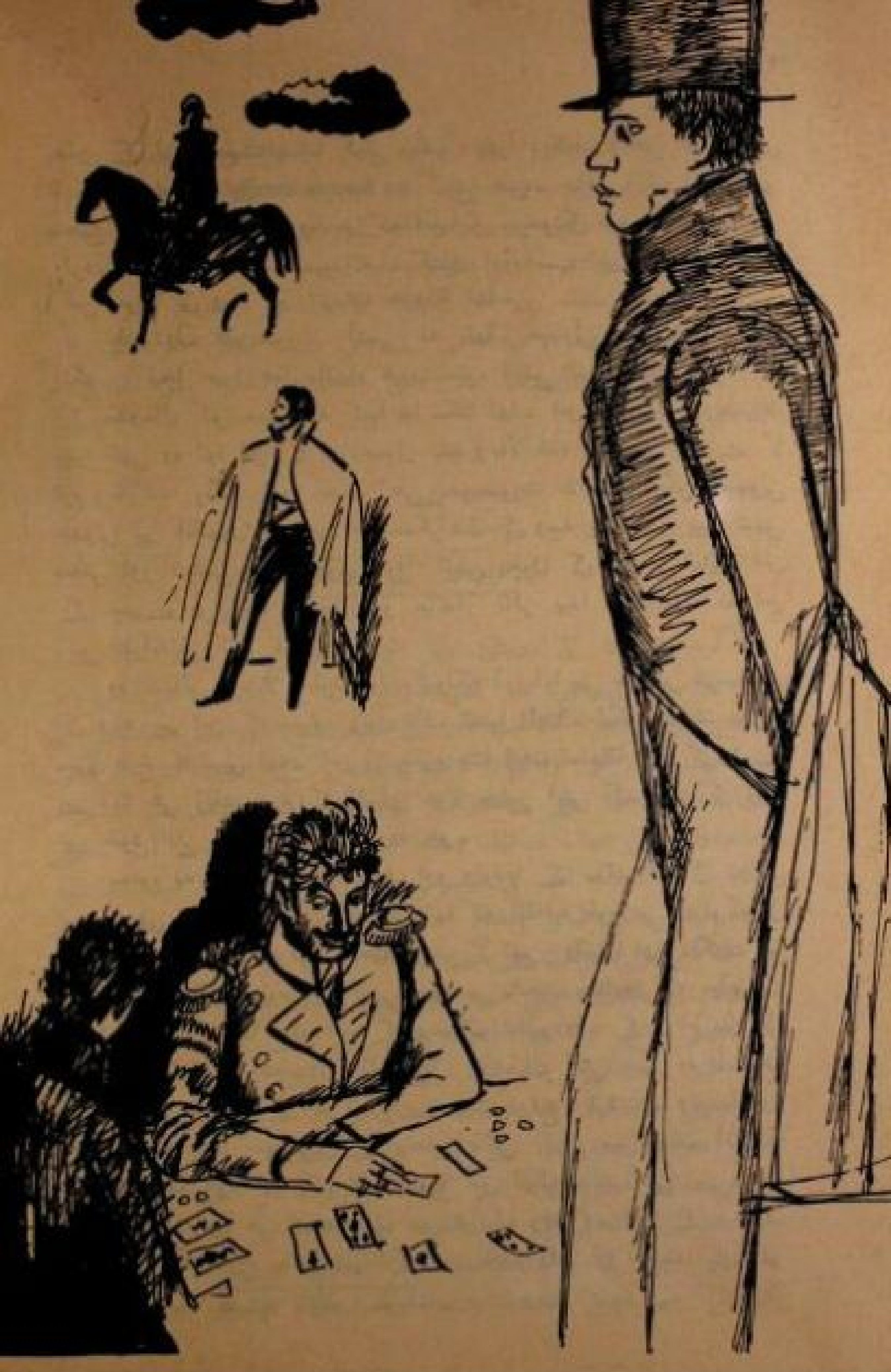

ولودیا اور دیکوف اکثر پیار میں اپنے رشتہ‌داروں کا مذاق اڑانے کی جرأت کرتے۔ اس کے برخلاف نخلیودوف اپنی خالہ کے متعلق نامناسب قسم کے جملے سن کر آپے سے باہر ہوجاتا جس سے اس کو والہانہ محبت تھی۔ ولودیا اور دیکوف کھانے کے بعد نخلیودوف کو ساتھ لئے بغیر کہیں باہر چلے جاتے اور اسے ''نازک مزاج حسینہ،، کہتے۔

شاہزادہ نخلیودوف نے شروع سے مجھے اپنی گفتگو اور وضع قطع سے متاثر کیا۔ لیکن اس بات کے باوجود کہ اس کے مزاج اور میرے مزاج میں بہت سی باتیں مشترک تھیں یا شاید اسی وجہ سے، پہلی بار جب میں نے اس کو دیکھا، تو جو جذبہ میرے دل میں ابھرا وہ بہرحال کچھ اچھا نہ تھا۔

اس کی تیز نگاہیں، اس کی سخت آواز، اس کا خودپسند انداز اور سب سے بڑھ کر میری طرف سے اس کی سراسر بےتوجہی مجھے بالکل پسند نہ آئی۔ گفتگو کے دوران میں اکثر میرا جی چاہتا کہ اس کو ٹوک دوں اور اس کے غرور کی سزا دینے کےلئے اس کو نیچا دکھا دوں اور بتا دوں کہ میری طرف سے اس کی بےتوجہی کے باوجود میں ذہین ہوں۔ لیکن شرمیلے‌پن نے ایسا نہ کرنے دیا۔

باب ۲٦

تبادلۂ خیال

جب میں شام کو پڑھنے کے بعد حسب‌معمول ولودیا کے کمرے میں پہنچا تو دیکھا کہ وہ صوفے پر ٹانگ رکھے کہنی کے سہارے لیٹا ایک فرانسیسی ناول پڑھ رہا ہے۔ ایک لمحے کےلئے اس نے میری طرف دیکھا اور پھر پڑھنے میں مشغول ہوگیا جو ایک بہت عام سی بات تھی لیکن میرے غصے کا پارہ چڑھ گیا۔ مجھے ایسا لگا کہ اس کی نظر میں گویا یہ سوال پوشیدہ ہے کہ کیوں آئے ہو اور جس تیزی سے اس نے نظریں جھکائیں، اس سے اس خواہش کا اظہار ہوتا تھا کہ وہ اس نگاہ کے معنی مجھ سے چھپانا چاہتا تھا۔

اس عمر میں سادہ سے سادہ اشارے کو کوئی معنی پہنانے کا رجحان مجھ میں بہت تھا۔ میں میز تک گیا اور ایک کتاب اٹھالی۔ لیکن پڑھنا شروع کرنے سے پہلے مجھے محسوس ہوا کہ سارے دن نہ ملنے کے بعد اس وقت مل کر ایک دوسرے سے کچھ نہ کہنا بھی کتنا مضحکہ خیز ہے۔

''آج شام گھر ہی پر رہوگے؟''

''معلوم نہیں، کیوں؟''

''یوں ہی پوچھا''، یہ محسوس کرکے کہ بات کی چول ٹھیک نہیں بیٹھ رہی میں نے کتاب اٹھالی اور پڑھنے لگا۔

عجیب بات ہے کہ ولودیا اور میں گھنٹوں خاموشی سے گزار دیتے تھے لیکن کسی تیسرے شخص کی موجودگی، خواہ وہ خاموش ہی کیوں نہ رہے، ہمارے درمیان مختلف چیزوں کے متعلق دلچسپ گفتگو شروع کرانے کےلئے کافی ہوتی تھی۔ ہمیں محسوس ہوتا کہ ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور کسی شخص کو اچھی طرح جاننا اسے بہت کم جاننے کی طرح بےتکلف ہونے سے روکتا ہے۔

''ولودیا ہیں؟''، دبکوف کی آواز ڈیوڑھی سے سنائی دی۔

''ہاں''، ولودیا نے پیر نیچے کرکے کتاب میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

دبکوف اور نخلیودوف کوٹ اور ہیٹ پہنے کمرے میں داخل ہوئے۔

''تھیٹر چلتے ہو، ولودیا؟''

''نہیں۔ مجھے فرصت نہیں ہے''، ولودیا نے جواب دیا تو شرم کی وجہ سے چہرہ تمتما سا رہا تھا۔

''کیا بات کہی۔ چلو بھی یار۔''

''اور پھر میں نے ٹکٹ بھی تو نہیں لیا۔''

''پھاٹک پر جتنے ٹکٹ چاہو مل جائیں گے۔''

''اچھا ٹھہرو، میں ابھی آیا''، ولودیا نے بات ٹالتے ہوئے کہا اور کاندھے جھٹکتے ہوئے کمرے سے چلا گیا۔

مجھے معلوم تھا کہ ولودیا تھیٹر جانے کےلئے مرا جا رہا تھا اور انکار صرف اسلئے کیا کہ اس کے پاس پیسے نہیں تھے۔ اس

وقت وہ بٹلر سے پانچ روبل قرض لینے گیا تھا کہ آئندہ جیب خرچ ملنے پر ادا کردے گا۔

''سلام مسٹر ڈپلومیٹ!'' دیکوف نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

ولودیا کے دوست مجھے ''ڈپلومیٹ'' کہا کرتے تھے کیوں کہ ایک بار کھانے کے بعد میری مرحوم نانی ہمارے مستقبل کے متعلق باتیں کر رہی تھیں اور ولودیا کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ آئندہ چل کر فوجی ہوگا اور انہیں امید تھی کہ میں ڈپلومیٹ بنونگا، کالا فراک کوٹ زیب تن کرونگا اور بال طرےدار (coq la à) ہوں گے جسے وہ ڈپلومیٹ ہونے کا لازمی جزو سمجھتی تھیں۔

''ولودیا کہاں گیا،'' نخلیودوف نے سوال کیا۔

''مجھے نہیں معلوم،'' میں نے جواب دیا اور یہ سوچ کر شرمندگی محسوس ہوئی کہ شاید یہ لوگ سمجھ گئے ہیں کہ ولودیا کمرے سے کیوں چلا گیا۔

''میرا خیال ہے اس کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ کیوں؟ واہ بھئی ڈپلومیٹ!'' اس نے میری مسکراہٹ کو اس بیان کی تصدیق سمجھ کر کہا۔ ''پیسے تو میرے پاس بھی نہیں ہیں۔ تمہارے پاس ہیں دیکوف؟''

''دیکھتے ہیں،'' دیکوف نے بٹوہ نکالتے ہوئے کہا اور اپنی چھوٹی چھوٹی انگلیوں سے چند چھوٹے سکوں کو ٹٹولا۔ ''یہ ہیں پانچ کوپک اور یہ ہیں بیس کوپک، ھشت!'' اس نے ہاتھ کو عجیب مزاحیہ انداز میں گھماتے ہوئے کہا۔

اسی وقت ولودیا کمرے میں داخل ہوا۔

''کیوں بھئی چلیں؟''

''نہیں۔''

''تم بھی کیا عجیب آدمی ہو!'' نخلیودوف بولا ''کہتے کیوں نہیں کہ پیسے نہیں ہیں؟ چاہو تو میرا ٹکٹ لےلو۔''

''لیکن تم کیا کروگے؟''

''یہ اپنی چچازاد بہن کے باکس میں بیٹھ جائے گا،'' دیکوف بولا۔

''نہیں، میں جا ہی نہیں رہا ہوں۔''

''کیوں؟''

''اس لئے کہ تم جانتے ہو مجھے باکس میں بیٹھنا اچھا نہیں لگتا۔ ''

''کیوں؟''

''نہیں اچھا لگتا، مجھے کچھ عجیب سا لگتا ہے۔ ''

''پھر وہی پرانی بات! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جہاں ہر شخص کو تمہاری موجودگی سے خوشی ہوتی ہے وہاں تمہیں برا کیوں لگتا ہے۔ مذاق لگتی ہے یہ بات mon cher * ۔ ''

''میں کیا کروں، مجھے شرم آتی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم زندگی بھر کبھی نہیں شرمائے لیکن میں تو ذرا ذرا سی بات پر، منٹ منٹ بھر میں جھینپتا رہتا ہوں'' اس نے جھینپتے ہوئے کہا۔

''جانتے ہو تمہارے اس شرمیلے پن کی وجہ کیا ہے؟ انتہائی غرور، میرے بھائی'' دیکوف نے فرانسیسی میں بڑے بزرگانہ انداز میں کہا۔

''جی نہیں، غرور نہیں!'' نخلیودوف کے دل کو چوٹ لگی۔ ''اس کے برخلاف اس کی وجہ یہ ہے کہ مجھ میں غرور کی کمی ہے۔ مجھے ہمیشہ ایسا لگتا ہے کہ جیسے مجھ سے لوگ اکتا رہے ہیں، تھکے جا رہے ہیں... اور...''

''کپڑے پہنو ولودیا'' دیکوف نے اس کے کاندھے پکڑ کر اور اس کا کوٹ اتارتے ہوئے کہا۔ ''اگنات، اپنے مالک کو تیار کرو!''

''اور میرے ساتھ یہ اکثر ہوتا ہے...'' نخلیودوف کہتا رہا۔ لیکن اب دیکوف اس کی بات سن ہی نہ رہا تھا۔ ''ترا۔ لا۔ لا ترا۔ لا۔ لا'' وہ گنگنانے لگا۔

''اچھا تم بچ کر نہیں نکل سکتے'' نخلیودوف بولا ''میں ثابت کردوں گا کہ شرمیلاپن غرور کی وجہ سے نہیں پیدا ہوتا۔ ''

''اگر ہمارے ساتھ چلوگے تب ہی ثابت ہوگا۔ ''

''میں کہہ چکا کہ نہیں چلوں گا۔ ''

''اچھا تو مت چلو اور ڈپلومیٹ پر ثابت کئے جاؤ۔ اور جب ہم لوگ واپس آئیں گے تو یہ ہم کو بتا دیں گے۔ ''

---

* میرے دوست۔

''میں خود ہی ثابت کردوں گا،، نخلیودوف نے بچکانہ ضد کے ساتھ کہا ''مگر ذرا جلدی گھر واپس آنا۔،،

''آپ کیا سمجھتے ہیں، میں خودپسند ہوں؟،، اس نے میرے نزدیک بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

اس مسئلے پر خود میری اپنی رائے تھی لیکن اس غیرمتوقع سوال سے میں اتنا پریشان ہوگیا کہ کچھ دیر تک جواب ہی نہ دے سکا۔

''ہاں میرا تو یہی خیال ہے،، میں نے کہا اور یہ سوچ کر کہ اب یہ بتادینے کا وقت آگیا ہے کہ میں ذہین ہوں مجھے محسوس ہوا کہ میری آواز جواب دے رہی ہے اور چہرہ تمتما رہا ہے۔ ''میرا خیال ہے کہ ہر شخص میں خودپسندی ہوتی ہے اور انسان جو کچھ بھی کرتا ہے خودپسندی کی وجہ سے کرتا ہے۔،،

''آپ کے خیال میں خودپسندی کسے کہتے ہیں؟،، نخلیودوف بولا اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ وہ کچھ تحقیر سے مسکرایا۔

''خودپسندی،، میں بولا ''یہ رائے رکھنا کہ میں سب سے زیادہ بہتر اور عقلمند ہوں۔،،

''لیکن ہر شخص ایسی بات سوچ ہی کیسے سکتا ہے؟،،

''مجھے نہیں معلوم کہ یہ صحیح ہے یا غلط لیکن کوئی اس کا اعتراف نہیں کرتا۔ اب مجھے لیجئے۔ مجھے یقین ہے کہ میں دنیا میں سب سے زیادہ عقلمند ہوں اور مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھی اپنے متعلق یہی یقین ہے۔،،

''نہیں۔ کم سے کم میں اپنے متعلق کہہ سکتا ہوں کہ میں ایسے لوگوں سے ملا ہوں جنہیں میں نے اپنے آپ سے زیادہ عقلمند مانا ہے،، نخلیودوف بولا۔

''ناممکن،، میں نے پورے اعتماد سے کہا۔

''واقعی کیا آپ کا یہ خیال ہے؟،، نخلیودوف نے میری طرف گھورتے ہوئے پوچھا۔

''بالکل سنجیدگی سے،، میں نے جواب دیا۔

اور پھر مجھے ایک خیال آیا جسے میں نے فوراً کہہ دیا۔

''میں آپ کو قائل کئے دیتا ہوں۔ ہم اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ کیوں چاہتے ہیں؟ اسلئے کہ ہم اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر اور محبت کا زیادہ مستحق سمجھتے ہیں۔ اگر ہم دوسروں

کو اپنے سے زیادہ بہتر سمجھیں تو پھر ہمیں اپنے سے زیادہ ان سے محبت کرنی چاہئے اور یہ کبھی ہوتا نہیں اور اگر ایسا ہوتا بھی ہو تب بھی میری بات صحیح ہے،، میں نے غیرارادی طور پر اطمینان سے مسکرا کر کہا۔

نخلیودوف ایک لمحے کےلئے خاموش رہا۔

''مجھے خیال بھی نہیں تھا کہ آپ اتنے ہوشیار ہیں!،، اس نے ایسی شیریں اور دلنشین مسکراہٹ کے ساتھ کہا کہ مجھے دفعتاً یہ لگا کہ میں بےانتہا خوش نصیب ہوں۔

تعریف نہ صرف انسان کے جذبات بلکہ عقل پر اتنا اثر ڈالتی ہے کہ اس کے خوشگوار اثر کے تحت مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میں ہوشیار ہوگیا ہوں اور میرے ذہن میں یکے بعد دیگرے خیالات غیرمعمولی تیزی کے ساتھ آنے لگے۔ ہم نے محسوس بھی نہ کیا کہ ہم بحث میں خودپسندی سے محبت تک پہونچ گئے۔ اور ان موضوعات پر بحث کا سلسلہ لامتناہی معلوم ہونے لگا۔ ممکن ہے غیرمتعلق لوگوں کو ہمارے خیالات بالکل مہمل معلوم ہوں، مبہم اور یکطرفہ تو تھے ہی لیکن ہمارے لئے وہ زبردست اہمیت کے حامل تھے۔ ہماری روحیں اتنی خوبصورتی سے ہمآہنگ ہوگئی تھیں کہ کسی بھی تار کو خفیف طور پر چھیڑنے سے دوسرے میں آواز پیدا ہونی لازمی تھی۔ مختلف تاروں کو چھیڑنے میں ہمیں لطف آرہا تھا جنہیں ہم بحث کے دوران میں چھو رہے تھے۔ ہمیں محسوس ہو رہا تھا کہ جو خیالات ایک دوسرے سے کہنا چاہتے ہیں ان کو ظاہر کرنے کےلئے الفاظ بھی ناکافی ہیں اور وقت بھی۔

باب ۲۷

دوستی کا آغاز

اس وقت سے میرے اور دمتری نخلیودوف کے درمیان کچھ عجیب لیکن بہت خوشگوار تعلقات قائم ہوگئے۔ اجنبیوں کی موجودگی میں وہ مشکل ہی سے میری طرف متوجہ ہوتا لیکن ہم لوگ جب تنہا

ہوتے تو کسی خاموش سے گوشے میں بیٹھ جاتے اور وقت اور ماحول کو بھول کر باتیں شروع کردیتے۔

ہم آئندہ کی زندگی کے متعلق، فنون کے متعلق، سرکاری ملازمت کے متعلق اور شادی اور بچوں کی تعلیم کے متعلق گفتگو کرتے اور ہمیں کسی وقت بھی یہ گمان نہ ہوتا کہ ہم لوگ سخت مہمل باتیں کرتے ہیں۔ یہ خیال ہمیں کبھی نہ ہوا اسلئے کہ جو مہمل باتیں ہم لوگ کرتے وہ معقول اور دلفریب مہمل باتیں ہوتیں۔ اور نوجوانی میں انسان عقل‌وفہم کی قدر کرتا ہے اور اس پر ایمان رکھتا ہے۔ نوجوانی میں روح کی ساری قوتوں کا رخ مستقبل کی طرف ہوتا ہے اور مستقبل امید کے اثر کے تحت اتنے رنگارنگ واضح اور دلکش روپ دھارتا ہے، امید جس کی بنیاد ماضی کے تجربے پر نہیں بلکہ آنےوالی مسرتوں کے خیالی امکان پر ہوتی ہے، کہ آئندہ کی مسرتوں کے خواب ہی دوسروں کو ہمراز بنا کر اس عمر میں سچی مسرت کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ مابعد الطبعیاتی بحث میں جو ہماری گفتگو کا اہم موضوع رہتا، مجھے وہ لمحے بہت پسند آتے جب خیالات یکےبعد دیگرے مسلسل آتے رہتے اور زیادہ سے زیادہ تجریدی شکل اختیار کرتے ہوئے آخر دھندلکے کی اس منزل پر پہونچ جاتے کہ ان کے اظہار کا کوئی ذریعہ نہ ملتا اور جو بات خیال میں ہوتی تھی اس کو کہنے کا ارادہ ہوتے ہوئے بالکل مختلف بات زبان سے نکلتی۔ مجھے ان لمحات سے محبت تھی جب خیال کی دنیا میں پرواز کرتے ہوئے میں دفعتاً اس کی بےپایاں حقیقتوں کو پا جاتا اور اعتراف کرتا کہ اس سے آگے جانا ناممکن ہے۔

ایک مرتبہ ''مسلی‌نیسا،، تیوہار کے دنوں میں نخلیودوف مختلف دلچسپیوں میں اتنا مصروف رہا کہ گھر کئی بار آیا لیکن مجھ سے ایک بار بھی بات نہ کی اور اس سے مجھے اتنی تکلیف ہوئی کہ وہ مجھے پھر خودپسند اور ناشائستہ انسان معلوم ہونے لگا۔ میں موقع کا انتظار کرنے لگا کہ اسے دکھا سکوں کہ مجھے اس کی محبت ذرہ برابر پسند نہیں اور میرے دل میں اس کےلئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

مسلی‌نیسا کے بعد پہلی بار جب اس نے مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی تو میں نے کہہ دیا کہ مجھے پڑھنا ہے اور اوپر

چلا گیا۔ لیکن پون گھنٹہ بعد کسی نے تعلیم کے کمرے کا دروازہ کھولا۔ دیکھتا ہوں کہ تخلیودوف میری طرف آرہا ہے۔

''آپ کے کام میں خلل تو نہیں ڈالا میں نے؟،، اس نے سوال کیا۔

''نہیں،، میں نے جواب دیا۔ حالانکہ میں کہنا چاہتا تھا کہ میں واقعی بہت مصروف ہوں۔

''تو پھر ولودیا کے کمرے سے کیوں چلے آئے؟ بہت دن سے ہم لوگوں نے بات نہیں کی ہے اور میں اس کا اتنا عادی ہوگیا ہوں کہ لگتا ہے جیسے کوئی چیز کھو گئی ہو۔،،

میری خفگی ایک منٹ میں غائب ہوگئی اور دمتری پھر وہی پہلے کا سا شریف اور دلکش آدمی معلوم ہونے لگا۔

''آپ کو شاید معلوم ہے کہ میں کیوں چلا آیا؟،، میں بولا۔

''شاید،، اس نے میرے نزدیک بیٹھتے ہوئے کہا ''حالانکہ میں سمجھ گیا ہوں مگر بتاؤں گا نہیں کہ وجہ کیا تھی۔ البتہ آپ بتا سکتے ہیں،، اس نے کہا۔

''میں بتاتا ہوں۔ میں اسلئے چلا آیا کہ مجھے آپ پر بہت غصہ تھا۔ غصہ نہیں بلکہ خفا تھا۔ صاف بات یہ ہے کہ مجھے ہمیشہ ڈر لگا رہتا ہے کہ آپ مجھ سے نفرت کرنے لگیں گے اسلئے کہ میں ابھی بہت چھوٹا ہوں۔،،

''آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ سے اتنا بے تکلف کیوں ہوگیا؟،، میرے اعتراف کے جواب میں وہ بڑی پرخلوص اور معقول قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''میں ان لوگوں کے مقابلے میں جنھیں میں زیادہ بہتر طریقے سے جانتا ہوں اور جن کے ساتھ میری بہت سی باتیں مشترک ہیں، آپ سے کیوں محبت کرتا ہوں؟ آپ ایک بہت ہی اچھی خصوصیت رکھتے ہیں — صاف گوئی۔،،

''ہاں، میں ہمیشہ وہی باتیں کہہ جاتا ہوں جن کا اعتراف کرتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے،، میں نے اتفاق کیا ''لیکن صرف ان سے جن پر اعتماد کرتا ہوں۔،،

''ہاں۔ لیکن کسی پر اعتماد کرنے کےلئے ضروری ہے کہ اس سے دوستی کی جائے اور ہم لوگ تو ابھی تک دوست نہیں ہوئے، نکولس۔ آپ کو یاد ہے نا کہ ہم لوگوں نے دوستی کے متعلق بحث

کی تھی: سچے دوست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ایک دوسرے پر اعتماد کیا جائے۔،،

''یہ اعتماد کہ جو کچھ آپ سے کہہ رہا ہوں آپ کسی سے نہ کہیں گے،، میں بولا ''لیکن اہم‌ترین اور دلچسپ‌ترین خیالات وہ ہوتے ہیں جو ہم کسی قیمت پر بھی ایک دوسرے کو نہیں بتاتے۔،،

''کیسے لغو خیالات!،، وہ بولا ''ایسے خیالات، جن کے بارے میں اگر یہ معلوم ہو کہ ان کا اعتراف کرنا ہوگا کبھی ذہن میں آنے ہی نہ چاہئیں۔،،

''جانتے ہو میرے ذہن میں کیا خیال آیا، نکولس؟،، اس نے کرسی سے اٹھ کر اور ہاتھوں کو مل کر مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ہم لوگ بھی کریں اور پھر دیکھنا کہ دونوں کے لئے کتنا مفید ہوگا: ہم ایک دوسرے سے عہد کریں کہ ایک دوسرے سے ہر بات کا اعتراف کریں گے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو سمجھیں گے اور شرمندگی نہ محسوس کریں گے۔ لیکن اجنبیوں کا اندیشہ نہ رہے اس غرض سے ہم عہد کریں کہ ایک دوسرے کے بارے میں کسی سے کسی چیز کے متعلق کبھی کچھ نہ کہیں گے۔ ہم لوگ اس پر عمل کریں گے۔،،

''اچھا تو چلو، طے ہوا،، میں نے کہا۔

اور ہم نے واقعی یہی کیا۔ اس کا جو نتیجہ نکلا وہ میں آئندہ بیان کروں گا۔

کار نے کہا ہے کہ ہر دلبستگی کے دو پہلو ہوتے ہیں: ایک محبت کرتا ہے اور دوسرا خود سے محبت کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ ایک پیار کرتا ہے اور دوسرا اپنا رخسار پیش کردیتا ہے۔ یہ بالکل صحیح ہے۔ ہماری دوستی میں میں نے پیار کیا اور دمتری نے اپنا رخسار بڑھا دیا۔ لیکن وہ بھی مجھے پیار کرنے کے لئے تیار تھا۔ ہم دونوں برابر سے محبت کرتے تھے کیونکہ ہم ایک دوسرے کو سمجھتے اور ایک دوسرے کی قدر کرتے تھے۔ لیکن اس کی وجہ سے مجھ پر اس کا اثر پڑے بغیر نہ رہ سکا اور میں نے اس کے سامنے ہتھیار ڈال دئے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ نخلیودوف کے اثر کے تحت میں نے غیرشعوری طور پر اس کے خیالات اپنا لئے، جنہیں مختصر طور پر یوں کہا جا

سکتا ہے کہ پاکبازی کے آدرش کی پرجوش طور پر پرستش اور یہ اعتقاد کہ انسان کا فریضہ ہے کہ اپنے آپ کو مستقل طور پر مکمل سے مکمل‌تر بنانے کی کوشش کرتا رہے۔ اس کے بعد بنی‌نوع انسان کی اصلاح، ساری انسانی خامیوں اور خرابیوں کا خاتمہ ممکن نظر آنے لگا، اپنی اصلاح کرنا، ساری خوبیاں پیدا کرنا اور خوش رہنا بہت آسان اور سادہ بات نظر آنے لگی...

لیکن خدا ہی جانتا ہے کہ نوجوانی کی یہ بلندوبالا امنگیں کیا مضحکہ‌خیز تھیں اور اگر وہ کبھی پوری نہ ہوئیں تو اس میں قصور کس کا ہے؟..

جوانی

اپنی جوانی کا آغاز
میں کس چیز کو سمجھتا ہوں

میں کہہ چکا ہوں کہ دمتری کے ساتھ دوستی نے مجھے زندگی کے بارے میں، زندگی کے مقصد اور مختلف رابطوں کے بارے میں ایک نیا نقطہ نگاہ عطا کیا۔ یہ نقطہ نگاہ بنیادی طور سے اس اعتقاد پر مبنی تھا کہ انسان کے مقسوم میں یہ ہے کہ وہ مکمل سے مکمل تر ہونے کی کوشش کرتا ہے اور یہ تکمیل آسان ہے، ممکن اور لا زوال ہے۔ لیکن اس وقت تک میں صرف ان نئے تصورات کی دریافت سے خوش ہو رہا تھا جو اس اعتقاد سے پیدا ہوئے تھے اور ایک اخلاقی اور باعمل مستقبل کے متعلق مبہم بالشان منصوبے بنانے میں مگن تھا۔ لیکن میری زندگی اسی چھچھورے، الجھے ہوئے اور بےمعنی انداز سے گزر رہی تھی۔

پاکیزہ خیالات جن کے متعلق میں اپنے عزیز ترین دوست دمتری سے، جسے میں کبھی کبھی دل ہی دل میں لاجواب میتیا کہا کرتا تھا، گفتگو کے دوران بحث کیا کرتا تھا اب بھی صرف میرے ذہن کو آسودگی بخشتے ہوئے تھے میرے احساسات کو نہیں۔ لیکن وہ وقت بھی آیا جب یہ خیالات میرے ذہن میں اخلاقی دریافت کی اتنی زبردست شگفتگی اور قوت کے ساتھ آنے لگے کہ میں یہ سوچ کر ڈر گیا کہ میں نے کتنا وقت ضائع کیا ہے اور میں ان خیالات کو فوراً، اسی لمحے زندگی میں اس عزم راسخ کے ساتھ برتنا چاہتا تھا کہ ان سے کبھی سرمو انحراف نہ کرونگا۔

اسی وقت کو میں اپنی جوانی کا آغاز قرار دیتا ہوں۔

اس وقت میری عمر تقریباً سولہ سال تھی۔ استاد مجھے پڑھاتے رہے۔ سینٹ جیروم اب بھی میری پڑھائی کی نگرانی کرتے تھے اور مجھے زبردستی یونیورسٹی کی تیاری کرنی پڑی۔ پڑھائی کے بعد میرے

مشغلے تھے : تنہائی میں بے سروپا خوابوں اور خیالوں میں الجھے رہنا، جسمانی ورزش تاکہ میں دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور انسان بن جاؤں، سارے کمروں میں اور خاص طور پر نوکرانیوں کے کمرے کے برآمدے میں بلامقصد مارے مارے پھرنا اور آئینے میں اپنی صورت کی طرف دیکھتے رہنا جس کے بعد بہرحال مجھ میں مایوسی بلکہ نفرت کا تکلیف‌دہ جذبہ بیدار ہو جاتا تھا۔ نہ صرف یہ کہ میری صورت شکل بہت معمولی تھی جس کا مجھے یقین تھا بلکہ ان تسلیوں سے بھی دل مطمئن نہیں ہوتا تھا جو ایسی حالتوں میں لوگ دیتے ہیں۔ میں یہ بھی نہ کہہ سکتا تھا کہ میرا چہرہ جذبات کا آئینہ‌دار ہے، دانش‌وروں جیسا ہے یا پروقار ہے۔ اس سے کسی قسم کے جذبات کا اظہار نہ ہوتا تھا۔ خدوخال بہت عام، موٹے اور ادنا درجے کے تھے۔ میری چھوٹی چھوٹی بھوری آنکھوں سے ذہانت کے بجائے بےوقوفی کا اظہار ہوتا تھا، خاص طور پر جب میں آئینے میں دیکھتا تھا اور مردانہ‌پن تو اور بھی کم تھا: حالانکہ ڈیل ڈول کے اعتبار سے میں چھوٹا نہیں تھا اور اپنی عمر کو دیکھتے ہوئے کافی طاقتور تھا لیکن میرے ناک نقشے میں ایک طرح کی نرمی اور ڈھیلاپن تھا اور خدوخال غیرواضح سے تھے۔ ان میں کوئی پروقار چیز بھی نہ تھی بلکہ اس کے برخلاف میرا چہرہ کسانوں جیسا تھا اور میرے ہاتھ پیر بہت بڑے بڑے تھے اور اس زمانے میں یہ بات مجھے بڑی شرمناک معلوم ہوتی تھی۔

باب ۲

بہار

جس سال میں یونیورسٹی میں داخل ہوا اس سال ایسٹر اپریل کے اتنے آخر میں جاکر پڑا کہ امتحان کواسی‌مودو ہفتے* میں رکھا گیا۔ اب مجھے روزے رکھنے تھے اور امتحان کی تیاری بھی پوری کرنی تھی۔

---

* کواسی‌مودو ہفتہ — ایسٹر سے پہلے کا ہفتہ۔

گیلی برف گرنے کے بعد جیسے کارل ایوانچ کہا کرتے تھے ''باپ کے بعد بیٹا آیا''، موسم تین دن تک پرسکون، معتدل اور صاف رہا۔ سڑکوں پر برف بالکل نظر نہ آتی تھی اور گندی کیچڑ کی جگہ بھیگی ہوئی چمکدار سڑکیں اور تیز بہتی ہوئی نالیاں نظر آ رہی تھیں، چھتوں پر آخری قطرے دھوپ میں پگھلنا شروع ہو گئے تھے اور بائیں باغ کے درختوں پر کلیاں کھل رہی تھیں۔ باھری احاطے کا راستہ خشک ہو چکا تھا، اصطبل کے پاس کھاد کے منجمد ڈھیر سے پرے اور برساتی کے قریب پتھروں کے درمیان کائی قسم کی گھاس سبز ہونا شروع ہو گئی تھی۔ یہ موسم بہار کا وہ زمانہ تھا جو انسان کی روح پر زبردست اثر ڈالتا ہے — پورے آب و تاب کے ساتھ چمکتی ہوئی دھوپ جس میں زیادہ تپش نہ تھی، ندی نالے اور برف سے نجات پائی ہوئی جگہیں جو ہوا کو تازگی بخشتی تھیں اور ہلکا نیلا آسمان جس پر لمبے ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے۔ وجہ تو نہیں معلوم لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آمد بہار کے اس ابتدائی زمانے کا اثر بڑے شہر میں اور بھی زیادہ بھرپور اور نمایاں ہوتا ہے — لوگ دیکھتے کم اور دور کی سوچتے زیادہ ہیں۔ میں کھڑکی کے پاس کھڑا تھا جس کے دوھرے کٹہرے سے صبح کی سورج کی شعاعیں اس پڑھائی کے کمرے میں گردآلود دھاریاں بنا رہی تھیں، جس سے میں سخت اکتا گیا تھا۔ اس وقت میں تختۂ سیاہ پر الجبرے کا ایک سوال کر رہا تھا۔ میرے ایک ہاتھ میں فرینکر کے الجبرے کی ہلکی پھٹی ہوئی کتاب تھی اور دوسرے میں کھریا کا چھوٹا سا ٹکڑا جس سے میں نے اپنے دونوں ہاتھ، منہ اور کوٹ کی کہنیاں سفید کر لی تھیں۔ نکولائی پیش‌بند پہنے اور آستینیں چڑھائے چونا اکھاڑ اکھاڑ کر کھڑکی میں سے کیلیں نکال رہا تھا جو سامنے کے باغ میں کھلتی تھی۔ اس کی مصروفیت اور اس کے شور سے میرا دھیان ہٹ گیا۔ اس کے علاوہ اس وقت مزاج میں چڑچڑاہٹ اور بےاطمینانی سی تھی۔ میں کوئی کام صحیح کر ہی نہ پاتا تھا: حساب کے شروع ہی میں ایک غلطی ہوئی جس کی وجہ سے مجھے پھر سے سوال کرنا پڑا، کھریا دو مرتبہ ہاتھ سے گر چکی تھی، مجھے احساس تھا کہ ہاتھ اور منہ گندے ہو رہے ہیں، اسفنج نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا، نکولائی جو

شور مچا رہا تھا اس سے طبیعت سخت پریشان ہو رہی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ کسی پر بھر پڑوں اور ڈانٹوں۔ میں نے کھرپا اور الجیرا ایک طرف پھینکا اور کمرے میں چکر لگانے لگا۔ پھر مجھے یاد آیا کہ آج ایسٹر سے پہلے خاص بدھ کا دن ہے، ہم سب کو گناہوں کے اعتراف کے لئے جانا ہے اور اس لئے آج خراب باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے اور دفعتاً میرے مزاج میں ایک خاص قسم کی نرمی پیدا ہوگئی اور میں نکولائی کے پاس پہونچا۔

''میں تمہاری مدد کروں، نکولائی،، میں نے بہت میٹھے لہجے میں کہنے کی کوشش کی۔ اس تصور نے کہ میں معقولیت سے کام لے رہا ہوں، غصے کو دبا کر اس کی مدد کر رہا ہوں میری خوش‌مزاجی میں اور اضافہ کر دیا۔

چونا کھرچ ڈالا گیا، کیلیں نکال لی گئیں۔ نکولائی نے کٹھرے کو نکالنے کےلئے پورا زور لگا دیا لیکن وہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔

میں نے دل میں سوچا: ''ہم دونوں ملکر کٹھرے کو کھینچیں اور اگر فوراً نکل آیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آج اور زیادہ پڑھنا گناہ ہوگا۔ اس لئے نہ پڑھونگا۔،، کٹھرا ایک طرف سے ہلا اور باہر آ گیا۔

''کہاں جائیگا یہ؟،، میں نے پوچھا۔

''آپ فکر نہ کریں میں پہونچا دونگا،، نکولائی نے جواب دیا۔ میرے جوش‌وخروش سے وہ متعجب بھی تھا اور کچھ خفا بھی نظر آ رہا تھا۔ ''گڈمڈ مت کر دینا۔ میں ان سب کو گودام کی کوٹھری میں نمبر لکھ کر رکھتا جاتا ہوں۔،،

''نمبر میں ڈال‌دونگا،، میں نے کٹھرے کو اٹھائے ہوئے کہا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اگر یہ گودام دو ورسٹ دور ہوتا اور کٹھرا دونا بھاری ہوتا تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔ میں چاہتا تھا کہ نکولائی کا یہ کام کرکے تھک کر چور ہو جاؤں۔ جب کمرے میں واپس آیا تو اینٹیں اور نمک کے مخروطی ڈلے * کھڑکی

---

* نمک کے چھوٹے چھوٹے مخروطی ڈلے سیلن کو جذب کرنے کے لئے دوہری کھڑکیوں کے درمیان رکھ دئے جاتے ہیں۔ کھپرے یا اینٹیں آرائش کےلئے ہوتی ہیں۔

کی مل پر جما دئے گئے تھے اور نکولائی نے رت صاف کر دی تھی اور سوئی ہوئی مکھیوں کو کھڑکی سے نکال دیا تھا۔ کمرے میں فرحت‌بخش تازہ ہوا تھی۔ اسی کے ساتھ شہر کی ہماہمی کی آوازیں اور چڑیوں کی چہکاریں سنائی دے رہی تھیں۔

ہر چیز روشنی میں نہائی ہوئی تھی، کمرے کی فضا دلفریب ہو گئی تھی، بہار کی ہلکی ہوا کے جھونکے میرے الجبرے کی کتاب کے ورقوں اور نکولائی کے بالوں کو اڑا رہے تھے۔ میں کھڑکی کے پاس گیا، کھڑکی کے کگر پر بیٹھ گیا اور باغ کی طرف جھک کر سوچنے لگا۔

دفعتاً میری روح پر ایک انتہائی طاقتور اور خوش گوار احساس سا چھا گیا جو میرے لئے بالکل نیا تھا۔ گیلی زمین جس پر ادھر ادھر زرد ڈنٹھلوں اور چمکیلی سبز گھاس کی سوئیاں نکل رہی تھیں، برف پگھلنے سے دھارے جو دھوپ میں چمک رہے تھے اور اپنے ساتھ مٹی کے چھوٹے چھوٹے ڈھیلوں اور لکڑی کے ٹکڑوں کو بہائے لئے جا رہے تھے، اور پھول پھول کلیوں والے بکائن کے پودے جن کی شاخیں سرخ ہونا شروع ہو گئی تھیں کھڑکی کے قریب ہی لہرا رہی تھیں۔ اس جھاڑی میں چڑیوں کی بےچینی کی چہچہاہٹ، سیاہی مائل باڑ جو پگھلی ہوئی برف سے گیلی ہو گئی تھی، لیکن خاص طور پر نم، معطر ہوا اور مسکراتا ہوا سورج — یہ سب بہت صاف اور واضح انداز میں مجھ سے کسی نئی اور بہت خوبصورت چیز کی بات کر رہے تھے جسے میں اس طرح بیان تو نہیں کر سکتا جیسے یہ سب مجھ سے مخاطب تھے لیکن میں کوشش کرونگا کہ جس طرح میں نے اس کا اثر قبول کیا اسے بیان کروں۔ ہر چیز مجھ سے حسن، مسرت اور پاکبازی کی بات کر رہی تھی، یہ کہہ رہی تھی کہ جیسے میرے لئے سب آسان اور ممکن ہے، ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کے بغیر ممکن نہیں ہے اور یہ بھی کہ حسن، مسرت اور پاکبازی ایک ہی چیز ہیں۔ میں نے دل ہی دل میں کہا: ''اب تک یہ بات میری سمجھ میں کیوں نہ آئی تھی؟ پہلے میں کتنا خراب تھا! میں کتنا مسرور ہو سکتا تھا اور آئندہ کتنا خوش رہ سکتا ہوں! جتنی جلد ممکن ہو سکے مجھے بالکل مختلف انسان بن جانا چاہئے، بلکہ اسی وقت ہو جانا چاہئے اور مختلف قسم کی زندگی

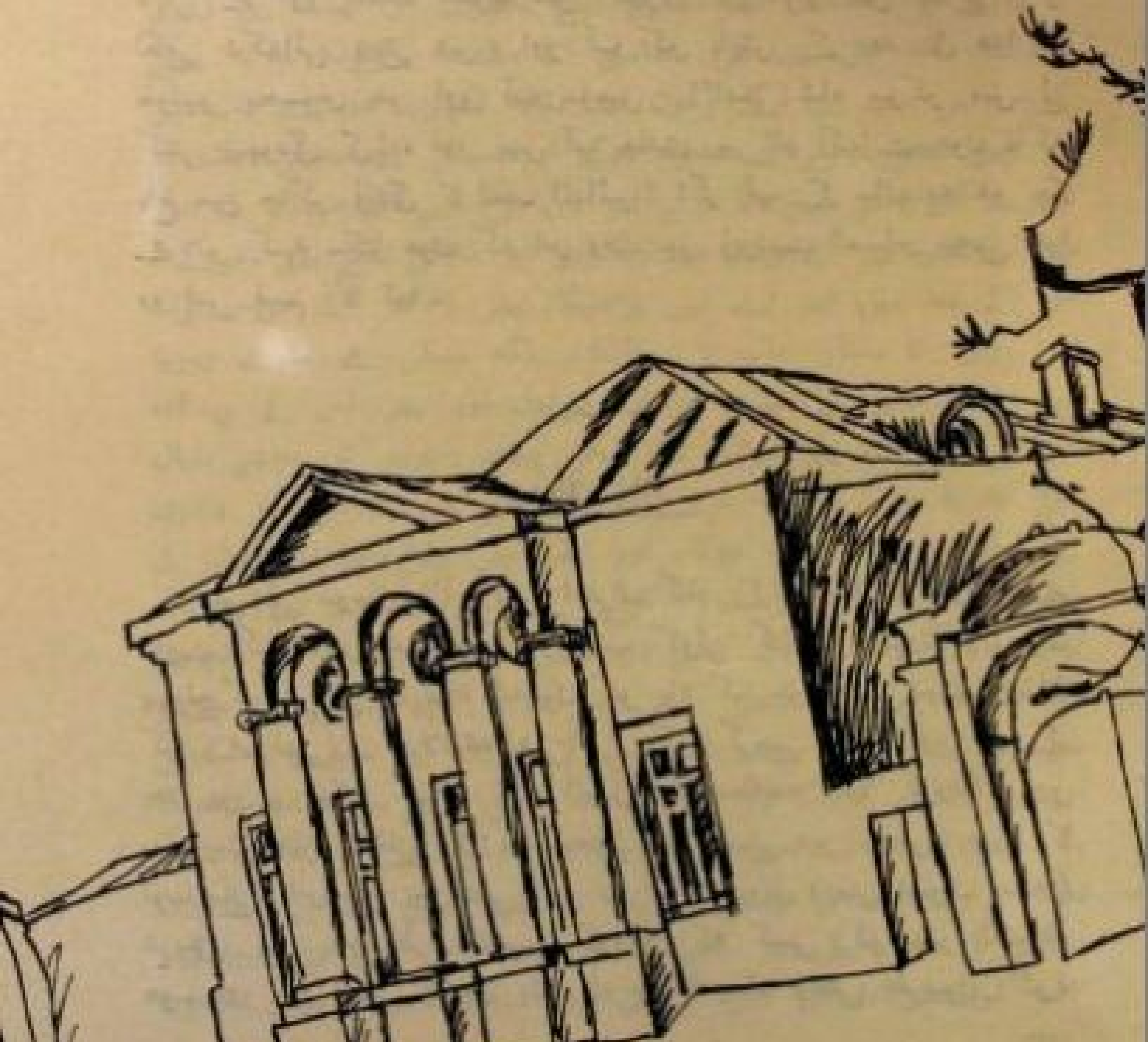

شروع کرنی چاہئے۔ ،، لیکن اس کے باوجود میں کھڑکی پر بہت دیر تک بیٹھا خواب دیکھتا رہا اور کچھ نہ کیا۔ آپ کے ساتھ کبھی ایسا ہوا ہے کہ گرمیوں میں دن کے وقت جب موسم دل شکن ہو، بارش ہو رہی ہو کہ آپ سو گئے اور غروب آفتاب کے وقت جاگے، آنکھ کھولی اور کھلی ہوئی بڑی سی کھڑکی میں سے نظر دوڑائی، جس کا سوتی پردہ ہوا سے پھول جاتا ہے اور اس کی لکڑی کھڑکی کی سل سے ٹکراتی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں: درختوں کی روش کا سایہ‌دار حصہ بنفشی پڑتا جا رہا ہے اور بارش سے گیلا ہو گیا ہے، باغ کی روشیں نم اور سورج کی ترچھی شعاعوں سے منور ہو گئی ہیں اور دفعتاً باغ کے پرندوں کی مسرور زندگی کی آواز سنائی دیتی ہے اور شفاف دھوپ میں کھڑکی کی دراز میں پتنگے چکر لگاتے دکھائی دیتے ہیں، اور آپ کو بارش کے بعد کی ہوا کی خوشبو محسوس ہو اور آپ سوچیں: ''ایسی شام سو کر میں نے کتنی بیہودگی کی!،، اور پھر آپ جلدی سے اٹھ کھڑے ہوں تاکہ باغ میں جا کر زندگی کا لطف اٹھائیں؟ اگر آپ کے ساتھ یہ ہو چکا ہے تو کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت جو زبردست احساس مجھے ہوا وہ اسی قسم کا تھا۔

باب ۳

خیالی پلاؤ

میں نے سوچا: ''آج میں اعتراف گناہ کے لئے جاؤنگا اور میرے سارے گناہ دھل جائینگے۔ اور اب کوئی گناہ نہ کرونگا،، (یہاں پہونچ کر میں نے ان تمام گناہوں کو یاد کیا جو مجھے بہت پریشان کر رہے تھے)۔ ''بلاناغہ ہر اتوار کو گرجے جاؤنگا اور اس کے بعد پورے ایک گھنٹے تک انجیل کا مطالعہ کیا کرونگا۔ اور یونیورسٹی میں داخلے کے بعد مجھے ہر مہینے جو پچیس روبل کا نوٹ ملے گا اس میں سے یقینی طور پر ڈھائی روبل (یعنی دسواں حصہ) غریبوں میں اس طرح تقسیم کرونگا کہ کسی کو خبر تک نہ ہو۔ اور یہ پیسے فقیروں کو نہ دونگا بلکہ واقعی غریبوں کو،

کسی یتیم یا بوڑھی عورت کو دونگا جنہیں کوئی جانتا ہی نہ ہو۔

''میرے پاس اپنا خاص کمرہ ہوگا (غالباً سینٹ جیروم کا)۔ اس کی ساری دیکھ بھال میں خود کرونگا اور اسے بہت صاف ستھرا رکھونگا اور نوکر سے اپنا کوئی کام نہ لونگا۔ کیونکہ وہ بھی تو میری ہی طرح کا انسان ہے۔ اس کے بعد میں یونیورسٹی تک پیدل جایا کرونگا (اور اگر مجھے گاڑی دی گئی تو اسے فروخت کر دونگا اور اس کا پیسہ بھی غریبوں میں تقسیم کر دونگا)۔ ہر چیز بالکل ٹھیک کرونگا (یہ ''ہر چیز،، کیا ہے مجھے خود پتہ نہ تھا لیکن ایک معقول، اخلاقی اور پاکباز زندگی میں مجھے اس ''ہر چیز،، کا پوری طرح احساس تھا)۔ میں اپنے لکچروں کی ٹھیک سے تیاری کرونگا، بلکہ قبل سے ہی مضامین کا مطالعہ کرلونگا تاکہ پہلے کورس میں سب سے آگے رہوں اور مقالہ لکھوں، دوسرے سال میں ہر چیز مجھے پہلے سے معلوم ہوگی اور ممکن ہے مجھے ایک دم تیسرے کورس میں بھیج دیا جائے اور اس طرح میں اٹھارہ سال کی عمر میں اول نمبر سے گریجویٹ ہوجاؤنگا اور دو طلائی تمغے بھی ملیں گے۔ اس کے بعد میں ایم اے میں پڑھونگا، پھر ڈاکٹر کا کورس لونگا اور روس کا ممتاز عالم بن جاؤنگا۔ بلکہ ممکن ہے سارے یورپ میں ممتاز عالم کی حیثیت اختیار کرلوں اور پھر اس کے بعد؟،، میں نے اپنے آپ سے سوال کیا، لیکن یہاں پہونچ کر مجھے خیال ہوا کہ یہ خیالی باتیں — غرور اور گناہ ہیں جن کا شام کو پادری کے سامنے اعتراف کرنا ہوگا۔ اور پھر میں پہلے والے منصوبوں کی طرف لوٹ آیا۔ ''لکچر تیار کرنے کے لئے وارابیووی پہاڑی تک پیدل جایا کرونگا۔ وہاں کسی درخت کے نیچے جگہ بنا کر لکچروں کا مطالعہ کرونگا۔ کبھی کبھی اپنے ساتھ کچھ کھانے کی چیزیں بھی لے جایا کرونگا — پنیر یا پدوتی کی دوکان سے سموسے یا کوئی اور چیز۔ آرام کرونگا اور اس کے بعد کوئی اچھی سی کتاب پڑھونگا یا مناظر قدرت کی تصویریں بناؤنگا یا کوئی ساز بجاؤنگا (بانسری بجانا تو سیکھنا ہی چاہئے)۔ پھر وہ بھی ٹہلنے کے لئے وارابیووی پہاڑی کی طرف آئیگی اور کسی دن وہ میرے پاس آئیگی اور پوچھیگی: ''تم کون ہو؟،، اور میں اس کی طرف دیکھونگا۔ اف میری نگاہوں

میں کتنا غم ہوگا اور میں کہونگا میں ایک پادری کا بیٹا ہوں اور مجھے صرف یہاں خوشی میسر ہوتی ہے جب میں تنہا، بالکل ہی تنہا ہوتا ہوں۔ پھر وہ میری طرف اپنا ہاتھ بڑھائیگی اور کچھ کہےگی اور میرے نزدیک بیٹھ جائیگی اور اس طرح ہم لوگ وہاں ہر روز جائینگے اور ہم لوگ دوست ہو جائینگے اور میں اسے پیار کرونگا... نہیں یہ تو ٹھیک نہیں ہے۔ بلکہ آج سے میں کسی عورت کی طرف نظر تک نہ اٹھاؤنگا۔ ہرگز، ہرگز نوکرانیوں کے کمرے کا رخ نہیں کروں‌گا، بلکہ کوشش کرونگا کہ اس کے قریب تک سے نہ نکلوں۔ تین سال بعد میں بالغ ہو جاؤنگا اور ضرور بالضرور شادی کر لونگا۔ ہر روز جتنی ورزش ممکن ہو سکےگی کرونگا تاکہ جب پچیس برس کی عمر ہو تو رابو سے زیادہ طاقتور ہو جاؤں۔ پہلے دن 'ہاتھ تان کر، آدھا پوڈ وزن پانچ منٹ تک اٹھائے رکھونگا۔ دوسرے دن اکیس پاؤنڈ، تیسرے دن بائیس پاؤنڈ اور اسی طرح وزن بڑھاتا جاؤنگا یہاں تک کہ ایک ایک ہاتھ میں چار چار پوڈ وزن اٹھانے لگوں اور گھر کے تمام نوکروں سے طاقت‌ور ہو جاؤنگا۔ اور اگر کسی نے میری توہین کرنے یا اس سے بیہودہ طریقے سے گفتگو کرنے کی ہمت کی تو ایک ہاتھ سے اس کی کمر پکڑ کر زمین سے اوپر اٹھا لوں‌گا اور کافی دیر تک اس طرح اٹھائے رہونگا کہ اسے میری طاقت کا احساس ہو جائے اور اس کے بعد اسے چھوڑ دونگا۔ مگر شاید یہ بھی اچھا نہیں ہے؟ خیر، اس میں کوئی ہرج نہیں۔ میں اسے کوئی نقصان تھوڑی ہی پہونچاؤنگا، صرف اتنا دکھلا دونگا کہ...،،

پڑھنے والو، تم مجھے اس بات پر برا بھلا مت کہنا کہ تمہاری نوجوانی کے خواب بھی بچپن اور لڑکپن کے خوابوں کی طرح بچکانے تھے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اگر میں انتہائی ضعیف العمری تک زندہ رہا اور سال بہ سال کی کہانی لکھتا رہا، تو بھی میں ستر برس کا بوڑھا، اسی قسم کے حیرت‌ناک بچکانہ خواب دیکھتا رہونگا جیسے آج دیکھتا ہوں۔ میں کسی خوبصورت ماریا کے متعلق خواب دیکھونگا جو مجھ جیسے پوپلے بڈھے سے محبت کریگی، جیسے مازیپا* سے

---

* مازیپا — پوشکن کی نظم ''پولتاوا،، کا ایک کردار اور سپہ‌سالار تھا جس سے خوبصورت ماریا محبت کرتی تھی۔

محبت کرتی تھی۔ میں خواب دیکھونگا کہ میرا کند ذہن لڑکا کچھ غیرمعمولی حالات میں دفعتاً وزیر بن گیا، یا لاکھوں کروڑوں روپیہ کا خزانہ میرے ہاتھ لگا۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی انسان یا اس کی کوئی عمر ایسی نہیں ہے جب ایسے خواب دیکھنے کی یہ مفید اور سکون‌بخش صلاحیت ساتھ نہ دیتی ہو۔ لیکن ان خوابوں کے ناممکن ہونے کی عام خصوصیت کے باوجود — یعنی ان کی سحرانگیز فطرت کو چھوڑ کر — ہر شخص اور ہر عمر کے خواب خود اپنی نمایاں خصوصیت رکھتے ہیں۔ اس زمانے میں جسے میں اپنے لڑکپن کا آخری زمانہ اور نوجوانی کا آغاز سمجھتا ہوں میرے خوابوں کی بنیاد میں چار جذبے کارفرما تھے: اس سے محبت، جو ایک تخیلی عورت تھی، جس کے متعلق میں ہمیشہ ایک ہی انداز سے سوچتا تھا، ہر وقت اور ہر جگہ اس سے ملاقات کا منتظر تھا۔ یہ عورت کچھ کچھ سونیچکا جیسی تھی، کچھ واسیلی کی بیوی ماشا جیسی جب وہ طشت میں کپڑے دھوتی تھی اور کچھ اس عورت کی طرح جس کے سفید گلے میں موتیوں کا ہار تھا اور جسے میں نے بہت زمانہ پہلے تھیٹر میں اپنے باکس کے قریب‌والے باکس میں دیکھا تھا۔ دوسرا جذبہ تھا محبت سے محبت۔ میں چاہتا تھا کہ ہر شخص مجھ سے واقف ہو اور مجھ سے محبت کرے۔ میں چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو نکولائی ارتینیف کہہ کر پکاروں اور ہر شخص کو یہ سن کر حیرت ہو اور میرے پاس آکر کسی چیز کےلئے میرا شکریہ ادا کرے۔ تیسرا جذبہ تھا کسی غیرمعمولی، نام و نمود والی مسرت کی آرزو۔ اتنی زوردار اور زبردست آرزو جو دیوانگی تک پہونچ گئی تھی۔ کسی غیرمعمولی بات کی وجہ سے جلد ہی دنیا کا سب سے دولتمند اور ممتازترین انسان بننے کے متعلق مجھے اتنا یقین تھا کہ چھوٹنتر سے کوئی بڑی مسرت نصیب ہونے کے خیال سے دل ہمہ وقت کانپتا رہتا۔ ہر وقت مجھے یقین سا رہتا تھا کہ وہ بات اب ہونے ہی والی ہے اور مجھے وہ سب کچھ حاصل ہو جائیگا جس کی انسان آرزو کر سکتا ہے اور میں ہمیشہ ہر وقت ہر طرف تیز پھرا کرتا اور خیال رہتا کہ میں جہاں اس وقت نہیں ہوں ممکن ہے وہ وہاں ہو رہا ہو۔ چوتھا اور سب سے بڑا جذبہ

تھا اپنے آپ سے الجھن اور پشیمانی لیکن اس پشیمانی میں حقیقی مسرت کی امید اتنی کھلی ہوئی تھی کہ اس میں کوئی بات یاس‌انگیز نہیں تھی۔ مجھے یہ بات اس قدر آسان اور فطری معلوم ہوتی تھی کہ اپنے آپ کو سارے ماضی سے الگ کر لوں، ہر چیز نئے سرے سے کروں، جو کچھ ہو چکا اسے بھول جاؤں اور زندگی تمام تر تعلقات کے ساتھ پھر سے شروع کروں کہ نہ تو میرے سینے پر ماضی کا بوجھ تھا نہ مجھے اس سے کوئی پریشانی محسوس ہوتی تھی۔ بلکہ ماضی سے نفرت کرنے میں اور اسے اور زیادہ وحشت‌ناک رنگ میں دیکھنے میں مجھے لطف آتا تھا۔ ماضی کی یادوں کا قلعہ جتنا تاریکی میں ڈوبتا جاتا حال کا صاف شفاف نقطہ اتنا ہی زیادہ صاف اور روشن ہوتا جاتا اور مستقبل کی قوس قزح کے رنگ اس کے سامنے اور بھی زیادہ ابھر کر نمایاں ہو جاتے۔ میرے ارتقا کی اس منزل میں پشیمانی اور خوب سے خوب تر ہونے کے بےپناہ جذبے کی یہ آواز ہی سب سے بڑا اور نیا روحانی جذبہ تھا اور یہی آواز تھی جس نے مجھے اپنے متعلق، لوگوں کے متعلق اور خدا کی اس دنیا کے متعلق نقطہ‌نگاہ اختیار کرنے کے نئے اصول دئے۔ اے، عزیز تسکین‌دہ آواز تو نے بعد کے دنوں میں — ان غمناک دنوں میں جب روح زندگی کے فریب اور گناہ کے بوجھ کے سامنے خاموشی سے سپر ڈال دیتی تھی — کتنی بار ایک دم ہر جھوٹ کے خلاف احتجاج بلند کیا، ماضی کے بخئے ادھیڑے اور حال کے روشن نقطے کی طرف اشارہ کیا اور اس سے محبت پیدا کی اور مستقبل میں بہتری اور مسرت کا وعدہ کیا۔ اے، مقدس تسکین‌دہ آواز! کیا تو ایک دن خاموش ہو جائیگی؟

باب ۴

ہمارا گھریلو حلقہ

اس موسم بہار میں پاپا گھر پر بہت کم رہ پائے تھے۔ لیکن جب بھی آجاتے تو بہت خوش نظر آتے، پیانو پر اپنی پسند کی دھنیں بجاتے، شرارت بھری نظروں سے ہم لوگوں کی طرف دیکھتے

اور میمی اور ہم سب لوگوں کا مذاق اڑاتے۔ وہ کہتے کہ جارجیا کے شاہزادے نے میمی کو گھوڑے کی سواری کرتے دیکھ لیا اور ان پر ایسا لٹو ہوا ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کےلئے گرجے کو خط بھیج دیا ہے۔ یا مجھ سے کہتے کہ تمہیں وی آنا میں سفیر کا نائب سکریٹری بنا دیا گیا ہے۔ یہ بات انہوں نے بہت سنجیدہ منہ بنا کر کہی۔ کبھی وہ کاتینکا کو مکڑیوں سے ڈراتے جن سے وہ بہت ڈرتی تھی۔ وہ ہمارے دوستوں دیکوف اور نخلیودوف کے ساتھ بہت محبت سے پیش آتے اور ہمیں اور دوستوں کو آئندہ سال کے اپنے منصوبے بتایا کرتے۔ یہ منصوبے تقریباً ہر روز بدلتے اور ایک دوسرے کی کاٹ کرتے لیکن وہ اتنے دلکش تھے کہ ہم لوگ دل لگا کر سنتے اور لیوبوچکا آنکھیں پھاڑے پاپا کا منہ تکا کرتی کہ کوئی لفظ سننے سے رہ نہ جائے۔ کبھی ان کا منصوبہ ہوتا کہ ہم لوگوں کو ماسکو کی یونیورسٹی میں چھوڑ دینگے اور لیوبوچکا کے ساتھ دو برس کے لئے اٹلی چلے جائینگے۔ پھر کرائمیا میں سمندر کے جنوبی کنارے پر جائداد خریدینگے اور ہر سال گرمیوں میں وہاں جایا کرینگے یا سارے خاندان کو ساتھ لیکر سینٹ پیٹرس برگ منتقل ہوجائینگے وغیرہ وغیرہ۔ پاپا کی اس انتہائی زندہ دلی کے ساتھ ساتھ ان میں ایک اور تبدیلی آئی تھی جس سے میں بہت متعجب تھا۔ انہوں نے کچھ فیشن ایبل قسم کے کپڑے خریدے تھے — زیتون کے رنگ کا فراک کوٹ، فیشن ایبل پتلون جس میں پیروں میں باندھنے والے تسمے لگے ہوئے تھے اور بڑا اوورکوٹ جو ان پر بہت ہی زیب دیتا تھا، اور وہ جب بھی باہر جاتے تو بہت اچھی طرح بن سنور کر اور عطر لگاکر جاتے اور خاص طور پر جب وہ ایک خاتون کے یہاں جاتے جن کے متعلق میمی ٹھنڈا سانس لئے بغیر بات ہی نہ کرتیں اور چہرے پر صاف لکھا ہوتا: ''بیچارے یتیم بچے! کیا بری لت ہے۔ اچھا ہی ہوا کہ وہ زندہ نہیں ہیں،، وغیرہ وغیرہ۔ نکولائی سے مجھے معلوم ہوا (کیونکہ پاپا نے تو ہمیں کبھی اپنے جوئے کے معاملات کی خبر دی نہیں) کہ ان سردیوں میں جوئے میں ان کی قسمت نے ان کا بہت ساتھ دیا تھا۔ انہوں نے بہت ہی بڑی رقم جیتی تھی جو ساری کی ساری بینک میں جمع کرا دی تھی اور اس موسم بہار میں جوا بالکل نہ کھیلنا چاہتے تھے۔ غالباً

اسی وجہ سے وہ جلد از جلد دیہات جانا چاہتے تھے۔ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکیں۔ انہوں نے یہاں تک فیصلہ کر لیا کہ یونیورسٹی میں میرے داخلے تک کا انتظار نہ کریں گے اور ایسٹر کے فوراً بعد لڑکیوں کو لے کر پیتروفسکوئے چلے جائینگے اور ولودیا اور میں بعد میں وہاں پہونچ جائینگے۔

ساری سردیوں بلکہ بہار کے موسم تک بھی ولودیا دیکوف سے جدا نہ ہو سکا (لیکن دمتری کی طرف سے اس کے جذبات کافی سرد پڑ گئے تھے)۔ جہاں تک بات چیت سے میں اندازہ لگا سکا تھا ان دونوں کی اصل دلچسپی یہ تھی کہ مسلسل شیمپین پی جائے، برف گاڑی میں بیٹھ کر اس نوجوان خاتون کی کھڑکیوں کے نیچے سے گزرا جائے جس سے دونوں محبت کرتے تھے اور بچوں کے ناچ میں نہیں بلکہ سچ مچ کے رقص میں حصہ لیا جائے۔ اس موخرالذکر بات کی وجہ سے ولودیا اور میرے درمیان باہمی محبت کے باوجود بہت فرق پیدا ہو گیا۔ ہمیں اس بات کا احساس تھا کہ جس لڑکے کو اب بھی استاد پڑھانے آتے ہوں اس کے اور ایسے شخص کے درمیان جو بڑے رقص میں ناچتا ہو بہت زیادہ فرق ہے اور اسی لئے ہم ایک دوسرے سے اپنے دل کی بات نہ کہتے تھے۔ کاتینکا کافی بڑی ہو چکی تھی اور بہت سے ناول پڑھا کرتی تھی اور اب یہ تصور مجھے مذاق نہیں معلوم ہوتا تھا کہ شاید جلد ہی اس کی شادی ہو جائیگی۔ لیکن اس بات کے باوجود کہ ولودیا بھی بڑا ہو چکا تھا دونوں میں ملاپ بالکل نہ تھا بلکہ ایسا لگتا تھا کہ دونوں ایک دوسرے کو حقارت سے دیکھتے ہیں۔ عموماً جب کاتینکا گھر پر تنہا رہتی تو ناول پڑھنے کے علاوہ اسے اور کوئی کام نہ ہوتا اور زیادہ تر وقت وہ اکتائی ہوئی رہتی۔ لیکن جب مرد مہمان آ جاتے تو بہت زندہدل اور خوش خلق ہو جاتی، ان لوگوں کی طرف آنکھوں سے ایسے اشارے کرتی کہ میں کچھ سمجھ ہی نہ پاتا کہ آخر اس کا مطلب کیا ہے۔ جب بعد میں اس نے مجھے باتوں باتوں میں بتایا کہ لڑکی کو صرف آنکھوں سے ہی نازو غمزے دکھانے کی آزادی ہے تو اس وقت جاکر میری سمجھ میں آیا کہ آنکھوں کے اس عجیب و غریب غیرفطری اشاروں کے معنی کیا ہیں جن سے دوسرے لوگوں کو بالکل حیرت نہ ہوتی تھی۔ لیوبوچکا نے بھی ایسے کپڑے پہننا شروع کر

دلے تھے جو خاصے لمبے تھے جس کی وجہ سے اس کی بطخ کی سی ٹانگیں چھپ جاتی تھیں - لیکن بات بات پر آنسو اب بھی ویسے ہی بہاتی تھی - اب وہ شاہی رسالے کے کسی افسر سے نہیں بلکہ کسی کلرک یا موسیقار کے ساتھ شادی کرنے کے خواب دیکھتی تھی اور اسی لئے اس نے موسیقی کے سلسلے میں پہلے سے زیادہ محنت شروع کر دی تھی - سینٹ جیروم کو معلوم تھا کہ وہ ہمارے گھر میں صرف میرا امتحان ختم ہونے تک ملازم ہیں - اس لئے انہوں نے کسی کاؤنٹ کے یہاں ملازمت تلاش کر لی تھی اور اس وقت سے ہمارے گھروالوں کی طرف ذرا حقارت سے دیکھنے لگے تھے - وہ گھر پر کم ہی رہتے تھے، انہوں نے سگریٹ پینا شروع کردی جو اس زمانے میں بانک‌پن کی معراج سمجھی جاتی تھی اور ہر وقت طرح طرح کی مستانہ دھنوں میں سیٹی بجایا کرتے - میمی میں روز بروز زیادہ تلخی آ رہی تھی اور اب ہم جب بڑے ہو رہے تھے تو انہیں کسی آدمی سے، کسی چیز سے بھی کسی اچھی بات کی توقع نہیں تھی -

جب میں کھانے کے لئے نیچے گیا تو دیکھا کہ کھانے کے کمرے میں صرف میمی، کاتینکا، لیوبوچکا اور سینٹ جیروم ہیں - پاپا گھر پر نہیں تھے - اور ولودیا اپنے کمرے میں دوستوں کے ساتھ بیٹھا امتحان کی تیاری کر رہا تھا اور کھانا وہیں لانے کے لئے کہہ چکا تھا - میمی جن کی ہم میں سے کوئی بھی عزت نہ کرتا تھا کچھ دنوں سے میز پر سردار خاندان کی طرح بیٹھنے لگی تھیں اور اس کی وجہ سے کھانے کا مزہ جاتا رہا تھا - اب اماں یا نانی کے زمانے کا کھانے کا وہ رواج نہ رہ گیا تھا جب ایک خاص وقت پر سارا خاندان جمع ہوجاتا اور دن دو حصوں میں تقسیم ہوجاتا تھا - اب ہم لوگ دیر سے آجاتے جب دوسرا دور شروع ہوجاتا، معمولی گلاسوں میں شراب پیتے (خود سینٹ جیروم نے اس سلسلے میں ابتدا کی تھی)، کرسیوں پر پھیل کر بیٹھ جاتے، کھانا ختم ہونے سے پہلے ہی میز پر سے اٹھ جاتے اور اسی قسم کی دوسری حرکتیں کرتے - اب کھانا پہلے کی طرح روزمرہ کی خاندانی اور خوش کن تقریب نہیں رہا تھا -

پہلے زمانے میں پیتروفسکوئے میں ہر شخص ہاتھ منہ دھوکر

تروتازہ ہوکر اور کپڑے بدل کر کھانا کھانے آتا تھا۔ دو بجے سب لوگ مہمان خانے میں چلے جاتے، وقت مقررہ کا انتظار کرنے کے لئے دلچسپ گفتگو کا سلسلہ چھیڑ دیتے تھے۔ جیسے ہی خانساماں کے کمرے میں گھڑی دو بجانے کی تیاری میں گھرگھرانا شروع کرتی فوکا دبے پاؤں ہاتھ پر سفید رومال ڈالے اور خاصے بارعب طریقے سے بلکہ چہرے پر درشتی لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوتا۔ ''کھانا تیار ہے!،، وہ اونچی آواز میں الفاظ کھینچ کر اعلان کرتا اور سب لوگ کھانے کے کمرے میں ہنستے بولتے داخل ہوتے، سب سے آگے بڑے لوگ، ان کے پیچھے بچے چلتے۔ ان کے کلف شدہ کپڑے سرسراتے اور جوتے چرمر چرمر بولتے اور سب لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر آہستہ آہستہ باتیں کرنے لگتے۔

اور اگر ماسکو میں ہوئے تو وہاں بھی یہی صورت تھی کہ ہم سب لوگ میز کے سامنے کھڑے ہو جاتے، نانی کا انتظار کرتے اور آہستہ آہستہ باتیں کرتے جاتے۔ گاوریلو انہیں مطلع کرنے کے لئے چلا جاتا کہ کھانا تیار ہے۔ دفعتاً کمرے کا دروازہ کھلتا اور کپڑوں کی ہلکی سی سرسراہٹ اور قدموں کی دھیمی چاپ سنائی دیتی اور نانی کچھ عجیب سا بنفشی فیتے والا ٹوپ پہنے اپنے کمرے سے مسکراتی یا منہ لٹکائے (اپنی صحت کی حالت کے مطابق) برآمد ہوتیں۔ گاوریلو ان کی کرسی کی طرف بھاگتا، دوسری کرسیاں کھسکتیں اور ہم لوگوں کو پھریری سی آ جاتی — بھوک سے پہلے یہ ضرور ہوتا — کچھ نرم سا کلف دیا ہوا رومال اٹھاتے، دو ایک نوالے روٹی کے کھاتے اور بےصبری اور مزیدار تذبذب پن سے میز کے نیچے ہاتھوں کو ملتے اور بھاپ اٹھتے ہوئے سوپ کی قاب پر نظریں گاڑ دیتے جسے بٹلر درجے، عمر اور نانی کی التفات کے مطابق تقسیم کرتا۔

اب کھانے کے لئے آتے ہوئے مجھے اس قسم کی کوئی خوشی یا بےصبری محسوس نہ ہوتی تھی۔

میمی، سینٹ جیروم اور لڑکیاں ہمیشہ روسی استاد کے بیہودہ سے جوتوں اور شہزادی کورنا کووا کے جھالردار لباس وغیرہ کے متعلق باتیں کرتی رہتی تھیں — اس قسم کی بک بک کو پہلے میں واقعی حقارت آمیز سمجھتا تھا اور جہاں تک لیوبوچکا اور کاتینکا کا تعلق تھا تو ان سے اپنی اس حقارت کو چھپاتا بھی نہیں تھا۔

لیکن اس وقت اس بک بک نے میرے نئے اور پاک بازانہ مزاج پر ذرہ برابر اثر نہیں ڈالا۔ میں خلاف معمول بہت نیک رہا۔ بہت اخلاق کے ساتھ مسکراکر ان کی باتیں سنتا رہا۔ بہت ہی ادب کے ساتھ کہا کہ گلاس میری طرف بڑھا دو۔ اور جب کھانے کے وقت ایک جملے کو سینٹ جیروم نے صحیح کیا اور کہا کہ je peux کے بجائے * je puis کہنا بہتر ہے تو میں نے ان سے اتفاق کیا۔ لیکن مجھے اعتراف کرنا چاہئے کہ اس بات سے مجھے کچھ ناراضگی ہوئی کہ میری شرافت اور نیکی کی طرف کسی نے دھیان ہی نہ دیا۔ کھانے کے بعد لیوبوچکا نے مجھے ایک کاغذ دکھایا جس پر اس نے اپنے سارے گناہ لکھ لئے تھے۔ میں نے کہا یہ بہت اچھا کیا لیکن بہتر یہ ہے کہ اپنے گناہوں کو اپنی روح پر کندہ کر لو اور یہ بھی کہ ''یہی سب کچھ نہیں ہے جو ہونا چاہئے،،۔

''کیوں نہیں؟،، لیوبوچکا نے سوال کیا۔

''خیر چھوڑو — یہ بھی ٹھیک ہی ہے۔ تم مجھے نہیں سمجھ سکتیں،، اور میں سینٹ جیروم سے یہ کہہ کر اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا کہ پڑھنے جا رہا ہوں لیکن ارادہ یہ تھا کہ اعتراف گناہ سے قبل جبے ڈیڑھ گھنٹہ باقی تھا، اپنی ساری زندگی کے فرائض اور کام لکھ لوں اور اپنی زندگی کا مقصد اور ان قاعدوں کو سپرد قلم کر لوں جن پر کل سے ذرا بھی بھٹکے بغیر مجھے عمل کرنا تھا۔

باب ۵

قاعدے

میں نے ایک کاغذ اٹھایا اور پہلے آئندہ سال کے لئے اپنے کام اور فرائض لکھنے کی کوشش کی۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ کاغذ پر لکیریں کھینچی جائیں۔ لیکن چونکہ رولر نہ مل سکا اس لئے میں نے لاطینی لغت استعمال کیا۔ جب میں نے لغت کے سہارے

---

* میں کر سکتا ہوں۔

قلم چلایا اور پھر اسے واپس لانے لگا تو معلوم یہ ہوا کہ کاغذ پر لکیر کے بجائے روشنائی کا لمبا سا نشان پڑ گیا ہے۔ پھر لغت کی جلد کاغذ سے چھوٹی تھی اور لکیر اس کے نرم کناروں کے پاس سے ٹیڑھی ہو گئی۔ میں نے دوسرا کاغذ لیا اور لغت آگے بڑھا کر ایک طرح کی لکیر کھینچ ہی لی۔ اپنے فرائض کو تین خانوں میں تقسیم کیا: اپنے متعلق، اپنے اقربا کے متعلق اور خدا کے متعلق۔ میں نے پہلے خانے میں لکھنا شروع کیا۔ لیکن فرائض اتنے بہت سے ہو گئے اور ان میں اتنی قسمیں اور شقیں پیدا ہو گئیں کہ پہلے ''زندگی کے قاعدے،، لکھنے اور اس کے بعد فہرست بنانے کی ضرورت پڑی۔ میں نے چھ کاغذ لئے، انہیں سی کر ایک کاپی بنالی اور اوپر لکھا: ''زندگی کے قاعدے،،۔ یہ الفاظ ایسے ٹیڑھے میڑھے لکھے گئے کہ میں بہت دیر تک سوچتا رہا کہ انہیں پھر سے لکھوں یا نہ لکھوں۔ اور اس شکستہ سی فہرست اور بھونڈی سی سرخی کی طرف دیکھ کر بہت دیر تک پریشان رہا۔ کیا وجہ ہے کہ میری روح میں جو چیزیں اتنی حسین، پاک اور پاکیزہ ہیں انہیں جب میں اپنی فکر کے مطابق معمولی شکل دینا چاہتا ہوں تو وہ کاغذ پر اور عام طور سے زندگی میں منتقل ہوکر اتنی قبیح کیوں معلوم ہونے لگتی ہیں۔

''پادری صاحب آ گئے ہیں۔ ان کا وعظ سننے کے لئے نیچے آجائیے،، نکولائی اعلان کرنے کے لئے آیا۔

میں نے اپنی کاپی میز کے اندر چھپا دی۔ آئینے میں اپنی صورت دیکھی، کنگھی سے بالوں کو اوپر چڑھایا جو میرے خیال میں چہرے پر غوروفکر کے آثار پیدا کر رہے تھے اور بیٹھک میں چلا گیا جہاں ایک میز پر میزپوش ڈال کر مقدس شبیہہ اور جلتی ہوئی شمعیں رکھ دی گئی تھیں۔ میرے ساتھ ہی ساتھ بابا دوسرے دروازے سے داخل ہوئے۔ پادری کے بال سفید تھے، چہرے پر درشتی اور ضعیفی کے آثار تھے۔ انہوں نے بابا کو دعا دی۔ بابا نے ان کے چھوٹے چھوٹے چوڑے سوکھے ہوئے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ میں نے بھی یہی کیا۔

''ولدیمار کو بلاؤ،، بابا بولے ''کہاں ہے؟ ارے ہاں وہ تو یونیورسٹی میں عبادت کر رہا ہے۔،،

''وہ تو شاہزادے کے ساتھ پڑھ رہے ہیں،، کاتینکا بولی اور اس نے لیوبوچکا کی طرف دیکھا۔ لیوبوچکا نہ جانے کیوں ایک دم سرخ ہوگئی، اسے جھرجھری سی آ گئی اور یہ بہانہ کرکے کہ اس کو کچھ تکلیف ہے وہ کمرے سے چلی گئی۔ میں اس کے پیچھے گیا۔ وہ مہمان خانے میں رکی اور اپنے کاغذ پر کچھ اور لکھا۔

''کیا تم نے کوئی اور گناہ کیا ہے؟،، میں نے پوچھا۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے،، اس نے جواب دیا لیکن چہرہ تمتما اٹھا۔

اس وقت دستری کی آواز پیش دالان سے آئی جو ولودیا سے رخصت ہو رہا تھا۔

''تمہارے لئے تو ہر چیز ترغیب ہے،، کاتینکا نے کمرے میں داخل ہوکر لیوبوچکا سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

میری کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ میری بہن کو کیا ہو گیا تھا: وہ اتنی جھینپی کہ آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کی پریشانی بڑھتی گئی، یہاں تک کہ اپنے اور کاتینکا پر اسے غصہ آنے لگا جو اسے چڑھا رہی تھی۔

''بس بات سمجھ میں آ گئی کہ تم غیرملکی ہو (کاتینکا کے لئے غیرملکی سے زیادہ اور کوئی لفظ توہین آمیز نہیں ہو سکتا تھا اور لیوبوچکا نے اسی لئے یہ لفظ استعمال بھی کیا تھا) ایسی مقدس رسم کے موقع پر،، اس نے آواز میں وقار پیدا کرکے بات جاری رکھی ''تم نے مجھے پریشان کر دیا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔،،

''تمہیں معلوم ہے اس لڑکی نے کیا لکھا ہے نکولینکا؟،، کاتینکا جو لفظ غیرملکی سے چڑھ گئی تھی بولی ''اس نے لکھا ہے کہ...،،

''میں نہیں سمجھتی تھی کہ تم اتنی کینہ‌پرور ہو،، لیوبوچکا ابل پڑی اور ہم لوگوں کے پاس سے جاتے ہوئے بولی ''یہ ایسے موقع پر جان بوجھ کر مجھے گناہ کی طرف لے جاتی ہے۔ میں تو تمہارے جذبات اور تمہارے دکھوں کو کبھی نہیں کریدتی۔،،

باب ۶

اعتراف گناہ

یہ اور اسی قسم کے منتشر سے خیالات کے ساتھ میں بیٹھک میں واپس آیا۔ وہاں سب لوگ جمع تھے۔ اور پادری کھڑے ہو کر اعتراف سے پہلے وعظ شروع کرنے والے تھے۔ لیکن جیسے ہی گہری خاموشی میں پادری کی سخت اور سلجھی ہوئی آواز گونجی اور خاص کر جب انہوں نے ہمیں ان الفاظ سے مخاطب کیا: ''شرمائے، چھپائے اور عذر کئے بغیر اپنے تمام گناہوں کا اعتراف کرو اور خدا کے سامنے تمہاری روح پاک و پاکیزہ ہو جائیگی۔ لیکن اگر تم نے چھپانے کی کوشش کی تو اور زیادہ بڑے گناہ کے مرتکب ہوگے،، تو اس مقدس رسم کے متعلق ایک دن پہلے جو پاکیزہ سا جذبہ میں نے محسوس کیا تھا وہ پھر سے واپس آ گیا۔ مجھے اپنی حالت میں لطف تک آنے لگا اور دوسرے تمام خیالات کو دماغ سے نکال کر اس جذبے کو برقرار رکھنے اور کسی چیز سے خوف محسوس کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

سب سے پہلے پاپا اعتراف کے لئے گئے۔ وہ بہت دیر تک نانی کے کمرے میں رہے اور اس اثنا میں بیٹھک میں بیٹھے ہوئے ہم تمام لوگوں پر خاموشی چھائی رہی یا سرگوشی کے انداز میں بحث کرتے رہے کہ اب کون جائیگا۔ آخر دروازے کے پیچھے سے پادری کی آواز پھر سنائی دی جو دعا پڑھ رہے تھے اور پھر پاپا کے قدموں کی چاپ۔ دروازہ چرچرایا اور وہ باہر آئے۔ وہ کھانس رہے تھے اور ایک کاندھا کچھ اٹھائے ہوئے تھے جیسی ان کی عادت تھی اور ہم لوگوں میں سے کسی کی طرف نہیں دیکھ رہے تھے۔

''اب تم جاؤ لیوبا اور دیکھو ساری چیزیں بتا دینا۔ تم بڑی گنہگار ہو۔،، پاپا نے اس کے گال پر چٹکی لیتے ہوئے مذاق سے کہا۔

لیوبوچکا کے چہرے پر ایک رنگ آنے ایک رنگ جانے لگا۔ اس نے جیب سے اپنی فہرست نکالی اور پھر چھپالی اور سر کاندھوں کے بیچ میں اس طرح اندر کر لیا جیسے اسے خطرہ ہو کہ اوپر سے کوئی چیز اس کے سر پر گرنے والی ہے اور دروازے میں داخل

ہوگئی۔ وہ زیادہ دیر تک وہاں نہیں رہی لیکن جب باہر آئی تو سسکیاں لینے کی وجہ سے اس کے کاندھے ہل رہے تھے۔

آخر خوبصورت کاتینکا کے بعد جو مسکراتی ہوئی باہر نکلی میری باری آ گئی۔ میں نیم روشن کمرے میں اسی مبہم خوف کے ساتھ اور اس خوف میں جان بوجھ کر اضافہ کرنے کے جذبے کے ساتھ داخل ہوا۔ پادری لکٹرن کے سامنے کھڑا ہوا تھا، وہ آہستہ آہستہ میری طرف مڑا۔

میں نانی کے کمرے میں پانچ منٹ سے زیادہ نہیں ٹھہرا، لیکن جب باہر نکلا تو بہت خوش تھا اور اس وقت کے اپنے یقین کے مطابق انتہائی پاکباز، اخلاقی اعتبار سے مختلف اور نیا آدمی بن گیا تھا۔ زندگی کی ساری پرانی چیزیں مجھے ناگوار ہو رہی تھیں: وہی کمرے، وہی فرنیچر، وہی میرا چہرہ (جی چاہتا تھا کہ میرا ظاہر بھی اسی طرح تبدیل ہو جائے جیسا میرے خیال میں باطن کی ہر چیز تبدیل ہو گئی ہے) ــ لیکن ان سب باتوں کے باوجود رات کو سوتے وقت تک میں بہت خوش وخرم رہا۔

میں اونگھ رہا تھا اور ان تمام گناہوں کے متعلق سوچ رہا تھا جن سے میں اب پاک ہو گیا تھا کہ دفعتاً مجھے ایک بہت ہی شرمناک قسم کا گناہ یاد آیا جسے میں نے اعتراف کے وقت چھپا رکھا تھا۔ اعتراف سے پہلے کے وعظ کے الفاظ مجھے پھر یاد آ گئے اور میرے کانوں میں مسلسل گونجنے لگے۔ میری ساری ذہنی خوشی ایک دم ختم ہو گئی۔ "...لیکن اگر تم نے چھپانے کی کوشش کی تو اور زیادہ بڑے گناہ کے مرتکب ہوگے..." یہ آواز میرے کانوں میں مسلسل گونجتی رہی۔ مجھے احساس ہوا کہ میں ایسا بڑا گنہگار ہوں جس کے لئے کوئی سزا کافی نہیں ہے۔ اپنی حالت پر غور کرتے ہوئے میں بہت دیر تک کروٹیں بدلتا رہا اور خدا کے عتاب کا بلکہ فوری موت کا انتظار کرتا رہا ــ اس تصور نے مجھے ناقابل بیان خوف میں مبتلا کر دیا۔ لیکن ایک دم سے مجھے ایک بہت اچھا خیال آیا کہ صبح ہوتے ہی پیدل یا گاڑی پر پادری سے ملنے کے لئے خانقاہ جانا چاہئے اور پھر سے اعتراف کرنا چاہئے اور یہ سوچ کر مجھے اطمینان ہوا۔

باب ۷

خانقاہ کا سفر

رات اس ڈر سے کئی بار آنکھ کھل کھل گئی کہ دیر نہ ہو جائے اور چھ بجے کے قریب میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ابھی باہر اندھیرا تھا۔ میں نے کپڑے بدلے، جوتے پہنے جو پلنگ کے پاس ہی الٹے سیدھے بغیر صاف کئے ہوئے پڑے تھے، کیونکہ نکولائی کو انہیں لے جانے کا وقت ہی نہ ملا تھا اور منہ دھوئے یا عبادت کئے بغیر زندگی میں پہلی بار میں تن تنہا باہر نکل کھڑا ہوا۔

سڑک کی دوسری طرف بڑے سے سبز چھت والے مکان کے پیچھے سے دھندلی اور سرد شفق کی سرخی پھوٹ رہی تھی۔ بہار کی صبح کے کالے سخت پالے نے کیچڑ اور نالیوں کو جما دیا تھا، پیروں کے نیچے چرمرا رہا تھا اور میرے چہرے اور ہاتھوں پر سوئیاں سی چبھ رہی تھیں۔ میں نے سوچا تھا کہ گھوڑا گاڑی لے کر جاؤنگا اور جلدی سے واپس آجاؤنگا۔ لیکن ابھی تک ہماری گلی میں کوئی گاڑی والا نہیں نظر آرہا تھا۔ صرف چند چھکڑے ارباٹ سڑک پر گزر رہے تھے اور دو کاریگر فٹ پاتھ پر باتیں کرتے چلے جا رہے تھے۔ کوئی ہزار قدم گیا تھا کہ مرد اور عورتیں نظر آنے لگے۔ لوگ تھیلے اٹھائے بازار جا رہے تھے یا پیپے لئے پانی بھرنے جا رہے تھے۔ چوراہے پر ایک سموسے والا نکل آیا۔ کلاچ* روٹی والے کی دوکان کھل گئی اور ارباٹ کے پھاٹکوں کے پاس مجھے ایک بوڑھا گاڑی بان نظر آیا جو اپنی نیلی، پرانی گاڑی میں سو رہا تھا۔ غالباً سوتے ہی میں اس نے مجھ سے خانقاہ تک جانے اور واپس آنے کے لئے صرف بیس کوپک مانگے لیکن پھر دفعتاً جاگ پڑا۔ میں بیٹھنے ہی والا تھا کہ اس نے راس کے سرے سے گھوڑے کو ہنکا کر گاڑی چلا دی۔ ”گھوڑے کو چارہ چاہئے“ وہ بڑبڑایا ”آپ کو نہیں لے جا سکتا۔“

بڑی مشکل سے چالیس کوپک پر چلنے کے لئے اسے راضی کر

---

* کلاچ — ایک قسم کی چھوٹی اور گول روٹی۔

سکا۔ اس نے راس کھینچی، مجھے غور سے دیکھا اور بولا: ''بیٹھئے''۔ ایمان کی بات یہ ہے کہ مجھے ڈر لگ رہا تھا کہ ممکن ہے کسی سنسان گلی میں لیجا کر لوٹ لے۔ اس کے پھٹے ہوئے کوٹ کے کالر کو پکڑ کر اور جھری پڑی ہوئی گردن کی طرف نظر ڈال کر جو عجب بے تکے انداز میں اس کی جھکی ہوئی پیٹھ کے اوپر سے نظر آ رہی تھی، میں نیلی، ٹیڑھی، جھولتی ہوئی سیٹ پر بیٹھ گیا اور گاڑی کھڑکھڑاتی ہوئی ووزدوی‌ژنکا سڑک پر چل پڑی۔ راستے میں میں نے دیکھا کہ گاڑی کی پشت پر اسی سبزی مائل کپڑے کے ٹکڑے لگے ہوئے تھے جس کا گاڑی‌والے کا کوٹ تھا اور اس بات سے نہ جانے کیوں مجھے اطمینان سا محسوس ہوا اور اب مجھے کوئی خطرہ نہیں تھا کہ یہ شخص مجھے کسی سنسان گلی میں لیجا کر لوٹ لے گا۔

ہم جب خانقاہ پہونچے تو آفتاب کافی بلند ہو چکا تھا۔ اور گرجوں کی برجیاں دھوپ میں چمک رہی تھیں۔ سایہ میں ہلکی سی برف اب بھی موجود تھی لیکن سڑک پر گندہ پانی تیزی سے بہہ رہا تھا اور گھوڑا پگھلی ہوئی برف کی کیچڑ میں چھپا چھپ کرتا چلا جا رہا تھا۔ خانقاہ کے احاطے میں داخل ہوکر جو شخص سب سے پہلے نظر آیا اس سے میں نے پوچھا کہ پادری کہاں ہونگے۔

''ان کا حجرہ وہ ادھر ہے''، اس راہب نے ایک لمحہ رک کر ایک چھوٹے سے مکان کی طرف اشارہ کیا جس کے سامنے چھوٹی سی برساتی تھی۔

''بہت بہت شکریہ''، میں نے کہا۔

پھر میں نے سوچا کہ یہ سب راہب، جو اس وقت گرجے سے باہر آ رہے تھے، مجھے دیکھ کر کیا سوچینگے کیونکہ سب لوگ میری طرف دیکھ رہے تھے۔ میں نہ تو عمر میں بہت بڑا تھا اور نہ بچہ۔ نہ منہ دھویا تھا اور نہ بالوں میں کنگھی کی تھی، کپڑے ملگجے تھے، جوتوں پر پالش نہیں تھی اور ان میں کیچڑ بھرا تھا۔ یہ لوگ مجھے کسی خاص قسم کے طبقے سے متعلق سمجھ رہے ہونگے — کیونکہ سب کے سب مجھے بری طرح گھور رہے تھے۔ لیکن اس کے باوجود میں اس سمت چلتا رہا جدھر نوجوان راہب نے اشارہ کیا تھا۔

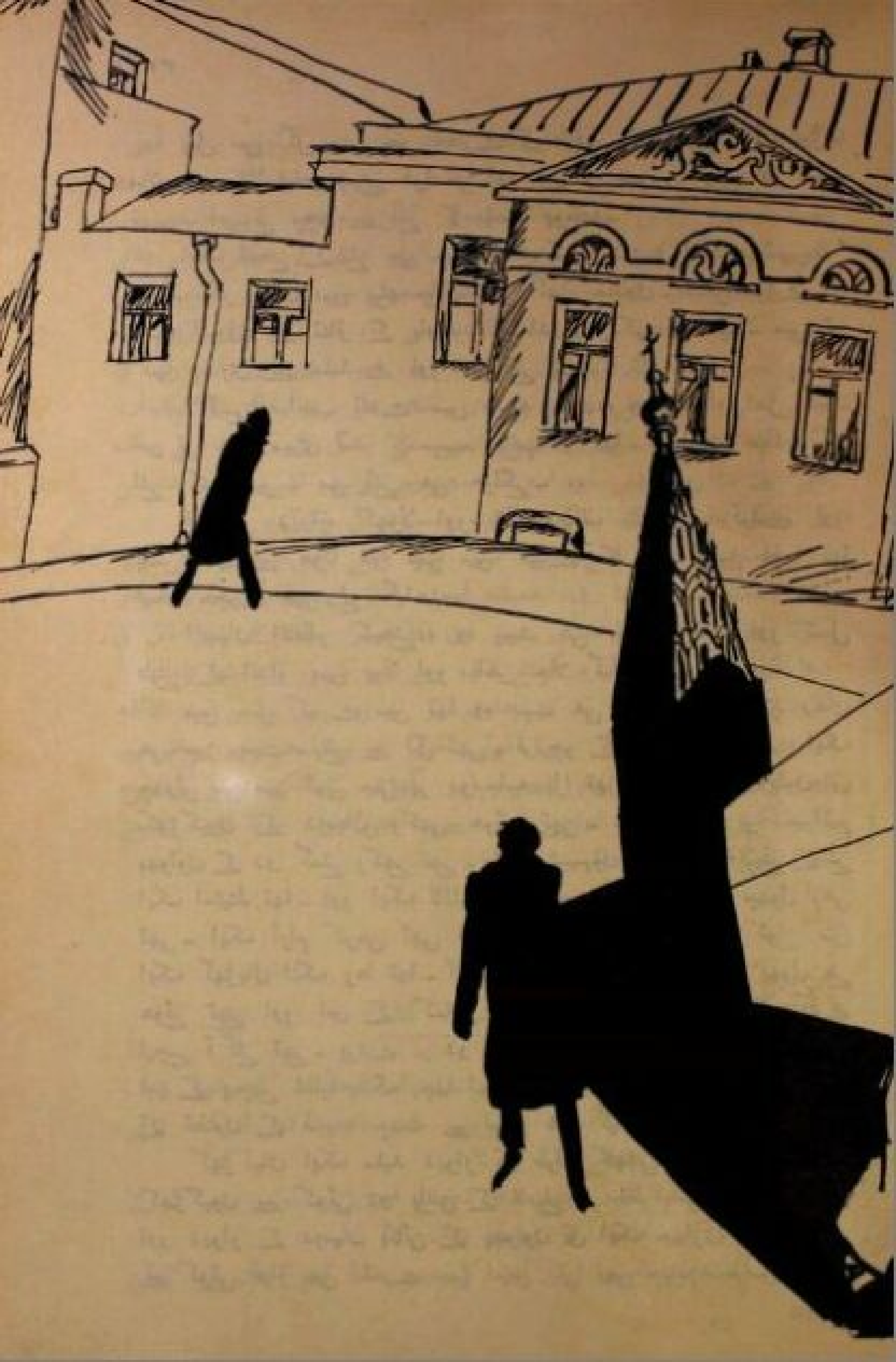

پتلی سی گلی میں جو حجرے کی طرف جاتی تھی ایک بوڑھا ملا۔ وہ کالا لباس پہنے ہوا تھا اور اس کی بھویں گھنی اور سفید تھیں۔ اس نے مجھ سے آنے کا مقصد پوچھا۔

ایک لمحے کے لئے جی چاہا کہ کہہ دوں: ''کچھ نہیں،، بھاگ کر گاڑی میں بیٹھ جاؤں اور گھر چلدوں۔ لیکن بوڑھے کا چہرہ ابروؤں کے تناؤ کے باوجود اعتماد پیدا کر رہا تھا۔ میں نے کہا پادری سے ملنا ہے اور میں نے ان کا نام بتایا۔

''آئیے، صاحب زادے، میں راستہ بتاؤں،، وہ بولا اور مڑ گیا۔ اس نے غالباً میری آمد کا سبب بھانپ لیا تھا۔ ''پادری عبادت کے لئے گئے ہیں۔ بس آتے ہی ہونگے۔،،

اس نے دروازہ کھولا اور ایک صاف ستھرے برآمدے اور پیش‌دالان سے ہوتا ہوا جس میں کپڑے کا صاف قالین بچھا تھا ایک حجرے میں لے گیا۔

''یہاں انتظار کیجئے،، وہ بہت ہی خوش مزاجی اور تسلی دینے کے انداز میں بولا اور باہر چلا گیا۔

میں جس کمرے میں تھا وہ بہت ہی مختصر تھا اور وہاں ہر چیز بہت سلیقے سے لگی تھی۔ فرنیچر کے نام کی اس میں ایک چھوٹی سی میز تھی جس پر موم‌جامہ پڑا تھا۔ وہ دوہرے پٹوں‌والی کھڑکیوں کے درمیان رکھی ہوئی تھی۔ کھڑکیوں پر جیرانیم پھولوں کے دو گملے رکھے تھے۔ مقدس شبیہوں کو سہارا دینے کےلئے ایک اسٹینڈ تھا۔ اور ایک لالٹین تھی جو ان کے سامنے جھول رہی تھی۔ ایک آرام کرسی تھی اور دو معمولی کرسیاں۔ کونے میں ایک گھڑیال لٹک رہا تھا۔ اس کے ڈائل پر رنگ برنگے پھول بنے ہوئے تھے اور اس کے کمانی چلانے‌والے تانبے کے لٹکن آدھے نیچے آگئے تھے۔ پردے پر دو جیسے کیلوں سے لٹک رہے تھے اور اس کے پیچھے غالباً پلنگ بچھا تھا۔ یہ پردہ سفیدی کئے ہوئے لکڑی کے تختوں کے ذریعہ چھت سے جوڑ دیا گیا تھا۔

کھڑکیاں ایک سفید دیوار کی طرف کھلتی تھیں۔ دیوار ان کھڑکیوں سے کوئی دو بانس کے فاصلے پر نظر آتی تھی۔ ان کے اور دیوار کے درمیان بکائن کے پھولوں کی ایک جھاڑی تھی۔ باہر سے کوئی آواز بھی کمرے میں نہیں آتی تھی چنانچہ خاموشی میں

گھڑی کے لٹکن کی مسلسل آواز کافی زور سے گونج رہی تھی۔ اس خاموش سے حجرے میں جیسے ہی میں تنہا ہوا میرے سارے خیالات اور یادیں میرا ساتھ چھوڑ گئیں، جیسے کبھی ذہن میں تھیں ہی نہیں اور میں بہت ہی خوشگوار قسم کے ہوائی قلعے بنانے میں مصروف ہو گیا۔ رنگ اڑے ہوئے جیسے جن کے استر پھٹے ہوئے تھے، کئی کتابوں کی بوسیدہ سیاہ جلدیں اور ان کے پیتل کے بٹن، میلے سبز رنگ کے پھولوں کے پودے، ہوشیاری سے آبیاری کی ہوئی مٹی اور دھلے ہوئے پتے اور خاص طور پر لٹکن کی یکساں، ٹک ٹک — یہ سب چیزیں مجھے ایسی نئی زندگی کے بارے میں صاف طور سے بتا رہی تھیں جو اب تک مجھ سے پوشیدہ تھی — گوشہ تنہائی کی زندگی، عبادت کی زندگی، خاموش مسرت کی زندگی۔

''مہینے گزر جاتے ہیں، سال گزر جاتے ہیں،، میں نے سوچا ''وہ ہمیشہ تنہا رہتا ہے، ہمیشہ آسودہ رہتا ہے، وہ ہمیشہ محسوس کرتا ہے کہ خدا کے حضور میں اس کا ضمیر صاف ہے اور اس کی دعا خدا سنتا ہے،،۔ آدھ گھنٹے تک میں اس کرسی پر بیٹھا رہا اور کوشش کرتا رہا کہ نہ تو ہلوں اور نہ زور سے سانس لوں تاکہ آوازوں کی اس ہم آہنگی میں کوئی خلل نہ پیدا ہو جو مجھ سے یہ ساری باتیں کہہ رہی تھیں۔ اور گھڑی کا لٹکن پہلے کی طرح ٹک ٹک کرتا رہا: اونچی آواز سے داہنی طرف جاتا اور دھیمے سے بائیں طرف آ جاتا۔

باب ۸

دوسرا اعتراف گناہ

پادری کے پیروں کی چاپ نے میری اس محویت کو توڑ دیا۔ ''آداب عرض ہے!،، انہوں نے اپنے سفید بالوں کو ٹھیک کرتے ہوئے کہا ''کیا چاہئے آپ کو؟،،

میں نے کہا آپ مجھے دعا دیجئے اور بڑی خوشی سے ان کے چھوٹے، زرد سے ہاتھ کو بوسہ دیا۔

جب میں نے انہیں اپنی آمد کا سبب بتایا تو انہوں نے کوئی

جواب نہ دیا بلکہ مقدس شبیہوں کے پاس پہنچ کر میرا اعتراف گناہ سننے لگے۔

جب میں نے شرم کے احساس پر قابو حاصل کرکے انہیں سب کچھ بتا دیا جو میری روح پر گزر رہا تھا اور اعتراف ختم ہوا تو انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور اپنی سکون بخش اور مترنم آواز میں کہا: ''میرے بیٹے، ہمارا آسمانی باپ ہمیشہ تمہارا نگہبان رہے اور تمہارے اعتقاد، سکون اور شرافت کو ہمیشہ برقرار رکھے۔ آمین۔ ''

میں بہت خوش ہوا، گلا مسرت کے آنسوؤں سے رندھ گیا۔ میں نے پادری کے باریک کپڑے کے جبے کو بوسہ دیا اور سر اوپر اٹھایا۔ پادری کا چہرہ بالکل پرسکون تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ رقت کے جذبات سے محظوظ ہو رہا ہوں اور اس خوف سے کہ کہیں یہ احساس دل سے نکل نہ جائے میں جلدی جلدی پادری سے رخصت ہوا اور ادھر ادھر دیکھے بغیر کہ کہیں میری توجہ ہٹ نہ جائے احاطے سے نکل آیا اور پھر اسی دھاری‌دار کھڑکھڑاتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ لیکن گاڑی کے دھچکوں اور نظروں کے سامنے سے گزرتی ہوئی مختلف چیزوں نے اس احساس کو کمزور کر دیا اور میں نے سوچنا شروع کیا کہ غالباً پادری سوچ رہا ہوگا کہ اس نوجوان جیسا اچھا آدمی میں نے نہ دیکھا ہے اور نہ دیکھوں‌گا۔ اور اس جیسا تو کوئی اور ہے ہی نہیں۔ اس کا مجھے یقین تھا اور اس یقین کی وجہ سے میرے دل میں مسرت کی ایسی لہر دوڑ گئی کہ کسی اور کے کان تک پہنچنے کا مطالبہ کرنے لگی۔

بری طرح دل چاہ رہا تھا کہ کسی سے بات کروں۔ لیکن گاڑی‌بان کے علاوہ اور کوئی اس وقت تھا ہی نہیں اس لئے میں اس کی طرف مخاطب ہوا۔

''کیوں بھئی کیا میں نے بہت دیر کر دی؟''

''نہیں، بہت دیر تو نہیں ہوئی لیکن گھوڑے کو دانا دینے کا وقت البتہ نکل گیا۔ بات یہ ہے کہ میں رات کو گاڑی چلاتا ہوں'' اس نے جواب دیا۔ وہ غالباً سورج نکل آنے کی وجہ سے بمقابلہ پہلے کے زیادہ خوش مزاج ہو گیا تھا۔

''مجھے تو ایسا محسوس ہوا کہ میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں ٹھہرا،، میں بولا ''اور تمہیں پتہ بھی ہے کہ میں خانقاہ گیا کیوں تھا؟،، میں نے گاڑی کے اندر اس جگہ بیٹھتے ہوئے پوچھا جو بوڑھے گاڑی‌بان سے قریب‌تر تھی۔

''اجی، ہمیں اس سے کیا لینا؟ سواری جہاں کا حکم کرے ہم وہیں لے جاتے ہیں،، اس نے جواب دیا۔

''لیکن پھر بھی تمہارا خیال کیا ہے؟،، میں نے اصرار کیا۔

''شاید کسی کا کفن دفن ہے اور آپ جگہ خریدنا چاہتے ہیں،، وہ بولا۔

''نہیں بھائی۔ تمہیں پتہ نہیں میں گیا کیوں تھا؟،،

''مجھے کیا پتہ حضور،، اس نے پھر دوہرایا۔

اس کی آواز میں مجھے اتنی شفقت محسوس ہوئی کہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے سفر کا سارا حال اس سے بیان کر دوں حتیٰ کہ اس کی نصیحت کرنے کے لئے اس جذبے تک کا اظہار کر دوں جو میں نے محسوس کیا تھا۔

''تم چاہو تو میں بتاؤں۔ بات یہ ہے کہ۔۔۔،،

اور میں نے اس سے ساری باتیں بتا دیں اور اپنے سارے خوبصورت احساسات سے اسے واقف کر دیا۔ اب بھی اسے یاد کرکے مجھے شرم محسوس ہوتی ہے۔

''جی ہاں،، اس نے بےاعتباری سے کہا۔

اس کے بعد وہ دیر تک خاموش رہا اور اپنی جگہ سے حرکت تک نہیں کی۔ تھوڑی دیر میں وہ اپنے روئی کے کوٹ کا دامن ٹھیک کر لیتا تھا جو اس کی لمبی ٹانگوں پر سے باربار کھسک جاتا تھا کیوں‌کہ بڑے جوتوں میں اس کی ٹانگیں پائدان پر تھرکے جا رہی تھیں۔ میں سوچنے لگا کہ گاڑی‌بان کو بھی وہی خیالات آ رہے ہیں جو پادری صاحب کے ذہن میں آئے تھے، یعنی، دیکھو یہ نوجوان کس قدر نیک ہے، دنیا میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ لیکن گاڑی‌بان ایک دم میری طرف متوجہ ہوا اور بولا:

''تو کیا ہوا، مالک، آپ مالک لوگ ہیں۔،،

''کیا کہا؟،، میں نے پوچھا۔

''کچھ نہیں، یہی کہ آپ کا کیا، مالک لوگ ہیں،، اس نے اپنے پوپلے منہ کو چلاتے ہوئے کہا۔

کتب‌خانہ ... اردو ...

''نہیں، یہ شخص میرا مطلب سمجھا ہی نہیں،'' میں نے دل میں سوچا اور پھر گھر پہنچنے تک اس سے کوئی بات نہیں کی۔

اگرچہ نرم‌دلی اور دینداری کا جذبہ خود نہیں تو اس بات کا اطمینان مجھے سارے راستے حاوی رہا کہ میں اس جذبے کی پاکیزہ کیفیت سے گزر رہا ہوں اور میں ایسا محو ہوگیا کہ دھوپ سے روشن سڑکوں پر رنگارنگ راہگیروں کی موجودگی بھی اپنی طرف متوجہ نہ کر سکی۔ مگر جیسے ہی میں گھر پہنچا، یہ جذبہ ایک دم غائب ہو گیا۔ اب سوال چالیس کوپک کا تھا۔ گاڑی کا کرایہ ادا کرنے کے لئے میری جیب میں چالیس کوپک نہیں تھے۔ بٹلر گورپلو، جس کا میں پہلے سے قرض‌دار تھا، اب اور پیسہ دینے کو آمادہ نہیں ہوا۔ گاڑی‌بان یہ دیکھ کر کہ میں دو بار احاطے میں ادھر سے ادھر بھاگا گیا ہوں اور پیسے کی تلاش ہے، غالباً تاڑ گیا کہ بھاگے بھاگے پھرنے کی کیا وجہ ہے۔ وہ گاڑی کے اوپر سے اتر آیا اور یہ سوچے بغیر کہ میں اسے بھلا مانس سمجھے ہوئے ہوں، اونچی آواز میں بڑبڑانے لگا اور جان بوجھ کر گویا مجھے کچوکے دینا چاہتا تھا، کہ لوگ بھی عجیب چڑتناتیے ہوتے ہیں، گاڑی میں بیٹھ جاتے‌ہیں اور پیسے نہیں نکالتے جیب سے۔

گھر پر ابھی سب لوگ آرام کر رہے تھے اور میں ملازموں کے علاوہ اور کسی سے قرض نہیں لے سکتا تھا۔ آخر واسیلی سے میں نے وعدہ کیا، ایمان سے وعدہ کیا جس کا اس نے زیادہ یقین نہیں کیا (جیسا کہ اس کی صورت سے معلوم ہو رہا تھا)۔ بہرحال، صرف اس وجہ سے کہ اسکو مجھ سے خاص انسیت تھی اور جو اس کے ساتھ نیکی میں نے کی تھی، وہ اس کو بھولا نہیں تھا، وہ جا کر گاڑی‌والے کا حساب چکا آیا۔ یوں میرا وہ الوھی جذبہ دھوئیں میں اڑ گیا اور جب میں گرجا گھر جانے کے لئے کپڑے بدلنے لگا کہ سبھوں کے ساتھ جاکر عشائے ربانی میں شرکت کروں تو پتہ چلا کہ میرا خاص اسی موقع کا کوٹ ہی تیار نہیں ہے اور اسے پہنا نہیں جا سکتا، مجھے بہت طیش آیا۔ بہرحال دوسرے کپڑے پہن لئے اور عشائے ربانی کے لئے روانہ ہو گیا، ذہن کی حالت عجیب تھی۔ خیالات تیزی سے چکر کاٹ رہے تھے اور اب اپنی نیک‌طینتی کی طرف سے قطعی اعتماد اٹھ چکا تھا۔

باب ۹

امتحان کی تیاری

ایسٹر کا ہفتہ تھا۔ جمعرات کو ابا، بھن اور میمی، کاتھنکا سمیت، گاؤں کو چل دئے۔ اب نانی اماں کے اتنے بڑے مکان میں ہم تین آدمی رہ گئے — ولودیا، میں اور سینٹ جیروم۔ وہ روحانی کیفیت جو اعتراف گناہ اور خانقاہ کو جانےوالے دنوں میں مجھ پر طاری تھی، بالکل جاتی رہی اور اس کی جگہ صرف ایک مبہم سی یاد رہ گئی جو اگرچہ خوشگوار تھی، تاہم آزاد زندگی کے نئے نقش کو دل میں زیادہ سے زیادہ گھونٹتی رہی، اور اس سے لطف‌اندوز نہیں ہونے دیا۔

وہ کاپی بھی جس پر ''زندگی کے قاعدے،، لکھا ہوا تھا ٹیڑھے میڑھے خط سے لکھی ہوئی کاپیوں کے ڈھیر کے نیچے پھونچ گئی تھی۔ اس خیال سے مجھے خوشی ضرور محسوس ہوئی کہ زندگی کے تمام موقعوں کے لئے اصول وضع کر لئے جائیں اور ان ہی کو شمع راہ بنایا جائے اور یہ خیال مجھے بہت آسان اور ساتھ ساتھ بہت ہی اعلی بھی معلوم ہوا اور میں اسے بہرحال زندگی میں برتنا چاھتا تھا لیکن ایسا لگتا تھا کہ میں بھول گیا ہوں کہ اس پر عمل فوراً کرنا چاھئے اور اسے میں غیرمتعین دن سے شروع کرنے کے لئے ٹالتا رہا۔ پھر بھی مجھے اس سے خوشی محسوس ہوتی تھی کہ جو بھی خیال آتا تھا وہ میرے اصولوں اور فرائض کی کسی نہ کسی نوعیت میں شامل ہو جاتا تھا — یا تو اس کا عنوان ہوتا ''اقربا کے لئے میرا فرض،، یا ''اپنے لئے ...،، یا ''خدا کے لئے میرا فرض،،۔ ''میں یہ سب لکھ لیا کرونگا،، میں نے دل میں کہا ''اور ان بہت سے خیالات کو بھی جو اس موضوع پر میرے ذہن میں آئینگے،،۔ اب میں اکثر اپنے آپ سے سوال کرتا ہوں، کس زمانے میں میں زیادہ بہتر تھا اور زیادہ صحیح راستے پر تھا: اس وقت جب میں انسانی ذہن کی قدرت کاملہ کا قائل تھا یا اب جبکہ مجھ میں ارتقا کی صلاحیت ختم ہو گئی ہے اور انسانی ذہن کی قوت اور اہمیت کے متعلق مجھے شبہ محسوس ہوتا ہے؟ اور میں اس کا کوئی مثبت جواب نہیں دے پاتا۔

آزادی اور کسی چیز کی توقع کے احساس نے جس کا میں ذکر کر چکا ہوں، مجھے اتنا پریشان کر رکھا تھا کہ میں اپنے آپ پر قابو نہ حاصل کر پا رہا تھا چنانچہ امتحان کی تیاری بہت خراب طریقے سے کی۔ فرض کیجئے کہ صبح کو پڑھائی کے کمرے میں آپ مصروف ہیں اور آپ کو معلوم ہے کہ کام کرنا ضروری ہے کیونکہ کل ایسے مضمون کا امتحان ہے جس کے پورے دو سوال آپ نے پڑھے ہی نہیں ہیں کہ دفعتاً کھڑکی میں سے موسم بہار کا ایک عطربیز جھونکا آتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی چیز کو یاد کرنا بہت ضروری ہے۔ آپ کے ہاتھ خود بخود کتاب کو گرا دیتے ہیں، پیر خودبخود چلنے لگتے ہیں اور ٹہلنا شروع کر دیتے ہیں اور جیسے آپ کے دماغ میں کوئی بٹن دبتا ہے کہ ساری مشین چلنے لگتی ہے۔ آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ سر بہت ہلکا ہو گیا ہے اور آپ بہت مست ہو جاتے ہیں۔ طرح طرح کے رنگا رنگ اور خوشکن خیالات اس تیزی سے دماغ میں چکر لگانے لگتے ہیں کہ آپ صرف ان کی تابناکی ہی دیکھ پاتے ہیں۔ اس طرح گھنٹہ دو گھنٹے نکل جاتے ہیں۔ یا آپ کتاب لئے بیٹھے ہیں اور ایک طرح سے پڑھنے پر توجہ مرکوز کئے ہوئے ہیں۔ دفعتاً آپ کو برآمدے* سے آتی ہوئی کسی عورت کے قدموں کی چاپ اور کپڑوں کی سرسراہٹ سنائی دیتی ہے اور ساری چیزیں آپ کے ذہن سے غائب ہو جاتی ہیں اور آپ نچلے نہیں بیٹھ سکتے حالانکہ آپ کو پوری طرح معلوم ہے کہ اس برآمدے میں نانی کی پرانی خادمہ گاشا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ "لیکن فرض کرو کہ وہ ہو؟"، آپ کے ذہن میں آتا ہے۔ "فرض کرو کہ اس وقت شروع ہو جائے اور میں نہ دیکھ پاؤں؟"، اور بھاگ کر آپ برآمدے میں پہونچیں اور دیکھیں کہ واقعی گاشا ہی ہے۔ لیکن پھر بھی ذہن بہت دیر تک قابو میں نہیں آتا — بٹن پھر دب گیا اور پھر وہی خوفناک بدحواسی چھا گئی۔ یا آپ شام کو تن تنہا ایک شمع جلائے اپنے کمرے میں بیٹھے ہیں۔ کوشش کرکے آپ اپنی نظریں کتاب سے ایک لمحے کے لئے ہٹاتے ہیں کہ شمع کی لو کو ٹھیک کر دیں یا کرسی پر زیادہ آرام سے بیٹھ جائیں — ہر طرف تاریکی ہے دروازوں میں بھی اور کونوں میں بھی اور سارے گھر میں خاموشی طاری ہے اور

پھر ناممکن ھو جاتا ہے کہ اس خاموشی کی طرف کان نہ لگائے جائیں اور کھلے ہوئے دروازے کی تاریکی کی طرف نہ گھورا جائے اور ایک ھی انداز میں بہت دیر تک ھلے جلے بغیر نہ بیٹھا رھا جائے یا نیچے نہ جایا جائے یا سارے خالی کمروں میں نہ پھرا جائے۔ اکثر شام کو میں خاموشی سے ھال میں بیٹھا ''بلبل،، کا نغمہ سنا کرتا جو کاتیا بڑے ھال میں ایک شمع جلائے تنہا بیٹھی پیانو پر ایک انگلی رکھے بجایا کرتی تھی۔ اور جب چاند آب و تاب کے ساتھ چمکتا تو نا ممکن تھا کہ میں بستر سے اٹھکر باغ میں کھلنے والی کھڑکی کے پاس جاکر نہ لیٹوں اور شاپوشنی کوف کے گھر کی روشن چھت کی طرف اور اپنے گرجے کے خوبصورت گنبد اور باڑ اور جھاڑیوں کے، رات کے سائے کی طرف نہ گھورا کروں جو باغ کی روشوں پر پھیلے ہوتے تھے۔ اس طرح میں اتنی دیر تک بیٹھا رھتا کہ پھر صبح دس بجے سے پہلے میری آنکھ نہ کھلتی۔

اگر استادوں کی بات نہ ھوتی جو اب بھی مجھے پڑھانے کے لئے آیا کرتے تھے اور سینٹ جیروم نہ ھوتے جو کبھی کبھی غیرارادی طور پر میری خودپسندی کو ٹھیس پہونچا دیتے تھے اور سب سے بڑھ کر اپنے دوست نخلیودوف کی نظروں میں قابل لڑکا بننے کی یعنی امتحان میں امتیازی پوزیشن حاصل کرنے کی خواھش نہ ھوتی جسے وہ بہت اہم سمجھتا تھا۔ اگر یہ سب باتیں نہ ھوتیں تو بہار اور آزادی میرے لئے ھر وہ چیز قابل فراموش بنا دیتیں جو اس سے پہلے یاد تھی اور میں کسی طرح امتحان میں کامیاب نہیں ھو سکتا تھا۔

باب ۱۰

تاریخ کا امتحان

۱٦ اپریل کو میں سینٹ جیروم کی نگرانی میں پہلی بار یونیورسٹی کے بڑے ھال میں داخل ھوا۔ ھم لوگ وھاں اپنی اچھی خاصی فٹن گاڑی میں پہنچے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار فراک کوٹ پہنا تھا اور قمیص سے لیکر موزوں تک میرے سارے کپڑے نئے اور

اعلی قسم کے تھے۔ جب نوکر نے بڑا کوٹ اتارنے میں مدد دی اور میرے زرق برق کپڑے نظر آنے لگے تو اس شان وشوکت سے مجھے ایک حد تک شرم محسوس ہونے لگی۔ ابھی میں نے روشن و منور ہال میں مشکل سے قدم رکھا ہوگا (اس ہال کے فرش کا روغن چمک رہا تھا اور ہر طرف لوگ نظر آ رہے تھے) کہ میں نے دیکھا کہ سینکڑوں لڑکے ہائی اسکول کی وردیاں اور فراک کوٹ پہنے پھر رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ نے میری طرف بے تعلقی کے ساتھ دیکھا۔ دوروالے سرے پر بارعب قسم کے پروفیسر نظر آ رہے تھے جو میزوں کے آس پاس منڈلا رہے تھے اور بڑی بڑی آرام کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ یہ سب دیکھ کر میری ساری امید جاتی رہی کہ سب لوگوں کی توجہ میری طرف ہوگی اور میرے چہرے سے اگر گھر میں اور پیش دالان تک میں یہ پتہ چلتا تھا کہ میری مرضی کے خلاف میری صورت شکل سے شرافت اور ذہانت ٹپکتی ہے تو اب اس پر انتہائی جھجک اور بے بسی کا عالم تھا اور کچھ حدتک پژمردگی ٹپکنے لگی تھی۔ میں دوسری انتہا کو پہونچ گیا اور مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ انتہائی بدشکل، بے ڈھنگے کپڑے پہنے ہوئے ایک شخص جو ابھی بوڑھا تو نہیں ہوا تھا لیکن بال تقریباً سارے سفید ہو گئے تھے آخری بنچ پر سب سے الگ تھلگ بیٹھا ہے۔ میں فوراً اس کے پاس بیٹھ گیا اور ان امیدواروں کو دیکھنے لگا جو امتحان کے لئے جا رہے تھے اور ان کے متعلق اپنے طور پر نتائج اخذ کرنے لگا۔ وہاں طرح طرح کی صورتیں تھیں لیکن میری رائے میں ان سب کو تین قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا تھا۔

سب سے پہلے وہ لوگ تھے جو میری طرح اپنے استادوں یا والدین کے ساتھ امتحان میں شریک ہونے آئے تھے۔ اور ان میں چھوٹا ای‌ون بھی نظر آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ فروسٹ تھے جن سے میں واقف تھا، اور ایلینکا گراپ اپنے بوڑھے باپ کے ساتھ آیا تھا۔ ان سب کا سبزہ آغاز تھا اور ان کے کپڑے شوخ رنگ کے تھے۔ وہ خاموشی سے بیٹھے ہوئے تھے، نہ کتاب الٹ رہے تھے نہ کاپیاں جو اپنے ساتھ لائے تھے اور پروفیسروں ادر ممتحنوں کی میزوں کی طرف دبی دبی نظروں سے تک رہے تھے۔ دوسری قسم کے امیدوار وہ لڑکے تھے جو ہائی اسکول کی وردیاں پہنے تھے۔ ان میں سے بہت

سے لوگوں نے ڈاڑھی مونڈنا شروع کر دی تھی۔ ان میں سے زیادہ‌تر ایک دوسرے سے واقف تھے، زور زور سے بات کر رہے تھے، پروفیسروں کے نام اور خاندانی نام لیکر انکا ذکر کر رہے تھے، سوال تیار کر رہے تھے، ایک دوسرے کو اپنی کاپیاں دے رہے تھے، بنچوں پر چڑھ چڑھ کر، پیش‌دالان سے سموسے اور سینڈوچ لا رہے تھے اور وہیں میز کی سطح تک اپنے سر جھکا کر کھا رہے تھے۔ اور پھر امیدواروں کی تیسری قسم تھی۔ ان کی تعداد بہت کم تھی اور وہ زیادہ عمروالے تھے۔ کچھ فراک کوٹ میں تھے لیکن زیادہ تر بند گلے کا کوٹ پہنے تھے۔ اور ان کی قمیض وغیرہ نہیں نظر آتی تھی۔ یہ لوگ بہت سنجیدہ چہرہ بنائے الگ تھلگ بیٹھے تھے اور بہت افسردہ معلوم ہوتے تھے۔ جس شخص کو دیکھ کر مجھے تسکین ہوئی کہ یہ مجھ سے زیادہ خراب کپڑے پہنے ہوئے ہے اس کا تعلق اسی قسم کے امیدواروں سے تھا۔ اس نے کہنی کے سہارے جھک کر کتاب پڑھتے ہوئے اپنے سفید اور پریشان بالوں میں انگلیاں پھیریں، اپنی چمکتی ہوئی آنکھوں سے میری طرف اچٹتی سی نگاہ ڈالی — اور وہ بھی دوستانہ نگاہ نہ تھی — اور ناک‌بھوں چڑھائی اور میری طرف چمکتی سی کہنی بڑھا دی تاکہ میں اس کے اور نزدیک نہ پہونچ سکوں۔ اس کے برخلاف هائی اسکول کے طلبا بہت بے‌تکلف تھے اور مجھے ان سے کچھ خوف سا معلوم ہو رہا تھا۔ ایک نے میرے هاتھ میں کتاب تھماتے ہوئے کہا: ”ذرا یہ اس شخص کو تو دے دینا“۔ دوسرے نے میرے نزدیک سے گزرتے ہوئے کہا: ”معاف کرنا یار“۔ تیسرے نے بنچ پر سے کودتے ہوئے میرے کاندھے کا سہارا لیا جیسے میں بنچ ہو۔ یہ ساری باتیں مجھے سخت ناگوار اور بے‌ہودہ معلوم ہو رہی تھیں۔ میں اپنے آپ کو ان هائی اسکول کے طلبا سے اونچا سمجھتا تھا اور میرا خیال تھا کہ ان لوگوں کو میرے ساتھ اس بے‌تکلفی سے پیش آنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ آخر نام پکارے جانے لگے۔ هائی اسکول کے لڑکے بہت پھرتی سے آگے بڑھتے اور زیادہ‌تر اچھی طرح جواب دیتے اور هنستے بولتے واپس آتے۔ همارا گروپ زیادہ شرمیلا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ ان کے جواب بھی اتنے اچھے نہ تھے۔ زیادہ عمروالے طلبا میں سے کچھ نے بہت اچھے جواب دئے اور کچھ نے بہت برے۔

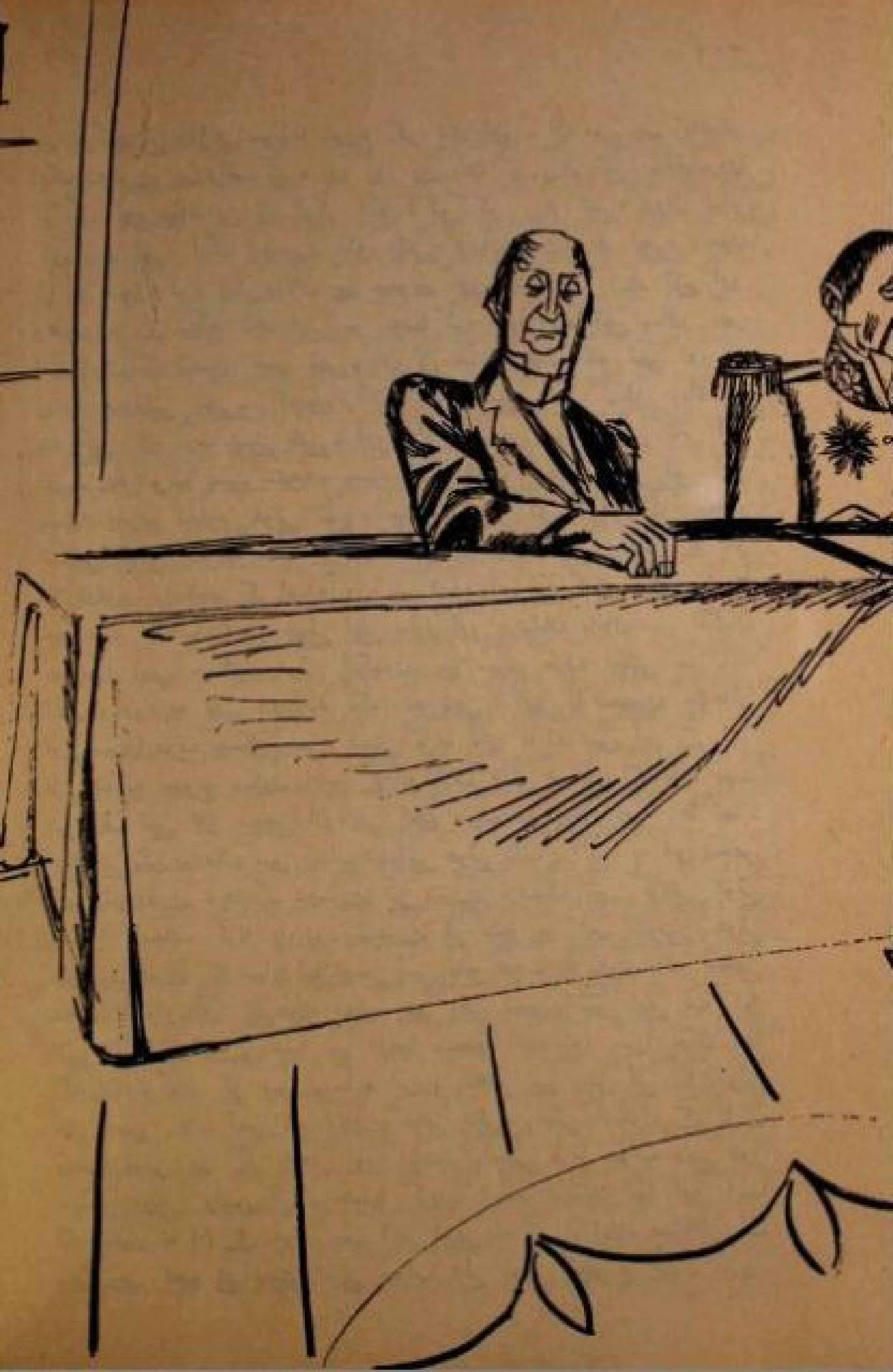

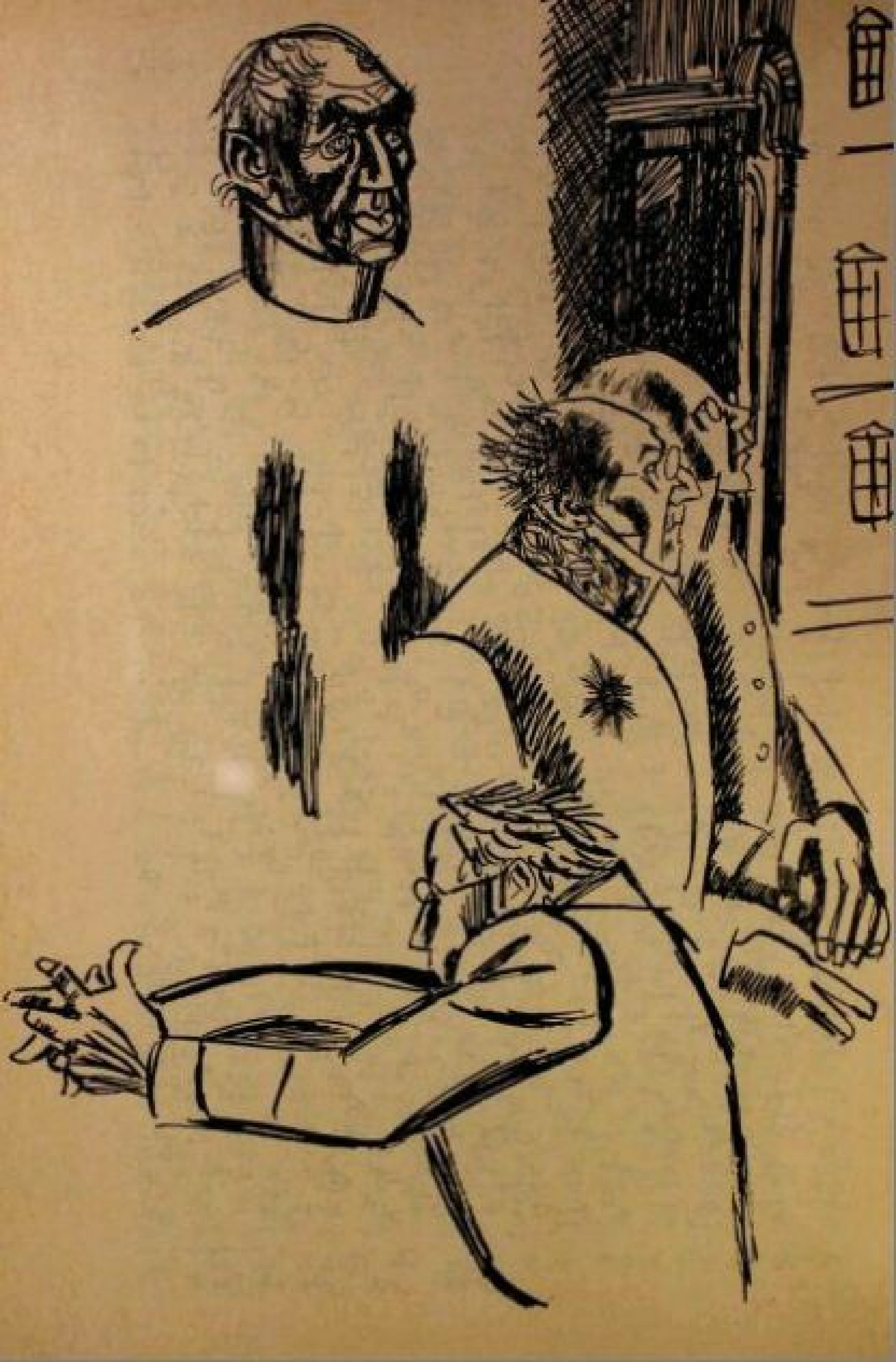

جب سیمونوف کا نام پکارا گیا تو میرے برابر بیٹھا ہوا شخص جس کے بال سفید اور آنکھیں چمکیلی تھیں اٹھا، مجھے زور سے دھکا دیتا اور پیروں کے اوپر سے پھلانگتا ایک ممتحن کی میز کے پاس پہونچا۔ پروفیسر کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ شخص جواب اچھی طرح اور بڑے اعتماد سے دے رہا ہے۔ اپنی جگہ واپس آکر اس نے اپنی کاپی اٹھائی اور یہ معلوم کئے بغیر چلا گیا کہ نمبر کتنے ملے ہیں۔ نام پکارے جانے کی آواز سن کر میں کانپ اٹھتا تھا لیکن ابھی تک میری باری نہیں آئی تھی کیونکہ فہرست حروف تہجی کے اعتبار سے تھی حالانکہ ب سے شروع ہونےوالے کچھ نام پکارے جا چکے تھے۔ دفعتاً پروفیسروں کے کونے سے کسی نے پکارا ''اکونین اور تینیف،،۔ میرے سارے جسم میں پھریری آ گئی۔

''کسے پکارا؟ تینیف کون ہے؟،، میرے چاروں طرف لوگوں نے کہنا شروع کیا۔

''اکونین جاؤ، تمہارا نام پکارا گیا ہے، لیکن یہ بارتینیف یا موردینیف کون ہے؟ مجھے نہیں معلوم، ٹھیک سے نام بولو،، میرے پیچھے کھڑے ہوئے ہائی اسکول کے اس لمبے تڑنگے طالب‌علم نے کہا جس کا چہرہ سرخ تھا۔

''تمہیں بلایا ہوگا،، سینٹ جیروم بولے۔

''میرا نام ارتینیف ہے،، میں نے اس سرخ چہرےوالے طالب‌علم سے کہا ''کیا ارتینیف کا نام پکارا گیا ہے؟،،

''ہاں۔ ارے بھئی جاتے کیوں نہیں؟.. واہ، کیا چھیلا ہے!،، اس نے آخری جملہ آہستہ سے کہا لیکن اٹھتے اٹھتے میں نے اس کے الفاظ سن لئے۔ میرے سامنے اکونین چل رہا تھا۔ کوئی پچیس برس کا لمبا سا شخص جس کا تعلق اس قسم سے تھا جسے میں نے بڑی عمروالے طلبا کا نام دیا ہے۔ اس کے جسم پر زیتونی رنگ کا تنگ فراک کوٹ تھا، گلے میں نیلی اطلس کا گلوبند جس پر اس کے لمبے سنہرے موژیک* فیشن کے بال پیچھے بکھرے ہوئے تھے۔ جب ہم لوگ بنچوں پر بیٹھے تھے اسی وقت اس کے حلیے پر میری نظر پڑی تھی۔ وہ خاصا خوبرو اور باتونی تھا؛ میرے لئے سب سے حیرت انگیز

---

* موژیک یعنی روسی دیہاتی۔

اس کے کچھ عجیب سرخی مائل بال تھے جو اس نے گردن تک بڑھا رکھے تھے اور اس سے زیادہ یہ عجیب سی عادت کہ وہ اپنی واسکٹ کے بٹن کھول کر قمیص کے نیچے سینہ کھجائے جاتا تھا۔

اکونین اور میں جس میز پر پہونچے وہاں تین پروفیسر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے بھی ہمارے سلام کا جواب نہ دیا۔ جو سب سے کم عمر تھا وہ پرچوں کو تاش کے پتوں کی طرح پھینٹ رہا تھا۔ دوسرا پروفیسر جس کے فراک کوٹ پر ستارہ‌نما تمغہ لٹکا ہوا تھا ایک ھائی اسکول کے طالب علم کی طرف گھور رہا تھا جو شارلے مان کے متعلق نہ جانے کیا جلدی جلدی بول رہا تھا اور ہر لفظ کے ساتھ ''آخرکار،، کہتا جا رہا تھا۔ تیسرے پروفیسر نے جو بوڑھا تھا ہماری طرف عینک میں سے دیکھا اور پرچوں کی طرف اشارہ کیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ اکونین اور مجھے ایک ساتھ گھور رہا ہے اور ہمارے حلیے کی کوئی چیز اسے ناگوار ہو رہی ہے (غالباً اکونین کی سرخ ڈاڑھی) کیونکہ اس نے ایک بار پھر ہماری طرف اسی انداز میں دیکھا اور سر سے بے چینی کے ساتھ اشارہ کیا کہ اپنے اپنے پرچے جلدی سے لے لو۔ مجھے الجھن اور توہین محسوس ہو رہی تھی، اول تو اس لئے کہ کسی نے ہمارے سلام کا جواب نہیں دیا تھا اور دوسرے یہ لوگ غالباً اکونین اور مجھے ایک ہی قسم کا یعنی امتحان دینےوالوں میں ایک ہی صف کا سمجھ رہے تھے اور اکونین کی سرخ ڈاڑھی کی وجہ سے میری طرف سے بدظن ہو گئے تھے۔ میں نے بلاجھجھک اپنا پرچہ لے لیا اور جواب کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن پروفیسر نے اکونین کی طرف آنکھوں سے اشارہ کیا۔ میں نے اپنے پرچہ کو پڑھ ڈالا۔ مجھے سارے جواب معلوم تھے اور بہت اطمینان سے اپنی باری کا انتظار کرتے ہوئے میں دیکھنے لگا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اکونین گھبرایا بالکل نہیں بلکہ وہ کافی جرأت سے کام لے رہا تھا کیونکہ وہ اپنا پرچہ لینے کے لئے آگے بڑھا، میز پر ترچھا ہو کر جھکا، اپنے بال سر جھٹک کر ٹھیک کئے اور پرچہ میں جو کچھ لکھا تھا اس کو جلدی جلدی پڑھ ڈالا۔ میرا خیال تھا وہ جواب دینے کے لئے منہ کھولنے ہی والا تھا کہ ستارے والے پروفیسر نے ھائی اسکول کے طالب علم کو تعریفوں کے ساتھ رخصت کرکے اس پر نگاہ گاڑدی۔ ایسا لگا جیسے

اکونین کو کوئی بات یاد آگئی ہو اور وہ کچھ رک گیا۔ یہ خاموشی چند منٹ تک طاری رہی۔

''کیوں؟،، چشمےوالے پروفیسر نے کہا۔

اکونین نے پھر منہ کھولا لیکن خاموش رہا۔

''یہاں تم ہی اکیلے نہیں ہو۔ جواب دوگے یا نہیں؟،، نوجوان پروفیسر نے سوال کیا لیکن اکونین نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ وہ پرچہ کی طرف دیکھتا رہا اور ایک لفظ بھی نہ بولا۔ چشمےوالے پروفیسر نے شیشوں میں سے گھور کر اس کی طرف دیکھا، پھر شیشوں کے اوپر سے دیکھا اور پھر چشمہ اتار کر دیکھا کیونکہ اب اسے فرصت ملی تھی، اسی لئے اس نے چشمہ اتار کر اسے اچھی طرح صاف کیا اور پھر لگا لیا۔ اکونین ایک لفظ بھی نہ بولا۔ دفعتاً اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی، اس نے سر جھٹک کر بال پیچھے کئے، میز کی طرف پھر مڑا، اپنا پرچہ میز پر رکھا، ایک ایک کرکے تمام پروفیسروں کی طرف دیکھا، پھر میری طرف دیکھا، مڑا اور ہاتھ ہلاتا خراماں خراماں اپنی بنچ کی طرف واپس چلا گیا۔ پروفیسروں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''خوب جوان ہے!،، نوجوان پروفیسر بولا۔ ''خود اپنے بل بوتے پر بڑھنے چلا ہے!،،

میں میز کے اور نزدیک ہو گیا لیکن پروفیسر آپس میں تقریباً سرگوشی کے انداز میں باتیں کرتے رہے جیسے ان میں سے کسی کو بھی میری موجودگی کا احساس تک نہیں ہے۔ تب مجھے پورا یقین ہو گیا کہ یہ تینوں پروفیسر اس سوال پر غور کررہے ہیں کہ آیا میں امتحان میں ڈٹا رہونگا اور اس کو بخوبی پاس کرونگا یا نہیں۔ اور صرف اپنے وقار کی خاطر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں گویا ان کا اس سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے اور مجھے انہوں نے دیکھا ہی نہیں ہے۔

جب چشمےوالا پروفیسر بہت بےتوجہی کے ساتھ میری طرف مخاطب ہوا اور سوالوں کا جواب دینے کو کہا تو میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور مجھے اس کی وجہ سے شرم سی آگئی کہ وہ مجھ سے حیلہسازی کی کوشش کیوں کررہا ہے اور شروع میں جواب دینے میں کچھ جھجکا۔ لیکن بعد میں سب کچھ

آسان سے آسان‌تر ہوتا گیا اور چونکہ سوال روسی تاریخ کے متعلق تھا جس سے میں بخوبی واقف تھا اس لئے میں نے بہت ہی شاندار طریقے سے جواب دیا اور اس حدتک اعتماد حاصل کر لیا کہ پروفیسروں کو یہ بتانے کے لئے کہ میں اکونین نہیں ہوں اور مجھے اور اسے ایک ہی سمجھنا ممکن نہیں ہے میں نے تجویز پیش کر دی کہ دوسرا پرچہ اٹھانے کی اجازت دی جائے۔ لیکن پروفیسر نے سر ہلا کر کہا: ''نہیں، بہت کافی ہے،، اور اس نے رجسٹر میں کچھ لکھا۔ میں جیسے ہی بنچ پر پہنچا ہائی اسکول کے طلبا نے جو خدا جانے ساری چیزیں کس طرح جان جاتے تھے بتایا کہ مجھے پورے نمبر ملے ہیں۔

باب ۱۱

ریاضی کا امتحان

اس کے بعد کے امتحانوں میں گراپ، جسے میں اپنی دوستی کا اہل نہیں سمجھتا تھا اور ای‌ون کے علاوہ جو کسی وجہ سے مجھ سے کتراتا تھا، میں نے بہت سے نئے لوگوں سے ملاقات کی۔ کئی لوگوں نے مجھے سلام کیا۔ اکونین تو مجھے دیکھ کر بہت ہی خوش ہوا اور مجھے رازدارانہ طریقے سے بتایا کہ تاریخ میں اس کا امتحان پھر سے لیا جائیگا اور یہ کہ تاریخ کا پروفیسر گذشتہ امتحان کے زمانے سے اس سے جلتا ہے جس میں اس پروفیسر نے ہی گویا اس کو مار گرایا تھا۔ سیمیونوف اس شعبے میں داخل ہونےوالا تھا جس میں میں — یعنی ریاضی میں۔ وہ ہر شخص سے شرماتا تھا اور سارے امتحان کے آخر تک وہ الگ خاموش بیٹھا رہتا، ہمیشہ کہنیوں کے بل جھکا ہوا اپنے سفید بالوں پر ہاتھ پھیرا کرتا۔ اس نے بہت شاندار طریقے سے امتحان پاس کیا اور دوسرے نمبر پر رہا۔ ہائی اسکول نمبر ۱ کا ایک طالب علم اول آیا۔ یہ لمبا دبلا پتلا، انتہائی زرد رو اور سانولا سا لڑکا تھا۔ گردن میں سیاہ گلوبند پڑا رہتا تھا اور ماتھے پر مہاسے تھے۔ اس کے ہاتھ پتلے اور سرخ تھے، انگلیاں بہت لمبی تھیں اور دانتوں سے ناخن اس طرح کاٹے گئے تھے کہ ایسا

معلوم ہوتا تھا کہ انگلیوں کے سروں پر دھاگا لپٹا ہوا ہے۔ یہ ساری چیزیں مجھے بہت اچھی معلوم ہوئیں اور مجھے محسوس ہوا کہ ہائی اسکول کے سب سے اچھے لڑکے میں بھی سب باتیں ضروری ہیں۔ وہ ہر شخص کے ساتھ بہت عام طریقے سے باتیں کرتا تھا، یہاں تک کہ میری بھی اس سے ملاقات ہو گئی۔ لیکن مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اس کی شخصیت میں اس کے ہونٹوں کی جنبش میں اور اس کی سیاہ آنکھوں میں کوئی بہت ہی غیرمعمولی کشش ہے۔

ریاضی کے امتحان میں میں ذرا پہلے آ گیا تھا۔ مجھے مضمون سے اچھی خاصی واقفیت تھی۔ لیکن الجبرا میں دو سوال ایسے تھے جنہیں میں نے ماسٹر صاحب سے چھپانے کی کوشش کی تھی اور جن کے متعلق مجھے کچھ نہیں معلوم تھا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے وہ سوال نظریہ اجتماعات اور نیوٹن کے مسئلہ ثنائی کے متعلق تھے۔ میں پیچھے کی طرف بنچ پر بیٹھا ان نامانوس سوالوں کو دیکھ رہا تھا لیکن چونکہ شوروشغب میں کام کرنے کی عادت نہیں تھی اور وقت کی کمی کا بھی احساس تھا اس لئے جو کچھ پڑھ رہا تھا اس کے معنی سمجھ میں نہ آ رہے تھے۔

''یہ رہا، ادھر آؤ نخلیودوف،، میرے پشت پر سے ولودیا کی جانی پہچانی آواز سنائی دی۔

میں نے مڑکر دیکھا تو میرے بھائی اور دمتری تھے۔ کوٹ کے بٹن کھلے ہوئے تھے اور ہاتھ اٹھا کر مجھے سلام کررہے تھے اور بنچوں میں سے ہوکر میری طرف آنے کے لئے راستہ بنا رہے تھے۔ فوراً عیاں ہو گیا کہ یہ دوسرے سال کے طالب علم ہیں اور اسی لئے گھر کی طرح یونیورسٹی میں بھی بےتکلفی سے پیش آتے ہیں۔ ان کے کوٹ کے بٹن اس طرح کھلے ہوئے تھے جیسے ہم نئے آنےوالوں کو حقارت کی نظر سے دیکھ رہے ہوں۔ اور ہم لوگ رشک اور عزت سے انہیں دیکھنے لگے۔ مجھے یہ سوچ کر بڑی خوشی محسوس ہو رہی تھی کہ میرے چاروں طرف لوگ دیکھ رہے ہیں کہ میری ملاقات دوسرے سال کے دو طلبا سے ہے اور میں ان سے ملنے کے لئے جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

ولودیا اپنی بزرگی کی دھونس جمائے بغیر نہ رہ سکا۔

''بیچارہ مصیبت کا مارا!،، وہ بولا ''ابھی تمہارا امتحان نہیں ہوا؟،،

''نہیں۔''

''کیا پڑھ رہے ہو؟ تیاری نہیں کی کیا؟''

''تیاری تو کی ہے لیکن دو سوال رہ گئے ہیں۔ میری سمجھ ہی میں نہیں آئے۔''

''کیا! یہ سوال؟'' ولودیا بولا اور اس نے نیوٹن کا مسئلہ ثنائی مجھے سمجھانا شروع کر دیا لیکن وہ اتنی جلدی جلدی اور اس الجھے ہوئے انداز میں سمجھا رہا تھا کہ جب اس نے میری نظروں سے بھانپ لیا کہ مجھے اس کے علم پر شبہ ہے تو اس نے دمتری کی طرف دیکھا اور شاید اس کی نظروں میں بھی اسی شبہ کو پڑھ کر وہ جھینپ سا گیا لیکن پھر بھی، پتہ نہیں، کیا کچھ کہتا رہا جو میری سمجھ میں بالکل نہ آیا۔

''نہیں ولودیا ذرا ٹھہرو ۔ میں سمجھاتا ہوں۔ شاید ابھی وقت ہے'' دمتری نے پروفیسروں کے کونے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور میرے نزدیک بیٹھ گیا۔

میں نے محسوس کر لیا کہ میرا دوست اس وقت اس سروت اور آسودہ خاطری کے موڈ میں ہے جو اس پر ہمیشہ اس وقت طاری ہوتا ہے جب وہ اپنے آپ سے بہت مطمئن ہوتا ہے اور یہی بات مجھے اس کی بہت پسند تھی۔ چونکہ اسے ریاضی بہت اچھی طرح آتی تھی اور بہت صاف طریقے سے بول رہا تھا اس لئے سوال اتنے اچھے طریقے سے سمجھایا کہ مجھے آج تک یاد ہے۔ ابھی اس نے ختم ہی کیا تھا کہ سینٹ جیروم نے بلند آواز میں سرگوشی کی «A vous, Nicolas»*۔ اور میں اٹھا اور اکونین کے پیچھے چل دیا۔ میرے پاس اتنا وقت بھی نہ تھا کہ اس دوسرے سوال کی طرف نظر بھی ڈال سکوں جو مجھے نہ آتا تھا۔ میں اس میز کی طرف بڑھا جس پر دو پروفیسر بیٹھے ہوئے تھے اور ایک ہائی اسکول کا طالب علم تختہ' سیاہ کے پاس کھڑا کسی فارمولے کو بڑے جوش سے حل کررہا وہ تختہ' سیاہ پر چاک توڑتے ہوئے لکھتا رہا حالانکہ پروفیسر کہہ چکا تھا: ''بس کافی ہے'' اور ہم سے کہا کہ اپنے پرچے لے لو۔ ''اگر اجتماعات کا مسئلہ آگیا تو کیا ہوگا؟'' میں نے کانپتی ہوئی انگلیوں

---

* تمہاری باری ہے، نکولاس۔

سے کٹے ہوئے کاغذوں کے ڈھیر میں سے پرچہ اٹھاتے ہوئے سوچا۔ اکونین نے پہلے امتحان کی طرح اسی طرح ہاتھ بڑھایا اور سارے جسم سے ایک طرف کو جھک گیا، تلاش و جستجو کے بغیر سب سے اوپر کا پرچہ اٹھا لیا، اس پر نظر ڈالی اور افسوس کے ساتھ منہ بنایا۔

''میں بھی کیا بدقسمت واقع ہوا ہوں!،، وہ بڑبڑایا۔

میں نے اپنے پرچہ کی طرف دیکھا۔

ارے مار ڈالا! وہی اجتماعات والا سوال تھا۔

''تمہیں کونسا سوال ملا؟،، اکونین نے پوچھا۔

میں نے اسے دکھا دیا۔

''یہ تو میں جانتا ہوں،، وہ بولا۔

''بدلتے ہو؟،،

''نہیں، آج ہمت نہیں ہو رہی،، اکونین مشکل سے بولا ہوگا کہ پروفیسر نے ہمیں بورڈ کی طرف بلایا۔

''اب مارے گئے!،، میں نے سوچا ''میں سمجھتا تھا کہ امتحان میں شاندار طریقے سے کامیاب ہو جاؤنگا اور اس کے بجائے ساری عمر کے لئے رسوائی ہوگی، اکونین سے بھی زیادہ۔،، لیکن دفعتاً اکونین پروفیسر کی نظروں کے سامنے میری طرف مڑا، میرے ہاتھ سے پرچہ چھین لیا اور مجھے اپنا پرچہ پکڑا دیا۔ میں نے پرچے کی طرف دیکھا۔ نیوٹن کا مسئلہ ثنائی تھا۔

پروفیسر بوڑھا انسان نہیں تھا اور اس کے چہرے سے کافی خوشگوار اور ذہین کیفیت جھلکتی تھی جس میں اس کے ماتھے کے نچلے حصے کا بڑا ہاتھ تھا جو بہت ابھرا ہوا تھا۔

''یہ کیا بات ہے؟ جناب، آپ لوگ اپنے پرچے بدل رہے ہیں؟،،

''جی نہیں، اس نے اپنا پرچہ مجھے دیکھنے کے لئے دیا تھا پروفیسر صاحب،، اکونین نے بات بنائی۔ اور اس بار بھی ''پروفیسر صاحب،، کے وہ آخری الفاظ تھے جو اکونین نے وہاں ادا کئے اور وہ پھر میرے پاس سے ہوکر واپس چلا گیا۔ اس نے پروفیسروں کی طرف دیکھا، میری طرف دیکھا، مسکرایا اور اس طرح کاندھے اچکائے جیسے کہہ رہا ہو: ''کوئی بات نہیں!،، (بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اکونین کو امتحان میں بیٹھتے یہ تیسرا سال ہے۔)

ذرا دیر پہلے جو سوال میں نے جانا تھا اس کا بہت اچھی طرح جواب دیا۔ پروفیسر نے تو کہا کہ جتنے کی ضرورت نہیں تھی اتنا اچھا میں نے جواب دیا۔ اور مجھے پورے نمبر مل گئے — یعنی ۵۔

باب ۱۲

لاطینی زبان کا امتحان

ساری باتیں بہت اچھی طرح ہوتی رہیں یہاں تک کہ لاطینی کا امتحان آن پہنچا۔ اب تک ہائی اسکول والا لڑکا جو گلوبند باندھے رہتا تھا اول تھا، سیمیونوف دوسرے اور میں تیسرے نمبر پر۔ مجھے فخر محسوس ہونے لگا اور سوچنے لگا کہ اپنی نوعمری کے باوجود میں کچھ ہوں۔

پہلے امتحان کے دن سے ہر شخص لاطینی کے پروفیسر سے خوف کھا رہا تھا، جس کے بارے میں لوگ کہتے تھے کہ انتہائی ظالم آدمی ہے جسے لڑکوں کو فیل کرنے میں مزہ آتا ہے اور خاص طور پر ان کو جو اپنے بل بوتے پر پڑھتے تھے اور یہ کہ ہمیشہ لاطینی یا یونانی میں بات کرتا ہے۔ سینٹ جیروم نے میری ہمت بندھائی جو مجھے لاطینی پڑھاتے تھے اور مجھے محسوس بھی ہوتا تھا کہ چونکہ میں سسرو اور ہوریس کے بہت سے قصیدے لغت کی مدد کے بغیر ترجمہ کر سکتا ہوں اور مجھے زمپٹ بہت ہی اچھی طرح یاد ہے اس لئے میں نے اوروں کے مقابلے میں تیاری بری نہیں کی ہے۔ لیکن ثابت کچھ اور ہی ہوا۔ ساری صبح اس کے علاوہ کچھ سنائی نہیں دیا کہ مجھ سے پہلے جو لوگ گئے تھے وہ سب فیل ہو گئے: ایک کو صفر ملا، دوسرے کو ایک نمبر اور ایک اور کو تو بری طرح ڈانٹ بھی کھانی پڑی اور کمرے سے نکالا جانے والا تھا وغیرہ وغیرہ! صرف سیمیونوف اور ہائی اسکول والا پہلا لڑکا جا کر حسب معمول اطمینان کے ساتھ واپس آئے اور انہیں پورے نمبر ملے۔ مجھے چھوٹی میز کی طرف جب اکونین کے ساتھ بلایا گیا تو دل کہہ رہا تھا کہ تباہی آنے والی ہے۔ میز کے سامنے وہ خوفناک پروفیسر تن تنہا بیٹھا ہوا تھا — معمولی ڈیل ڈول

کا دبلا پتلا، زرد رو سا شخص، بڑے بڑے چکنے بال اور چہرے پر غور و فکر کے آثار۔

اس نے اکونین کو سسرو کی تقریروں کی کتاب دی اور ترجمہ کرنے کے لئے کہا۔

مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ اکونین نے نہ صرف کئی سطریں پڑھیں بلکہ پروفیسر کی مدد سے جو لقمہ دیتا جا رہا تھا اس نے ترجمہ بھی کیا۔ ایسے کمزور حریف پر اپنی سبقت کے احساس سے میں حقارت سے مسکرائے بغیر نہ رہ سکا کیونکہ جب صرف و نحو کا سوال آیا تو اکونین نے حسب سابق بالکل خاموشی اختیار کرلی۔ میں اس عالمانہ اور کچھ کچھ طنزیہ مسکراہٹ سے پروفیسر کو خوش کرنا چاہتا تھا لیکن اس کا اثر الٹا ہوا۔

''آپ مسکرا رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو زیادہ بہتر آتا ہے،، پروفیسر نے مجھ سے بری روسی میں کہا ''اچھا دیکھینگے۔ تو آپ ہی جواب بتائیے۔،،

مجھے بعد میں پتہ چلا کہ لاطینی کا پروفیسر اکونین کا سرپرست تھا بلکہ اکونین اسی کے گھر میں رہتا تھا۔ اکونین سے جو سوال کیا گیا تھا اس کا میں نے فوراً جواب دیا لیکن پروفیسر کا منہ لٹک گیا اور میری طرف سے مڑ گیا۔

''بہت خوب۔ آپ کی بھی باری آئےگی۔ ابھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کو کتنا آتا ہے،، اس نے کہا لیکن میری طرف نہیں دیکھا اور اکونین کو سمجھانے لگا کہ سوال کس چیز کے متعلق کیا تھا۔

''اب آپ جائیے،، وہ بولا اور میں نے دیکھا کہ اس نے اکونین کو رجسٹر میں چار نمبر دئے۔ میں نے سوچا: ''یہ شخص اتنا سخت تو نہیں معلوم ہوتا جتنا لوگ کہتے ہیں،،۔ اکونین کے جانے کے بعد تقریباً پانچ منٹ تک جو پانچ گھنٹے معلوم ہو رہے تھے، وہ اپنی کتابیں اور پرچے ٹھیک کرتا رہا، ناک صاف کی، آرام کرسی کو ٹھیک سے سجایا، اس کی پیٹھ سے ٹیک لگائی، ہال میں چاروں طرف دیکھا اور نہ دیکھا تو صرف میری طرف۔ لیکن یہ ساری مکاری اسے کافی نہیں معلوم ہوئی۔ اس نے ایک کتاب کھولی اور دکھانے لگا گویا پڑھ رہا ہے اور میرا وہاں وجود ہی نہیں ہے۔ میں اور نزدیک بڑھا اور کھنکھارا۔

''ارے ہاں آپ بھی توہیں، اچھا تو کچھ ترجمہ کیجئے''، اس نے مجھے ایک کتاب اٹھا کر دی ''نہیں یہ لیجئے''۔ اس نے ہوریس کی کتاب کے کچھ صفحات الٹے اور ایسی جگہ کھولی جو مجھے ایسی مشکل معلوم ہوئی کہ کوئی اس کا ترجمہ کسی وقت بھی نہیں کر سکتا۔

''میں نے اسے نہیں پڑھا ہے''، میں بولا۔

''تو آپ وہ پڑھنا چاہتے ہیں جو رٹ رکھا ہے؟ بہت خوب۔ نہیں اسی کا ترجمہ کیجئے۔''

میں نے کسی طرح اس کا مفہوم نکال لیا لیکن میری ہر سوالیہ نگاہ پر پروفیسر انکار میں سر ھلاتا رہا اور ٹھنڈا سانس لیکر کہتا رہا: ''نہیں''۔ آخر اس نے کتاب اس بیتابی کے ساتھ بند کی کہ صفحات کے درمیان خود اس کی انگلی دب گئی۔ اس نے غصے سے انگلی گھسیٹی، مجھے صرف ونحو کے متعلق ایک سوال دیا اور کرسی کی پشت کا سہارا لیکر انتہائی کمینے پن کے ساتھ خاموش ہو گیا۔ میں جواب دینے ہی والا تھا کہ اس کے چہرے کا رنگ دیکھ کر میری زبان پر تالا پڑ گیا اور میں نے جو کچھ جواب دیا وہ مجھے غلط محسوس ہونے لگا۔

''بالکل غلط! بالکل غلط!''، اس نے ایک دم بے ڈھنگے تلفظ کے ساتھ پہلو بدلتے ہوئے کہا، میز پر کہنی لٹکائی اور اپنے بائیں ھاتھ کی پتلی سی انگلی کے سونے کے چھلے سے کھیلنے لگا جو کافی ڈھیلا تھا۔ ''اعلی تعلیمی ادارے میں داخلے کی تیاری اس طرح نہیں ہوتی، جناب۔ آپ کو تو بس نیلے کالر والی وردی پہنے اور تھوڑا بہت پڑھ لینے کا شوق ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہم طالب علم ہیں۔ جی نہیں جناب، آپ لوگوں کو اپنے مضمون کا بہت اچھا علم ہونا چاہئے''، وغیرہ وغیرہ۔

وہ جتنی دیر ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں تقریر کرتا رہا میں اس کی آنکھوں کی طرف دیکھتا رہا جو فرش پر گڑی ہوئی تھیں۔ پہلے تو مجھے اس تصور سے کوفت ہوتی رہی کہ میرا نمبر تیسرا نہیں ہوگا، پھر خطرہ پیدا ہوا کہ شاید امتحان میں کامیاب ہی نہ ہوں اور آخر میں ناانصافی کا احساس، زخم خوردہ انا اور غلط توہین کا احساس بھی اس میں شامل ہوگیا۔ اس کے علاوہ پروفیسر کے لئے

میرے دل میں انتہائی حقارت کا جذبہ پیدا ہو گیا کیونکہ میری رائے میں وہ شخص comme il faut نہیں تھا۔ یہ بات میں نے اس کے چھوٹے چھوٹے مضبوط گول قسم کے ناخنوں کو دیکھ کر معلوم کی تھی۔ اور اس خیال نے مجھ پر اور زیادہ اثر ڈالا اور ان تمام جذبات کو زہرآلود کر دیا۔ اس نے میری طرف اچٹتی سی نگہ ڈالی اور میرے کانپتے ہوئے ہونٹ اور ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کو دیکھ کر شاید یہ سمجھا کہ یہ جذبات نمبر میں اضافہ کی درخواست ہیں اور اس طرح بولا جیسے مجھ پر رحم کھا رہا ہو (اور وہ بھی ایک دوسرے پروفیسر کے سامنے جو اسی وقت آگیا تھا) :

''اچھا، حالانکہ آپ اس کے مستحق نہیں ہیں لیکن آپ کی کم عمری کا لحاظ کرکے پاس ہونے کے قابل نمبر (یعنی دو نمبر) دئے دیتا ہوں اور امید ہے کہ آپ یونیورسٹی میں اس بےپروائی سے کام نہ لینگے۔ ،،

اس آخری جملے نے میری پریشانی کو اور بڑھا دیا جو ایک نئے پروفیسر کے سامنے کہا گیا تھا اور وہ اس طرح میری طرف دیکھ رہا تھا جیسے کہہ رہا ہو : ''کیا سمجھے میاں صاحب زادے!،، ایک لمحے کے لئے میری آنکھوں کے سامنے دھند سی چھا گئی۔ ایسا معلوم ہوا کہ وہ خوفناک پروفیسر بہت دور اپنی میز پر بیٹھا ہوا ہے اور میرے ذہن میں بہت ہی وضاحت کے ساتھ ایک خیال آیا : ''اور اگر... کیا ہوگا اگر؟،، لیکن میں نے نہ جانے کیوں وہ نہیں کیا بلکہ اس کے برخلاف دونوں پروفیسروں کو غیرشعوری طور پر جھک کر بہت ادب سے سلام کیا اور کچھ مسکراتا ہوا میز کے پاس سے چلا آیا۔ اس وقت میں بظاہر اسی طرح مسکرا رہا تھا جیسے اکونین مسکرایا تھا۔

اس وقت اس ناانصافی نے مجھ پر اتنا زبردست اثر کیا کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو امتحان کے مزید پرچے نہ کرتا۔ میری ساری اولوالعزمی ختم ہو گئی (کیونکہ تیسرے نمبر پر رہنا ممکن نہ تھا) اور میں نے باقی امتحان کے لئے نہ کوئی خاص محنت کی اور نہ کچھ پریشان ہوا۔ میرا اوسط سکنڈ ڈویژن سے کچھ اوپر تھا لیکن مجھے ذرہ برابر دلچسپی پیدا نہ ہوئی۔ میں نے فیصلہ کر لیا اور

اپنے آپ کو یقین بھی دلا دیا کہ اول آنے کی کوشش کرنا بالکل غلط ہوگا اور کوشش یہ ہونی چاہئے کہ ولودیا کی طرح نہ بہت اچھا رہوں نہ بہت برا۔ میرا ارادہ تھا کہ یونیورسٹی میں اس پر عمل کرونگا حالانکہ اسی بات پر اپنے دوست دمتری سے مجھے پہلی بار اختلاف رائے پیدا ہوا تھا۔

مجھے اگر فکر تھی تو اپنی وردی کی، تکونے ہیٹ کی، اپنی گاڑی کی، اپنے کمرے کی اور سب سے بڑھ کر اپنی آزادی کی۔

باب ۱۳

میں بڑا ہو گیا

بہرحال ان خیالات میں اپنی ایک خوبصورتی تو تھی ہی۔

۸ مئی کو دینیات کے امتحان سے واپس آنے کے بعد میں نے دیکھا کہ گھر پر روزانوف کے یہاں کا درزی موجود ہے۔ میں اسے پہچانتا تھا کیونکہ وہ میری وردی اور چمکیلے سیاہ کپڑے کا کوٹ کچا کرکے لاچکا تھا، پھر اس نے چاک سے لوٹ گریبان کی ناپ لی تھی اور اب لباس بالکل تیار تھا اور اس کے سنہرے بٹن کاغذ میں لپٹے تھے۔

میں نے کپڑے پہنے اور مجھے اچھے معلوم ہوئے (حالانکہ سینٹ جیروم نے کہا کہ کوٹ پیچھے سے ڈھیلا ہے) اور اطمینان سے مسکراتا ہوا ولودیا کو ڈھونڈنے نیچے چلا گیا۔ اس وقت مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر بلا ارادہ آگئی تھی۔ مجھے احساس تھا کہ پیش دالان اور برآمدے سے گھروالے مجھے دیکھ رہے ہیں حالانکہ میں نے ظاہر ایسا کیا کہ مجھے احساس نہیں ہے۔ بٹلر گاوریلو نے بڑے کمرے میں مجھے آپکڑا، یونیورسٹی میں داخل ہونے پر مجھے مبارکباد دی، پاپا کے حکم کے بموجب پچیس روبل کے چار نوٹ دئے اور پاپا کے حکم سے ہی مجھ سے کہا کہ کوچوان کوزما، ایک گاڑی اور سرخ گھوڑا ''سندر،، آج سے میری خدمت کے لئے پوری طرح حاضر ہیں۔ اس غیر متوقع مسرت سے میں اتنا خوش ہوا کہ گاوریلو کے سامنے خوشی کے اظہار کو دبا نہ سکا اور پریشانی میں ٹھنڈا

سانس لیکر منہ میں جو آیا کہہ گیا یعنی یہ کہ "سندر"، بہت اچھا گھوڑا ہے - ان عورتوں کی طرف دیکھ کر جو پیش دالان اور برآمدے کے دروازوں سے جھانک رہی تھیں میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور اپنا نیا کوٹ پہنے، چمکدار پیتل کے بٹن لگائے، ہال سے بھاگ کر ولودیا کے کمرے میں داخل ہوا تو دبکوف اور نخلیودوف کی آواز پیچھے سے سنائی دی جو مجھے مبارکباد دینے اور یہ تجویز پیش کرنے آئے تھے کہ یونیورسٹی میں داخلے کا جشن منانے کے لئے کہیں چل کر کھانا کھائیں اور شیمپین پئیں - دمتری نے مجھ سے کہا کہ اس کو شیمپین پسند نہیں ہے لیکن آج ہم لوگوں کے ساتھ ضرور چلیگا تاکہ ہماری بےتکلفی کی ابتدا کے نام ہی سکے - دبکوف نے کہا کہ تم کچھ کرنل جیسے معلوم ہوتے ہو - ولودیا نے مجھے مبارکباد نہیں دی بلکہ بہت خشک انداز میں کہا کہ اب پرسوں ہم لوگ دیہات کے لئے روانہ ہوسکتے ہیں - ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اسے میرے داخلے کی خوشی تو ہے مگر یہ بات اسے کچھ ناگوار تھی کہ میں بھی اس کے برابر بڑا ہو گیا ہوں - سینٹ جیروم بھی اتنے میں آگئے تھے - انہوں نے بہت غرور کے ساتھ کہا کہ اب ان کے فرائض ختم ہو گئے اور یہ تو نہیں معلوم کہ فرائض اچھی طرح انجام پائے یا نہیں لیکن اپنے بھر انہوں نے سب کچھ کیا اور اب کل وہ اپنے کاؤنٹ کے یہاں چلے جائیں گے - مجھ سے جو کچھ کہا گیا اس کی وجہ سے مجھے صرف یہ احساس ہوا کہ میرے ہونٹوں پر ارادے کے برخلاف میٹھی سی پرمسرت بلکہ ایک حد تک احمقانہ اور آسودہ سی مسکراہٹ آگئی - اور میں نے محسوس کیا کہ یہ مسکراہٹ ان لوگوں تک پہنچ گئی جو مجھ سے باتیں کررہے تھے -

تو اب گھر پر پڑھانے والا میرا کوئی اتالیق نہ تھا، میرے پاس اپنی گاڑی تھی، میرا نام طلبا کے رجسٹر میں لکھا ہوا تھا، میری پیٹی میں خنجر لٹک رہا تھا، کبھی کبھی سنتری مجھے شاید سلام بھی کریں گے، میں بڑا ہو گیا تھا اور میرا خیال تھا کہ خوش بھی تھا -

ہم نے فیصلہ کیا کہ پانچ بجے "یار" ریستوراں میں کھانا کھائینگے - لیکن چونکہ ولودیا دبکوف کے ساتھ چلا گیا اور دمتری

بھی حسب معمول یہ کہہ کر کہیں غائب ہو گیا کہ کھانے سے پہلے مجھے کچھ کام ہے اس لئے دو گھنٹے تک میں آزاد تھا کہ جو جی میں آئے کروں۔ کچھ دیر تک سارے کمروں میں چکر لگاتا رہا، سارے آئینوں میں اپنی صورت دیکھی، کبھی کوٹ کے بٹن بند کرکے، کبھی کھول کر، کبھی صرف اوپر کے بٹن لگا کر اور مجھے سب کچھ پسند آیا۔ بہت زیادہ خوشی کے اظہار سے مجھے شرم آ رہی تھی لیکن اس کے باوجود "سندر"، گھوڑے، کوزما اور گاڑی کو دیکھنے کے لئے اصطبل اور گاڑی خانے میں جائے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے بعد پھر کمروں میں ٹہل کر آئینے میں اپنے آپ کو دیکھتا رہا، جیب میں پیسے گنے اور سارے وقت بہت ہی مسرور انداز میں مسکراتا رہا۔ لیکن ایک گھنٹہ بھی نہ گزرا تھا کہ کوفت ہونے لگی یا افسوس ہونے لگا کہ میری اس شان و شوکت کو دیکھنے والا کوئی نہیں ہے اور میرے دل میں کچھ کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ چنانچہ میں نے حکم دیا کہ گاڑی لائی جائے اور سوچا کہ سب سے اچھا یہ ہوگا کہ کوزنیتسکی موست سڑک جا کر کچھ خریداری کرلوں۔

مجھے یاد آیا کہ جب ولودیا یونیورسٹی میں داخل ہوا تھا تو اس نے اپنے لئے مصور وکٹر آدم کی گھوڑوں والی تصویر، کچھ تمباکو اور پائپ خریدے تھے۔ اور مجھے خیال ہوا کہ میرے لئے بھی یہی ضروری ہے۔

میں کوزنیتسکی موست کی طرف چلا۔ ہر طرف لوگ مجھے دیکھ رہے تھے۔ اور میرے بٹن، ٹوپی کے طرے اور خنجر دھوپ میں چمک رہے تھے۔ میں داتسیارو کی تصویروں کی دوکان کے پاس رک گیا۔ چاروں طرف دیکھ کر میں دوکان میں داخل ہوا۔ وکٹر آدم کے گھوڑے میں خریدنا نہ چاہتا تھا کیونکہ لوگ کہیں گے کہ ولودیا کی نقل کر رہا ہے۔ جلد از جلد کوئی چیز پسند کرنے کی خواہش تھی اور شرم آرہی تھی کہ میں خدمتی دوکان دار کو تکلیف دے رہا ہوں۔ اس لئے میں نے ایک عورت کے چہرے کی تصویر خرید لی جو گدلے رنگ سے بنائی گئی تھی اور کھڑکی کے پاس رکھی ہوئی تھی۔ میں نے بیس روبل ادا کئے!۔ لیکن بیس روبل ادا کرنے کے بعد بھی مجھے یہ احساس تکلیف دیتا رہا

کہ اتنی معمولی سی چیز کے لئے میں نے ان صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے دو دوکانداروں کو بلاوجہ پریشان کیا لیکن ایسا محسوس ہو رہا تھا یہ لوگ میری طرف بہت ہی اچٹتی سی نگاہ ڈال رہے تھے۔ انہیں بتانے کے لئے کہ میں کس قسم کا انسان ہوں میں چاندی کی ایک چیز کی طرف متوجہ ہو گیا جو ایک شیشے کے نیچے رکھی ہوئی تھی اور جب ان لوگوں نے بتایا کہ porte — crayon * ہے جس کی قیمت اٹھارہ روبل ہے تو میں نے کہا کہ یہ بھی باندھ دو اور میں نے اس کی قیمت بھی ادا کر دی اور جب معلوم ہوا کہ برابر والی دوکان پر اچھی تمباکو مل جاتی ہے تو میں نے بہت شرافت سے دونوں دوکانداروں کو سلام کیا اور تصویر بغل میں دبائے ہوئے باہر نکل آیا۔ بغل والی دوکان سے جس کے سائن بورڈ پر سگار پیتے ہوئے ایک حبشی کی تصویر بنی ہوئی تھی، میں نے (کسی کی نقل نہ کرنے کی خواہش کے تحت) ژوکوف نہیں بلکہ سلطان تمباکو اور استنبول کا پائپ اور دو چیوق خریدے، ایک لائم کی لکڑی کا اور ایک گلاب کی لکڑی کا۔ دوکان سے نکلنے کے بعد گاڑی کی طرف جاتے ہوئے میں نے دیکھا کہ سیمیونوف فٹ پاتھ پر عام قسم کے کپڑے پہنے سر جھکائے تیزی سے چلا جا رہا ہے۔ مجھے کوفت ہوئی کہ اس نے مجھے نہیں پہچانا۔ میں نے گاڑی بان سے کافی زور سے کہا: ''چلو!،، اور گاڑی میں بیٹھ کر سیمیونوف کو جا لیا۔

''کیسا مزاج ہے؟،، میں نے کہا۔

''آداب عرض ہے،، اس نے چلتے چلتے کہا۔

''وردی کیوں نہیں پہنی آپ نے؟،، میں نے سوال کیا۔

سیمیونوف رکا، آنکھیں سکیڑیں اور اس کے سفید دانت نظر آنے لگے جیسے دھوپ کی وجہ سے اسے تکلیف ہو رہی ہو لیکن درحقیقت وہ میری گاڑی اور وردی سے بے تعلقی کا اظہار کرنا چاہ رہا تھا۔ اس نے میری طرف خاموشی سے دیکھا اور چل دیا۔

کوزنیتسکی موست سے میں تویرسکایا سڑک پر کیک والے کی دوکان پہنچا۔ میں دکھانا چاہتا تھا کہ دوکان میں اصل دلچسپی

---

* پنسل دان۔

مجھے اخباروں سے ہے لیکن ضبط نہ کر سکا اور ایک کے بعد ایک کئی میٹھی پیسٹریاں کھا گیا۔ ایک صاحب جو اخبار پڑھ رہے تھے، میری طرف متجسس نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور مجھے شرم محسوس ہو رہی تھی لیکن اس کے باوجود دوکان پر جتنے قسم کے کیک تھے ان سب سے میں بڑی تیزی کے ساتھ آٹھ پیسٹریاں کھا گیا۔

گھر واپس آکر معدے میں کچھ گرانی سی محسوس ہونے لگی لیکن اسے کوئی اہمیت نہ دے کر میں خریدے ہوئے سامان کو دیکھنے لگا۔ تصویر مجھے اتنی ناپسند ہوئی کہ نہ صرف یہ کہ میں نے اسے فریم کر کے ولودیا کی طرح کمرے میں لٹکایا نہیں بلکہ الماری کے پیچھے چھپا دیا جہاں کسی کی نظر نہ پڑ سکے۔ Porte — crayon بھی مجھے گھر پر اچھا نہ معلوم ہوا۔ میں نے اسے میز کے خانے میں رکھ دیا اور یہ سوچ کر دل کو تسکین دے لی کہ یہ چاندی کا بنا ہوا ہے اس لئے قیمتی ہے اور طالب علم کے لئے بہت ہی کارآمد۔ جہاں تک تمباکو وغیرہ کا تعلق تھا تو میں نے فیصلہ کیا کہ اسے فوراً استعمال کرنا اور آزمانا چاہئے۔

میں نے چوتھائی پونڈ والا ڈبہ کھولا اور استنبول کے پائپ میں سرخی مائل زرد باریک سلطان تمباکو بھری۔ اس پر ایک انگارہ رکھا اور پائپ کو تیسری اور چوتھی انگلی کے درمیان پکڑ کر (مجھے اس طرح پائپ پکڑنا بہت بھلا لگتا تھا) میں نے پائپ پینا شروع کر دیا۔

تمباکو کی خوشبو بہت اچھی تھی لیکن مزہ تلخ تھا اور دھوئیں کی وجہ سے دم گھٹنے لگا۔ پھر بھی میں کافی دیر تک پائپ زبردستی پیتا رہا دھواں حلق کے اندر لے جاتا اور مرغولے بنانے کی کوشش کرتا رہا۔ کمرے میں جلدی نیلگوں دھوئیں کے بادل چھا گئے۔ پائپ میں سے سڑسڑانے کی آواز آنے لگی اور گرم تمباکو ابھر کر اوپر آنے لگا۔ منہ کا ذائقہ تلخ ہو گیا اور سر میں چکر سا محسوس ہونے لگا۔ میں نے کوشش کی کہ اٹھ کر پائپ سمیت آئینے میں صورت دیکھوں کہ یہ محسوس کر کے حیرت ہوئی کہ پاؤں لڑکھڑا رہے ہیں، سارا کمرہ چکرا رہا ہے اور بڑی مشکل سے اٹھ کر آئینے کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ چہرہ بالکل سفید ہو رہا ہے۔ مشکل سے دیوان پر لیٹ گیا اور طبیعت ایسی خراب ہوئی اور ایسی کمزوری

محسوس ہونے لگی کہ میں سمجھا کہ پائپ میرے حق میں زہر قاتل ثابت ہوا اور میں اب چلا۔ میں بہت پریشان ہو گیا اور چاہتا تھا کہ کسی کو مدد کے لئے بلاؤں اور ڈاکٹر کو بلا بھیجوں۔

لیکن یہ خوف بہت دیر تک طاری نہیں رہا۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ اصل خرابی کیا ہے۔ بہت دیر انتہائی کمزوری کے عالم میں کوچ پر پڑا رہا۔ سر میں سخت درد ہو رہا تھا۔ تمباکو کے چوتھائی پونڈ والے پیکٹ پر بوستانژوگلو کا جو نشان بنا ہوا تھا اسے گھورتا رہا، پائپ اور جلے ہوئے تمباکو اور راکھ کو، پیسٹری کے بچے ہوئے ٹکڑوں کو فرش پر پڑا دیکھتا رہا اور بڑی مایوسی سے سوچنے لگا: ''ابھی میں بڑا نہیں ہوا ہوں کیونکہ دوسروں کی طرح پائپ نہیں پی سکتا۔ اور بات بالکل صاف ہے کہ میری قسمت میں ہے ہی نہیں کہ دوسروں کی طرح انگوٹھی والی اور تیسری انگلی کے درمیان پائپ پکڑ کر دھواں حلق کے نیچے لے جاؤں اور سنہری مونچھوں میں سے دھواں نکالوں۔،،

جب پانچ بجے دمتری مجھے لینے آیا تو اس نے بری حالت میں دیکھا لیکن ایک گلاس پانی پینے کے بعد میں تقریباً بالکل ٹھیک ہو گیا اور اس کے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گیا۔

''پائپ پینے کا کیا شوق چرایا؟،، اس نے تمباکو وغیرہ کی طرف دیکھ کر پوچھا ''سب بیکار ہے، بلاوجہ پیسے صرف ہوتے ہیں۔ میں نے تو عہد کیا ہے کہ کبھی سگریٹ وغیرہ نہ پیونگا۔ خیر، جلدی کرو — ہمیں دبکوف کو لینے چلنا ہے۔،،

باب ۱۴

ولودیا اور دبکوف کا مشغلہ کیا رہتا تھا

دمتری جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا میں اس کے چہرے، اس کی چال اور اس کے ایک خاص انداز کو دیکھ کر جو بدمزاجی کے موقع پر پیدا ہو جاتا تھا — یعنی آنکھوں کا جھپکنا اور سر کو بھونڈے انداز میں ایک طرف جھٹکنا گویا ٹائی درست کی جا رہی ہو — بھانپ گیا کہ اس وقت سخت چڑچڑا ہو رہا ہے۔ اس پر یہ

حالت اس وقت طاری ہوتی تھی جب وہ اپنے آپ سے غیر مطمئن ہوتا تھا۔ اور اسی کی وجہ سے اس کی طرف سے میرے جذبات ہمیشہ سرد پڑ جاتے تھے۔ کچھ عرصہ سے میں نے اپنے دوست کے کردار کا مطالعہ کرنا اور اس پر نکتہ چینی کرنا شروع کر دیا تھا لیکن اس کی وجہ سے ہماری دوستی پر کوئی اثر نہ پڑا۔ ہماری دوستی اب بھی اتنی جوان سال اور مضبوط تھی کہ میں دستری کو چاہے جس نقطۂ نگہ سے دیکھوں مجھے وہ انسان کامل نظر آتا تھا۔ اس میں دو الگ الگ انسان جلوہ گر تھے اور میری نظروں میں دونوں ہی بہت خوب تھے۔ وہ جس سے میں شدت سے پیار کرتا تھا بہت خوش خلق، اچھا، شریف، خوش مزاج شخص تھا جسے ان خصوصیات کا احساس بھی تھا۔ جب وہ مزے میں ہوتا تھا تو اس کی ساری وضع قطع، اس کی آواز کی کھنک اور اس کی حرکت یہ کہتی ہوئی معلوم ہوتی تھی کہ ''میں بہت نیک اور پاکباز انسان ہوں، مجھے نیک اور پاکباز ہونے میں لطف آتا ہے۔ تم سب اس کے شاہد ہو،،۔ دوسرا انسان — میں نے تو اب جاکر اسے سمجھنا شروع کیا ہے اور اس کی عظمت کے آگے سر جھکا دیا ہے — یہ دوسرا انسان سردمہر، اپنے اور دوسروں کے لئے سخت گیر، خوددار، جنون کی حد تک مذہبی اور اصول پرستی کی حد تک پاکباز تھا۔ اس وقت وہ بھی دوسرا انسان تھا۔

ہمارے تعلقات کی ایک لازمی شرط بے باکی اور صاف دلی تھی اور اس لئے جب ہم گاڑی میں بیٹھے تو میں نے اس سے کہہ دیا کہ آپ کو اس طرح مرجھائے اور چڑچڑے انداز میں دیکھ کر مجھے تکلیف ہوتی ہے اور وہ بھی آج جو میرے لئے خوشی کا دن ہے۔

''آپ کو کوئی چیز پریشان ضرور کر رہی ہے، مجھ سے بتاتے کیوں نہیں؟،، میں نے سوال کیا۔

''نکولینکا،، اس نے جھجک کر سر ایک طرف ہٹا لیا اور آنکھیں جھکا کر اطمینان سے جواب دیا۔ ''جب میں وعدہ کر چکا ہوں آپ سے کبھی جھوٹ نہ بولونگا تو یہ شبہہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ میں کوئی چیز چھپا رہا ہوں۔ ہمیشہ ایک ہی طرح تو نہیں رہا جا سکتا اور اگر کسی چیز نے مجھے پریشان بھی کر دیا ہے تو اس کی وجہ میں خود اپنے آپ کو نہیں سمجھا سکتا۔،،

''کتنے صاف دل اور صاف گو کردار کا مالک ہے یہ شخص!'' میں نے سوچا اور پھر کچھ نہ بولا۔

دیکوف کے گھر تک ہم لوگ خاموش رہے۔ دیکوف کا گھر بہت ہی خوب تھا یا شاید اس وقت مجھے ایسا معلوم ہوا تھا۔ ہر طرف قالین، تصویریں، پردے، دیواروں پر رنگین کاغذ، مصوری کے شاہکار، خمدار اور لمبے بازوؤں کی آرام کرسیاں نظر آرہی تھیں، دیواروں پر بندوقیں، پستول، تمباکو کی تھیلیاں اور موٹے کاغذ کے بنے ہوئے جنگلی جانوروں کے سر لٹک رہے تھے۔ اس کمرے کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ ولودیا اپنے کمرے کو سجانے میں کس کی نقل کر رہا تھا۔ ولودیا اور دیکوف تاش کھیل رہے تھے۔ ایک صاحب جنہیں میں نہیں جانتا تھا (اور جن کی دبی ہوئی حالت دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی یوں ہی سے آدمی ہیں) میز کے پاس بیٹھے بڑے غور سے کھیل دیکھ رہے تھے۔ دیکوف ڈریسنگ گاؤن اور نرم جوتے پہنے ہوئے تھا۔ ولودیا قمیص پہنے اس کے سامنے صوفے پر بیٹھا تھا۔ اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا اور اس نے تاش پر سے نظریں اٹھا کر ہم لوگوں پر کچھ غیر مطمئن سی اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی۔ اور ان سب باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کھیل میں بہت مصروف ہے۔ مجھے دیکھ کر اس کا چہرہ اور بھی تمتما گیا۔

''اب تمہارے بانٹنے کی باری ہے'' اس نے دیکوف سے کہا۔ مجھے احساس ہوا کہ اسے یہ بات اچھی نہیں لگی کہ اس کے تاش کھیلنے کا علم مجھے بھی ہو گیا ہے۔ لیکن اس کی نظروں میں کوئی پریشانی نہیں تھی بلکہ یہ کہتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں: ''ہاں جاؤ، میں کھیلتا ہوں اور تمہیں تعجب صرف اس لئے ہے کہ تم ابھی کم عمر ہو۔ اس میں کوئی عیب کی بات نہیں ــ بلکہ ہماری عمر میں تو ضروری ہے۔''

میں نے اسے فوراً محسوس کر لیا اور سمجھ گیا۔

لیکن دیکوف نے پتے بانٹنے کے بجائے ہم سے مصافحہ کیا، ہمیں بٹھایا، پائپ پینے کے لئے دئے لیکن ہم نے پینے سے انکار کر دیا۔

''یہ تو سچ مچ کا ڈپلومیٹ ــ برات کا دولہا'' دیکوف بولا ''خدا قسم بالکل کرنل نظر آتا ہے۔''

''هوں!'' میں بولا اور میں نے محسوس کیا کہ وہی احمقانہ آسودگی کی مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر پھیل گئی ہے۔

دبکوف کا مجھ پر کچھ ایسا رعب تھا جو صرف ایک سولہ برس کا لڑکا ستائیس برس کے ایسے ایڈی کانگ کے لئے محسوس کر سکتا ہے جس کے بارے میں سب بڑے یہ کہتے ہوں کہ وہ انتہا درجے کا شریف اور معقول نوجوان ہے، خوب ناچتا ہے، فرانسیسی بولتا ہے اور حالانکہ دل ہی دل میں میری کم عمری کو حقیر سمجھتا ہے پھر بھی اس بات کو چھپانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔

لیکن اس کے لئے میرے دل میں جو عزت تھی اس کے باوجود خدا جانے کیوں ہماری ملاقات کے سارے زمانے میں مجھے اس سے آنکھیں چار کرتے ہوئے ہمیشہ جھجک اور دقت محسوس ہوئی۔ اور بعد کو میں نے غور کیا کہ تین قسم کے لوگ ہیں جن سے آنکھ چار کرنا میرے لئے مشکل ہوتا ہے — وہ جو مجھ سے بہت زیادہ برے ہوتے ہیں، وہ جو مجھ سے زیادہ بہتر ہوتے ہیں اور وہ جن سے میں وہ باتیں کہہ دینے کا فیصلہ نہیں کر پاتا جن سے ہم دونوں واقف ہوتے ہیں اور جنہیں وہ بھی مجھ سے نہیں کہہ پاتے۔ مجھے نہیں معلوم کہ دبکوف مجھ سے بہتر تھا یا بدتر لیکن ایک چیز یقینی ہے — یعنی یہ کہ وہ اکثر و بیشتر جھوٹ بولتا تھا اور کبھی اعتراف نہ کرتا تھا۔ میں نے اس کی یہ کمزوری بھانپ تو ضرور لی تھی لیکن کبھی یہ بات کہنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

''ایک ہاتھ اور کھیلیں''، ولودیا نے پاپا کی طرح ایک کندھا اچکاتے ہوئے کہا اور تاش پھینٹنے لگا۔

''اس شخص سے چھٹکارا پانا مشکل ہوتا ہے!''، دبکوف بولا ''بعد میں کھیلیں گے۔ اچھا خیر ایک ہاتھ اور تم بانٹو۔''

وہ لوگ کھیلتے رہے اور میں ان لوگوں کے ہاتھوں کو دیکھتا رہا۔ ولودیا کے ہاتھ بڑے اور خوبصورت تھے۔ جب وہ تاش پکڑتا تو انگوٹھا الگ کر لیتا تھی اور دوسری انگلیاں کچھ موڑ لیتا تھا۔ یہ بات اس حد تک پاپا سے مشابہہ تھی کہ ایک بار مجھے احساس ہوا کہ ولودیا جان بوجھ کر ہاتھ اس طرح رکھتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ کافی بڑا ہو چکا ہے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ کھیل کے علاوہ

اور کچھ سوچ ہی نہیں رہا تھا۔ اس کے برخلاف دیکوف کے ھاتھ چھوٹے اور موٹے موٹے تھے، اندر کی طرف مڑے ہوئے۔ اس کی انگلیاں بہت ہی نرم تھیں اور تیزی سے چلتی تھیں، بالکل اسی قسم کے ھاتھ تھے جن سے انگوٹھیاں بھلی معلوم ہوتی ھیں، ایسے ھاتھ ان لوگوں کے ہوتے ھیں جو دستکاری کی طرف مائل ہوں اور جنہیں خوبصورت چیزیں رکھنے کا شوق ہو۔

ولودیا شاید ھار گیا تھا کیونکہ جو صاحب اس کے پتوں کی طرف دیکھ رہے تھے انہوں نے کہا کہ ولادیمیر پیتروویچ کی قسمت بہت خراب ھے۔ دیکوف نے اپنی نوٹ بک نکالی اور اس میں کچھ لکھ لیا اور جو کچھ لکھا تھا وہ ولودیا کو دکھاتے ہوئے بولا:

''ٹھیک ھے نا؟''

''ھاں'' ولودیا نے نوٹ بک کی طرف بناوٹی سی نگاہ ڈال کر کہا۔ ''چلو اب چلیں۔''

ولودیا نے دیکوف کو گاڑی پر بٹھایا اور دمتری نے مجھے اپنی فٹن پر۔

''یہ لوگ کیا کھیل رہے تھے؟'' میں نے دمتری سے پوچھا۔

''پی کیت *۔ بالکل بے ہودہ کھیل ھے اور جوا تو احمقانہ کھیل ھے ھی۔''

''کیا یہ لوگ بڑی بڑی رقم لگا دیتے ھیں؟''

''بہت زیادہ نہیں، لیکن بہرحال یہ اچھی بات نہیں ھے۔''

''آپ نہیں کھیلتے؟''

''نہیں۔ میں زبان دے چکا ہوں کہ نہیں کھیلونگا۔ دیکوف کا تو یہ حال ھے کہ جو بھی مل جاتا ھے اس کے ساتھ کھیلنے لگتا ھے اور اکثر وبیشتر جیتتا ھے۔''

''لیکن اس کی یہ بات تو اچھی نہیں'' میں بولا ''ولودیا غالباً اتنا اچھا نہیں کھیلتا۔''

''بالکل اچھی بات نہیں ھے، لیکن ایسی کوئی خراب بات بھی نہیں ھے۔ دیکوف کو تاش بہت پسند ھے اور اچھا کھیلتا ھے۔ ھے بہرحال اچھا آدمی۔''

---

* تاش کا ایک فرانسیسی کھیل جسے تیس پتوں سے کھیلا جاتا ھے۔

''بھئی، میرا یہ خیال نہیں تھا...،، میں بولا۔

''اسے برا مت سمجھو کیونکہ واقعی آدمی اچھا ہے اور مجھے بہت پسند ہے اور اپنی کمزوریوں کے باوجود ہمیشہ پسند رہے گا۔،،

نہ جانے کیوں مجھے ایسا احساس ہوا کہ دستری چونکہ دبکوف سے بہت گرمجوشی کا اظہار کر رہا ہے اسی لئے نہ تو وہ دبکوف کو اب اتنا چاہتا ہے اور نہ اس کی اتنی عزت کرتا ہے لیکن اس کا اعتراف ضد کی وجہ سے نہیں کر رہا ہے اور اس لئے بھی کہ کوئی اس کو متلون مزاجی کےلئے نشانہ ملامت نہ بنا سکے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو ساری عمر اپنے دوستوں سے محبت کرتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ دوست ہمیشہ عزیز رہتے ہیں بلکہ اس لئے کہ غلطی ہی سے سہی لیکن ایک بار کسی کو پسند کر لینے کے بعد وہ اس بات کو شرافت کے خلاف سمجھتے ہیں کہ اس کو پسند کرنا ترک کر دیا جائے۔

باب ۱۰

میری کامیابی کا جشن

دبکوف اور ولودیا ''یار،، ریستوراں کے تمام لوگوں سے نام بنام واقف تھے اور دربان سے لیکر مالک تک سب نے بہت احترام سے ان کا خیرمقدم کیا۔ ہم لوگوں کو فوراً ایک خاص کمرے میں پہنچا دیا گیا اور بہترین کھانا آگیا جسے دبکوف نے فرانسیسی فہرست سے پسند کیا تھا۔ ٹھنڈی شیمپین کی بوتل تیار کر دی گئی تھی جس کی طرف میں بہت بےنیازی سے دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کھانا بہت خوشگوار فضا میں ہنستے بولتے ختم ہوگیا باوجود اس کے کہ دبکوف نے حسب معمول بہت ہی عجیب و غریب قصے اس طرح بیان کئے جیسے وہ اصلی ہوں۔ جیسے یہ کہ اس کی دادی نے تین چوروں کو پرانے قسم کی بندوق سے مار ڈالا تھا جنھوں نے انہیں لوٹنے کی کوشش کی تھی (یہ سنکر مجھے شرم آگئی۔ میں نے نظریں جھکالیں اور اس کی طرف سے منہ پھیر لیا)۔ اور باوجود اس کے کہ جب بھی میں کچھ کہنے لگتا تو ولودیا خوف‌زدہ

سا ہو جاتا (جو بالکل غیر ضروری تھا کیونکہ جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے کوئی نا مناسب بات نہیں کہی تھی)۔ جب شیمپین کی باری آئی تو سب نے مجھے مبارکباد دی اور میں نے دیکوف اور دستری کے ہاتھوں کے ساتھ ضرب کا نشان بنا کر اس عہد کے ساتھ پی کہ آئندہ آپس میں ''آپ'' سے نہیں بلکہ ''تم'' سے بات کریں گے اور ایک دوسرے کو چوما۔ چونکہ مجھے علم نہ تھا کہ شیمپین کی بوتل کس کی ہے (بعد میں ان لوگوں نے بتایا کہ سب کی مشترکہ تھی) اور میں اپنے دوستوں کی دعوت اپنے پیسوں سے کرنا چاہتا تھا، جنہیں میں جیب کے اندر گن رہا تھا، اس لئے میں نے چپکے سے دس روبل کا نوٹ نکالا اور ویٹر کو بلا کر اسے دیا اور اس سے بہت آہستہ لیکن اس طرح کہا کہ سب سن لیں کہ ''ذرا مہربانی کر کے آدھی بوتل شیمپین اور لے آؤ''۔ ولودیا کا چہرہ تمتما اٹھا اور اس نے اس بری طرح کاندھے اچکانا شروع کئے اور میری طرف اور دوسروں کی طرف اس بری طرح دیکھا کہ مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے زبردست غلطی کی ہے۔ بہرحال بوتل آئی اور ہم سب نے بڑے مزے سے پی۔ اب بھی ساری باتیں بڑے مزے میں چل رہی تھیں۔ دیکوف مسلسل جھوٹ بولے جا رہا تھا اور ولودیا بھی بہت دلچسپ کہانیاں سنا رہا تھا اور بڑی اچھی طرح سنا رہا تھا — اس طرح کہ میں کبھی یقین نہ کر سکتا تھا اور ہم لوگوں نے خوب خوب قہقہے لگائے۔ ان کے یعنی دیکوف اور ولودیا کے مذاق کا کردار ایک مشہور کہانی کی نقل کرنے اور اسے بڑھا چڑھا کر بتانے پر مشتمل تھا: ''تم کبھی بیرونی ملک گئے ہو؟'' ایک پوچھتا ہے۔ ''نہیں کبھی نہیں گیا'' دوسرا جواب دیتا ہے ''لیکن میرا بھائی وائلن بجاتا ہے۔'' انہیں اس قسم کی مضحکہ‌خیز انمل بے جوڑ باتوں میں اتنا کمال حاصل تھا کہ انہوں نے اس لطیفے کو اس طرح بیان کیا: ''میرے بھائی نے تو کبھی وائلن تک نہیں بجایا''۔ دونوں ایک دوسرے کے سوالوں کا اس انداز میں جواب دیتے رہے اور کبھی کبھی سوالوں کے بغیر وہ دو انمل بے جوڑ چیزوں کو ملانے کی کوشش کرتے — اور اس مہمل بات کو بہت سنجیدہ منہ بنا کر کہتے — اور سب خوب ہنستے۔ میں نکتہ سمجھ گیا اور میں نے کوئی دلچسپ بات کہنے کی کوشش کی لیکن وہ سب تعجب سے

میری طرف دیکھنے لگے یا جب میں بولنے لگا تو میری طرف سے نظریں پھیر لیں اور میری کہانی کامیاب نہیں رہی۔ دیکوف نے کہا: ''جناب ڈپلومیٹ، یہ کوئی بات نہیں ہوئی''۔ لیکن شیمپین پینے کے بعد اور ان بڑے لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر مجھے اتنا اچھا معلوم ہو رہا تھا کہ اس جملے سے کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ دمتری نے حالانکہ ہمارے برابر ہی پی تھی لیکن صرف وہی بہت سنجیدہ انداز میں بیٹھا رہا جس کی وجہ سے عام ہنسی مذاق میں تھوڑی‌سی گراوٹ پیدا ہونے پائی۔

''اچھا سنئے حضرات'' دیکوف بولا ''کھانے کے بعد ڈپلومیٹ صاحب کو پکڑنا چاہئے۔ خالہ کے یہاں چلیں تو کیسا رہیگا؟ وہاں ان کا ٹھیک بندوبست کر دیں گے۔''

''نخلیودوف نہیں جائیگا'' ولودیا بولا۔

''ناقابل برداشت حد تک اچھا آدمی! توتو ناقابل برداشت حد تک بھلا آدمی ہے!'' دیکوف نے اس سے مخاطب ہوکر کہا ''ہمارے ساتھ چلو اور دیکھو کہ خالہ بھی کیا دلچسپ خاتون ہیں۔''

''خیر میں تو وہاں ہرگز نہ جاؤنگا اور اس کو بھی نہیں جانے دونگا تمہارے ساتھ'' دمتری نے جواب دیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''کسے؟ ڈپلومیٹ کو؟ تم چلتے ہو ڈپلومیٹ صاحب؟ ارے دیکھونا۔ ہم نے جیسے ہی خالہ کا ذکر کیا ان کا چہرہ کھل اٹھا۔''

''میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کو جانے نہ دونگا'' دمتری نے کرسی سے اٹھ کر اور میری طرف دیکھے بغیر کمرے میں چکر لگاتے ہوئے کہا۔ ''لیکن میرا مشورہ اور خواہش یہی ہے کہ یہ نہ جائے۔ اب یہ بچہ نہیں ہے۔ اگر چاہے تو تمہارے بغیر اکیلا جا سکتا ہے۔ لیکن دیکوف، تمہیں شرم آنی چاہئے۔ تم اچھا نہیں کر رہے ہو اور تم چاہتے ہو کہ دوسرے بھی وہی کچھ کریں۔''

''ہرج کیا ہے؟'' دیکوف نے ولودیا کو آنکھ مار کر سوال کیا ''میں تم سب کو خالہ کے یہاں چائے پینے کے لئے لے جانا چاہتا ہوں؟ خیر اگر تم ہمارے ساتھ چلنا نہیں چاہتے تو میں اور ولودیا جائینگے۔ تم چل رہے ہو ولودیا؟''

''ہوں ہوں،، ولودیا نے اثبات میں سر ہلایا ''ہم لوگ وہاں چلیں گے اور پھر میرے یہاں آکر ہی کیٹ کھیلا جائیگا۔،،

''کیوں تم ان لوگوں کے ساتھ جانا چاہتے ہو یا نہیں؟،، دمتری نے میرے پاس آکر پوچھا۔

''نہیں،، میں نے صوفے پر اس کے لئے جگہ بناتے ہوئے جواب دیا ''میں تو بہرحال جانا نہیں چاہتا اور جب تم بھی مشورہ دیتے ہو کہ مت جاؤ تو ہرگز نہ جاؤنگا۔،،

''نہیں،، میں نے بعد میں کہا ''میں ایمانداری کے ساتھ یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ ان لوگوں کے ساتھ جانا نہیں چاہتا لیکن مجھے خوشی ہے کہ نہیں جا رہا ہوں۔،،

''بالکل ٹھیک،، وہ بولا ''خود اپنی پسند کے مطابق کام کرو کسی کے ہاتھ میں کٹھ پتلی نہ بنو۔ سب سے اچھا راستہ یہی ہے۔،،

اس معمولی سے جھگڑے نے ہماری خوشی میں کوئی خلل نہ ڈالا بلکہ اس میں اضافہ ہی کر دیا۔ دمتری کے مزاج میں فوراً ایک نرمی سی آ گئی جو مجھے بہت پسند تھی۔ اس پر صالح عمل کا احساس اسی طرح اثر کرتا تھا (بعد میں میں نے اس بات کو کئی بار محسوس کیا)۔ اب اسے اس بات کی خوشی تھی کہ مجھے جانے سے روک لیا ہے۔ وہ غیر معمولی طور پر خوش ہوگیا، شیمپین کی ایک اور بوتل منگائی (یہ بات اس کے اصول کے خلاف تھی)، ایک اجنبی کو کمرے میں بلا لیا اور اسے خوب خوب شراب پلائی۔ Gaudeamus igitur گایا، سب سے کہا کہ مل کر گاؤ اور تجویز پیش کی کہ سب لوگ ساکولنیکی کے جنگل چلیں جس پر دیکوف نے کہا کہ یہ بہت جذباتی بات ہے۔

''آج خوب خوشی مناؤ،، دمتری نے مسکراتے ہوئے کہا ''اس کے یونیورسٹی میں داخلے کی خوشی میں پہلی بار ہی کر بدمست ہو جاؤنگا۔ یہی ہونا تھا۔،، ایسی خوشی دمتری کےلئے کچھ عجیب معلوم ہو رہی تھی۔ وہ ایک ایسے استاد یا شفیق باپ کی طرح نظر آ رہا تھا جو اپنے بچوں کی طرف سے مطمئن ہو اور انہیں خوش کرنا چاہتا ہو اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ظاہر کرنا چاہتا ہو کہ شریفانہ اور معقول طریقے سے بھی خوشی منائی جا سکتی ہے۔

بہر حال اس کی غیر متوقع زندہ دلی نے ہم پر بھی اثر کیا، خاص طور پر اس لئے کہ ہم میں سے ہر شخص نے کوئی آدھی بوتل شیمپین پی لی تھی۔

میں اس خوش مزاجی کے موڈ میں تھا کہ بڑے کمرے میں سگریٹ پینے کے لئے چلا گیا جو مجھے دبکوف نے دی تھی۔

میں کرسی پر سے اٹھا تو محسوس ہوا کہ سر کچھ چکرا رہا ہے اور ہاتھ پاؤں صرف اسی وقت عام حالت میں رہتے ہیں جب میں بہت ہی غور سے انہیں دیکھتا ہوں ورنہ پیر ایک طرف چلے جاتے ہیں اور ہاتھ عجب عجب قسم کے اشارے کرتے ہیں۔ میں نے ساری توجہ اپنے ہاتھ پاؤں پر مرکوز کر دی، اپنے ہاتھوں کو حکم دیا کہ بند گلے کے کوٹ کے بٹن بند کرو اور میرے بال ٹھیک کرو (ایسا کرنے میں میری کہنیاں بہت اونچی اٹھ گئیں) اور پیروں کو حکم دیا کہ مجھے دروازے تک لے چلو۔ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی لیکن یا تو بہت آہستہ سے یا بہت سختی سے زمین پر پڑ رہے تھے اور خاص طور پر بایاں پیر پنجے کے بل کھڑا ہوا جا رہا تھا۔ ''کہاں جا رہے ہو؟،، کسی نے مجھے آواز دی ''ابھی شمع آتی ہے۔،، میں نے بھانپ لیا کہ یہ آواز ولودیا کی ہے اور اس خیال سے تسکین ہوئی کہ میں نے صحیح اندازہ لگایا ہے۔ جواب میں میں صرف مسکرایا اور آگے بڑھ گیا۔

باب ۱۶

جھگڑا

بڑے کمرے میں چھوٹی سی میز پر ایک بھاری بدن کا پستہ قد آدمی معمولی سے لباس میں بیٹھا تھا۔ اس کی مونچھیں سرخ رنگ کی تھیں اور کچھ کھا رہا تھا۔ اس کے پاس ہی ایک لمبا سانولے رنگ کا آدمی بیٹھا تھا، جس کی مونچھیں ڈاڑھی صاف تھیں۔ وہ لوگ فرانسیسی میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کی نظروں سے میں کچھ پریشان سا ہو گیا لیکن پھر بھی میں نے فیصلہ کیا کہ اس شمع سے اپنی سگریٹ جلالوں جو ان لوگوں کے سامنے رکھی تھی۔ ان لوگوں

سے نظریں نہ ملانے کی غرض سے میں ادھر ادھر دیکھتا رہا میز کے پاس پہنچا اور سگریٹ شمع کی طرف بڑھائی۔ جب کافی جل گئی تو میں اس آدمی کی طرف دیکھے بغیر نہ رہ سکا جو کھانا کھا رہا تھا اور میں نے دیکھا کہ اس نے اپنی بھوری آنکھیں مجھ پر گاڑ رکھی ہیں اور ناپسندیدگی کے انداز میں دیکھ رہا ہے۔ میں مڑنے ہی والا تھا کہ اس کی سرخ مونچھوں میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے فرانسیسی میں کہا: ''جناب، مجھے اچھا نہیں لگتا ہے کہ میرے کھانا کھانے کے دوران کوئی سگریٹ پیے۔،،

میں کچھ اس طرح بڑبڑایا کہ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔

''جی نہیں جناب، مجھے بالکل پسند نہیں،، مونچھوں والے صاحب نے سختی سے کہا اور بغیر مونچھوں والے کی طرف جلدی سے دیکھا جیسے اس سے کہہ رہا ہو کہ دیکھنا، میں اسے کیسا ٹھیک کرتا ہوں۔ ''اور مجھے وہ لوگ بھی بالکل پسند نہیں جو آکر بدتمیزی سے دوسروں کے منہ پر دھواں چھوڑتے ہیں۔ مجھے ایسے لوگ بالکل پسند نہیں۔،، مجھے فوراً احساس ہوا کہ یہ حضرت مجھے ڈانٹ رہے ہیں اور پہلے تو مجھے بھی یہ لگا میں اس شخص کے سامنے خطاوار ہوں۔

''مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ کو تکلیف ہوگی،، میں بولا۔

''آپ کو تو یہ بھی نہیں معلوم کہ آپ بدتمیز ہیں، لیکن مجھے معلوم ہے،، وہ حضرت چلائے۔

''مجھ پر چیخنے کا آپ کو کیا حق ہے؟،، میں نے سوال کیا۔ مجھے احساس ہوا کہ یہ شخص میری توہین کر رہا ہے اور مجھے خود بھی غصہ آنے لگا۔

''مجھے یہ حق ہے کہ کسی کو اپنے سے بدتمیزی نہیں کرنے دیتا اور آپ جیسے نوجوانوں کو میں ہمیشہ سبق سکھا دیتا ہوں کہ تمیز سے کس طرح پیش آیا جائے۔ آپ کا نام کیا ہے جناب والا اور آپ رہتے کہاں ہیں؟،،

مجھے بہت طیش آیا، ہونٹ کانپنے لگے اور سانس رک رک کر آنے لگا۔ لیکن پھر بھی مجھے اپنی غلطی کا احساس تھا شاید اس لئے کہ میں نے بہت سی شمپین پی لی تھی۔ میں نے ان حضرت

کی کسی طرح توہین نہیں کی بلکہ اس کے برخلاف میرے منہ سے میرا نام اور پتہ بہت ہی اطاعت شعارانہ انداز میں نکل گیا۔

''میرا نام کولبی کوف ہے جناب والا۔ آئندہ آپ ذرا پہلے سے خیال رکھئے گا۔ ابھی آپ سے اور ملنا ہے،، اس نے بات ختم کی۔ پوری بات‌چیت فرانسیسی زبان میں تھی۔

میں نے صرف اتنا کہا: ''بہت خوشی ہوگی،، اپنی آواز میں ممکن حد تک سختی پیدا کرنے کی کوشش کی، مڑا اور سگریٹ لئے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ لیکن سگریٹ بجھ چکی تھی۔

جو کچھ ہوا تھا اس کا تذکرہ نہ تو میں نے اپنے بھائی سے کیا نہ دوست سے (اس لئے بھی کہ وہ لوگ بہت گرما گرم بحث میں الجھے ہوئے تھے) بلکہ اس عجیب سے واقعہ کے متعلق سوچنے کے لئے اکیلا ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ یہ الفاظ کہ ''آپ بدتمیز ہیں جناب،، میرے کان میں گونج رہے تھے اور مجھے غصہ دلا رہے تھے۔ سارا نشہ غائب ہوچکا تھا اور اس معاملے میں اپنے رویے کے متعلق سوچتے ہوئے مجھے یہ وحشت‌ناک خیال آیا کہ میں نے بزدلی کا ثبوت دیا ہے۔ ''اسے مجھ پر اس طرح برسنے کا کیا حق تھا؟ اس نے صرف اتنا کیوں نہیں کہا کہ مجھے تکلیف ہورہی ہے؟ غلطی اس کی تھی تو پھر جب اس نے کہا کہ آپ بدتمیز ہیں تو میں نے کیوں نہیں کہا: ''جناب بدتمیز وہ ہے جو بدتمیزی سے بات کررہا ہے،، یا میں اس پر چلایا کیوں نہیں کہ ''بس‌خاموش!،، یہ سب سے اچھا رہتا۔ میں نے اسے ڈوئیل * لڑنے کی دعوت کیوں نہ دی۔ میں نے اس میں سے کوئی بات نہ کی بلکہ ایک ذلیل بزدل انسان کی طرح توہین برداشت کر لی،،۔ ''آپ بدتمیز ہیں جناب،، میرے کانوں میں یہ الفاظ گونجتے رہے اور غصے کو تیز کرتے رہے۔ ''نہیں میں اسے برداشت نہیں کر سکتا،، میں نے سوچا اور یہ طے کرکے اٹھا کہ ان حضرت کے پاس جاکر کوئی بہت سخت‌بات

---

* روس اور فرانس وغیرہ میں حجت و تکرار پر فریقین میں سے کوئی بھی لڑنے کی دعوت دے دیا کرتا تھا اور معاملہ میدان میں نبٹایا جاتا تھا جہاں دونوں تلوار یا پستول سے مسلح ہوکر مقابلہ کرتے تھے۔

کہوں اور ممکن ہے کہ شمعدان اٹھا کر اس کے سر پر دے ماروں۔ یہ آخری بات سوچ کر مجھے بہت خوشی محسوس ہوئی لیکن بڑے کمرے میں دوبارہ داخل ہوا تو دل میں خوف گھر کئے ہوئے تھا۔ خوش قسمتی سے کولیی کوف اب وہاں نہیں تھا بلکہ صرف ایک ملازم میز صاف کر رہا تھا۔ میں ملازم کو بتانا چاہتا تھا کہ کیا ہوا تھا اور قصور میرا نہیں تھا لیکن کسی وجہ سے میں نے ارادہ بدل دیا اور بہت افسردہ دلی کے ساتھ اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔

''ہمارے ڈپلومیٹ کو کیا ہو گیا؟،، دبکوف بولا ''شاید یورپ کی قسمت کا فیصلہ کر رہا ہے۔،،

''مجھے مت تنگ کرو،، میں نے چڑکر کہا اور منہ پھیر لیا۔ میں نے کمرے میں چکر لگانے شروع کئے تو نہ جانے کیوں میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ دبکوف اچھا آدمی نہیں ہے۔ ''اور جہاں تک اس کے ہمیشہ کے مذاق کرنے اور ''ڈپلومیٹ،، کہنے کا تعلق ہے تو یہ کوئی بہت اچھی بات نہیں ہے۔ اسے تو بس یہ آتا ہے کہ ولودیا سے پیسے جیتا کرے اور اپنی کسی خالہ کے گھر جایا کرے۔ اور اس میں کوئی بات بھی اچھی نہیں ہے۔ وہ جو کچھ بھی کہتا ہے یا تو جھوٹ ہوتا ہے یا بےمعنی اور ہمیشہ کسی نہ کسی کا مذاق اڑایا کرتا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ بالکل بےوقوف آدمی ہے اور بہت برا،،۔ کوئی پانچ منٹ تک یہ بات سوچتا رہا اور دبکوف پر غصہ بڑھتا رہا۔ دبکوف نے میری طرف کوئی توجہ نہ کی اور اس بات سے مجھے اور غصہ آیا۔ مجھے ولودیا اور دمتری پر بھی غصہ آ رہا تھا اس لئے کہ وہ لوگ اس سے باتیں کر رہے تھے۔

''میں بتاؤں یارو، ڈپلومیٹ کے سر پر کچھ پانی ڈالا جائے،، دبکوف دفعتاً بولا اور میری طرف مسکراتے ہوئے دیکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ میرا مذاق اڑا رہا ہے اور مسکراہٹ پرفریب ہے۔

''اس کی تو بری حالت ہے۔ خدا قسم بہت بری حالت ہے!،،

''ضرورت تو آپ کو غوطہ دینے کی ہے۔ خود آپ کی حالت غیر ہے،، میں نے کینہ ور مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا اور یہ بھی بھول گیا کہ اس کو ''تم،، کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔

اس جواب سے دبکوف کو حیرت ضرور ہوئی ہوگی لیکن وہ

بے تعلقی کے انداز میں میری طرف سے مڑ گیا اور ولودیا اور دمتری کے ساتھ پھر بات کرنے لگا۔

میں گفتگو میں شریک ہونے کی کوشش ضرور کرتا لیکن مجھے محسوس ہوا کہ میں مصنوعی انداز اختیار نہ کر سکونگا اور اس لئے میں اپنے کونے میں جا کر بیٹھ گیا اور چلتے وقت تک وہیں بیٹھا رہا۔

جب ہم لوگوں نے بل چکا دیا اور اپنے اوورکوٹ پہننے لگے تو دیکوف نے دمتری سے کہا:

''ہاں، اوریست اور پلاد * کہاں جا رہے ہیں؟ غالباً گھر جا کر محبت کے متعلق باتیں کرینگے؟ بھئی ہم لوگ تو چلے اپنی پیاری خالہ سے ملنے۔ تم لوگوں کی کھٹی دوستی سے تو یہ اچھا ہی ہے۔''

''ہم سے اس طرح بات کرنے اور ہمارا مذاق اڑانے کی آپ کو جرأت کس طرح ہوئی؟'' میں ہاتھ جھٹکتا ہوا اس کی طرف بڑھا اور چیخ کر بولا: ''آپ جن جذبات کو سمجھ نہیں سکتے ان کا مذاق اڑانے کی ہمت کیسے کی؟ میں اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتا۔ بس خاموش!'' میں چلایا اور خود خاموش ہو گیا کیونکہ سمجھ میں ہی نہ آرہا تھا کہ اب اور کیا کہوں؟ جوش سے میرا سانس پھول رہا تھا۔ پہلے تو دیکوف حیران رہ گیا۔ پھر اس نے مسکرانے کی کوشش کی اور میری بات کو مذاق پر محمول کر دیا۔ لیکن مجھے بہت حیرت ہوئی کہ آخرکار وہ ڈر گیا اور نظریں جھکا لیں۔

''میں نہ تو آپ کا مذاق اڑا رہا ہوں نہ آپ کے جذبات کا۔ یہ تو میرا بات کرنے کا طریقہ ہے'' اس نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

''ہاں، ہاں!'' میں چلایا لیکن ساتھ ہی ساتھ مجھے اپنے اوپر شرم آرہی تھی اور دیکوف پر ترس، جس کے سرخ اور فکرمند چہرے پر سچ مچ غم کے آثار تھے۔

''تمہیں ہو کیا گیا ہے؟'' ولودیا اور دمتری نے ایک ساتھ پوچھا ''کوئی تمہیں ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔''

---

* قدیم یونانی شاعر ہومر کی نظم ''ایلیڈ'' کے دو ہیرو جو اپنی انتہائی قریبی دوستی کی وجہ سے مشہور ہیں۔

''نہیں، انھوں نے میری توہین کرنے کی کوشش کی۔''

''تمہارا بھائی بھی کیا غضب کا انسان ہے''، دبکوف نے باہر جاتے ہوئے کہا تاکہ جو کچھ میں کہوں وہ اس کے کان میں نہ پڑے۔

غالباً میں اس کے پیچھے بھاگ کر اور زیادہ بےہودہ باتیں کہتا لیکن اسی وقت اس ملازم نے مجھے میرا اوورکوٹ دیا جو کولپی کوف سے جھگڑے کے وقت موجود تھا اور میں فوراً ٹھنڈا پڑ گیا اور دمتری کی موجودگی میں صرف اتنے ہی غصے کا اظہار کرتا رہا جتنا ضروری تھا تاکہ ایک دم ٹھنڈا پڑ جانا کچھ عجیب سا نہ معلوم ہو۔ دوسرے دن ولودیا کے کمرے میں دبکوف سے میری ملاقات ہوئی۔ ہم نے اس واقعہ کا ذکر تک نہ کیا لیکن ایک دوسرے کو ''آپ'' کہہ کر مخاطب کرتے رہے اور ایک دوسرے سے نظریں چار کرنا بہت ہی مشکل معلوم ہو رہا تھا۔

کولپی کوف سے اپنی لڑائی کی یاد، جس نے نہ تو اس دن اور نہ بعد میں مجھے ''مزہ چکھایا''، میرے لئے کئی سال تک بہت تکلیف‌دہ رہی۔ اس کے بعد پانچ سال تک میں اس توہین کو یاد کرکے جس کا میں نے جواب نہ دیا تھا بہت پریشان اور بےچین ہوتا رہا۔ صرف یہ خیال کرکے دل کو تسکین ہوتی تھی کہ دبکوف کے ساتھ کس مردانگی سے پیش آیا تھا۔ بہت دنوں کے بعد جاکر میں نے اس معاملے کو دوسری روشنی میں دیکھنا شروع کیا اور کولپی کوف سے اپنی لڑائی کو مزہ لیکر یاد کرنے لگا اور دبکوف جیسے مست آدمی کو بلاوجہ جو تکلیف پہونچائی تھی اس پر پچھتانے لگا۔

اس دن میں نے دمتری سے کولپی کوف سے اپنی لڑائی کا ذکر کیا اور بہت تفصیل سے اس کا حلیہ بیان کیا تو اسے بہت حیرت ہوئی۔

''ارے بالکل وہی آدمی ہے''، وہ بولا ''ذرا سوچو! وہ کولپی کوف بڑا مشہور غنڈہ اور شاطرجواری ہے لیکن انتہائی بزدل۔ اسے اس کے ساتھیوں نے رجمنٹ سے نکال دیا تھا کیونکہ کسی نے اس کے طمانچہ مار دیا تھا اور وہ اس سے نہیں لڑا۔ اتنی ہمت اس میں کیسے آ گئی؟''، اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے بڑے پیار سے مسکرا کر کہا: ''تو اس نے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا کہ ''بدتمیز ہو''؟''

''ہاں،، میں نے جھینپ کر جواب دیا۔

''بری بات ہے لیکن کوئی خاص نقصان نہیں ہوا!،، دمتری نے مجھے تسلی دی۔

بہت دنوں کے بعد جب میں نے ٹھنڈے دل سے اس واقعہ پر غور کیا تو اس نتیجے پر پہونچا کہ بہت ممکن ہے کولپی کوف نے اس ڈاڑھی مونچھ صاف سانولے شخص کی موجودگی میں مجھ پر اس طمانچہ کا غصہ اتارا جو کئی برس پہلے اس کے منہ پر پڑا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح میں نے ''بدتمیز،، کہنے کا غصہ بیچارے دیکوف پر اتارا۔

باب ۱۷

کچھ لوگوں سے ملنے کی تیاری

دوسرے دن سو کر اٹھا تو سب سے پہلے کولپی کوف والے واقعہ کا خیال آیا۔ میں پھر بڑبڑانے اور کمرے میں چکر لگانے لگا لیکن کچھ کر نہ سکا۔ اس کے علاوہ ماسکو میں یہ میرا آخری دن تھا اور پاپا کے حکم کے مطابق مجھے کچھ لوگوں سے ملنے جانا تھا جن کی فہرست خود انہوں نے تیار کی تھی۔ پاپا کو ہمارے اخلاق اور تعلیم کی اتنی فکر نہیں تھی جتنی دنیاداری کے طریقے سیکھنے کی۔ کاغذ پر ان کے شکستہ خط میں لکھا تھا: ''(۱) شاہزادہ ایوان ایوانچ سے لازمی طور پر، (۲) ای‌ون گھرانے والوں سے لازمی طور پر، (۳) شاہزادہ میخائلو سے، (۴) شاہزادی نخلیودووا اور مادام والاخینا سے اگر وقت ملے تو اور ظاہر ہے کہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور پروفیسروں سے ملاقات ضروری ہے۔،،

موخرالذکر ملاقاتوں سے دمتری نے مجھے روکا اور کہا کہ وہ نہ صرف غیرضروری بلکہ نامناسب بھی ہیں۔ لیکن باقی لوگوں سے آج ہی ملنا تھا۔ جن لوگوں کے نام کے آگے لازمی طور پر لکھا ہوا تھا ان سے مجھے ڈر لگ رہا تھا۔ شاہزادہ ایوان ایوانچ جنرل انچیف تھے، بزرگ آدمی، مالدار اور تن‌تنہا، اور میں سولہ برس کا طالب علم ان سے جاکر براہ‌راست بات کروں۔ مجھے محسوس ہورہا تھا

کہ یہ ملاقات میرے لئے خوش آمیز نہیں ہوسکتی۔ ای‌ون بھی مالدار لوگ تھے اور ان کے والد بہت اہم سول جنرل تھے جو خود ہمارے گھر صرف ایک بار نانی کی زندگی میں آئے تھے۔ نانی کے انتقال کے بعد مجھے محسوس ہونے لگا کہ چھوٹا ای‌ون ہم لوگوں سے کترانے لگا ہے اور کچھ بددماغ ہو گیا ہے۔ مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ سب سے بڑے بھائی نے قانون کا امتحان پاس کر لیا ہے اور سینٹ پیٹرس‌برگ میں ملازم ہو گیا ہے۔ منجھلا (سرگئی) جس پر ایک زمانے میں میں فدا تھا سینٹ پیٹرس‌برگ میں تھا — وہ اب شاہی دستے میں افسر ہو گیا ہے اور موٹا ہو گیا ہے۔

اپنی جوانی کے زمانے میں مجھے ان لوگوں سے ملنا بالکل پسند نہ تھا جو اپنے آپ کو مجھ سے بلند سمجھتے تھے۔ اس قسم کے تعلقات میرے لئے بہت ہی تکلیف‌دہ ہوتے تھے کیونکہ مستقل طور پر توہین کا خطرہ رہتا تھا اور ساری ذہنی صلاحیت ان لوگوں کو یہ دکھانے پر صرف کرنی پڑتی تھی کہ میں اپنی ایک حیثیت رکھتا ہوں۔ لیکن چونکہ پاپا کی فہرست کے آخری لوگوں سے ملنے نہیں جانا تھا اس لئے میں نے بہتر یہی سمجھا کہ پہلے والے لوگوں سے مل لیا جائے۔ میں اپنے کمرے میں ٹہلتا اور اپنے کپڑوں، خنجر اور ٹوپی کی طرف دیکھتا رہا جو کرسیوں پر پھیلے ہوئے تھے۔ اور جانے ہی والا تھا کہ بوڑھا گراپ ایلینکا کو لئے ہوئے مجھے مبارک باد دینے آ پہونچا۔ گراپ جرمن نژاد روسی تھا، انتہائی چاپلوسی اور خوشامدی اور اوپر سے پیتا بھی بہت تھا۔ وہ عام طور پر ہمارے یہاں کچھ مانگنے کے لئے آیا کرتا تھا۔ پاپا کبھی کبھی اس کو مطالعہ کے کمرے میں ضرور بٹھا لیا کرتے تھے لیکن ہم لوگوں کے ساتھ کھانے پر کبھی نہ بلاتے تھے۔ اس کی انکساری اور بھک منگاپن کچھ اس طرح اس کی ظاہری نیک مزاجی اور ہمارے گھر سے بے تکلف تعلقات کے ساتھ مل گئے تھے کہ ہر شخص اس کی اس بات کو اچھا سمجھنے لگا تھا کہ ہم سب سے اس کو بڑی عقیدت و محبت ہے۔ لیکن نہ جانے کیوں مجھے وہ کبھی پسند نہیں آیا اور وہ جب بھی مجھ سے بات کرتا تو مجھے اس کی وجہ سے شرم آتی۔

ان مہمانوں کی آمد مجھے سخت ناگوار ہوئی اور میں نے اسے چھپانے کی بھی کوشش نہیں کی۔ ایلینکا کو حقارت سے دیکھنے کا

میں اتنا عادی ہوگیا تھا اور اس سلسلے میں وہ ہمیں صحیح سمجھنے کا بھی اتنا عادی ہو گیا تھا کہ مجھے یہ بات تک ناگوار ہوتی تھی کہ وہ بھی میری طرح کا طالب علم ہے۔ مجھے یہ بھی محسوس ہوا کہ میری موجودگی میں وہ اس برابری کی وجہ سے خود بہت شرمندہ ہوتا ہے۔ میں نے بہت سردمہری سے ان لوگوں کو سلام کیا اور بیٹھنے کے لئے بھی نہیں کہا کیونکہ میں یہ سوچکر جھجک رہا تھا کہ کہیں میرے کہے بغیر ہی یہ لوگ بیٹھ نہ جائیں اور میں نے اپنی گاڑی تیار کرنے کا حکم دے دیا۔ ایلینکا بہت نیک، شریف اور ذہین لڑکا تھا لیکن وہ کچھ ایسا شخص تھا جسے من‌موجی کہا جاتا ہے۔ اس کا مزاج کبھی اس سرے پر ہوتا تو کبھی دوسرے سرے پر اور بظاہر اس کی کوئی وجہ نہ ہوتی: ابھی رونے کا موڈ ہے، پھر ہنسنے کا، پھر ذرا ذرا سی بات کا برا ماننے کا۔ اس وقت شاید برا ماننے کے موڈ میں تھا۔ وہ کچھ نہ بولا، میری طرف اور اپنے والد کی طرف غصے سے دیکھا اور جب اس سے مخاطب ہوا تو بہت ہی اطاعت شعارانہ اور زبردستی کے انداز میں مسکرایا۔ وہ ہمیشہ اپنے جذبات اس طرح چھپایا کرتا تھا اور خاص طور پر اس وقت جب اپنے باپ کی وجہ سے شرمندگی محسوس کرتا۔ ہماری موجودگی میں یہ احساس اسے ضرور ہوتا تھا۔

''تو نکولائی پیترووچ،، بوڑھے نے میری طرف دیکھتے ہوئے اس وقت کہا جب میں کپڑے پہننے کے لئے کمرے میں ادھر ادھر جا رہا تھا۔ اور پھر اس نے چاندی کی نسوار والی ڈبیہ بہت آہستہ آہستہ اور احترام کے ساتھ اپنی موٹی موٹی انگلیوں میں لیکر پھرائی جو اسے نانی نے دی تھی۔ ''مجھے میرے بیٹے نے جیسے ہی بتایا کہ آپ نے بہت اچھے طریقے سے امتحان پاس کر لیا ہے ــ حالانکہ آپ کی ذہانت سے تو سب ہی واقف ہیں ــ تو میں فوراً بھاگا بھاگا آپ کو مبارکباد دینے کے لئے چلا آیا۔ آپ کو تو میں نے گود میں کھلایا ہے اور خدا گواہ ہے میں آپ لوگوں کو اپنے رشتہ‌داروں کی طرح چاہتا ہوں۔ اور میرا ایلینکا باربار کہتا رہا کہ چل کر آپ سے مل لوں۔ یہ بھی آپ کا گرویدہ ہو گیا ہے۔،،

ایلینکا کھڑکی کے پاس خاموشی سے بیٹھا رہا جیسے میری تکونی

ٹوپی کو دیکھنے میں محو ہو اور غصے سے کچھ بڑبڑاتا رہا۔
''اب میں آپ سے پوچھتا ہوں نکولائی پتروویچ،، بوڑھے نے بات جاری رکھی ''ایلینکا نے امتحان ٹھیک سے پاس کیا یا نہیں؟ وہ کہتا ہے کہ وہ بھی اسی شعبے میں ہے جس میں آپ ہیں۔ تو ذرا مہربانی کرکے اس پر نگاہ رکھئےگا اور اگر ضرورت پڑے تو اسے مشورہ دیتے رہئےگا۔،،
''ارے اس نے تو بہت اچھے پرچے کئے تھے،، میں نے ایلینکا کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا جو میری نظروں کو محسوس کرکے جھینپ گیا اور اس کے ہونٹ چلنا بند ہو گئے۔
''کیا وہ آج دن بھر آپ کے ساتھ رہ سکتا ہے؟،، بوڑھے نے ڈرتے ڈرتے مسکراکر پوچھا جیسے مجھ سے بہت خوف کھاتا ہو۔ لیکن میں چاہے جدھر جاتا وہ میرے اتنے نزدیک آجاتا کہ شراب اور تمباکو کے بھبکے، جن میں وہ ڈوبا ہوا تھا، برابر میری ناک میں آتے۔ مجھے بڑا غصہ تھا کہ اپنے بیٹے کے تعلق سے اس نے مجھے اس بری پوزیشن میں ڈال دیا اور پھر میری توجہ ایسے کام کی طرف سے ہٹا رہا تھا جسے میں انتہائی اہم سمجھتا تھا — یعنی کپڑے پہننا۔ لیکن سب سے زیادہ تو مجھے برانڈی کی سخت بو کی وجہ سے اتنا غصہ آ رہا تھا کہ میں نے بہت سردمہری کے ساتھ کہہ دیا کہ میں ایلینکا کو اپنے ساتھ رکھنے کی سعادت حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ آج میں گھر پر نہیں رہونگا۔
''لیکن آپ تو اپنی بہن سے ملنے جا رہے تھے ابا،، ایلینکا نے مسکراتے ہوئے کہا لیکن میری طرف نہیں دیکھا ''اور پھر مجھے کچھ کام بھی کرنا ہے۔،، مجھے اور بھی غصہ آیا اور کچھ پشیمانی بھی ہوئی اور اپنے انکار کی وجہ سمجھانے کے لئے میں نے فوراً کہنا شروع کیا کہ میں گھر پر اس لئے نہیں رہونگا کہ مجھے شاہزادہ ایوان ایوانچ اور شاہزادی کورناکووا اور ای‌ون سے ملنے جانا ہے، جنہیں بہت رتبہ حاصل ہے اور شاید شاہزادی نخلیودووا کے ساتھ کھانا کھاؤنگا۔ میں نے سوچا کہ جب یہ لوگ سنیں گے کہ میں کتنے بڑے لوگوں کے یہاں جا رہا ہوں تو پھر یہ لوگ مجھ سے کوئی مطالبہ نہ کرینگے۔ جب وہ لوگ جانے لگے تو میں نے ایلینکا

کو پھر کسی وقت آنے کی دعوت دی لیکن ایلینکا کچھ بڑبڑایا اور اکھڑے اکھڑے انداز میں مسکرایا۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ اب کبھی میرے گھر میں قدم نہ رکھے گا۔

ان کے جانے کے بعد میں لوگوں سے ملنے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ میں نے صبح ہی ولودیا سے کہا تھا کہ میرے ساتھ چلنا تاکہ اتنی شرم نہ محسوس ہو جتنی اکیلے محسوس ہوگی۔ لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہ بالکل جذباتی سی بات ہے کہ دو بھائی ایک چھوٹی سی گاڑی میں ٹھنسے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔

باب ۱۸

والاخین کا گھرانا

تو میں اکیلا ہی چل پڑا۔ راستے میں سب سے پہلے سی‌وتسیف ورازیک میں والاخین کا مکان پڑتا تھا۔ میں تین برس سے سونیچکا سے نہیں ملا تھا اور اس سے میری محبت قصہ٬ پارینہ بنکر رہ گئی تھی۔ پھر بھی میرے دل میں اس بچپن کی محبت کی بہت جاندار اور دل‌پذیر یاد باقی تھی۔ ان برسوں میں میں نے کبھی کبھی اسے بڑی شدت اور واضح طریقے سے یاد کیا تھا، آنسو تک بہائے تھے اور احساس ہوا تھا کہ مجھے پھر محبت ہو گئی ہے لیکن یہ جذبہ صرف چند منٹ طاری رہتا اور بہت ہی کم طاری ہوتا۔

مجھے خبر تھی کہ سونیچکا اپنی ماں کے ساتھ ملک سے باہر ہو آئی ہے جہاں وہ لوگ دو سال رہے تھے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہاں ان کو حادثہ پیش آ گیا تھا اور سونیچکا کا چہرہ گاڑی کے شیشے سے کٹ گیا تھا جس کی وجہ سے بڑی حد تک اس کی خوبصورتی جاتی رہی تھی۔ ان کے گھر جاتے وقت میری نظروں میں پرانی سونیچکا کا چہرہ صاف طریقے سے ابھرنے لگا اور میں سوچنے لگا کہ نہ جانے اب کیسی لگتی ہوگی۔ میرا خیال تھا کہ باہر دو سال کے قیام کے بعد بہت لمبی ہو گئی ہوگی، جسم بہت خوبصورت ہو گیا ہوگا، بہت سنجیدہ اور متین لیکن بہت دل کش ہو گئی ہوگی۔

میں سوچ ہی نہ پایا تھا کہ اس کا چہرہ زخموں کی وجہ سے خراب ہو گیا ہے۔ میں نے کہیں سنا تھا کہ ایک ایسا عاشق صادق تھا جس کی محبوبہ چیچک کی وجہ سے بدصورت ہوگئی تھی لیکن اس کے باوجود وہ اپنے عشق پر قائم رہا اور یہ سوچ کر میں نے دل کو باور کرانے کی کوشش کی کہ مجھے سونیچکا سے اب بھی محبت ہے تاکہ اس کے زخموں کے باوجود میں اپنی وفاداری کا ثبوت دے سکوں۔ واقعہ یہ ہے کہ والاخینا کے گھر پہونچنے تک مجھے محبت نہ تھی لیکن محبت کی پرانی یادوں کو پھر سے جگانے کے بعد میں محبت میں گرفتار ہونے کے لئے تیار تھا اور اس کا بہت آرزومند تھا، خاص طور پر اس لئے کہ جب کبھی اپنے ان دوستوں کو دیکھتا تھا جو عشق میں مبتلا تھے تو مجھے یہ سوچ کر شرم آتی تھی کہ میں ان سب سے پیچھے رہ گیا ہوں۔

والاخین ایک چھوٹے سے صاف ستھرے چوبی بنگلے میں رہتے تھے جس کے سامنے ایک احاطہ تھا۔ گھنٹی بجانے پر ایک چھوٹے لڑکے نے دروازہ کھولا جو بہت سلیقے سے کپڑے پہنے تھا۔ گھنٹی ماسکو میں ان دنوں بہت کم گھروں میں تھی۔ لڑکے نے یا تو میری بات نہیں سمجھی یا مجھے بتانا نہ چاہتا تھا کہ گھروالے کہاں ہیں۔ وہ مجھے اس تاریک پیش‌دالان میں چھوڑ کر اور زیادہ تاریک برآمدے کی طرف بھاگ گیا۔

اس تاریک کمرے میں میں کافی دیر تک رکا رہا۔ اس میں کا ایک دروازہ بند تھا اور دوسرا برآمدے میں کھلتا تھا۔ ایک طرف تو میں مکان کی مردنی پر حیرت زدہ تھا اور دوسری طرف یہ بھی سوچتا تھا کہ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ لوگ باہر ہو آئے ہیں۔ کوئی پانچ منٹ بعد اس لڑکے نے اندر سے ہال کا دروازہ کھولا اور مجھے مہمان خانے میں پہونچا دیا جس میں فرنیچر بہت تو نہیں تھا لیکن سلیقے سے رکھا ہوا تھا۔ میرے پہونچتے ہی سونیچکا آ گئی۔

اس کی عمر سترہ سال تھی۔ بہت چھوٹا قد، دبلا پتلا جسم اور منہ پر زردی چھائی ہوئی۔ چہرے پر زخم کے کوئی آثار نہ تھے۔ اس کی بڑی بڑی دلفریب آنکھیں اور روشن، زندہ‌دلانہ اور شگفتہ مسکراہٹ ویسی ہی تھی جیسی میں نے بچپن میں دیکھی تھی اور

محبت کی تھی۔ مجھے توقع نہ تھی کہ وہ ایسی ہوگی اور اس لئے میں ان جذبات کا فوراً اظہار نہ کر سکا جن کی تیاری میں نے راستے میں کرلی تھی۔ اس نے انگریزی انداز میں مصافحہ کے لئے میری طرف ہاتھ بڑھایا (یہ بات بھی گھنٹی کی طرح بہت خال خال ملتی تھی) بہت کھلے دل سے مجھ سے ہاتھ ملایا اور صوفے پر اپنے نزدیک مجھے بٹھایا۔

''تمہیں آج دیکھ کر کتنی خوشی ہوئی ہے پیارے نکولاس،، وہ بولی اور میرے چہرے کی طرف خوشی کے اس سچے جذبے کے ساتھ دیکھا جس کا اظہار اس کے الفاظ سے ہو رہا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ یہ ''پیارے نکولاس،، کے الفاظ سرپرستانہ نہیں بلکہ بہت دوستانہ‌انداز میں کہے گئے ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ باہر جانے کے بعد پہلے کے مقابلے میں اس کے انداز میں زیادہ سادگی، شیرینی اور خوش‌دلی پیدا ہوگئی تھی۔ اس کی ناک کے پاس اور ماتھے پر مجھے دو چھوٹے چھوٹے زخم نظر آئے۔ لیکن اس کی حسین آنکھیں اور مسکراہٹ بالکل ویسی تھیں جیسی مجھے یاد تھیں اور ان میں وہی پرانی تابناکی تھی۔

''تم کتنا بدل گئے ہو!،، وہ بولی۔ ''اب تو کافی بڑے ہو گئے ہو۔ اور میں — میرے بارے میں کیا خیال ہے؟،،

''تمہیں تو پہچاننا مشکل ہے،، میں نے جواب دیا حالانکہ اس وقت بھی میں سوچ رہا تھا کہ میں اسے ہر حالت میں پہچان سکتا ہوں۔ مجھے ایک بار پھر وہی لاابالی‌پن اور خوشی سی محسوس ہونے لگی جو پانچ سال پہلے نانی کے یہاں اس کے ساتھ گروسفاتر ناچ کر محسوس ہوئی تھی۔

''کیوں کیا میں بدصورت ہو گئی ہوں؟،، اس نے سر کو جنبش دیتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں، بالکل نہیں۔ کچھ بڑی ہو گئی ہو، بڑھ گئی ہو،، میں نے جلدی سے جواب دیا ''بلکہ اس کے برخلاف... تم تو...،،

''خیر چھوڑو — ہم لوگوں کے ناچ، کھیل، سینٹ جیروم، مادام دورات سب یاد ہیں نا؟،، (مجھے مادام دورات نام کی کوئی عورت یاد نہ آسکی۔ غالباً بچپن کی یادوں کی مسرت میں بہکر وہ کچھ لوگوں کو خلط ملط کر رہی تھی۔) ''ہائے وہ بھی کتنا اچھا زمانہ تھا!،،

وہ بولی اور وہی مسکراہٹ بلکہ اس سے بھی زیادہ حسین مسکراہٹ جو میرے حافظے میں محفوظ تھی اور وہی آنکھیں مجھ پر بجلیاں گرا رہی تھیں۔ اس کے باتیں کرنے کے دوران میں یہ سمجھنے میں کامیاب ہو گیا کہ اس وقت مجھ پر کیا گزر رہی ہے اور میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس وقت مجھے محبت ہو گئی ہے۔ اس نتیجے پر پہنچتے ہی وہ ہنسی، خوشی اور بےفکری کا انداز ختم ہو گیا، میری نظروں کے سامنے کہرسی چھا گئی، اس کی آنکھیں اور مسکراہٹ تک اس کہر کے پیچھے چھپ گئیں، مجھے کسی بات پر شرم سی محسوس ہونے لگی اور میں خاموش ہو گیا اور چہرہ تمتما اٹھا۔

''اب تو زمانہ بدل گیا،، اس نے ابروؤں کو کچھ جنبش دیتے ہوئے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا ''ہر چیز زیادہ بری معلوم ہوتی ہے اور ہم لوگ بھی بڑے ہو گئے ہیں، کیوں ہے نا، نکولاس؟،،

میں کچھ جواب نہ دے سکا اور خاموشی سے اسے گھورتا رہا۔

''وہ سارے ای‌ون اور کورناکوف کہاں گئے؟ یاد ہے نا،، اس نے میرے تمتمائے ہوئے خوفزدہ چہرے کی طرف کچھ متجسس نگاہوں سے دیکھ کر بات جاری رکھی ''بڑا اچھا زمانہ تھا۔،،

اور میں اب بھی جواب نہ دے سکا۔

مادام والاخینا کی آمد کی وجہ سے کچھ دیر کے لئے میں اس تکلیف‌دہ حالت سے بچ گیا۔ میں نے اٹھکر سلام کیا، قوت‌گویائی واپس آ گئی۔ اس کے برخلاف سونیچکا میں اس کی ماں کے آتے ہی کچھ عجیب سی تبدیلی آ گئی۔ اس کی خوش‌مزاجی اور بےتکلفی دفعتاً غائب ہو گئی، مسکراہٹ تک مختلف ہو گئی اور اپنے قد کو چھوڑ کر وہ ایکدم بالکل ویسی ہی ہو گئی جیسی میں نے تصور کیا تھا کہ باہر سے واپس آنے کے بعد ہو گئی ہوگی۔ ایسا لگتا تھا کہ اس تبدیلی کی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ اس کی ماں بالکل پرانے انداز میں خوش ہو کر مسکرا رہی تھیں اور ان کے طور طریقے میں وہی نرمی تھی جو پہلے تھی۔ والاخینا ایک بڑی سی آرام کرسی پر بیٹھ گئیں اور مجھے اپنے پاس بیٹھنے کے لئے کہا۔ انہوں نے اپنی بیٹی سے کوئی بات انگریزی میں کہی اور سونیچکا فوراً کمرے سے چلی گئی جس کی وجہ سے مجھے قدرے سکون

ہوا۔ والاخینا نے میرے رشتےداروں، میرے بھائی اور والد کے متعلق پوچھا اور پھر خود اپنی مصیبت بیان کرنے لگیں ــ ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا۔ اور آخر میں یہ محسوس کرکے کہ اب مجھ سے کہنے کے لئے کچھ نہیں رہ گیا ہے انہوں نے خاموشی سے میری طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں: ''اگر اب تم اٹھ کھڑے ہو، آداب کرو اور رخصت ہو جاؤ تو بہت ہی اچھا ہو، بھئی،،۔ لیکن مجھ پر کچھ عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ سونیچکا اپنا کام لے کر واپس آگئی اور کمرے میں سامنے کی طرف بیٹھ گئی تھی، میں محسوس کر رہا تھا کہ اس کی نظریں میرے چہرے پر گڑی ہوئی ہیں۔ جس وقت والاخینا اپنے شوہر کے انتقال کا ذکر کر رہی تھیں تو میں پھر یاد کر رہا تھا کہ مجھے محبت ہو گئی ہے اور میں نے سوچا کہ شاید ماں نے اس بات کو بھانپ لیا ہے اور مجھ پر شرمیلےپن کا اتنا شدید دورہ پڑا کہ انگلی تک عام انداز سے نہ اٹھا پا رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اٹھ کر رخصت ہونے کے لئے مجھے سوچنا پڑیگا کہ قدم کہاں رکھوں، سر کا کیا کروں اور ہاتھوں کا کیا کروں، بس یوں سمجھئے کہ بالکل اس حالت میں تھا جیسی اس سے پہلےوالی شام کو آدھی بوتل شیمپین پینے کے بعد ہوئی تھی۔ مجھے خطرہ تھا کہ میں ان تمام چیزوں میں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکونگا اور اس لئے اٹھ نہ سکونگا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اٹھ نہیں پا رہا تھا۔ والاخینا نے میرا تمتماتا ہوا چہرہ اور میری بےبسی دیکھی تو شاید انہیں حیرت ہوئی۔ لیکن میں نے فیصلہ کیا کہ اس احمقانہ انداز میں بیٹھے رہنا بھونڈے طریقے سے اٹھ کر رخصت ہونے سے کہیں بہتر ہے۔ بہت دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا اور امید کرتا رہا کہ کوئی غیرمتوقع واقعہ مجھے اس حالت سے نجات دلا دےگا۔ یہ اچانک واقعہ ایک معمولی سے نوجوان شخص کی صورت میں نمودار ہوا جو کمرے میں اس طرح داخل ہوا جیسے گھر میں اس کا آنا جانا رہتا ہے۔ اس نے بڑے ادب سے مجھے سلام کیا۔ والاخینا یہ کہہ کر اٹھ گئیں کہ مجھے homme d'affaires * سے بات کرنی ہے اور میری طرف

---

* جس کے ہاتھ میں گھر کا کاروبار ہو۔

اس حیرت سے دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں: ''اگر تمہارا ارادہ یہ ہے کہ عمر بھر یہیں بیٹھے رہو تو بیٹھو ۔ میں گھر سے نکالونگی نہیں،،۔ میں نے پوری کوشش کی اور کھڑا ہو گیا، لیکن تعظیماً جھکنے کی حالت میں بالکل نہیں تھا۔ اور ماں اور بیٹی کی تعاقب کرتی ہوئی متجسس نگاہوں کے ساتھ باہر چلا تو ایک کرسی سے ٹکرایا جو کسی طرح بھی راستے میں نہ تھی۔ اس سے صرف اس لئے ٹکرا گیا کہ میری ساری توجہ اس بات پر تھی کہ پاؤں کے نیچے جو قالین بچھا ہوا ہے اس میں پھنس کر نہ گر پڑوں۔ لیکن کھلی فضا میں پہنچنے کے بعد میں نے کچھ اس طرح حرکتیں کیں اور اس طرح زور زور سے بڑبڑایا کہ کوزما نے کئی بار پوچھا: ''جی حضور؟،، یہ احساس غائب ہو گیا اور میں بہت ٹھنڈے دل سے سوتیچکا سے اپنی محبت اور ماں کے بارے میں اس کے رونے کے متعلق سوچنے لگا جو مجھے بہت عجیب معلوم ہوا تھا۔ بعد میں جب میں نے یہ بات اپنے والد سے کہی کہ مادام والاخینا اور ان کی لڑکی کے تعلقات اچھے نہیں ہیں تو انہوں نے کہا:

''ہاں اپنی کنجوسی کی وجہ سے اس نے غریب بچی کی زندگی عذاب کر رکھی ہے۔ عجیب بات!،، انہوں نے اتنے زیادہ جذباتی انداز میں کہا جو محض ایک رشتہ‌دار کے لئے نہیں ہو سکتا تھا ''اتنی اچھی اور دلچسپ عورت تھی ایک زمانے میں! پتہ نہیں اس میں اتنی تبدیلی کیسے آ گئی۔ وہاں کوئی سکریٹری تو نظر نہیں آیا تھا تمہیں کیوں؟ یہ کونسا فیشن ہے کہ روسی خاتون کا ایک سکریٹری بھی ہو؟،، انہوں نے ٹہلتے ٹہلتے غصے سے کہا۔

''جی ہاں، دیکھا تھا،، میں بولا۔

''بہرحال، صورت شکل تو اچھی ہے اس کی؟،،

''جی بالکل نہیں۔،،

''سمجھ میں نہیں آتا،، پاپا نے کہا۔ وہ کھانسے اور غصے سے کاندھوں کو جھٹکا دیا۔

''تو میں بھی عشق میں مبتلا ہو ہی گیا،، گاڑی میں اپنی اگلی ملاقاتوں کےلئے جاتے ہوئے میں نے سوچا۔

باب ۱۹

کورنا کوف کا گھرانا

اس کے بعد دوسرا گھر کورنا کوف کا پڑتا تھا۔ وہ لوگ اربات میں ایک بڑے سے مکان کی دوسری منزل پر رہتے تھے۔ سیڑھیاں بہت چمکیلی اور صاف تھیں لیکن آرائشی سامان نہیں تھا۔ بانات بچھی تھی اور پیتل کی چمکیلی سلاخیں لگی تھیں لیکن نہ پھول تھے نہ آئینے۔ ہال جس کے چمکدار فرش پر سے ہوکر میں مہمان خانے پہنچا بہت صوفیانہ، صاف ستھرے انداز میں سجایا گیا تھا۔ ہر چیز صاف ستھری اور مضبوط معلوم ہوتی تھی حالانکہ کوئی چیز نئی نہیں تھی۔ لیکن تصویریں، پردے اور دوسرے قسم کا آرائشی سامان کہیں نظر نہ آ رہا تھا۔ کچھ صاحبزادیاں مہمان‌خانے ہی میں تھیں۔ وہ لوگ ایسے قاعدے سے اور بنی ٹھنی بیٹھی تھیں کہ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ جب مہمان آنے والے نہیں ہوتے تو اس طرح نہیں بیٹھا کرتیں۔

"اماں ابھی آتی ہیں،، سب سے بڑی والی نے میرے پاس آکر بیٹھتے ہوئے کہا۔ کوئی پاؤ گھنٹہ تک یہ صاحبزادی مجھ سے بہت پرلطف باتیں کرتی رہی اور اس چابکدستی سے گفتگو جاری رکھی کہ ایک لمحے کے لئے بھی پھیکاپن نہ پیدا ہوا۔ لیکن یہ بات بہت واضح تھی کہ وہ مہمان‌نوازی کا حق ادا کررہی ہے اور اسی لئے مجھے اچھی نہ لگی۔ دوسری باتوں کے علاوہ اس نے بتایا کہ اس کا بھائی استیپان جسے وہ لوگ ات‌ٹین کہتے تھے اور جسے کوئی دو سال پہلے یونکر اسکول بھیجا گیا تھا، افسر ہو گیا ہے۔ جب اس نے اپنے بھائی کا ذکر کیا اور خاص طور پر یہ بتایا کہ ماں کی خواہش کے خلاف وہ خصاروں کے شاہی رسالے میں شامل ہو گیا ہے تو اس نے چہرے پر خوف کے آثار پیدا کر لئے اور جتنی صاحبزادیاں بیٹھی تھیں ان سب کے چہرے پر بھی اس طرح خوف کے آثار پیدا ہو گئے۔ جب اس نے نانی کے انتقال کی بات کی تو مغموم صورت بنا لی اور باقیوں نے بھی یہی کیا۔ جب اس نے اس واقعہ کا ذکر کیا جب میں نے سینٹ جیروم کو مارا تھا اور کس

طرح مجھے پکڑ کر لے جایا گیا تھا تو قہقہہ مار کر ہنسی اور اس کے دانت نظر آنے لگے جو بہت خراب تھے اور ساری صاحبزادیاں ہنسنے لگیں اور سب کے خراب دانت نظر آنے لگے۔

آخر بڑی شاہزادی داخل ہوئیں۔ وہی پستہ قد سوکھی ماری خاتون، بےچین سی نظریں اور ایک سے بات کرتے وقت دوسرے کی طرف دیکھنے کی عادت۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنا ہاتھ میرے ہونٹوں کے پاس لے آئیں تاکہ میں بوسہ دوں۔ اپنے آپ سے میں ہرگز ایسا نہ کرتا کیونکہ اسے ضروری نہیں سمجھتا تھا۔

''تمہیں دیکھ کر کتنی خوشی ہوئی!'' انہوں نے اپنی بیٹیوں کی طرف دیکھتے ہوئے حسب‌معمول تیزی سے کہنا شروع کیا ''اپنی ماں سے کتنا ملتا ہے! کیوں لیزا ہے نا؟''

لیزا نے کہا کہ ہاں ملتے تو ہیں حالانکہ میں اچھی طرح جانتا تھا کہ اپنی ماں سے میں ذرا برابر بھی مشابہہ نہیں ہوں۔

''کتنے بڑے ہو گئے ہو! اور میرا اتئین — تو تمہیں یاد ہوگا — تمہارا خلیرہ بھائی — نہیں، خلیرہ نہیں کیونکہ لیزا کیا ہوا؟ وروارا دمترئیونا میری ماں تھیں جو دمتری نکولائیوچ کی بیٹی تھیں اور نتالیا نکولائیونا تمہاری نانی تھیں۔''

''تب تو ایک پرنانا کی اولاد ہوئے، اماں'' لیزا بولی۔

''تم سب گڈمڈ کئے دے رہی ہو'' بڑی شاہزادی نے غصے سے کہا ''پرنانا کی اولاد بالکل نہیں ہوئے بلکہ a issus de germains خلیرے بھائی بہنوں کے بچے ہوئے۔ تمہارے اور میرے منےاتئین کے درمیان یہی رشتہ ہے۔ تمہیں معلوم ہے وہ افسر ہو گیا ہے؟ لیکن ایک حیثیت سے یہ بات اچھی نہیں ہے: اسے آزادی بہت مل گئی ہے۔ تم نوجوانوں کو تو دبا کر رکھنا ضروری ہے۔ سچی باتیں کہنے پر اپنی بوڑھی خالہ پر غصہ مت ہونا۔ میں نے تو اتئین پر بڑی کڑی نگرانی رکھی تھی اور میرا خیال ہے کہ یہی صحیح طریقہ ہے۔''

''ہاں ہم لوگوں میں یہی رشتہ ہے'' وہ کہتی رہیں ''شاہزادہ ایوان ایوانچ میرے سگے چچا ہیں اور تمہاری ماں کے چچا تھے۔ تو تمہاری ماں اور میں چچازاد بہنیں ہوئیں نہ کہ ایک پرنانا کی اولاد۔ بالکل ٹھیک۔ اچھا اب تم بتاؤ، شاہزادہ ایوان سے ملنے گئے تھے؟''

میں نے کہا ابھی ان کے پاس نہیں گیا ہوں لیکن آج ہی جانا ہے۔

''ارے، یہ کیسے ممکن ہے!،، وہ بولیں ''تمہیں سب سے پہلے انہی کے پاس جانا چاہئے تھا۔ تم تو جانتے ہو کہ شاہزادہ ایوان تمہارے باپ کے برابر ہیں۔ ان کے کوئی اولاد نہیں ہے اس لئے تم اور میرے بچے ہی ان کے وارث ہیں۔ ان کی ضعیف العمری اور دنیا میں ان کے رتبے وغیرہ کی وجہ سے تمہیں ان کی عزت کرنی چاہئے۔ مجھے معلوم ہے کہ تم، اس نسل کے نوجوان خون کے رشتے کو کچھ سمجھتے ہی نہیں ہو اور بوڑھے لوگ تمہیں اچھے نہیں لگتے۔ لیکن اپنی بوڑھی خالہ کی بات یاد رکھنا کیونکہ مجھے تم سے محبت ہے اور مجھے تمہاری ماں سے محبت تھی اور تمہاری نانی سے بھی اور میں ان کی عزت بہت کرتی تھی۔ وہاں ضرور جانا، وہاں جانا ضروری ہے۔،،

میں نے کہا کہ ان سے ملنے ضرور جاؤنگا اور چونکہ میرے خیال میں کافی دیر ہو گئی تھی اس لئے میں اٹھا اور جانے کے لئے بڑھا لیکن انہوں نے مجھے روک لیا۔

''نہیں، ذرا ایک منٹ ٹھہرو۔ تمہارے ابا کہاں ہیں لیزا؟ ذرا یہاں بلا لو۔ تم سے مل کر بہت خوش ہونگے،، انہوں نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا۔

چند منٹ میں شاہزادہ میخائلو بھی داخل ہو گئے۔ پستہ قد، موٹے سے آدمی تھے، کپڑوں سے لاپرواہی ٹپکتی تھی۔ ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی اور چہرے سے ایسی بےنیازی کا اظہار ہو رہا تھا جو حماقت معلوم ہونے لگی تھی۔ مجھ سے ملکر انہیں بالکل خوشی نہیں ہوئی۔ کم سے کم انہوں نے مجھ سے کچھ کہا نہیں، لیکن شاہزادی نے جن سے وہ خائف معلوم ہوتے تھے ان سے کہا:

''ولدیمار (میرا نام بالکل بھول گئی تھیں) بالکل اپنی ماں سے ملتا ہے، ہے نا؟،، اور انہوں نے آنکھوں سے ایسے اشارے کئے کہ شاہزادے صاحب ان کا مطلب ضرور سمجھ گئے ہونگے کیونکہ وہ میرے نزدیک آئے اور بہت ہی اکھڑے غیرمطمئن انداز میں اپنا گال میری طرف بڑھا دیا جس پر ڈاڑھی بڑھ آئی تھی اور مجھے مجبوراً بوسہ دینا پڑا۔

''تمہیں باہر جانا ہے لیکن ابھی تک کپڑے نہیں بدلے''، شاہزادی نے ایک دم غصے سے ان سے کہنا شروع کیا۔ گھروالوں سے بات کرنے میں عموماً وہ یہی انداز اختیار کرتی تھیں۔ ''تم لوگوں کو پھر اپنے خلاف کھڑا کر لینا چاہتے ہو، چاہتے ہو کہ لوگ پھر تم سے ناراض ہو جائیں۔''

''ابھی بدلتا ہوں، ابھی بدلتا ہوں، پیاری''، شاہزادہ میخائلو بولے اور رخصت ہو گئے۔ میں نے بھی سلام کیا اور چلا آیا۔ میں نے پہلی بار سنا کہ ہم لوگ شاہزادہ ایوان ایوانچ کے وارث ہیں اور یہ خبر میرے لئے ناگوار حیرت کا باعث ہوئی۔

باب ۲۰

ای‌ون خاندان

اب تو اس آنےوالی لازمی ملاقات کے متعلق سوچ کر مجھے اور بھی زیادہ کوفت ہو رہی تھی۔ بہر حال راستے میں پہلے ای‌ون کا مکان پڑتا تھا۔ وہ لوگ تویرسکایا سڑک پر ایک بہت بڑے خوبصورت مکان میں رہتے تھے۔ میری گاڑی جب وہاں پہنچی تو مجھ پر کچھ رعب سا طاری تھا۔ ایک دربان عصا لئے کھڑا تھا۔ میں نے پوچھا گھروالے ہیں یا نہیں۔

''آپ ملنا کس سے چاہتے ہیں، حضور؟ جنرل صاحب کے صاحبزادے گھر ہی پر ہیں''، ملازم نے جواب دیا۔

''اور خود جنرل صاحب؟''

''میں دریافت کرتا ہوں۔ کیا کہوں کہ کون صاحب ہیں؟''، ملازم نے دریافت کیا اور گھنٹی بجائی۔

ایک خدمتگار کے پیر سیڑھیوں پر نظر آئے۔ نہ جانے کیوں میں اتنا پریشان تھا کہ میں نے اس سے کہہ دیا کہ جنرل صاحب کے صاحبزادے سے ملونگا۔ جب میں بڑی سی سیڑھیوں سے ہوتا ہوا اوپر پہنچا تو مجھے احساس ہوا کہ میں بہت چھوٹا ہو گیا ہوں (استعارے میں نہیں بلکہ واقعی)۔ جب میری گاڑی برساتی کے پاس پہنچی تھی اس وقت بھی مجھے ایسا ہی احساس ہوا تھا: مجھے

لگتا تھا کہ گاڑی اور گھوڑے اور کوچوان سب چھوٹے چھوٹے ہو گئے ہیں۔ میں کمرے میں داخل ہوا تو جنرل کا لڑکا ایک صوفے پر لیٹا سو رہا تھا اور سامنے کتاب کھلی رکھی تھی۔ اس کا استاد ہر فروسٹ جو اب بھی ان لوگوں کے یہاں تھا میرے بعد ہی کمرے میں بانکپن سے چلتا ہوا پہنچا اور اپنے شاگرد کو جگایا۔ مجھے دیکھ کر ای‌وِن کو کوئی خاص خوشی نہیں ہوئی اور میں نے دیکھا کہ مجھ سے بات کرتے وقت وہ میری بھوؤں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ حالانکہ وہ بہت اخلاق سے پیش آیا لیکن مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بھی اسی طرح مہمان نوازی دکھانا چاہتا ہے جس طرح شاہزادی نے دکھائی تھی اور یہ کہ اسے مجھ سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی اور نہ میری دوستی کی ضرورت تھی کیونکہ غالباً اس کے ملاقاتیوں کا حلقہ مختلف تھا۔ سب چیزیں میں نے خاص طور پر اس لئے محسوس کیں کہ وہ میری بھوؤں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میرے لئے یہ اعتراف کرنا چاہے جتنا مشکل ہو لیکن اگر مختصر طور پر کہا جائے حقیقت یہ ہے کہ میرے ساتھ اس کا رویہ وہی تھا جو میرا اپلینکا کے ساتھ تھا۔ مجھے غصہ آنے لگا۔ میں نے ای‌وِن کی نظریں بھانپ لیں اور جب اس کی اور فروسٹ کی نظریں چار ہوئیں تو میں نے اس کی نظروں میں یہ سوال پڑھ لیا کہ ''آخر یہ ہم لوگوں سے ملنے کیوں آیا ہے؟''

کچھ دیر مجھ سے بات کرنے کے بعد ای‌وِن نے کہا کہ ''میرے اماں اور ابا گھر ہی پر ہیں کیا تم ان لوگوں سے نہ ملوگے؟''

''میں ابھی کپڑے بدل کر آتا ہوں'' اس نے دوسرے کمرے میں جاتے ہوئے کہا حالانکہ اچھے خاصے کپڑے پہنے تھا ــ بند گلے کا نیا کوٹ اور سفید صدری، چند منٹ بعد وردی پہن کر واپس آیا جس کے سارے بٹن بند تھے۔ ہم لوگ نیچے چلے۔ جن کمروں سے ہم لوگ ہو کر گزرے وہ بہت عالیشان تھے اور غالباً بہت ہی شاندار طریقے سے سجے ہوئے تھے، سنگ مرمر اور سونے کا کام بھی تھا اور کچھ چیزیں مخمل میں لپٹی ہوئی تھیں اور آئینے تھے۔ مہمان‌خانے کی پشت‌والے چھوٹے کمرے میں ہم لوگ جیسے ہی داخل ہوئے دوسرے دروازے سے ای‌ونا بھی داخل ہوئیں۔ وہ بہت ہی دوستانہ انداز سے بالکل عزیزوں کی طرح مجھ سے ملیں، اپنے

پاس بیٹھنے کو کہا اور ہمارے خاندان کے متعلق بہت دلچسپی سے سوال کرتی رہیں۔

اس سے قبل میں نے مادام ای‌ونا کو چند بار بہت ہی سرسری طور پر دیکھا تھا۔ اس وقت میں نے جو غور سے دیکھا تو مجھے پسند آئیں۔ درازقد، دبلی پتلی، انتہائی گوری، ہمیشہ غم‌گین اور تھکی تھکی معلوم ہوتی تھیں۔ ان کی مسکراہٹ میں اداسی لیکن بہت ہی شفقت بھی تھی۔ ان کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں جن میں تھکن کا احساس تھا اور ذرا ترچھی بھی تھیں، جس کی وجہ سے ان کی افسردگی اور دلکشی بڑھ گئی تھی۔ وہ بالکل جھک کر تو نہیں بیٹھی تھیں لیکن سارا جسم کچھ ڈھیلا سا تھا اور ہر ایک حرکت سے نقاہت ٹپکتی تھی۔ وہ بولتی بھی بہت نقاہت سے تھیں اور ان کی آواز اور ر اور ل کو پوری طرح ادا نہ کرنے کا انداز بڑا خوبصورت تھا۔ وہ اوپری دل سے باتیں نہیں کر رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ رشتےداروں کے متعلق میرے جوابوں سے انہیں ایک غم‌ناک سی دلچسپی پیدا ہو رہی تھی، جیسے میری باتیں سن کر انہیں گزرے ہوئے اچھے دن یاد آ رہے ہوں۔ ان کا بیٹا کہیں چلا گیا۔ وہ کچھ دیر تک مجھے گھورتی رہیں اور پھر دفعتاً رونے لگیں۔ میں ان کے سامنے بیٹھا رہا اور کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کروں یا کیا کہوں۔ وہ میری طرف نہیں دیکھ رہی تھی، بس روئے جا رہی تھیں۔ پہلے ان کے لئے میرا دل دکھنے لگا۔ پھر میں نے سوچا: ”کیا مجھے انہیں دلاسا دینا چاہئے؟ کس طرح دلاسا دوں؟“ آخر مجھے اس عجیب سی حالت میں مبتلا کرنے کے لئے ان پر غصہ آنے لگا۔ ”کیا میرا چہرہ اتنا منحوس ہے؟“ میں نے سوچا ”یا یہ جان‌بوجھ کر یہ معلوم کرنے کے لئے ایسا کر رہی ہیں کہ ایسی حالت میں یہ کیا کریگا؟“

”اس وقت رخصت ہونا ٹھیک نہ ہوگا — ایسا معلوم ہوگا گویا ان کے رونے کی وجہ سے بھاگا جا رہا ہوں“ میں سوچتا رہا۔ انہیں اپنی موجودگی یاد دلانے کے لئے میں نے کرسی پر پہلو بدلا۔

”میں بھی کیا احمق ہوں!“ انہوں نے میری طرف دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ”کچھ ایسے بھی دن آتے ہیں جب انسان بلاکسی سبب کے روتا ہے۔“

انہوں نے صوفے پر اپنے پاس رومال تلاش کرنا شروع کیا اور دفعتاً زیادہ شدت سے رونا شروع کر دیا۔

''میں بھی کتنی عجیب ہوں کہ روئے چلی جا رہی ہوں! تمہاری ماں سے مجھے بہت محبت تھی، ہم دونوں میں اتنی دوستی تھی... اور...،،

انہیں رومال مل گیا جس سے انہوں نے چہرہ ڈھانپ لیا اور روتی رہیں۔ میں پھر مخمصے میں پھنس گیا اور کچھ دیر تک اس طرح بیٹھا رہا۔ مجھے غصہ تھا لیکن ان کی حالت پر رحم زیادہ آ رہا تھا۔ ان کے آنسو سچے معلوم ہوتے تھے۔ اور میں سوچتا رہا کہ وہ میری ماں کی وجہ سے اتنا نہیں رو رہی ہیں جتنا اس وجہ سے کہ وہ اب دکھی ہیں اور ایک زمانے میں مسرور و شاداں رہ چکی ہیں۔ اگر ای‌ون آکر ماں سے یہ نہ کہتا کہ بڑے ای‌ون بلا رہے ہیں تو پتہ نہیں اس کا کیا ہوتا۔ وہ اٹھیں اور جانے ہی والی تھیں کہ خود بڑے ای‌ون کمرے میں آگئے۔ وہ پستہ قد، بھاری جسم کے انسان تھے۔ گھنی اور سیاہ بھویں، سر کے بال بالکل سفید اور چھوٹے کٹے ہوئے اور چہرے پر انتہائی سختی اور درشتی کے آثار۔

میں نے اٹھ کر انہیں سلام کیا لیکن ای‌ون نے جن کے ہرے فراک کوٹ پر تین ستارے تھے، نہ صرف یہ کہ میرے سلام کا جواب نہیں دیا بلکہ میری طرف مخاطب بھی نہ ہوئے جس کی وجہ سے مجھے دفعتاً احساس ہوا کہ میں انسان نہیں ہوں بلکہ کوئی ایسی چیز ہوں جس پر نگاہ ڈالنا کچھ ضروری نہیں جیسے آرام کرسی یا کھڑکی اور اگر انسان ہوں بھی تو آرام کرسی یا کھڑکی سے کسی طرح مختلف نہیں۔

''تم نے اب تک کاؤنٹس کو خط نہیں لکھا، جان،، انہوں نے اپنی بیوی سے فرانسیسی میں کہا۔ اس وقت ان کے چہرے سے سردمہری لیکن عزم کا اظہار ہو رہا تھا۔

''خدا حافظ موسیو ارتینیف،، مادام ای‌ونا نے مجھ سے کہا اور دفعتاً سر کو بڑے خودپسندانہ انداز سے جھٹکا دیا اور میری بھوؤں کی طرف دیکھنے لگیں جیسے ان کے لڑکے نے کیا تھا۔ میں نے ایک بار پھر ان کو اور ان کے شوہر کو سلام کیا اور ایک بار پھر میرے سلام نے بڑے ای‌ون پر ایسا ہی اثر کیا جیسا ایک

کھڑکی کا کھلنا یا بند ہونا کر سکتا تھا۔ لیکن طالب علم ای‌ون میرے ساتھ دروازے تک آیا اور راستے میں مجھے بتایا کہ اس کا تبادلہ پیٹرس‌برگ یونیورسٹی میں ہونےوالا ہے کیونکہ اس کے باپ کو وہاں ایک ملازمت مل گئی ہے (اور اس نے ایک بہت اہم ملازمت کا نام لیا)۔

''بھئی بابا کو پسند ہو یا نہ ہو،، میں نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دل ہی دل میں کہا ''لیکن میں اس گھر میں پھر قدم نہ رکھونگا۔ وہ رونی عورت مجھے دیکھتے ہی آہ و زاری کرنے لگتی ہے جیسے میں کوئی بڑا ہی بدنصیب ہوں اور وہ سور ای‌ون میرے سلام کا جواب تک نہیں دیتا۔ اس کا مزہ چکھاؤنگا،، اس کا مزہ کس طرح چکھانا تھا مجھے خود اس کا پتہ نہیں تھا لیکن اس وقت یہی لفظ میرے ذہن میں آئے تھے۔

بعد میں مجھے اپنے والد کی درخواستوں کو برداشت کرنا پڑا اور انہوں نے کہا کہ اس ملاقات کو بڑھانا بہت ضروری ہے اور تمہیں یہ توقع نہ ہونی چاہئے کہ ای‌ون جیسے اعلیٰ مرتبے کا انسان تم جیسے لڑکے کی طرف توجہ دے۔ لیکن بہت دنوں تک میں اپنے فیصلے پر ثابت قدمی سے جما رہا۔

باب ۲۱

شاہزادہ ایوان ایوانچ

''اب آخری ملاقات کے لئے نیکیتسکایا چلو،، میں نے کوزما سے کہا اور ہم لوگ شاہزادہ ایوان ایوانچ کے گھر کی طرف چل پڑے۔

ملاقاتوں کے ان متعدد تجربات نے مجھ میں عام طور پر اعتماد پیدا کردیا تھا اور اب شاہزادے کے گھر کی طرف جاتے ہوئے میں کافی اطمینان محسوس کر رہا تھا کہ دفعتاً مجھے شاہزادی کورنا کووا کے الفاظ یاد آگئے کہ میں ان کا وارث ہوں۔ اس کے علاوہ میں نے دیکھا کہ دو گاڑیاں برساتی پر کھڑی ہیں اور مجھ پر پھر شرمیلے‌پن کا دورہ پڑ گیا۔

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ بوڑھا ملازم جس نے دروازہ کھولا

تھا اور خدمتگار جس نے میرا اوورکوٹ اتارا تھا اور وہ تین خواتین اور دو مرد جو مہمان خانے میں بیٹھے ہوئے تھے اور خاص طور پر خود شاہزادہ ایوان ایوانچ جو سادہ سا کوٹ پہنے صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے — کہ یہ سب لوگ مجھے وارث کی حیثیت سے دیکھتے رہے تھے اور اس کی وجہ سے خوش نہ تھے۔ شاہزادے صاحب نے میرے ساتھ بہت ہی دوستانہ برتاؤ کیا۔ انہوں نے مجھے پیار کیا یعنی یہ کہ ایک لمحے کے لئے انہوں نے اپنے نرم، خشک، سرد ہونٹ میرے گال پر رکھ دئے، میری مصروفیات اور ارادوں کے متعلق دریافت کیا، میرے ساتھ مذاق کیا، پوچھا کہ کیا اب بھی اس قسم کی نظمیں لکھتے ہو جیسی نانی کے لئے لکھی تھی اور پھر کہا کہ آج میرے ساتھ کھانا کھانا۔ لیکن وہ میرے ساتھ جتنے زیادہ اخلاق سے پیش آ رہے تھے مجھے اتنا ہی زیادہ اس بات کا احساس بڑھتا جا رہا تھا کہ یہ مجھے صرف اس لئے پیار کر رہے ہیں کہ میں یہ نہ بھانپ سکوں کہ میرا وارث بننا ان کے لئے کتنا سوہان روح ہے۔ ان میں ایک عادت تھی — جس کی وجہ وہ مصنوعی دانت تھے جو ان کے پورے منہ میں بھرے ہوئے تھے — کہ کچھ کہنے کے بعد اپنا اوپری ہونٹ اٹھا کر ناک کے پاس لے جاتے تھے اور کچھ آواز پیدا کرتے تھے جیسے ہونٹ نتھنوں کے اندر سڑک رہے ہوں اور جب اس وقت انہوں نے ایسا کیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے دل ہی دل میں کہہ رہے ہوں: ''چھوکرے، چھوکرے، مجھے تجھ سے یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں کہ تو میرا وارث ہے۔ ہاں وارث ہے۔ ''، وغیرہ وغیرہ۔

جب ہم بچے تھے تو شاہزادہ ایوان ایوانچ کو ''دادا'' کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ لیکن اب وارث کی حیثیت سے میں زبان پر یہ لفظ لا ہی نہ سکا اور انہیں ''حضور عالی'' کہہ کر مخاطب کرتے ہوئے شرم محسوس ہو رہی تھی۔ ایک دوسرے حضرت انہیں اسی طرح مخاطب کر رہے تھے۔ چنانچہ ساری گفتگو بھر میں کوشش کرتا رہا کہ انہیں مخاطب ہی نہ کروں۔ لیکن مجھے زیادہ خوف بوڑھی شاہزادی سے آرہا تھا۔ وہ بھی شاہزادے صاحب کی ایک وارث تھیں اور اسی گھر میں رہتی تھیں۔ کھانے کے دوران جہاں میں شاہزادی کے ساتھ بیٹھا تھا یہ سوچتا رہا کہ شاہزادی مجھ

ہے اس لئے باتیں نہیں کر رہی ہیں کہ مجھ سے انہیں نفرت ہے کیونکہ میں بھی ان کی طرح شاہزادے کا ایک وارث ہوں اور شاہزادے صاحب میز کے اس حصے کی طرف جدھر ہم بیٹھے تھے اس لئے توجہ نہیں دے رہے ہیں کہ ہم — یعنی شاہزادی اور میں — ان کے وارث ہیں اور اس لئے ان کے لئے قابل نفرت ہیں۔

''ہاں تمہیں یقین نہ آئیگا کہ مجھے کتنی کوفت ہوئی،، میں نے اسی شام کو دمتری سے کہا کیونکہ میری خواہش تھی کہ اسے بتا دوں کہ مجھے اس خیال سے گھن آ رہی تھی کہ میں ان کا وارث ہوں (یہ جذبہ مجھے بہت اچھا معلوم ہوا) — ''آج پورے دو گھنٹے شاہزادے کے یہاں گزارنا کتنا گراں گزرا۔ بہت اچھے آدمی ہیں اور میرے ساتھ بہت شفقت سے پیش آئے،، میں نے کہا۔ میری خواہش یہ بھی تھی کہ اپنے دوست کو بتا دوں کہ میں نے جو کچھ کہا ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ شاہزادے کے یہاں مجھے توہین برداشت کرنی پڑی۔ ''لیکن،، میں نے بات جاری رکھی ''مجھے یہ خیال تھا کہ کہیں مجھے بھی اسی حقارت سے نہ دیکھیں جس حقارت سے شاہزادی کو دیکھتے ہیں جو انہیں کے گھر میں رہتی ہے اور ان کے سامنے اس غلامانہ طریقہ سے گڑگڑاتی ہے کہ گھن آتی ہے۔ بہت دلچسپ بڑے میاں ہیں اور سب کے ساتھ بہت ہی شفقت اور مہربانی سے پیش آتے ہیں لیکن اس شاہزادی کے ساتھ جو برا برتاؤ کرتے ہیں اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ یہ کمبخت پیسہ سارے تعلقات خراب کر دیتا ہے!،،

''میں تو سوچتا ہوں کہ شاہزادے صاحب پر پوری بات واضح کر دینا مناسب ہوگا،، میں نے کہا ''ان سے کہہ دوں کہ میں ایک انسان کی حیثیت سے ان کی عزت کرتا ہوں لیکن میں ان کے ورثے کو کچھ اہمیت نہیں دیتا اور میں درخواست کروں کہ میرے لئے کچھ نہ چھوڑیں اور صرف اسی شرط پر ان کے گھر جاؤنگا۔،،

جب میں نے یہ کہا تو دمتری ہنسا نہیں۔ اس کے برخلاف وہ سوچنے لگا اور کئی منٹ تک خاموش رہنے کے بعد اس نے مجھ سے کہا:

''جانتے ہو؟ تم صحیح نہیں کہہ رہے ہو۔ یا تو تمہیں یہ سمجھنا ہی نہ چاہئے کہ لوگ تمہارے بارے میں بھی تمہاری اس شاہزادی کی طرح سوچیں گے یا اگر تمہارا ایسا ہی خیال ہے تو پھر

اس خیال کو ذرا اور آگے بڑھاؤ یعنی یہ کہ تم جانتے ہو کہ لوگ تمہارے متعلق کیا سوچ سکتے ہیں لیکن یہ خیالات تمہاری نیت سے اتنی دور ہیں کہ تمہیں ان سے نفرت ہے اور کوئی ایسی چیز نہ کروگے جس کی بنیاد ان خیالات پر ہو۔ مان لو کہ تم جو فرض کرتے ہو وہی وہ فرض کرتے ہیں... لیکن مختصر یہ کہ،، دمتری نے محسوس کر لیا کہ وہ اپنے خیالات میں الجھ گیا ہے ''بہتر یہ ہے کہ کچھ فرض مت کرو۔،،

میرے دوست کی بات بالکل صحیح تھی۔ بعد میں، بہت زمانے بعد اپنی زندگی کے تجربے سے میں نے یہ سیکھا کہ ایسی بات کے متعلق جو اکثر شاندار نظر آتی ہے سوچنا کتنا نقصان‌دہ ہوتا ہے اور اس کے متعلق بات کرنا تو اور زیادہ نقصان‌دہ ہوتا ہے جیسے سب کی نظروں سے پوشیدہ انسان کے دل میں رہنا چاہئے۔ شاندار الفاظ اور شاندار اعمال کا ساتھ کتنا کم ہوتا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ ایک صالح ارادے کا اعلان اس صالح ارادے کو عملی جامہ پہنانا زیادہ مشکل کر دیتا ہے بلکہ عام طور سے ناممکن بنا دیتا ہے۔ لیکن نوجوانی کے اعلی و ارفع محرکات اور دعووں کو کس طرح روکا جائے؟ یہ تو سب بعد میں یاد آتے ہیں اور ہم ان پر آنسو بہاتے ہیں جیسے اس پھول پر جو کھل نہ سکا، جیسے کھلنے سے پہلے ہی توڑ لیا گیا ہو اور وہ زمین پر مسلا اور مرجھایا ہوا پڑا ہو۔

میں ہی تھا جس نے ابھی ابھی اپنے دوست دمتری سے کہا تھا کہ پیسے تعلقات کو خراب کر دیتے ہیں۔ لیکن میں نے ہی دوسرے دن دیہات روانہ ہونے سے پہلے جب یہ محسوس کیا کہ اپنا سارا پیسہ مختلف تصویروں اور پائپ وغیرہ پر خرچ کر ڈالا ہے تو اس سے پچیس روبل سفر خرچ کے لئے قرض مانگ لئے جو اس نے مجھے دے دئے۔ بعد میں یہ قرض بہت عرصے تک مجھ پر رہا۔

باب ۲۲

اپنے دوست کے ساتھ بے‌تکلف گفتگو

یہ گفتگو کونتسیوا جاتے ہوئے فٹن میں شروع ہوئی۔ دمتری نے صبح کو مجھے اپنی ماں کے پاس ملنے جانے سے روک دیا تھا،

لیکن دوپہر کے کھانے کے بعد وہ آیا کہ مجھے باقی آدھے دن کے لئے ساتھ لے جائے بلکہ رات بھی اس کے داچے یعنی دیہاتی بنگلے میں گزاری جائے جہاں اس کے گھر والے رہتے تھے۔ جب ہم شہر سے باہر پہنچے اور گندی، رنگ برنگی سڑکوں اور پکی سڑکوں کے ناقابل برداشت شور کو چھوڑ کر کھیتوں کی وسیع و عریض دنیا میں پہنچے اور گرد و غبار سے اٹی ہوئی سڑک پر گاڑی کے پہیے بغیر شور مچائے چلنے لگے اور موسم بہار کی معطر ہوا اور وسعت کے احساس نے مجھے ہر طرف سے گھیر لیا، تب جاکر میں نے ایک حدتک مختلف نئے تاثرات اور آزادی کے احساس سے نجات حاصل کی جنہوں نے مجھے گذشتہ دو دنوں سے پریشان کر رکھا تھا۔ دمتری بہت شرافت اور ہمدردی کے موڈ میں تھا، اس نے گردن موڑ کر اپنا گلوبند درست نہیں کیا اور نہ گھبرا کر پلکیں جھپکائیں اور نہ آنکھیں سکیڑیں۔ میں ان اعلیٰ و ارفع جذبات سے مطمئن تھا جو میں نے اس سے بیان کر دئے تھے اور میرا خیال تھا کہ ان باتوں کو سن کر اس نے کولپی کوف والے شرمناک واقع کے سلسلے میں مجھے معاف کر دیا ہوگا اور اس کی وجہ سے مجھ سے نفرت نہ کریگا اور ہم لوگ بہت رفیقانہ انداز میں بہت سی ایسی چیزوں کے متعلق بے تکلفی کے ساتھ گفتگو کرتے رہے جن پر دوست بھی آپس میں ہمیشہ بات نہیں کرتے۔ دمتری نے اپنے گھروالوں کے متعلق باتیں کیں جن سے میں اب تک واقف نہیں تھا — اپنی ماں، خالہ، بہن اور اس ہستی کے متعلق بھی بتایا جسے ولودیا اور دبکوف میرے دوست کا عشق سمجھتے تھے اور اس کا نام ''بیر بہوٹی،، رکھ چھوڑا تھا۔ اس نے ماں کا ذکر کرتے وقت ان کی شان‌وشوکت کی تعریف ذرا دبے لفظوں میں کی جیسے اس سوال پر کسی اعتراض کی پیش بندی کر رہا ہو۔ اپنی خالہ کا ذکر اس نے بڑے جوش و ولولے سے کیا لیکن اس میں کچھ انکساری شامل تھی۔ اپنی بہن کے متعلق اس نے بہت کم بتایا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے متعلق مجھ سے باتیں کرنے میں اسے شرم سی محسوس ہو رہی ہے۔ لیکن جہاں تک اس بیربہوٹی کا تعلق تھا تو اس کا اصلی نام تھا لیوبوف سرگئی‌ونا، وہ کافی عمر کی غیرشادی‌شدہ لڑکی تھی اور نخلیودوف

کے مکان میں کسی قسم کی عزیزداری کی وجہ سے رہتی تھی۔ اس کا ذکر اس نے بہت خوش ہوکر کیا۔

''بڑی دلچسپ لڑکی ہے،، اس نے جھینپتے ہوئے سرخ ہوکر کہا لیکن اسی کے ساتھ اس نے بڑی جرات کے ساتھ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں ''اب وہ جوان نہیں رہی — بلکہ ایک حدتک بوڑھی ہو گئی ہے اور خوبصورت بھی نہیں ہے۔ لیکن خوبصورتی سے محبت کرنا بھی کتنی بڑی حماقت اور کتنی مہمل حرکت ہے! یہ بات میری سمجھ ہی میں نہیں آتی۔ یہ اتنی احمقانہ بات ہے (وہ اس طرح بول رہا تھا جیسے ابھی ابھی اس نے بالکل نئی اور دلچسپ دریافت کی ہو) لیکن اس کی روح، اس کا دل، اس کے اصول... میں تو کہتا ہوں آج کل اس طرح کی دوسری لڑکی نہیں مل سکتی،، (پتہ نہیں دستری نے یہ کس کی عادت اختیار کرلی تھی کہ ہر اچھی چیز کے بارے میں بھی کہا کرتا تھا کہ آجکل کے زمانے میں مشکل ہی سے ملےگی۔ اس بات کو دہرانے میں اسے مزہ آتا تھا اور یہ بات اس کو زیب بھی دیتی تھی)۔

''مجھے ڈر صرف یہ ہے،، خوبصورتی سے محبت کرنےوالے احمقوں کو اپنے استدلال سے ختم کرنے کے بعد اس نے بہت اطمینان کے ساتھ بات جاری رکھی ''مجھے ڈر یہ ہے کہ اسے سمجھنے کی کوشش کرنے میں تمہیں کافی دیر لگےگی۔ بہت ہی منکسر مزاج بلکہ کم گو ہے۔ وہ اپنی اچھی، حسین خصوصیات کی نمائش نہیں کرتی۔ مثلاً اماں ہیں — تم دیکھنا کہ کیسی اچھی اور ذہین خاتون ہیں — کئی سال سے لیوبوف سرگئی‌وِنا کو جانتی ہیں۔ لیکن پھر بھی اسے نہیں سمجھ سکتیں اور نہ سمجھنا چاہتی ہیں۔ ابھی کل شام ہی کو — تم نے پوچھا تھا کہ اکھڑے اکھڑے کیوں نظر آ رہے ہو تو میں اس وقت بتاتا ہوں۔ پرسوں لیوبوف سرگئی‌وِنا چاہتی تھی کہ میں اس کے ساتھ ایوان یاکوولے‌وچ کے یہاں جاؤں۔ ایوان یاکوولے‌وچ کا نام تو تم نے سنا ہی ہوگا جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ پاگل ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ بہت ہی عجیب‌وغریب آدمی ہے۔ یہ بتا دوں کہ لیوبوف سرگئی‌وِنا بہت مذہبی قسم کی ہے اور ایوان یاکوولے‌وچ کو اچھی طرح سمجھتی ہے۔ وہ اکثر اس سے ملنے جاتی ہے، بات کرتی ہے اور غریب لوگوں کےلئے وہ

پیسے دیتی ہے جو خود اس نے کمائے ہیں۔ تم دیکھنا کیسی غضب کی عورت ہے۔ تو میں اس کے ساتھ ایوان یاکوولےوچ کے یہاں چلا گیا اور اس کا بہت شکرگذار تھا کہ اس حیرت‌ناک انسان سے ملنے کا مجھے موقع ملا۔ لیکن اماں کی سمجھ میں یہ بات کبھی نہیں آ سکتی اور وہ اسے توہم پرستی سمجھتی ہیں۔ کل رات زندگی میں پہلی بار اماں سے میری لڑائی ہوئی اور خاصی گرما گرمی ہو گئی،، اس نے گردن کو عجیب بےچین طریقے سے جھٹکا دیا جیسے اس لڑائی میں اپنا احساس اس کو یاد آ رہا ہو۔

’’تو پھر تمہارا خیال کیا ہے؟ یعنی یہ کہ تم کیا سمجھتے ہو کہ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ یا تم اس سے بات کرتے ہو کہ کیا ہونا چاہئے اور تمہاری محبت یا دوستی کا انجام کیا ہوگا؟،، میں نے یہ سوچ کر اس سے پوچھا کہ ناخوشگوار یادوں کی طرف سے اس کی توجہ ہٹا دوں۔

’’تم پوچھنا چاہتے ہو کہ میں اس سے شادی کرونگا یا نہیں؟،، اس نے سوال کیا تو چہرہ پھر تمتما اٹھا لیکن اس نے مڑکر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

میں نے یہ سوچ کر دل کو تسکین دی کہ ’’سب ٹھیک ہے۔ ہم بڑے ہو گئے ہیں، ہم دو دوست اس فٹن میں بیٹھے اپنی آئندہ کی زندگی کے متعلق باتیں کرتے جا رہے ہیں۔ ہم لوگوں کی باتیں سن کر اور ہم لوگوں کی طرف دیکھ کر کون ہے جو خوش نہ ہوگا۔،،

میں نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ بولا: ’’کیوں نہیں؟ ہر صحیح الدماغ انسان کی طرح میرا بھی مقصد ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ہنسی خوشی اور اچھی طرح زندگی بسر کروں۔ اور اگر اس نے قبول کیا تو جیسے ہی مکمل طور پر آزاد ہو جاؤنگا، اس کے ساتھ اتنا مسرور و مطمئن رہونگا کہ دنیا کی حسین ترین عورت کے ساتھ بھی نہیں رہ سکتا۔،،

اس طرح بات‌چیت کرتے ہوئے ہمیں پتہ بھی نہ چلا کہ ہم کونتسیوا پہنچ گئے ہیں اور نہ یہ احساس ہوا کہ آسمان پر بادل چھا گئے ہیں اور بارش ہونے والی ہے، داہنی طرف آفتاب زیادہ بلندی پر نہیں رہ گیا تھا بلکہ کونتسیوا باغ کے قدیم درختوں کے اوپر

نظر آرہا تھا اور اس کا آدھا چمکتا ہوا سرخ حصہ بھورے اور کچھ حد تک روشن بادلوں کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ جو حصہ اوپر رہ گیا تھا اس میں سے شعلے جیسی آڑی ترچھی شعاعیں نکل نکل کر باغ کے پرانے درختوں پر چمک رہی تھیں، اور درختوں کی گھنی، سبز اور بے حس و حرکت پھنگیاں نیلگوں آسمان کے روشن حصے کے پس منظر میں جگمگا اٹھی تھیں۔ آسمان کے اس حصے کی چمک اور روشنی ہمارے سامنے افق پر نوعمر سفیدے کے درختوں کے اوپر اودے رنگ کے بادلوں سے مقابلہ کر رہی تھی۔

کچھ دور آگے بڑھ کر داہنی طرف، جھاڑیوں اور درختوں کے دیہاتی بنگلوں کی رنگ برنگی چھتیں نظر آ رہی تھیں۔ ان میں سے کچھ سورج کی شعاعوں میں چمک رہی تھیں اور کچھ نے آسمان کے دوسرے حصے کی افسردگی و دلگیری قبول کر لی تھی۔ نیچے بائیں طرف بے حس و حرکت تالاب نیلا نظر آ رہا تھا اور اس کے چاروں طرف گہرے سبز رنگ کی بید مجنوں کی جھاڑیاں تھیں جن کا عکس تالاب کی مردہ اور کچھ ابھری سطح پر پھیلا تھا۔ تالاب سے پرے پہاڑی ڈھلوان پر سیاہ کھیت پھیلا ہوا تھا۔ اور اس کے درمیان جو سیدھی سبز لکیر سی تھی وہ اسے بیچ سے تقسیم کرتی دور تک چلی گئی تھی اور خوفناک سیاہ رنگ کے افق سے مل گئی تھی۔ کچی سڑک کے دونوں طرف جدھر سے فٹن مسلسل دھچکے کھاتی گزر رہی تھی، گھنی رئی سبز سبز نظر آ رہی تھی اور کہیں کہیں وہ کافی اونچی کھڑی تھی۔ ہوا نرم اور تازگی بخش تھی۔ درختوں، پتیوں اور رئی کی تازگی میں ایک سکوت تھا اور غیرمعمولی صفائی اور ستھرے پن کا احساس۔ ایسا لگتا تھا گویا پتی پتی کی اپنی آزاد، مسرور، انفرادی زندگی ہے۔ سڑک کے پاس مجھے ایک سیاہ سی پگڈنڈی نظر آئی جو ایک بالشت اونچے رئی کے ہرے کھیت میں بل کھاتی چلی جا رہی تھی۔ اور یہ پگڈنڈی نہ جانے کیوں مجھے اپنے گاؤں کی بے انتہا یاد دلا رہی تھی۔ اور گاؤں کی یاد سے خیالات کچھ عجیب طرح گڈمڈ ہوئے اور مجھے سونیچکا بری طرح یاد آنے لگی اور یہ بھی کہ مجھے اس سے محبت ہے۔

دمتری سے میری بہت دوستی تھی اور اس کی صاف گوئی پر مجھے بہت لطف آتا تھا لیکن اس کے باوجود لیوبوف سرگئی ونا کے

سلسلے میں اس کے جذبات اور ارادوں کے متعلق میں اور کچھ نہیں سننا چاہتا تھا۔ پھربھی میرا جی چاہا کہ سونیچکا سے میری محبت کا اس کو علم ہو جائے جو مجھے ایک بہت اعلیٰ قسم کی محبت معلوم ہوتی تھی۔ لیکن کسی وجہ سے میں اس سے یہ کہنے کا فیصلہ نہ کر سکا کہ سونیچکا سے شادی کرنے کے بعد اگر دیہات میں جاکر رہوں تو کتنا اچھا رہے گا اور میرے ننھے ننھے بچے ہونگے اور فرش پر گھٹنوں کے بل چلیں گے اور مجھے بابا کہیں گے اور جب وہ اور اس کی بیوی لیوبوف سرگئی‌ونا سفری لباس میں مجھ سے ملنے آئیں گے تو مجھے کتنی خوشی ہوگی۔ لیکن یہ ساری چیزیں کہنے کے بجائے میں نے غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی طرف اشارہ کرکے کہا: ''دیکھو دمتری کتنا دلکش منظر ہے!،،

دمتری کچھ نہ بولا۔ شاید اس بات پر ناراض تھا کہ اس کے اعتراف کے جواب میں جس کے لئے غالباً اسے کافی زحمت اٹھانی پڑی تھی، میں نے مناظر قدرت کی طرف اس کو متوجہ کرنے کی کوشش کی جس کے لئے اس کے دل میں کوئی جذبہ نہ تھا۔ قدرتی مناظر کے بارے میں میرے اور اس کے تاثرات بالکل مختلف تھے۔ اس پر ان کے حسن کا اتنا اثر نہیں پڑتا تھا، جتنا ان کی افادیت کا۔ ان سے جو اسے دلچسپی تھی وہ دلی نہیں بلکہ ذہنی تھی۔

میں نے کہا: ''میں بہت خوش ہوں،، میں نے اس بات کی طرف توجہ ہی نہیں دی کہ وہ اپنے خیالات میں محو ہے اور میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ سن ہی نہیں رہا ہے۔ ''میرا خیال ہے کہ میں نے تم سے ذکر کیا تھا کہ ایک لڑکی ہے جس سے میں نے بچپن میں محبت کی تھی۔ آج میں پھر اس سے ملا تھا،، میں نے جوش‌وخروش سے بات جاری رکھی ''اور اب تو یقیناً مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے۔،،

اور اس کے چہرے پر بے تعلقی کے آثار کے باوجود میں نے اپنی محبت کے متعلق اور آئندہ کی ازدواجی زندگی کی راحتوں کے متعلق اسے سب کچھ بتا دیا اور حیرت تو یہ ہے کہ جب میں نے اپنے جذبات کی شدت کو بڑی تفصیل سے بیان کیا تو ان جذبات میں کمی آنے لگی۔

دیہاتی بنگلے کی طرف جانے والی سفیدے کی روش پر ہم لوگ پہنچے ہی تھے کہ بارش شروع ہو گئی لیکن ہم نہیں بھیگے۔ مجھے بارش کا علم صرف اس لئے ہوا کہ چند بوندیں میری ناک اور ہاتھ پر گریں اور کوئی چیز سفیدے کی نئی نئی لس دار پتیوں پر گر رہی تھی جن کی بل کھاتی ہوئی شاخیں بےحس‌وحرکت نیچے کی طرف لٹک رہی تھیں، اور ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ان صاف شفاف بوندوں کو حاصل کر کے انہیں بڑی خوشی محسوس ہو رہی ہے کیونکہ ان کی تیز خوشبو سارے باغ میں بس گئی تھی۔ ہم لوگ گاڑی سے اتر پڑے تاکہ باغ سے ہو کر دوڑ جائیں اور جلدی گھر پہنچ جائیں۔ لیکن برساتی کے بالکل سامنے ہمیں چار خواتین نظر آئیں۔ دو کے پاس کچھ سامان تھا، تیسری کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی اور چوتھی ایک چھوٹے سے کتے کے ساتھ بہت تیزی سے دوسری طرف سے چلی آ رہی تھی۔ دمتری نے فوراً اپنی ماں، بہن، خالہ اور لیوبوف سرگئی‌ونا سے میرا تعارف کرایا۔ وہ لوگ ایک لمحے کے لئے رک گئیں لیکن بوندیں بڑھنے لگیں۔

”چلو، برآمدے میں چلیں اور وہاں چل کر پھر سے ان کا تعارف کراتا،، ان میں سے ایک نے کہا جن کے متعلق میرا خیال تھا کہ دمتری کی ماں ہیں اور ہم لوگ عورتوں کے ساتھ سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

باب ۲۳

نخلیودوف کا گھرانا

میں پہلی نظر میں سب سے زیادہ متوجہ ہوا تو لیوبوف سرگئی‌ونا کی طرف جن کی گود میں ایک چھوٹا سا کتا تھا اور موٹے موٹے بنے ہوئے جوتے پہنے تھی۔ وہ سب سے آخر میں سیڑھیوں پر چڑھیں۔ دو مرتبہ رک کر میری طرف دیکھا اور پھر اپنے کتے کو پیار کیا۔ ان کو خوبصورت تو کسی طرح بھی نہیں کہا جا سکتا تھا: سرخ بال، دبلی پتلی، چھوٹا قد اور ایک طرف کچھ جھکی سی۔ اس کے معمولی چہرے کو جو چیز اور زیادہ معمولی بناتی تھی وہ تھی

بال بنانے کی ایک خاص ادا (بال بنانے کا وہ انداز جو کم بالوں والی عورتیں اختیار کرتی ہیں)۔ اپنے دوست کو خوش کرنے کے لئے میں نے بہت کوشش کی کہ ان کے خدوخال میں کوئی ایک اچھی چیز ڈھونڈھ نکالوں لیکن بیکار۔ یہاں تک کہ خوش مزاجی کے آثار کے باوجود ان کی کنجی آنکھیں بھی بہت چھوٹی چھوٹی، بےجان سی معلوم ہو رہی تھیں اور حسین تو بہرحال نہ تھیں۔ ھاتھ جو عموماً کردار کا اظہار کرتے ھیں، اگرچہ بہت بڑے اور ایسے برے بھی نہیں تھے تاھم سرخ اور کھردرے تھے۔

جب ان لوگوں کے پیچھے پیچھے برآمدے میں پہنچا تو دمتری کی بہن وارینکا کو چھوڑ کر تمام عورتوں نے اپنے مختلف کام شروع کرنے سے پہلے مجھ سے چند باتیں کیں۔ لیکن وارینکا صرف بڑی بڑی نیلگوں آنکھوں سے مجھے گھورتی رہی۔ اس نے اپنے گھٹنوں پر جو کتاب رکھ چھوڑی تھی، اس کی سطروں پر انگلی پھیر پھیر کر بہ آواز بلند پڑھنے لگی۔

شاھزادی ماریا ایوانوونا درازقد کی سڈول خاتون تھیں۔ ان کی عمر چالیس سال تھی، ٹوپے کے نیچے سے ان کے گھونگھر سفید بالوں کو دیکھ کر تو یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ ان کی عمر زیادہ ھے۔ لیکن ان کے تروتازہ غیرمعمولی طور پر نازک اور تقریباً بےجھریوں‌والے چہرے سے اور خاص طور پر ان کی بڑی بڑی آنکھوں کی دل‌آویز اور پرمسرت چمک سے معلوم ھوتا تھا کہ عمر کافی کم ھے۔ ان کی آنکھیں کنجی تھیں اور پھٹی‌پھٹی سی تھیں، ھونٹ بہت پتلے تھے اور کچھ حد تک ان میں سختی تھی۔ ناک خاصی کھڑی تھی، اک زرا بائیں طرف کو مڑی ھوئی۔ ان کے بڑے بڑے بلکہ ایک حد تک مردانہ ھاتھوں کی سڈول انگلیوں میں ایک بھی انگوٹھی نہیں تھی۔ بہت چست گہرے نیلے رنگ کا لباس پہنے تھیں جو ان کے شاندار اور اب تک پرشباب جسم پر چپک گیا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ انہیں اپنی صحت‌مند اور سڈول کمر پر فخر ھے۔ بہت تن کر بیٹھی ھوئی تھیں اور کوئی کپڑا سی رھی تھیں۔ جب میں برآمدے میں داخل ھوا تو انہوں نے میرا ھاتھ پکڑا، مجھے اپنے قریب کھینچ لیا جیسے مجھے اچھی طرح سے دیکھنا چاھتی ھوں اور اپنے بیٹے کی طرح ایک زرا سردمہری سے اور پھٹی

بھٹی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ دستری سے تمہارے بارے میں مجھے پہلے ہی بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے اور تمہیں ایک پورا دن گزارنے کے لئے اس غرض سے بلایا ہے کہ تم ہم لوگوں سے زیادہ اچھی طرح واقف ہو سکو۔ ''ہم لوگوں کا ذرہ برابر خیال کئے بغیر جو چاہو کرو، جس طرح ہم لوگ تمہاری وجہ سے کوئی تکلف نہ کرینگے۔ گھومو پھرو، پڑھو، باتیں سنو یا اگر سونے میں زیادہ مزہ آئے تو سو جاؤ،، وہ بولیں۔

سوفیا ایوانوونا معمر سی غیرشادی شدہ خاتون اور شاہزادی کی چھوٹی بہن تھیں۔ لیکن چھرے سہرے سے زیادہ عمر کی معلوم ہوتی تھیں۔ ان کی کاٹھی کچھ ایسی بھری ہوئی تھی جو صرف پستہ‌قد اور بہت ہی موٹی، عمررسیدہ بن‌بیاہی عورتوں میں ملتی ہے جو کمر کسی رکھنے کےلئے پٹی استعمال کرتی ہیں۔ ایسا لگتا تھا کہ ان کی ساری تندرستی اوپر کی طرف اس زورشور سے سمٹ آئی ہے کہ ہر لمحے ان کا دم گھٹ جانے کا ڈر ہے۔ ان کے چھوٹے اور موٹے ہاتھ لباس کے آدھے حصے تک بھی نہیں پہنچ سکتے تھے اور لباس کی خوب کسی ہوئی وسطی پٹی ان کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔

دونوں بہنوں میں کافی مشابہت تھی۔ حالانکہ شاہزادی ماریا ایوانوونا کے بال اور آنکھیں سیاہ تھیں اور سوفیا ایوانوونا کے بال سنہرے رنگ کے تھے اور بڑی بڑی نیلگوں آنکھوں میں زندہ‌دلی تھی اور ساتھ ہی ساتھ ایک سکون بھی (دونوں باتیں مشکل سے ایک ساتھ ملتی ہیں) ان کے چہروں کے تاثرات میں یکسانیت تھی، ناک اور ہونٹ بھی ایک ہی قسم کے تھے۔ صرف سوفیا ایوانوونا کی ناک اور ہونٹ ذرا موٹے تھے اور وہ جب مسکراتی تھیں تو داہنی طرف کھنچ جاتے تھے اور شاہزادی کے بائیں طرف۔ سوفیا ایوانوونا کے کپڑوں اور بالوں کے جوڑے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو جوان ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہیں اور ان کے بالوں کی لٹیں سفید ہوتیں تو ان کی نمائش ہرگز نہ کرتیں۔ انہوں نے میری طرف جس طرح دیکھا اور میرے ساتھ جو رویہ اختیار کیا اس سے مجھے پہلے اندازہ ہوا کہ وہ بہت مغرور ہیں اور اس بات سے پریشانی سی ہوئی۔ لیکن اس کے برخلاف شاہزادی کے ساتھ میں

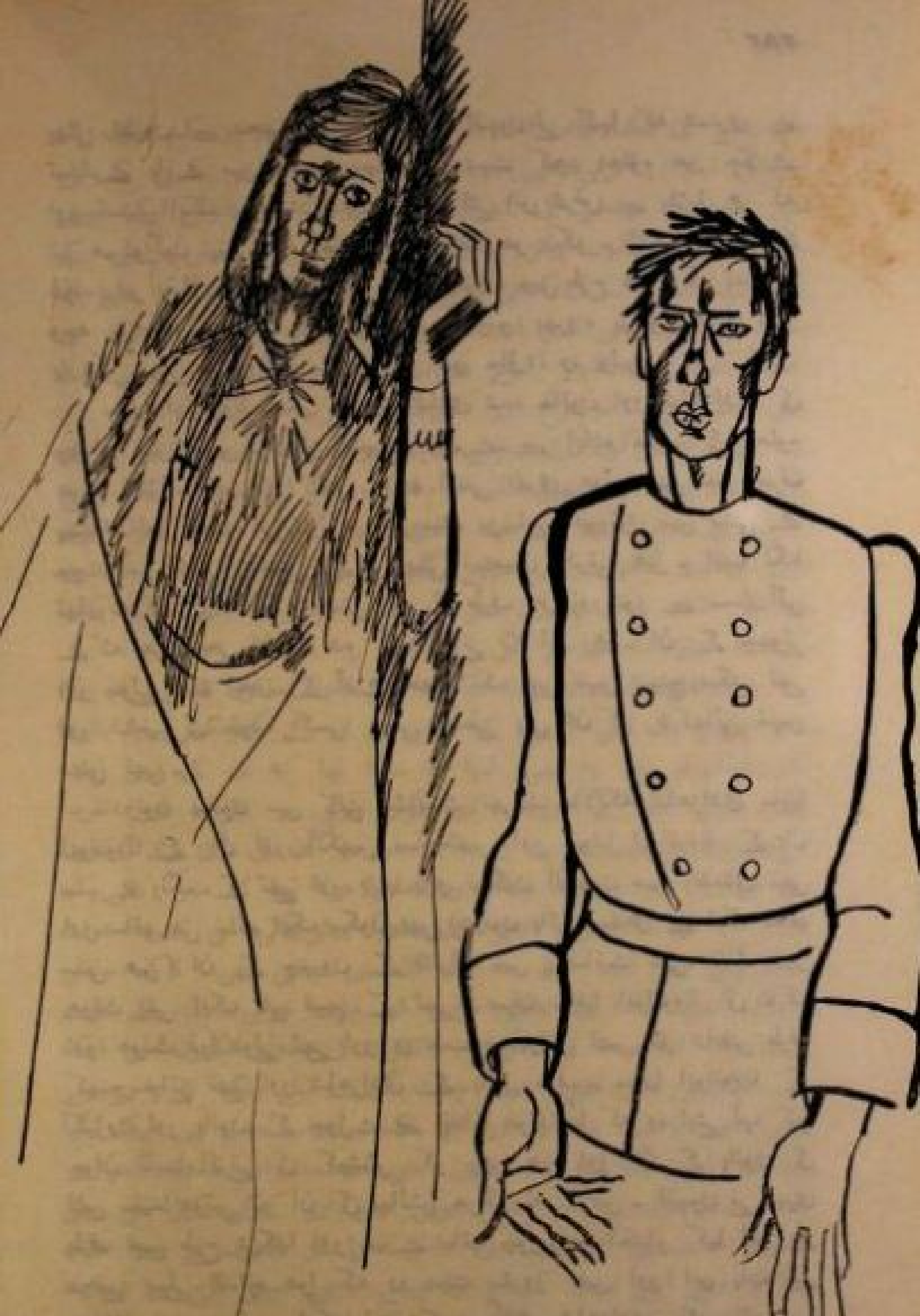

بہت بے تکلف سا محسوس کرنے لگا۔ مجھے جو وہ بد دماغ سی معلوم ہوئیں تو اس کی وجہ شاید ان کا موٹا پا اور ملکہ کیتھرین اعظم کی تصویر سے ان کی مشابہت تھی۔ لیکن جب انہوں نے کچھ دیر میری طرف غور سے دیکھنے کے بعد کہا کہ ''ہمارے دوستوں کے دوست ہمارے بھی دوست ہیں،، تو میں بالکل جھینپ گیا۔ میں فوراً سنبھل گیا اور جب یہ الفاظ کہنے کے بعد وہ چپ ہوگئیں اور پھر منہ کھول کر ٹھنڈا سانس لیا اس وقت میں نے ان کے متعلق اپنی رائے بالکل بدل دی۔ غالباً موٹاپے کی وجہ سے چند الفاظ بولنے کے بعد وہ کچھ منہ کھول کر اور اپنی بڑی بڑی نیلی آنکھیں گھما کر ٹھنڈا سانس لیا کرتی تھیں۔ پتہ نہیں کیوں اس عادت سے ایسی نیکی اور شرافت کا احساس ہوتا تھا کہ اس سانس کے بعد میرے دل سے ان کا ڈر بالکل نکل گیا اور وہ مجھے بہت اچھی معلوم ہونے لگیں۔ ان کی آنکھیں بہت دلکش تھیں، آواز میں ترنم اور جاذبیت تھی۔ حتیٰ کہ ان کے جسم کے حد سے زیادہ ابھرے ہوئے خطوط بھی مجھے اپنی نوجوانی کے اس زمانے میں زیادہ خوبصورتی سے خالی نہیں معلوم ہوتے تھے۔

لیوبوف سرگئی‌ونا، میرے دوست کی دوست کی حیثیت سے (میرا خیال تھا) فوراً کوئی بہت ہی دوستانہ اور رازدارانہ بات مجھ سے کہیں گی اور وہ بہت دیر تک خاموشی سے میری طرف دیکھتی بھی رہیں جیسے فیصلہ نہ کر پاتی ہوں کہ جو بات وہ کہنے والی ہیں وہ بہت دوستانہ ہے بھی یا نہیں لیکن انہوں نے مہر سکوت توڑی تو صرف یہ پوچھنے کے لئے کہ میں یونیورسٹی کے کس شعبے میں ہوں۔ اس کے بعد پھر وہ بہت گھور کر میری طرف دیکھتی رہیں جیسے ہچکچا رہی ہوں کہ مجھ سے کوئی رازدارانہ اور دوستانہ بات کہی بھی جائے یا نہیں۔ اور میں نے ان کے چہرے پر یہ شبہ دیکھ کر اپنے چہرے کے اتار چڑھاؤ کے ذریعے ان سے درخواست کی کہ بتا بھی دیجئے لیکن وہ صرف یہ بولیں: ''لوگ کہتے ہیں کہ آج کل یونیورسٹی میں سائنس کی طرف بہت کم توجہ دی جاتی ہے،، اور یہ کہہ کر انہوں نے اپنے کتے سوزیت کو آواز دی۔

ساری شام لیوبوف سرگئی‌ونا اسی بے جوڑ اور بے ربط انداز سے

باتیں کرتی رہیں۔ لیکن مجھے دستری کی بات پر بہت یقین تھا اور وہ ساری شام پہلے میری طرف اور بعد میں ان کی طرف ایسے طریقے سے دیکھتا رہا جیسے سوال کر رہا ہو: ''کیوں، کیا خیال ہے؟،،۔ اور حالانکہ مجھے پورا یقین ہو چکا تھا کہ لیوبوف سرگی‌ونا میں ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے لیکن جیسا کہ اکثر ہوتا ہے اس خیال کا اظہار میں نے خود اپنے سے بھی نہیں کیا۔

اس خاندان کی آخری فرد وارینکا بہت بھرے جسم کی سولہ سالہ لڑکی تھی۔

اس میں جو چیزیں خوبصورت تھیں اس کی بڑی بڑی گہری نیلگوں آنکھیں جن سے زندہ دلی اور سنجیدگی کا بیک‌وقت اظہار ہوتا تھا اور اس کی آنکھیں بڑی حد تک اس کی خالہ سے ملتی تھیں، اور سنہرے بالوں کی بڑی سی چوٹی اور انتہائی نرم اور خوبصورت ہاتھ بہت اچھے لگتے تھے۔

''میرا خیال ہے آپ کے لئے بیچ سے سننا دلچسپ نہ ہوگا، موسیو نکولاس،، سوفیا ایوانوونا نے اسی خوش مزاجی سے ٹھنڈا سانس لیتے ہوئے کہا اور جو کپڑے سی رہی تھیں انہیں الٹا۔

پڑھنا کچھ دیر کے لئے رک گیا کیونکہ دستری کمرے کے باہر کہیں چلا گیا تھا۔

''یا ممکن ہے آپ ''راب رائے،، کہیں پہلے پڑھ چکے ہوں؟،،

شاید اس وجہ سے کہ میں طالب علم کی وردی پہنتا تھا میں اپنا فرض سمجھتا تھا کہ جن لوگوں سے اچھی طرح جان‌پہچان نہیں ہے ان کے ہر سوال کا بہت ذہانت سے کوئی انوکھا سا جواب دوں چاہے سوال کتنے ہی آسان کیوں نہ ہوں۔ میں ''ہاں،، اور ''نہیں،، ''بے کیف،، اور ''پرلطف ہے،، قسم کے مختصر اور واضح جواب کو بہت‌ہی شرمناک سمجھتا تھا۔ اپنے نئے فیشن‌ایبل پتلون اور کوٹ کے چمکدار بٹنوں کی طرف دیکھتے ہوئے میں نے جواب دیا کہ میں نے ''راب رائے،، نہیں پڑھی ہے لیکن سننے میں مجھے بہت لطف آ رہا ہے کیونکہ میں کتاب شروع کے بجائے بیچ سے پڑھنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔

''اس سے اور بھی لطف آتا ہے: اس سے آپ اندازہ لگانے لگتے

ہیں کہ پہلے کیا ہو چکا ہے اور آئندہ کیا ہوگا۔،، میں نے بہت مسرور انداز میں مسکرا کر کہا۔

شاہزادی کچھ غیرفطری انداز میں ھنسنے لگیں (مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ہمیشہ ایسے ہی ھنستی ہیں)۔

''بات تو شاید ٹھیک ہی ہے،، وہ بولیں ''یہاں زیادہ دنوں تک رکنے کا ارادہ ہے نکولاس؟ اگر میں آپ کو موسیو کہنا ترک کر دوں تو برا تو نہیں مانیں گے؟ کب جا رہے ہیں آپ؟،،

''کچھ پتہ نہیں۔ شاید کل چلے جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ابھی کافی ٹھہریں،، میں نے جواب دیا حالانکہ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ ہم لوگ دوسرے دن روانہ ہونے والے ہیں۔

''جی چاہتا ہے کہ آپ اپنی خاطر اور میرے دمتری کی خاطر کچھ اور ٹھہر جائیے،، شاہزادی نے کہیں دور دیکھتے ہوئے کہا۔ ''آپ لوگوں کی عمر میں دوستی لاجواب شے ہوتی ہے۔،،

میں نے محسوس کیا کہ سب لوگ میری طرف دیکھ رہے ہیں اور انتظار کر رہے ہیں کہ اب میں کیا کہونگا حالانکہ وارینکا ایسا ظاہر کر رہی تھی گویا اپنی خالہ کی سلائی دیکھ رہی ہو۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے یہ لوگ میرا امتحان لے رہے ہوں اور اس لئے اپنے آپ کو بہتر سے بہتر انداز میں پیش کرنا چاہئے۔

''جی ہاں،، میں نے کہا ''میرے لئے دمتری کی دوستی بہت ہی فائدہ‌مند ہے۔ لیکن دمتری کے لئے میری دوستی مفید نہیں ہو سکتی۔ وہ مجھ سے ہزار درجے بہتر ہے۔،، (میں جو کچھ کہہ رہا تھا دمتری سن نہیں سکتا تھا ورنہ مجھے ڈر ہوتا کہ میرے الفاظ میں خلوص کی جو کمی تھی اسے وہ بھانپ لیتا۔)

شاہزادی پھر اسی غیرفطری انداز میں ھنسیں جو ان کے لئے فطری تھی اور انہوں نے فرانسیسی میں کہا: ''اور دمتری کہتا ہے کہ بڑے کمال کے جن ہیں آپ۔،،

''کمال کے جن بہت خوب کہا۔ اسے یاد کر لینا چاہئے،، میں نے سوچا۔

''آپ کا ذکر نہیں کرتی لیکن وہ تو غضب کا لڑکا ہے،، انہوں نے آواز نیچی کرکے کہا (تاکہ میرے لئے یہ خاص طور سے خوشگوار ہو) اور لیوبوف سرگئی‌ونا کی طرف آنکھوں سے اشارہ

کیا۔ ''ہماری بیچاری خالہ میں (وہ لوگ لیوبوف سرگئی‌ونا کو اسی نام سے پکارتے تھے) جن کو میں ان کے سوزیت سمیت گذشتہ بیس سال سے جانتی ہوں دستری نے ایسے ایسے کمالات ڈھونڈ نکالے ہیں کہ مجھے گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ واریا، ذرا ایک گلاس پانی تو میرے لئے کسی کے ہاتھ بھیجنا،، انہوں نے پھر کہیں دور دیکھتے ہوئے کہا۔ شاید انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ خاندان کے معاملات کے متعلق مجھ سے بات کرنا ذرا قبل از وقت ہے یا شاید بالکل ضروری نہیں ہے۔ ''یا انہیں جانے دو۔ انہیں کوئی کام بھی نہیں ہے اور تم پڑھتی رہو۔ میرے دوست، آپ اس دروازے سے سیدھے چلے جائیے اور کوئی پندرہ قدم چلنے کے بعد زور سے پکار کر کہئے: ''پیوتر، ماریا ایوانوونا کے لئے ایک گلاس پانی اور برف لے آؤ،، انہوں نے مجھ سے کہا اور پھر وہ اسی غیرفطری انداز سے ہنسیں۔

''یقیناً میرے متعلق بات کرنا چاہتی ہیں،، میں نے کمرے سے جاتے ہوئے سوچا ''غالباً یہ کہنا چاہتی ہیں کہ مجھے تو بہت ہی ذہین لڑکا معلوم ہوتا ہے،،۔ لیکن ابھی پندرہ قدم بھی نہ گیا تھا کہ سوٹی ہانپتی ہوئی سوفیا ایوانوونا نے تیز تیز قدموں سے مجھے آ لیا۔ «Mersi, mon cher»* وہ بولیں ''میں خود ادھر جا رہی ہوں، میں اس سے کہہ دونگی۔،،

باب ۲۳

محبت

جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا سوفیا ایوانوونا ان گنی‌چنی معمر عورتوں میں تھیں جو شادی‌بیاہ کے لئے پیدا ہوتی ہیں لیکن چونکہ یہ مسرت نصیب نہیں ہوتی اس لئے ایک دم فیصلہ کرلیتی ہیں کہ اب تک ان کے دل میں بچوں اور شوہر کےلئے محبت کی جو دولت جمع ہوئی ہے، بڑھتی اور مضبوط ہوتی چلی جارہی

---

* شکریہ، عزیزم۔

ہے اسے اپنی پسند کے بعض مخصوص لوگوں پر لٹا دیں گی — اور اس قسم کی عمررسیدہ غیرشادی‌شدہ عورتوں میں یہ دولت اتنی بےشمار ہوتی ہے کہ ان کے مخصوص لوگوں کی تعداد بڑی ہونے کے باوجود بہت کچھ محبت بچ رہتی ہے جو وہ اپنے اردگرد کے سبھی لوگوں پر نچھاور کرتی ہیں، تمام اچھے اور برے لوگوں پر جن سے زندگی میں وہ دوچار ہوتی ہیں۔

محبت کی تین قسمیں ہیں:

۱) حسین محبت،

۲) پرایثار محبت،

۳) عملی محبت۔

میں اس محبت کا ذکر نہیں کررہا ہوں جو ایک نوجوان کو ایک لڑکی سے ہوجاتی ہے یا لڑکی کو لڑکے سے۔ مجھے ان جذبات سے خوف آتا ہے اور میں اتنا بدقسمت ہوں کہ اپنی زندگی میں میں نے اس قسم کی محبت میں کبھی سچائی کی ایک چنگاری تک نہیں دیکھی بلکہ ہمیشہ جھوٹ ہی نظر آیا جس میں جنسی جذبہ، ازدواجی رشتہ، پیسہ، اپنے ہاتھ باندھنے یا آزاد کرنے کی خواہش جذبات پر اس قدر حاوی ہوتی ہے کہ اس کی تہہ تک پہونچنا مشکل ہوتا ہے۔ میں تو اس محبت کی بات کر رہا ہوں جو بنی‌نوع‌انسان سے ہوتی ہے اور جو کم یا زیادہ روحانی قوت کے مطابق کسی ایک پر یا کئی لوگوں پر‌‌۔مرکوز ہوجاتی ہے یا بہت سے لوگوں پر، سایہ‌فگن ہوتی ہے۔ میں بات کر رہا ہوں ماں، باپ، بھائی، بچوں کی محبت کی، دوست، ساتھی اور ہم‌وطن کی محبت کی، انسان کی محبت کی۔

<u>حسین محبت</u> خود جذبے کی خوبصورتی اور اس کے اظہار سے محبت کرنے پر مشتمل ہوتی ہے۔ جو لوگ اس طرح محبت کرتے ہیں ان کی محبوب چیز صرف اسی حد تک قابل‌محبت ہوتی ہے جس حدتک شعور اور اظہار میں وہ خوشگوار جذبہ بیدار کرتی ہے جس سے انہیں مسرت ہوتی ہے۔ جو لوگ حسین‌محبت کے شیدائی ہوتے ہیں وہ باہمی ربط ضبط کی بہت کم پرواہ کرتے ہیں گویا اس کا اثر جذبے کی خوبصورتی اور خوشی پر ہوتا ہی نہیں۔ وہ اپنی محبتیں اکثر بدلتے رہتے ہیں کیونکہ ان کا اصل مقصد تو

یہ ہوتا ہے کہ محبت کا خوبصورت احساس جذبات کو مسلسل برانگیختہ کرتا رہے۔ اپنے اندر یہ خوشگوار جذبہ برقرار رکھنے کے لئے ایسے لوگ اپنے محبوب سے اور ہر شخص سے یہاں تک کہ اپنی محبت سے بالکل بے تعلق لوگوں تک سے اپنی محبت کا ذکر بڑی آن بان سے کرتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ایک خاص طبقے کے لوگ جو حسین انداز میں محبت کرتے ہیں وہ نہ صرف ہر شخص سے اپنی محبت کا ذکر کرتے ہیں بلکہ ہمیشہ فرانسیسی میں اس کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ بات عجیب و غریب معلوم ہوگی لیکن مجھے یقین ہے کہ اعلیٰ سوسائٹی میں اب بھی بہت سے لوگ اور خاص طور پر عورتیں ہیں جنہیں اگر فرانسیسی زبان بولنے سے روک دیا جائے تو اپنے دوستوں، شوہروں اور بچوں کے متعلق ان کی محبت فوراً ختم ہو جائے گی۔

دوسری قسم کی محبت — اپنی قربانی پیش کرنے والی یا برایثار محبت — اس بات پر مشتمل ہوتی ہے کہ انسان محبوب کی خاطر اپنی ذات کی قربانی پیش کرنے کے عمل سے محبت کرتا ہے۔ محبوب کے لئے یہ قربانی اچھی ہے یا بری — وہ اس کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ ”دنیا میں کوئی ایسی مصیبت نہیں ہے جو ساری دنیا کے سامنے اور اس مرد یا عورت کے سامنے اپنی وفاداری ثابت کرنے کے لئے میں اپنی ذات پر نہیں برداشت کر سکتا،، — اس قسم کی محبت کا یہی اصول ہے۔ جو لوگ اس طرح محبت کرتے ہیں وہ دوسرے فریق پر اثر کے قائل نہیں ہوتے (کیونکہ جو شخص مجھ کو سمجھ ہی نہیں پاتا اس کے لئے اپنے آپ کو قربان کر دینا زیادہ قابل قدر بات ہے)۔ اور اس قسم کے لوگ ہمیشہ بیمار سے رہتے ہیں اور یہ بات پھر قربانی کی قدرومنزلت کو بڑھا دیتی ہے۔ اس قسم کے لوگ زیادہ تر ثابت قدم رہتے ہیں کیونکہ انہیں ان قربانیوں کی قدرومنزلت گراتے ہوئے دکھ محسوس ہوتا ہے جو وہ اپنے محبوب کے لئے کرتے ہیں۔ وہ ہمیشہ کسی خاص مرد یا عورت پر اپنی مکمل وفاداری ثابت کرنے کی غرض سے مرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ محبت کے عام چھوٹے موٹے مظاہروں سے نفرت کرتے ہیں جو کسی قسم کی قربانی نہیں طلب کرتے۔ انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ آپ نے ٹھیک سے

کھانا کھایا ہے یا نہیں، سوئے ہیں یا نہیں، آپ خوش ہیں یا نہیں اور آپ کی صحت اچھی ہے یا نہیں اور یہ چیزیں اگر ان کے بس میں بھی ہوں تب بھی وہ کبھی نہ فراہم کریں گے۔ لیکن گولی کھانے کے لئے، پانی یا آگ میں کود پڑنے کے لئے، محبت میں گھل گھل کر جان دینے کے لئے۔۔ ان سب باتوں کے لئے تیار رہتے ہیں کہ موقع آئے اور اس کا مظاہرہ کریں۔ اس کے علاوہ لوگ جو قربانی کے جذبے کے تحت محبت کرتے ہیں اور ہمیشہ اپنی محبت پر فخر کرتے ہیں، سخت گیری، رقابت اور تنک و شبہات میں مبتلا رہتے ہیں اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ اپنے محبوب کےلئے خطرے کے منتظر رہتے ہیں تاکہ اس کو اس خطرے سے نجات دلانے کا موقع ملے، اس پر مصیبت آپڑے تاکہ اس کی دلدھی کرسکیں حتیٰ کہ وہ کسی برائی میں گرفتار ہوجائے تاکہ اس کی اصلاح کرسکیں۔

آپ دیہات میں تنہا اپنی بیوی کے ساتھ رہتے ہیں جو قربانی دینےوالے جذبے کے ساتھ آپ سے محبت کرتی ہے۔ آپ اچھے خاصے ہیں اور سکون بھی میسر ہے۔ آپ کام ایسا کر رہے ہیں جو آپ کو پسند ہے۔ آپ کی بیوی اتنی کمزور ہے کہ گھر گرہستی نہیں سنبھال سکتی جو نوکروں کے ہاتھ میں ہے، بچوں کو بھی نہیں دیکھ سکتی چنانچہ وہ آیاؤں کی نگرانی میں ہیں اور نہ کوئی ایسا کام کر سکتی ہے جس سے اسے محبت ہو کیونکہ اسے آپ کے علاوہ کسی اور چیز سے محبت ہی نہیں ہے۔ صاف نظر آتا ہے کہ وہ بیمار ہے لیکن اس خیال سے کہ آپ کو تکلیف ہوگی وہ اس بات کا آپ سے ذکر نہ کریگی۔ صاف نظر آتا ہے کہ وہ اکتا گئی ہے لیکن آپ کی خاطر وہ ساری عمر اسی اکتاہٹ میں زندگی بسر کرنے کےلئے تیار ہے۔ صاف نظر آتا ہے کہ آپ اپنے کام میں بےحد مصروف ہیں (وہ چاہے جو ہو۔۔ شکر، کتابیں، کھیتی، ملازمت) اور یہ بات اسے مارے ڈال رہی ہے۔ اسے یقین ہے کہ یہ مصروفیت آپ کی جان لیکر رہےگی۔ پھر بھی وہ خاموش رہتی ہے اور کڑھا کرتی ہے۔ لیکن اگر آپ بیمار ہو جاتے ہیں تو آپ کی محبت کرنےوالی بیوی آپ کی خاطر اپنی بیماری بھول جاتی ہے اور آپ کی التجاؤں کے باوجود کہ بلاوجہ اپنے آپ کو تکلیف مت دو وہ آپ

کے بستر کے پاس بیٹھی رہتی ہے اور وہاں سے ہلتی نہیں اور آپ ہر لمحے اپنے چہرے پر اس کی محبت بھری نظریں محسوس کرتے ہیں جو کہتی ہیں: ''دیکھا! میں نہ کہتی تھی لیکن اب کیا فرق پڑتا ہے۔ میں تمہارے پاس سے نہ ہلونگی،،۔ صبح آپ کی طبیعت قدرے سنبھلتی ہے اور آپ دوسرے کمرے میں چلے جاتے ہیں۔ کمرہ نہ گرم کیا گیا ہے، نہ اس کی صفائی ہوئی ہے، آپ کو صرف شوربہ پینے کی اجازت ہے لیکن باورچی سے کچھ کہا ہی نہیں گیا، دوا منگائی نہیں گئی۔ لیکن بیچاری آپ کی محبت کرنےوالی بیوی جو آپ کی نگرانی کرتے کرتے تھک کر چور ہو چکی ہے ہمدردی کے اسی جذبے کے ساتھ آپ پر برابر نظر رکھتی ہے، دبے پاؤں چلتی ہے اور سرگوشی کے انداز میں ملازموں کو خلاف عادت اور غلط سلط احکام دیتی ہے۔ آپ پڑھنا چاہتے ہیں۔ لیکن آپ کی محبت کرنےوالی بیوی ٹھنڈا سانس بھرکے کہتی ہے کہ مجھے معلوم ہے آپ میری بات نہ سنیں گے، آپ مجھ پر غصہ ہونگے لیکن اس کی تو میں عادی ہوچکی ہوں — بہتر یہی ہے کہ آپ نہ پڑھیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ کمرے میں چلے پھریں — لیکن آپ کےلئے یہ کرنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ جو دوست آیا ہے اس سے بات کرلیں — بات کرنا آپ کے لئے اچھا نہیں ہے۔ رات کو آپ کو پھر بخار آ جاتا ہے اور آپ تنہائی چاہتے ہیں لیکن آپ کی محبت کرنےوالی بیوی تھکی‌ہاری باربار ٹھنڈا سانس لیتی آپ کے بالکل سامنے آرام کرسی پر رات کے لیمپ کی مدھم روشنی میں بیٹھی ہے اور آپ اس کی ذرا ذرا سی آواز یا ہلنے جلنے پر چڑچڑاتے اور غصہ ہوتے ہیں۔ آپ کے پاس ایک نوکر ہے جو بیس سال سے آپ کی خدمت کر رہا ہے۔ آپ اس کے عادی ہیں، آپ کی بہت اچھی طرح اور اطمینان‌بخش طریقے سے خدمت کرتا ہے کیونکہ دن میں کافی سو لیا ہے اور پھر خدمت کا اسے معاوضہ بھی ملتا ہے۔ لیکن وہ برداشت ہی نہیں کر سکتی کہ نوکر آپ کی خدمت کرے۔ وہ ہر کام اپنی کمزور، اناڑی انگلیوں سے کرےگی۔ جب اسکی سفید انگلیاں شیشی کھولنے کی ناکام کوشش کرتی ہیں یا موم‌بتی بجھاتی ہیں، آپ کے لئے دوا انڈیلتی ہیں یا بڑے احتیاط سے آپ کو چھوتی ہیں تو آپ اپنی الجھن کو دبا کر ان کی طرف دیکھے بغیر نہیں رہ

سکتے۔ اگر آپ بے صبر غصے ور آدمی ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ بس اب چلی جاؤ تو اس بیماری اور غصے میں بھی آپ کے کان میں دروازے کے باہر سے ٹھنڈے سانسوں اور سسکیوں کی آوازیں آئیں گی، اور آپ کے ملازم کو آہستہ آہستہ کوئی خرافات سمجھائی جا رہی ہے۔ اور آخر میں اگر آپ مر نہیں جاتے تو آپ کی محبت کرنے والی بیوی جو آپ کی بیماری کے زمانے میں بیس دن سے سوئی نہیں ہے (جس کا ذکر وہ آپ سے مسلسل کیا کرتی ہے) بیمار پڑ جاتی ہے، گھلتی رہتی ہے، تکلیف اٹھاتی ہے اور اس میں کام کرنے کی صلاحیت بہت کم رہ جاتی ہے۔ اور جب آپ اچھے ہوجاتے ہیں تو وہ اپنی قربانی پیش کرنے والی محبت کا اظہار صرف تھوڑی سی افسردگی سے کرتی ہے جو غیرارادی طور پر آپ کو اور آپ کے اردگرد کے لوگوں کو محسوس ہوتی ہے۔

تیسری قسم — عملی محبت — اس بات پر مشتمل ہوتی ہے کہ اپنے محبوب کی تمام ضرورتوں، خواہشوں، خبط بلکہ بری عادتوں تک کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے۔ جو لوگ اس طرح محبت کرتے ہیں وہ ہمیشہ ساری عمر محبت کرتے ہیں کیونکہ وہ جتنی زیادہ محبت کرتے ہیں اتنا ہی اپنے محبوب کو زیادہ سمجھنے جاتے ہیں اور ان کے لئے محبت کرنا آسان ہوتا جاتا ہے یعنی محبوب کی خواہش پوری کرنا۔ ان کی محبت کا اظہار الفاظ کے ذریعے بہت کم ہوتا ہے اور اگر ہوتا بھی ہے تو اس میں نہ صرف اطمینان قلب کا اظہار نہیں ہوتا بلکہ اس میں حسن، شرم اور جھجک بھی ہوتی ہے کیونکہ انہیں ہمیشہ ڈر لگا رہتا ہے کہ ہم کافی حد تک پیار نہیں کرتے۔ اس قسم کے لوگ اپنے محبوب کی بری عادتوں تک کو پسند کرتے ہیں کیونکہ اس طرح انہیں محبوب کی نئی خواہشیں پوری کرنے کا موقع ملتا ہے۔ وہ محبت کا جواب چاہتے ہیں بلکہ جان بوجھ کر دھوکا کھاتے ہیں، اس پر یقین لے آتے ہیں اور اگر جواب واقعی ملتا ہے تو خوش ہوتے ہیں۔ لیکن ناسازگار حالات میں بھی محبت ضرور کرتے ہیں اور نہ صرف محبوب کے لئے مسرت کے خواہاں ہوتے ہیں بلکہ ان کے بس میں جو بھی اخلاقی یا مادی، چھوٹے یا بڑے ذرائع ہوتے ہیں ان کے ذریعہ محبوب کے لئے مسرت فراہم کرنے کی مسلسل کوشش کرتے ہیں۔

اور سوفیا ایوانوونا کی آنکھوں میں اور ان کی ایک ایک بات اور انداز میں اپنے بھانجے اور بھانجی کے لئے، اپنی بہن کے لئے، لیوبوف سرگئی‌ونا کے لئے یہاں تک کہ میرے لئے، کیونکہ دمتری مجھے چاہتا تھا، اسی عملی محبت کی چمک تھی۔

سوفیا ایوانوونا کی پوری قدر و منزلت کا احساس مجھے بہت بعد میں جا کر ہوا لیکن اس وقت بھی میرے ذہن میں سوال پیدا ہوا تھا: ایسا کیوں ہے کہ دمتری جو عام نوجوانوں سے ہٹ کر محبت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا اور جس کی نظروں کے سامنے سوفیا ایوانوونا جیسی شریف اور محبت کرنے والی ہستی ہر وقت موجود رہتی تھی دفعتاً اس ناقابل‌فہم ہستی لیوبوف سرگئی‌ونا سے محبت کرنے لگا اور صرف اتنا اعتراف کرتا ہے کہ خالہ میں بھی کچھ بہت اچھی خصوصیات ہیں؟ یہ کہاوت صحیح ہے کہ ''کسی بھی پیغمبر کی بات خود اس کے ہم‌وطن نہیں سنتے''۔ دونوں میں سے ایک بات صحیح ہے — یا تو یہ کہ ہر انسان کے اندر اچھائی سے زیادہ برائی ہے یا انسان اچھائی سے زیادہ برائی کی طرف جاتا ہے۔ لیوبوف سرگئی‌ونا کی محبت کو دمتری نے ابھی چند روز پہلے جانا ہے اور خالہ کی محبت سے تو اپنی پیدائش کے وقت سے واقف ہے۔

باب ۲۵

میں زیادہ واقفیت پیدا کرتا ہوں

برآمدے میں واپس آیا تو پتہ چلا کہ میرا یہ خیال غلط تھا کہ لوگ میرے بارے میں بات کر رہے ہونگے۔ لیکن وارینکا پڑھ نہیں رہی تھی اور کتاب الگ رکھ کر دمتری سے گرماگرم بحث میں الجھی ہوئی تھی جو گلوبند ٹھیک کرتا آنکھیں میچے ٹہل رہا تھا۔ ان کی بحث کا موضوع گویا ایوان یاکوولے‌وچ اور توہم‌پرستی تھا۔ لیکن بحث کی گرماگرمی بتا رہی تھی کہ اصلی وجہ کچھ اور ہی ہے جس کا ذکر نہیں کیا جا رہا ہے اور جس میں سارے خاندان کو بے‌انتہا دلچسپی ہے۔ شاہزادی اور لیوبوف سرگئی‌ونا خاموش بیٹھی ایک ایک لفظ کو غور سے سن رہی تھیں۔ ایسا

معلوم ہوتا تھا کہ یہ دونوں بحث میں حصہ لینا چاہتی ہیں لیکن دونوں نے اپنے جذبات پر قابو حاصل کر لیا تھا اور اس بات سے مطمئن تھیں کہ ایک کی نمائندگی وارینکا کر رہی تھی اور ایک کی دستری - میں داخل ہوا تو وارینکا نے میری طرف ایسی بے تعلقی سے دیکھا جس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کی ساری جان بحث میں اٹکی ہوئی ہے اور اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں اس کی بات سن رہا ہوں یا نہیں۔ شاہزادی کے چہرے سے بھی یہی بات ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ وارینکا کے ساتھ تھیں۔ لیکن دستری نے میری موجودگی میں اور زیادہ گرما گرمی سے بحث شروع کردی۔ اور لیوبوف سرگئی‌ونا میرے آنے سے گویا کچھ پریشان سی ہوگئیں اور انہوں نے کسی خاص آدمی کی طرف مخاطب ہوئے بغیر کہا: ”بڑے بوڑھے جو کہتے ہیں تو سچ ہی کہتے ہیں — «Si jeunesse savait, si vieillesse pouvait.»*

لیکن اس مقولے سے بحث بند نہ ہوئی البتہ میں سوچنے لگا کہ لیوبوف سرگئی‌ونا اور میرے دوست غلطی پر ہیں۔ مجھے بہت عجیب سا محسوس ہو رہا تھا کہ چھوٹی سی گھریلو لڑائی میں میں بھی موجود ہوں پھر بھی یہ دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی تھی کہ اس سلسلے میں اس خاندان کے اصل تعلقات ابھر کر سامنے آگئے اور میری موجودگی کی وجہ سے ان لوگوں کی صاف گوئی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

اکثر ہوتا ہے کہ آپ ایک خاندان کو سالہاسال سے اخلاق و آداب کے ایک ہی پردے کے پیچھے سے دیکھتے ہیں اور افراد خاندان کے اصل تعلقات آپ کے لئے رازہائے سربستہ بنے رہتے ہیں (میں نے تو یہ بھی دیکھا ہے کہ یہ پردہ جتنا زیادہ موٹا اور خوش رنگ ہوتا ہے اس کے پیچھے چھپے ہوئے تعلقات اتنے ہی بدرنگ اور کھردرے ہوتے ہیں)۔ پھر ایک دن غیر متوقع طور پر ایسا ہوتا ہے کہ خاندان کے اندر کوئی سوال پیدا ہو جاتا ہے جو اکثر بظاہر بہت معمولی معلوم ہوتا ہے۔ اس سوال کا تعلق کسی سنہرے بالوں والی خاتون سے یا شوہر کی گاڑی پر بیٹھ کر جانے سے ہوتا

---

* کاش نوجوانی میں عقل ہوتی اور بڑھاپے میں طاقت۔

ہے اور بظاہر کوئی وجہ نہیں ہوتی، لیکن لڑائی بڑھتی چلی جاتی ہے، پردے کے اندر رہ کر حالات کو ٹھنڈا کرنا ناممکن معلوم ہوتا ہے اور دفعتاً ایک ایسا سانحہ ہو جاتا ہے کہ خود لڑنے والے خوف زدہ ہو جاتے ہیں اور دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں اور تعلقات اپنے اصلی بدھیئت رنگ میں سامنے آ جاتے ہیں۔ اب وہ پردہ کسی چیز کی رازداری نہیں کرتا بلکہ لڑنے والوں کے درمیان بلاوجہ پھڑپھڑاتا رہتا ہے اور صرف آپ کو یاد دلاتا رہتا ہے کہ آپ کتنے لمبے عرصہ تک اس کے دھوکے میں مبتلا رہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ دیوار سے سر پھوڑ لینا اتنا تکلیف دہ نہیں ہوتا جتنا دکھتی رگ پر انگلی رکھ دینا، چاہے انگلی بہت ہلکے سے کیوں نہ رکھی جائے۔ اور اس قسم کی دکھتی رگ تقریباً ہر خاندان میں ہوتی ہے۔ نخلیودوف گھرانے میں یہ دکھتی رگ لیوبوف سرگئی‌ونا کے لئے دمتری کی عجیب و غریب محبت تھی جس نے اس کی ماں اور بہن کے دل میں اگر جلن نہیں تو خاندانی جذبات کو مجروح کرنے کا جذبہ تو ضرور بیدار کر دیا تھا۔ اسی لئے ایوان یاکوولے‌وچ اور توہم پرستی کے متعلق بحث ان سب کے لئے اتنی اہمیت کی حامل تھی۔

"تم تو ہمیشہ ان تمام چیزوں کی کرید میں لگے رہتے ہو جن کا لوگ مذاق اڑاتے ہیں اور نفرت کرتے ہیں"، وارینکا نے اپنی مترنم آواز میں ایک ایک لفظ الگ کر کے کہا "اور ان چیزوں میں تمہیں کوئی غیرمعمولی خوبی ضرور نظر آ جاتی ہے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ ایوان یاکوولے‌وچ جیسے حیرت‌ناک شخص سے نفرت کرنے کی بات صرف نادان انسان ہی کر سکتا ہے"، دمتری نے سر جھٹک کر بہن کو جواب دیا "اور دوسری بات یہ کہ تمہاری نظروں کے سامنے جو اچھائی ہے اسے جان‌بوجھکر نہ دیکھنے کی کوشش تم کر رہی ہو۔"

سوفیا ایوانوونا ہمارے درمیان واپس آئیں تو پریشان ہو ہو کر کبھی اپنے بھانجے کی طرف دیکھتیں کبھی بھانجی کی طرف اور کبھی میری طرف۔ دو مرتبہ انہوں نے منہ کھولا جیسے کچھ کہنا چاہتی ہوں اور زور سے ٹھنڈا سانس لیا۔

"واریا، اب جلدی سے پڑھنا شروع بھی کرو"، انہوں نے کتاب

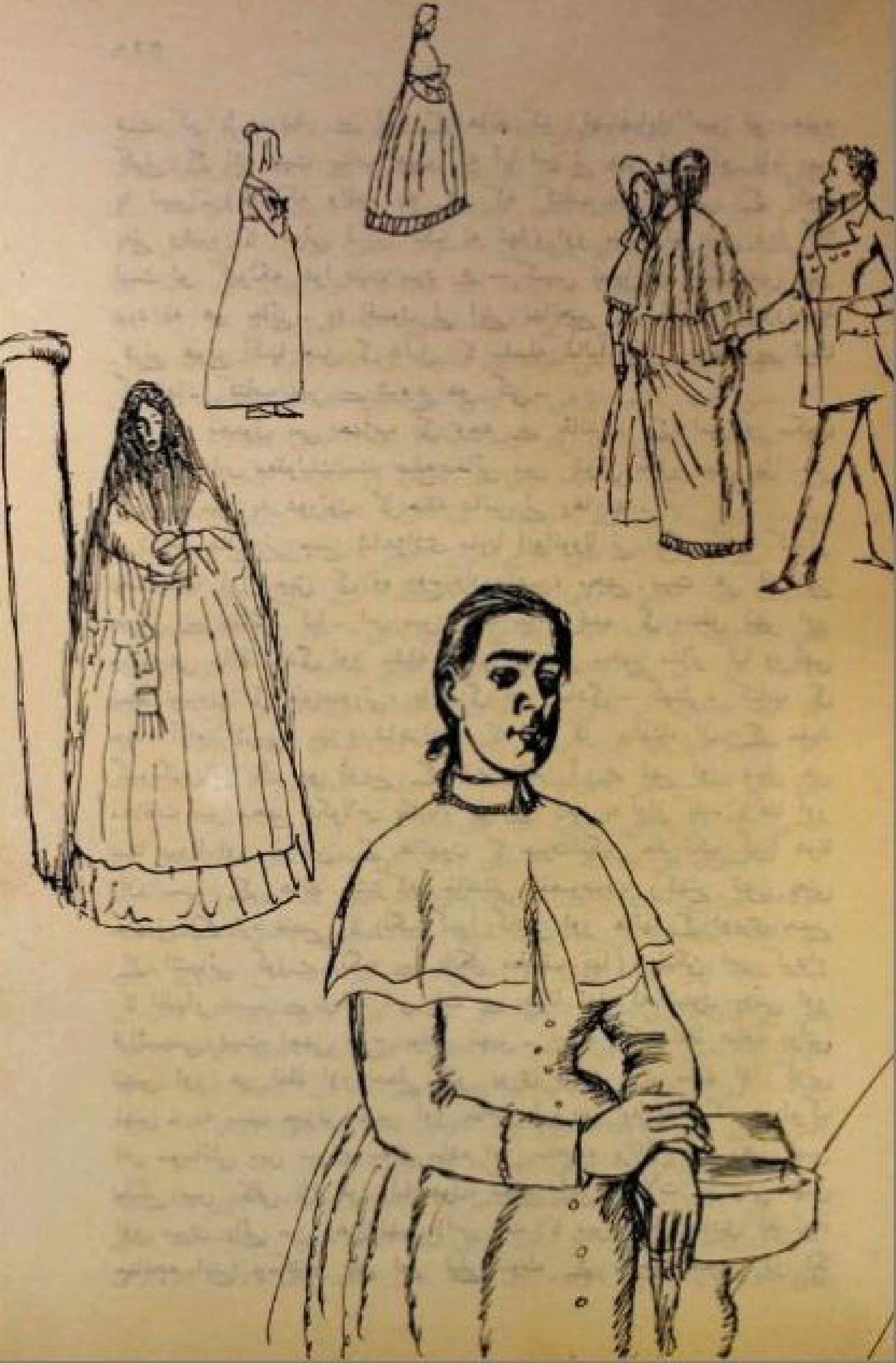

دے کر بڑے پیار سے اس کے ہاتھ کو تھپتھپایا "میں تو معلوم کرنے کے لئے بہت بیتاب ہوں کہ آیا اس نے پھر اس کو پایا بھی یا نہیں۔ (حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ کتاب میں کسی کے کچھ پانے وغیرہ کا کوئی ذکر تک نہ تھا) اور میتیا تم بیٹے ذرا گلا لپیٹ لو کیونکہ ہوا بہت سرد ہے — کہیں تمہارے دانت میں پھر درد نہ ہو جائے۔" انہوں نے اپنے بھانجے کی خفگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہا جس کی دلیل کا سلسلہ غالباً ان کی وجہ سے ٹوٹ گیا تھا۔ کتاب پھر سے شروع ہو گئی۔

اس معمولی سی جھڑپ کی وجہ سے خاندان کے امن و سکون میں اور اس معقولیت پسند صلح صفائی میں کوئی خلل نہیں پڑا جس کی فضا میں یہ عورتوں کا حلقہ سانس لے رہا تھا۔

اس حلقے نے جسے شاہزادی ماریا ایوانوونا نے ایک خاص کردار بخشا تھا اور جس کی وہ روح رواں تھیں، مجھے بہت ہی انوکھے طریقے سے متاثر کیا۔ اس میں ایک خاص قسم کی منطق تھی اور ساتھ ہی ساتھ سادگی اور سلیقہ۔ جس چیز نے مجھے متاثر کیا وہ تھی تمام چیزوں کی خوبصورتی، پاکیزگی اور سادگی — گھنٹی، کتاب کی جلد، آرام کرسی، میز، شاہزادی کا تن کر بیٹھنا، ان کے سفید گھونگھریالے بال جو ٹوپے کے باہر نظر آ رہے تھے اور پہلی ہی ملاقات میں مجھے نکولاس پکارنا، ان کے کام، بہ آواز بلند پڑھنا اور سینا پرونا اور خواتین کے ہاتھوں کا حیرت‌انگیز حد تک گورا ہونا (ان سب کے ہاتھ مشترکہ خاندانی خصوصیت رکھتے تھے یعنی ہتھیلی کے نرم حصے کا رنگ گہرا گلابی اور ہاتھ کے اوپری حصے کے انتہائی گورے رنگ سے بالکل مختلف تھا)۔ لیکن اس کردار کا اظہار سب سے زیادہ اس بات سے ہوتا تھا کہ تینوں روسی اور فرانسیسی بہت اچھی طرح بولتی تھیں۔ ایک ایک لفظ صاف بولتی تھیں اور ہر لفظ اور جملے کو پوری صحت کے ساتھ ادا کرتی تھیں۔ یہ سب چیزیں تھیں اور خاص طور پر یہ بات کہ وہ لوگ اس سوسائٹی میں میرے ساتھ سادہ اور سنجیدہ برتاؤ کر رہی تھیں جیسے میں کافی بڑا ہو گیا ہوں، مجھے اپنے خیالات بتا رہی تھیں اور میری رائے سن رہی تھیں (اس بات کا میں بالکل عادی نہ تھا، چنانچہ اپنے چمکدار بٹن اور نیلے سوٹ کے باوجود مجھے ڈر لگا

رهتا تھا کہ کہیں کوئی یہ نہ کہہ دے کہ ''کہیں تم یہ تو نہیں سمجھتے ہو کہ لوگ تم سے سنجیدگی سے بات کریں گے؟ جاؤ جا کر پڑھو!،،)۔ ان سب چیزوں کی وجہ سے ان لوگوں کے درمیان مجھے ذرہ برابر پریشانی محسوس نہیں ہوئی۔ میں کئی بار اٹھ کر مختلف جگہوں پر بیٹھا اور وارینکا کو چھوڑ کر سب کے ساتھ گفتگو کی۔ نہ جانے کیوں مجھے اب بھی خیال ہو رہا تھا کہ وارینکا کے ساتھ اپنی طرف سے باتوں کی ابتدا کرنا نامناسب ہوگا۔

جس وقت کتاب پڑھی جا رہی تھی میں اس کی مترنم آواز سن رہا تھا اور کبھی اس کی طرف دیکھتا اور کبھی پھولوں کے باغ کے ریتیلے راستے کی طرف جس پر بارش نے گول گول حلقے بنادئے تھے۔ کبھی لائم کے درختوں کی طرف دیکھتا جن کی پتیوں پر بارش کے قطرے اب بھی ہلکے پڑتے ہوئے بادل کے زرد اور نیلگوں کنارے سے کبھی کبھی ٹپ ٹپ کر کے گرنے لگتے۔ یہ بادل اب بھی ہمارے چاروں طرف چھائے ہوئے تھے۔ پھر وارینکا کی طرف دیکھتا اور اس کے بعد غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی گلابی شعاعوں کی طرف جنہوں نے پانی سے شرابور سفیدے کے پرانے گھنے درختوں کو جگمگا دیا تھا اور اس کے بعد پھر وارینکا کی طرف دیکھتا — اور میں اس نتیجے پر پہونچا کہ وہ معمولی شکل‌وصورت کی نہیں ہے جیسی کہ وہ مجھے پہلے لگی تھی۔

''افسوس تو یہ ہے کہ میں پہلے ہی محبت میں مبتلا ہو چکا ہوں،، میں نے سوچا ''اور وارینکا سونیچکا نہیں ہے، ورنہ اس خاندان کا دفعتاً ایک فرد بن جانا کتنا اچھا رہتا! مجھے ایک دم ایک ماں، ایک خالہ اور ایک بیوی مل جاتی۔،، اور اس طرح سوچتے ہوئے میں نے وارینکا کی طرف دیکھا جو کتاب پڑھ رہی تھی اور میں نے سوچا کہ میں اس پر جادو کردوں‌گا اور اسے میری طرف دیکھنا ہوگا۔ اور وارینکا نے کتاب پر سے نظریں اٹھائیں، میری طرف دیکھا اور جیسے ہی ہماری نظریں چار ہوئیں اس نے اپنی نظریں ہٹا لیں۔

''ابھی بارش بند نہیں ہوئی،، وہ بولی۔

اور دفعتاً مجھے کچھ عجیب سا احساس ہوا۔ مجھے یاد آگیا کہ اس وقت مجھ پر جو گزر رہی ہے بالکل اسی کیفیت سے پہلے بھی دو چار ہوچکا ہوں۔ اس وقت بھی ہلکی ہلکی بارش ہو رہی

تھی اور سورج سفیدے کے درختوں کے پیچھے غروب ہو رہا تھا اور میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور وہ پڑھ رہی تھی اور میں نے اس پر جادو کر دیا تھا اور اس نے میری طرف دیکھا تھا، بلکہ یہاں تک یاد آیا تھا کہ یہ ایک بار پہلے بھی ہو چکا ہے۔

''کہیں یہ وہی تو نہیں ہے؟ وہی؟،، میں نے سوچا۔ ''کہیں یہ شروعات تو نہیں ہو رہی ہے؟،،

لیکن میں نے جلدی سے فیصلہ کیا کہ یہ ''وہ،، نہیں ہے اور ابھی ابتدا نہیں ہوئی ہے۔ ''اول تو یہ خوبصورت نہیں ہے،، میں نے سوچا ''اور پھر یہ صرف ایک نوجوان لڑکی ہے اور میں بہت سی عام حالات میں اس سے ملا ہوں۔ اور وہ تو سب سے الگ ہوگی۔ اور میں کسی نامعلوم جگہ کسی خاص انداز میں اس سے ملوں گا۔ اور پھر یہ خاندان مجھے صرف اس لئے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک میں نے کچھ دیکھا ہی نہیں ہے،، میں نے سوچا ''اس قسم کی تو دنیا میں ہمیشہ ایسی بہت ہوتی ہیں اور میں اپنی زندگی میں ایسی بہتوں سے ملونگا۔،،

باب ۲٦

میں اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتا ہوں

چائے کے وقت کتاب بند ہو گئی۔ اور خواتین نے ایسے اشخاص اور واقعات کے متعلق بات‌چیت شروع کر دی جن کے متعلق میں کچھ نہ جانتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ یہ جان‌بوجھکر کیا جا رہا ہے تاکہ مجھے یہ احساس ہو جائے کہ گرمجوش خیرمقدم کے باوجود ان کے اور میرے درمیان سن و سال میں اور پوزیشن میں بہت فرق ہے۔ لیکن میں نے اس عام گفتگو میں جس میں حصہ لے سکتا تھا اپنی پچھلی خاموشی کی کمی پوری کردی اور کوشش کی کہ اپنی غیرمعمولی ذہانت اور انوکھےپن کا مظاہرہ کروں۔ میرا خیال تھا کہ میں جو وردی پہنے ہوں اس کا خاص طور پر یہی تقاضا ہے۔ جب دیہاتی بنگلوں کے بارے میں گفتگو ہونے لگی تو میں نے فوراً بیان کرنا شروع کردیا کہ شاہزادہ ایوان ایوانچ کے

پاس ماسکو کے قریب ایسا بنگلہ ہے کہ لوگ لندن اور پیرس سے اسے دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ وہاں ایسا آہنی کٹہرا لگا ہے جس کی قیمت کوئی تین سو اسی ہزار روبل ہوگی اور یہ کہ شاہزادہ ایوان ایوانچ میرے قریبی رشتےدار ہیں اور میں نے آج ہی ان کے ساتھ کھانا کھایا تھا اور انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں ساری گرمیاں اسی بنگلے میں گزاروں لیکن میں نے انکار کردیا کیونکہ میں وہاں کئی بار جا چکا ہوں اور وہاں کے سارے کٹہرے اور پل اب میرے لئے دلچسپ نہیں رہے ہیں کیونکہ ٹھاٹ باٹ مجھے پسند نہیں اور وہ بھی دیہات میں۔ اور میں تو چاہتا ہوں کہ دیہات میں ہر چیز دیہات جیسی ہو۔ یہ سخت اور سفید جھوٹ بولنے کے بعد میں گھبرا گیا اور میرا چہرہ ایسا سرخ ہو گیا کہ ہر شخص نے یقیناً میرا جھوٹ محسوس کرلیا ہوگا۔ وارینکا اس وقت مجھے ایک پیالہ چائے دے رہی تھی اور سوفیا ایوانوونا میری بات کے دوران مجھے تک رہی تھیں۔ ان دونوں نے میری طرف سے منہ موڑ لیا اور کسی اور چیز کے متعلق باتیں کرنے لگیں۔ ان کے چہرے پر ایسے آثار تھے جو میں نے بعد میں اکثر اچھے آدمیوں کے چہروں پر دیکھے ہیں جب کوئی نوعمر شخص ان کے منہ پر سفید جھوٹ بولنے لگے — چہرے کی اس کیفیت کا مطلب ہوتا ہے:

"ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے اور کیوں بول رہا ہے، بچارا!"

میں نے شاہزادہ ایوان ایوانچ کے بنگلے کا ذکر اس لئے کیا کہ شاہزادہ ایوان ایوانچ کے ساتھ اپنی رشتےداری جتانے اور یہ بتانے کا اس سے اچھا کوئی بہانہ نہ ہو سکتا تھا کہ میں نے آج ہی ان کے ساتھ کھانا کھایا ہے۔ لیکن میں نے یہ کیوں کہا کہ ان کے یہاں کا آہنی کٹہرا تین سو اسی ہزار روبل کا ہے اور یہ کہ میں اس گھر میں کئی بار گیا ہوں جب کہ وہاں ایک بار بھی نہیں گیا تھا اور نہ جا سکتا تھا کیونکہ شاہزادہ ایوان ایوانچ ماسکو یا نیپلز میں رہتے تھے اور نخلیودوف گھرانے والے اس بات سے بخوبی واقف تھے۔ اس کی وجہ واقعی میری سمجھ میں نہیں آئی — مجھ میں جھوٹ کی لعنت نہ تو بچپن میں تھی نہ لڑکپن میں اور نہ بعد میں سن رسیدہ ہونے پر۔ اس کے برعکس میں حد سے زیادہ صاف دل

اور راست باز تھا۔ لیکن شباب کے اس ابتدائی زمانے میں بغیر کسی سبب کے بے دھڑک جھوٹ بولنے کی خواہش دل میں پیدا ہوتی تھی۔ میں نے ''بے دھڑک،، جان بوجھکر کہا ہے، اس لئے کہ میں ایسی چیزوں کے متعلق جھوٹ بولتا تھا جن کی قلعی کھلنا بہت آسان ہوتا تھا۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ جو کچھ ہوں اس سے اپنے کو بالکل دوسرا شخص دکھانے کی خودپسندانہ خواہش اور اس کے ساتھ ہی یہ موہوم امید کہ میرے جھوٹ کی گرفت نہ ہوسکے اس عجیب رجحان کا خاص سبب تھا۔

چونکہ بارش رک گئی تھی اور شام کی فضا میں پاکیزگی اور سکون سا تھا، اس لئے چائے کے بعد شاہزادی نے تجویز پیش کی کہ ہم لوگ نیچے باغ میں ٹہلنے چلیں اور ان کی پسندیدہ جگہ چل کر دیکھیں۔ میں نے چونکہ اصول بنا لیا تھا کہ ہمیشہ انوکھی بات کہونگا اور پھر یہ بھی خیال تھا کہ میرے اور شاہزادی جیسے ذہین اور صاحب فراست لوگوں کو آپس میں تکلف کی بے ہودگیوں سے بلندتر ہونا چاہئے اس لئے میں نے جواب دیا کہ مجھے بےمقصد ٹہلنے سے نفرت ہے اور اگر کبھی ٹہلتا ہوں تو بالکل تنہا ٹہلتا ہوں۔ مجھے احساس نہ ہوا کہ میں نے سخت بدتمیزی کی بات کی ہے۔ اس زمانے میں میرا خیال تھا کہ ایک دوسرے کی تعریف میں بنےبنائے جملوں سے زیادہ شرمناک جس طرح کوئی اور بات نہیں اسی طرح بداخلاقی سے صاف بات کرنے سے زیادہ بہتر اور انوکھی بات اور کوئی نہیں ہے۔ بہرحال اپنے جواب سے مطمئن ہوکر میں سب لوگوں کے ساتھ ٹہلنے کے لئے چلا گیا۔

شاہزادی کا پسندیدہ مقام باغ کے بالکل آخر میں کافی گہرائی میں ایک چھوٹے سے پل پر تھا جو ایک چھوٹی سی دلدل کے اوپر واقع تھا۔ منظر بہت ہی محدود تھا لیکن اداس اور دلکش۔ ہم آرٹ اور نیچر کو گڈمڈ کرنے کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب نیچر کا کوئی ایسا منظر دیکھتے ہیں جو ہم نے کبھی تصویر میں نہیں دیکھا ہے تو منظر قدرتی نہیں معلوم ہوتا — اور اس کے برعکس جو مناظر آرٹ میں باربار پیش کئے جاتے ہیں وہ ہمیں فرسودہ معلوم ہوتے ہیں یا اگر ان میں صرف ایسے خیالات اور جذبات کی فراوانی ہوتی ہے جو ہمیں حقیقی زندگی

میں ملتے ہیں تو وہ عجیب و غریب معلوم ہوتے ہیں۔ شاہزادی کی پسندیدہ جگہ سے جو منظر نظر آتا تھا وہ ایسا ہی تھا۔ اس میں ایک چھوٹا سا تالاب تھا جس کے کنارے گھاس اگی ہوئی تھی۔ اس کے ایک دم پیچھے ڈھلوان پہاڑی تھی جس پر پرانے گھنے درخت اور جھاڑیاں تھیں جن کی ہریالی اور شادابی میں تھوڑی تھوڑی دور پر فرق آتا جاتا تھا۔ اور پہاڑی کے دامن میں ایک پرانا سفیدے کا درخت تالاب پر جھکا ہوا تھا۔ اس کی موٹی موٹی جڑیں تالاب کے کنارے گیلی مٹی میں پیوست تھیں اور چوٹی ایک شاندار اور بلند ایش کے درخت کا سہارا لئے ہوئے تھی۔ اس کی خمیدہ شاخیں تالاب کی پرسکون سطح پر جھکی ہوئی تھیں اور تالاب میں ان جھکی ہوئی شاخوں اور آس پاس کی ہریالی کا عکس پڑ رہا تھا۔

''کتنا خوبصورت منظر ہے!،، شاہزادی نے سر ہلاتے ہوئے کسی خاص شخص سے مخاطب ہوئے بغیر کہا۔

''جی ہاں بہت خوبصورت ہے لیکن نہ جانے کیوں کچھ تھیٹر کی سینری کی طرح معلوم ہوتا ہے۔،، میں دکھانا چاہتا تھا کہ ہر چیز کے متعلق میری اپنی رائے ہے۔

شاہزادی منظر سے اس طرح لطف‌اندوز ہوتی رہیں جیسے انہوں نے میرا جملہ سنا ہی نہ ہو۔ اور اپنی بہن اور لیوبوف سرگئی‌ونا سے مخاطب ہوکر انہوں نے چیزوں کو تفصیل سے دکھانا شروع کیا۔ لٹکتی ہوئی ڈالی اور اس کے عکس کو جو انہیں بہت پسند تھا۔ سوفیا ایوانوونا نے کہا کہ سب کچھ بہت حسین ہے اور یہ کہ ان کی بہن کی عادت ہے کہ یہاں گھنٹوں گزار دیتی ہیں۔ لیکن صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ یہ صرف شاہزادی کو خوش کرنے کے لئے کہہ رہی تھیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ جن لوگوں میں عملی محبت کی صلاحیت ہوتی ہے وہ نیچر کی خوبصورتی سے شاذ و نادر ہی متاثر ہوتے ہیں۔ لیوبوف سرگئی‌ونا بھی بہت متاثر معلوم ہو رہی تھیں۔ دوسری باتوں کے علاوہ انہوں نے سوال کیا:

''یہ سفیدا کس چیز کے سہارے کھڑا ہے؟ کیا یہ عرصہ تک اسی طرح کھڑا رہ سکے گا؟،، وہ بار بار اپنے سوزیت کی طرف دیکھتیں جو اپنی ٹیڑھی ٹانگوں سے باربار پل پر سے آجا رہا تھا اور بڑی بےچینی سے دم ہلا رہا تھا جیسے پہلی بار اسے کمرے سے باہر نکلنے کا

موقع ملا ہو۔ دمتری نے اپنی ماں سے بحث شروع کر دی کہ جہاں افق بہت محدود ہو وہاں منظر اچھا ہو ہی نہیں سکتا۔ وارینکا کچھ نہ بولی۔ جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ پل کی سلاخوں پر جھکی کھڑی بالکل سامنے کی طرف دیکھ رہی تھی اور مجھے اس کے چہرے کا صرف ایک حصہ نظر آ رہا تھا۔ غالباً اسے کوئی چیز بہت اچھی لگ رہی تھی بلکہ اس کے دل پر اثر کر رہی تھی کیونکہ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ خوابوں کی دنیا میں پہونچ چکی ہے اور اسے نہ اپنی کوئی خبر ہے اور نہ یہ احساس کہ اسے کوئی تکے جا رہا ہے۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں غور و خوض اور پرسکون اور واضح خیالات کی چمک تھی، اس کے انداز میں اتنی بےپرواہی تھی اور پستہ‌قد ہونے کے باوجود اس میں اتنی شان‌وشوکت تھی کہ اس نے جیسے پھر مجھے مبہوت کردیا اور میں نے پھر اپنے سے سوال کیا: ”کہیں یہ ”شروعات،، تو نہیں ہے؟،، اور پھر خود ہی جواب دیا کہ میں تو سونیچکا کی محبت میں گرفتار ہو چکا ہوں اور وارینکا صرف ایک معمولی نوجوان لڑکی ہے اور میرے دوست کی بہن۔ لیکن اس وقت وہ مجھے بہت پسند آئی اور اس لئے دل میں ایک مبہم سی خواہش پیدا ہوئی کہ کوئی ایسی حرکت یا بات کی جائے جو اسے کچھ حد تک ناگوار ہو۔

”سنو دمتری،، میں نے دمتری سے کہنا شروع کیا اور وارینکا کے نزدیک پہونچ گیا تاکہ وہ بھی سن لے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں ”میرا خیال ہے کہ اگر یہاں مچھر نہ بھی ہوتے تب بھی یہ جگہ کسی طرح خوبصورت نہیں کہی جا سکتی۔ اور اب تو،، میں نے ماتھے پر ہاتھ مارکر واقعی ایک مچھر کو مسلتے ہوئے کہا ”بالکل بےہودہ جگہ ہے۔،،

”لگتا ہے، آپ کو نیچر کی کوئی قدر نہیں ہے؟،، وارینکا نے مجھ سے مخاطب ہوئے بغیر کہا۔

”نیچر سے لطف‌اندوز ہونا ایک بیکار، بےمعنی مشغلہ ہے،، میں نے جواب دیا۔ مجھے بہت خوشی تھی کہ ایک ناخوشگوار سی بات کہہ دی جو انوکھی بھی تھی۔ ایک لمحے کے لئے وارینکا نے غیر محسوس طریقے سے بھویں چڑھائیں جیسے اسے مجھ پر رحم آ رہا ہو اور پھر ویسے ہی سکون قلب کے ساتھ اسی طرف دیکھتی رہی۔

مجھے اس پر غصہ آ رہا تھا لیکن اس کے باوجود پل کی وہ بھوری سلاخیں، جن کا رنگ اڑ گیا تھا اور جن پر وہ جھکی ہوئی تھی، تاریک تالاب میں گرے ہوئے سفیدے کی ڈالی، جو ایسا لگتا تھا کہ اپنی لٹکتی ہوئی ٹہنیوں سے ملنا چاہتی ہے، دلدل کی بو، اپنے ماتھے پر مسلے ہوئے مچھر کا احساس اور اس کی وہ محویت اور بارعب انداز — یہ سب چیزیں بعد میں غیر متوقع طور پر اکثر میری نظروں میں پھرا کرتیں۔

باب ۲۷

دمتری

ٹہلنے کے بعد جب ہم لوگ گھر واپس پہنچے تو وارینکا نے کہا کہ میرا گانے کو جی نہیں چاہتا حالانکہ وہ ہر روز شام کو گایا کرتی تھی اور مجھے یقین ہوگیا کہ یہ میری وجہ سے ہے۔ میں نے سوچا کہ اس کا سبب وہ بات ہے جو میں نے پل پر اس سے کہی تھی۔ نخلیودوف گھرانے والے رات کو کھانا نہیں کھاتے تھے اور جلدی سونے کے عادی تھے۔ اور اس دن چونکہ دمتری کے دانت میں درد تھا، جس کی پیشین گوئی سوفیا ایوانوونا کر چکی تھیں اس لئے ہم لوگ معمول سے پہلے ہی اس کے کمرے میں پہونچ گئے۔ مجھے یقین تھا کہ میں نے اپنے نیلے کالر اور بٹنوں کا تقاضا پورا کر دیا ہے اور یہ کہ میں سب کو پسند آیا ہوں۔ اس لئے میں بہت مگن اور خوش تھا۔ اس کے برخلاف دمتری لڑائی اور دانت کے درد کی وجہ سے بہت چڑچڑا اور مردہ سا ہو رہا تھا۔ وہ میز کے پاس بیٹھ گیا، اپنی کاپیاں نکالیں — اپنی ڈائری اور وہ کاپی جس میں وہ روز شام کو اپنے ماضی کے واقعات اور مستقبل کے فرائض لکھا کرتا تھا — اور کافی دیر تک لکھتا رہا، باربار تیوریوں پر بل ڈالتا اور گلے کو ہاتھ سے سہلاتا جاتا۔

''میرا پیچھا چھوڑ دو!،، وہ اس ملازم پر برس پڑا جسے سوفیا ایوانوونا نے یہ دریافت کرنے کے لئے بھیجا تھا کہ دانت کا درد کیسا ہے اور کیا اسے سینکنے کے لئے کچھ چاہئے۔ اس کے بعد اس نے

مجھ سے کہا کہ تمہارا بستر فوراً تیار ہوا جاتا ہے اور میں ابھی آتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ لیوبوف سرگئی‌ونا کے پاس چلا گیا۔

''کتنے افسوس کی بات ہے کہ وارینکا نہ خوبصورت ہے اور نہ سونیچکا ہے،، میں کمرے میں تنہا رہ گیا تو میں نے سوچا: ''کتنا اچھا ہو کہ یونیورسٹی سے نکلنے کے بعد ان لوگوں کے پاس آؤں اور اس سے شادی کی تجویز پیش کروں! میں کہوں: ''شاہزادی، حالانکہ اب میں نوجوان نہیں رہ گیا اور اس لئے دل‌وجان سے محبت نہیں کر سکتا لیکن ایک عزیز بہن کی طرح ہمیشہ آپ سے محبت کروں گا۔ اور آپ کی تو میں بہت عزت کرتا ہوں،، اس کی ماں سے کہوں گا ''اور جہاں تک آپکا تعلق ہے، سوفیا ایوانوونا تو یقین کیجئے کہ آپ کی بے‌انتہا قدر کرتا ہوں۔ اس کے بعد بہت سادگی اور صفائی سے سوال کروں گا: تم مجھ سے شادی کروگی؟،، ''ہاں،، اور وہ میری طرف ہاتھ بڑھائےگی اور میں اسے دباؤں‌گا اور کہوں‌گا: ''میری محبت الفاظ میں نہیں عمل میں ظاہر ہوگی۔،، پھر مجھے خیال آیا کہ اگر دمتری کو دفعتاً لیوبوچکا سے محبت ہو گئی تو؟ کیونکہ لیوبوچکا کو اس سے محبت ہے۔ اور اگر وہ اس سے شادی کرنا چاہے؟ تو پھر ہم میں سے ایک کو شادی سے باز آنا پڑیگا۔ اور یہ بہت اچھی بات ہوگی کیونکہ یہی تو مجھے کرنا چاھئے، مجھے فوراً دیکھنا چاھئے کہ حالات کیا رخ اختیار کر رہے ہیں، مجھے کچھ بولنا نہ چاھئے بلکہ دمتری کے پاس جا کر کہنا چاھئے: ''میرے دوست ہم لوگوں نے بلاوجہ ایک دوسرے سے راز چھپانے کی کوشش کی۔ تم جانتے ہو کہ تمہاری بہن سے میری محبت میری موت کے بعد ہی ختم ہو سکتی ہے لیکن میں سب جانتا ہوں— تم نے مجھے میری بہترین امید سے محروم کر دیا، تم نے مجھے دکھی کر دیا ہے۔ لیکن نکولائی ارتینیف اپنی ساری زندگی کے دکھ کا بدلہ اس طرح لےگا— یہ رہی میری بہن،، اور میں لیوبوچکا کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدوں‌گا۔ وہ کہےگا: ''نہیں، کبھی نہیں!..،، اور میں کہوں‌گا: ''شاہزادہ نخلیودوف عالی‌ظرفی میں تم مجھے مات نہیں دے سکتے۔ دنیا بھر میں نکولائی ارتینیف سے زیادہ عالی‌ظرف انسان ناپید ہے۔،، اس کے بعد میں تعظیماً جھکوں‌گا اور رخصت ہو جاؤں‌گا — دمتری اور لیوبوچکا روتے ہوئے میرے پیچھے دوڑیں گے

اور خوشامد کریں گے کہ ہماری قربانی قبول کر لو۔ اور میں راضی بھی ہو جاؤں اور خوش ہو جاؤں بشرطیکہ وارینکا سے مجھے محبت ہو...،، یہ خواب و خیال اتنے اچھے تھے کہ میں ان کا ذکر اپنے دوست سے کرنا چاہتا تھا لیکن صاف گوئی کے عہد کے باوجود میں نے محسوس کیا کہ یہ مجھ سے ممکن نہیں ہے۔

دمتری لیوبوف سرگئی‌ونا کے یہاں سے واپس آ گیا۔ اس نے دانت کے درد کے لئے کچھ قطرے دئے تھے لیکن اس کا درد اور بڑھ گیا تھا جس نے اس کو اور افسردہ بنا دیا تھا۔ میرا بستر ابھی تک تیار نہ ہوا تھا اور دمتری کا نوکر، ایک چھوٹا سا لڑکا، اس سے میرے متعلق دریافت کرنے آیا کہ یہ کہاں سوئیں گے۔

’’دفان ہو جاؤ یہاں سے!،، دمتری پاؤں پٹکتے ہوئے چلایا ’’واسکا، واسکا، واسکا!،، لڑکا جیسے ہی گیا کہ اس نے زور زور سے چلانا شروع کیا ’’واسکا میرے لئے فرش پر بستر کردو۔،،

’’نہیں میں فرش پر سو جاؤں گا،، میں بولا۔

’’خیر کوئی بات نہیں، کہیں بچھا دو،، دمتری اسی غصے سے کہتا رہا۔ ’’ارے یہاں کیوں نہیں بچھاتے؟،،

لیکن واسکا سمجھ ہی نہ پایا کہ اس سے کہا کیا جا رہا ہے اور وہ خاموش کھڑا رہا۔

’’تجھے ہو کیا گیا ہے؟ کچھ سنتا ہے۔ میں جیسا کہہ رہا ہوں ویسا کر!،، دمتری ایک دم غصے سے بپھر گیا۔

لیکن واسکا کی سمجھ میں اب بھی کچھ نہ آیا تھا اور وہ ویسے ہی خوف‌زدہ سا خاموش کھڑا رہا۔

’’تو تیرا ارادہ ہے کہ مجھے قتل... دیوانہ کر دے؟،، اور کرسی پر سے اچھل کر واسکا کی طرف دوڑا اور اس کے سر پر گھونسوں کی بوچھار کردی۔ واسکا کمرے سے بےتحاشا بھاگا۔ دروازے پر رک کر دمتری نے میری طرف دیکھا اور ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر غصے اور بےرحمی کے جو آثار آ گئے تھے اس کی جگہ نیکی، شرم اور انتہائی معصومانہ محبت کا ایسا انداز پیدا ہو گیا کہ میرا دل دکھنے لگا اور میں نے لاکھ کوشش کی کہ منہ پھیر لوں لیکن نہ پھیر سکا۔ وہ کچھ نہ بولا بلکہ کمرے میں بہت دیر تک ٹہلتا اور معذرت طلب انداز میں باربار مجھے دیکھتا

رہا۔ اس کے بعد اس نے میز پر سے کاپی اٹھائی، اس میں کچھ لکھا، کوٹ اتارا، اسے احتیاط سے تہہ کیا، اس کونے میں گیا جہاں مقدس تصویر آویزاں تھی، اپنے سینے پر بڑے بڑے سفید ہاتھوں سے صلیب کا نشان بنایا اور عبادت کرنے لگا۔ وہ اتنی دیر تک عبادت کرتا رہا کہ واسکا ایک دری اٹھا لایا اور میں نے سرگوشی کے لہجے میں جیسا اس سے کہا اسی طرح اس نے فرش پر بستر کر دیا۔ میں نے کپڑے اتارے اور فرش پر جو بستر بچھا تھا اس پر لیٹ گیا لیکن دمتری اب بھی عبادت میں مصروف تھا۔ جب میں نے دمتری کی کچھ کچھ جھکی ہوئی پشت کی طرف دیکھا اور اس کے تلوؤں کو دیکھا جن سے سجدہ کرتے وقت تسلیم‌ورضا کا اظہار ہو رہا تھا تو دمتری کے لئے میرے دل میں پہلے سے زیادہ محبت گھر کر گئی اور میں سوچتا رہا: ''دونوں بہنوں کے متعلق جو سوچ رہا تھا اس کا ذکر اس سے کروں یا نہ کروں؟،، عبادت ختم کرنے کے بعد دمتری میرے پاس بستر پر لیٹ گیا اور کہنی کے سہارے لیٹا لیٹا بہت دیر تک ایک ہی انداز میں بڑے پیار سے مجھے دیکھتا رہا۔ اسے تکلیف یقیناً ہو رہی تھی لیکن ایسا لگتا تھا کہ اپنے آپکو سزا دے رہا ہے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو مسکرا دیا۔ وہ بھی مسکرا دیا۔

''مجھ سے کہتے کیوں نہیں،، وہ بولا ''کہ میں نے سخت گھٹیا حرکت کی ہے؟ تم نے اس کے متعلق سوچا تو فوراً تھا؟،،

''ہاں،، میں نے جواب دیا۔ حالانکہ میں کسی اور چیز کے متعلق سوچ رہا تھا لیکن مجھے ایسا محسوس ہوا کہ واقعی میں نے اسی بات کے متعلق سوچا تھا۔ ''ہاں کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ مجھے تم سے یہ توقع نہیں تھی،، اس وقت مجھے اسے تم کہکر مخاطب کرتے ایک خاص خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ ''اچھا خیر تمہارے دانت کا درد کیسا ہے؟ ،، میں نے پوچھا۔

''بہتر ہے، میرے دوست نکولینکا،، دمتری نے اس پیار سے کہا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو تیرتے معلوم ہونے۔ ''مجھے معلوم ہے اور مجھے احساس ہے کہ میں بہت خراب آدمی ہوں اور خدا ہی جانتا ہے کہ میں اپنے آپ کو بہتر بنانے کی کیسی کوشش کرتا ہوں اور کیسی کیسی دعا مانگتا ہوں کہ میری اصلاح کر۔ لیکن

کیا کروں، میرا مزاج ہی ایسا خراب اور بے ہودہ ہے۔ اس کا کیا علاج کروں؟ میں ضبط کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن یہ فوراً تو ممکن نہیں اور میں اس کو تنہا کر بھی نہیں سکتا۔ مجھے کسی کی مدد اور حمایت کی ضرورت ہے۔ لیبوف سرگی‌ونا مجھے سمجھتی ہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے میری بہت مدد کی ہے۔ میری ڈائری مجھے بتاتی ہے کہ میں گذشتہ سال کے مقابلے میں بہت بہتر ہو گیا ہوں۔ ہاں، نکولینکا میرے دوست!،، اس نے غیرمعمولی پیار کے ساتھ کہا اور اس کے لہجے میں اس اعتراف کے بعد بہت سکون تھا ''اس قسم کی عورت کا کتنا اثر ہوتا ہے! یااللہ! ذرا سوچو کہ جب میں اپنی الگ زندگی بسر کروں‌گا تو اس قسم کی دوست کا مجھ پر کتنا اچھا اثر پڑے‌گا! اس کے ساتھ میں بالکل مختلف قسم کا انسان ہو جاتا ہوں۔،،

اور اس کے بعد دمتری نے شادی، دیہات کی زندگی اور اپنی مستقل بہبودی کے کاموں کے بارے میں اپنا منصوبہ بتانے لگا۔

''میں دیہات میں رہوں‌گا۔ ممکن ہے تم بھی مجھ سے ملنے آؤ۔ اور تم سونیچکا سے شادی کروگے،، وہ بولا۔ ''ہمارے بچے ایک ساتھ کھیلیں‌گے۔ ہاں یہ سب باتیں بہت مضحکہ‌خیز معلوم ہوتی ہیں لیکن کون جانے یہ سب باتیں سچ نکلیں۔،،

''ہاں کیوں نہیں،، میں نے مسکرا کر کہا اور ساتھ ساتھ سوچتا رہا کہ اگر اس کی بہن سے شادی کرلوں تو اور بھی اچھا رہے گا۔

''میں ایک بات کہوں،، اس نے کچھ خاموش رہنے کے بعد کہا ''تمہارا صرف خیال ہے کہ تمہیں سونیچکا سے محبت ہے لیکن میں تو سمجھتا ہوں کہ اس محبت میں سنجیدگی نہیں ہے۔ تمہیں اب تک یہ پتہ نہیں ہے کہ سچی محبت کسے کہتے ہیں۔،،

میں نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ مجھے قریب قریب اس سے اتفاق تھا۔ ہم ذرا دیر چپ رہے، پھر دمتری نے کہا:

''تم نے دیکھا ہوگا کہ آج پھر میرے سر پر بھوت سوار ہو گیا تھا اور واریا سے بھی بری طرح جھگڑا کرلیا۔ بعد میں مجھے بہت افسوس ہوا خاص طور پر اس لئے کہ سب کچھ تمہاری موجودگی میں ہوا۔ حالانکہ وہ بہت سی چیزوں کے متعلق اس طرح نہیں سوچتی ہے جیسے سوچنا چاہئے لیکن اس کے باوجود وہ لاجواب لڑکی

ہے، بہت اچھی اور خاص طور پر جب اسے اچھی طرح جان جاؤ۔،،
یہ کہنے کے بعد کہ مجھے دراصل محبت نہیں ہے اس نے گفتگو کا موضوع بدل کر اپنی بہن کی جو تعریف شروع کردی وہ میرے لئے بڑی خوشی کا باعث ہوئی اور میں ذرا جھینپ سا گیا۔ لیکن بہرحال میں نے اس کی بہن کے متعلق اس سے کچھ نہ کہا اور ہم لوگ کسی اور چیز کے متعلق باتیں کرتے رہے۔

اور اس طرح ہماری باتیں جاری رہیں یہاں تک کہ مرغ نے دوسری بار بانگ دی اور کھڑکی سے سپیدہ سحری نظر آنے لگا اور اس وقت دمتری اپنے پلنگ پر چلا گیا اور روشنی گل کر دی۔

''اچھا اب سو جاؤ،، وہ بولا۔

''ہاں،، میں نے جواب دیا ''لیکن ایک بات اور۔،،

''کیا؟،،

''زندگی بڑی شاندار چیز ہے۔ ہے نا؟،،

''ہاں بہت شاندار ہے،، اس نے ایسی آواز میں جواب دیا کہ اس تاریکی میں بھی مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس کی آنکھوں میں مسرت اور محبت کی چمک اور ہونٹوں پر طفلانہ مسکراہٹ ہے۔

باب ۲۸

دیہات

دوسرے دن ولودیا اور میں ڈاک گاڑی میں دیہات روانہ ہو گئے۔ راستے میں ماسکو کی ساری یادیں ذہن میں آنے لگیں اور شام ہوتے ہوتے جب گاڑی کے پانچ اڈے گزر چکے تھے سونیچکا والاخینا مجھے یاد آئی۔ ''عجیب بات ہے،، میں نے سوچا ''کہ مجھے محبت ہو گئی ہے اور پھر بھی میں اس کے بارے میں بھول گیا۔ اب اس کے متعلق سوچنا چاہئے۔،، اور میں نے واقعی اس کے متعلق سوچنا شروع کر دیا جس طرح سفر میں سوچا جاتا ہے — یعنی بغیر کسی تسلسل کے۔ لیکن ساری یادیں بہت واضح تھیں۔ اور اس طرح میں نے اپنے اوپر ایسی کیفیت طاری کر لی کہ دیہات پہونچنے کے بعد دو دن تک سارے گھروالوں کے سامنے اور خاص طور پر کاتینکا کے سامنے افسردہ اور سوچ میں ڈوبا سا رہنا لازمی معلوم ہونے لگا کیونکہ

اس قسم کے معاملات کی وہ بہت دلدادہ تھی اور میں نے اسے اشاروں ہی اشاروں میں بتا دیا تھا کہ میرے دل کی حالت کیا ہے۔ دوسروں کے سامنے اور خود اپنے سامنے میں نے بڑی مکاری سے کام لیا اور جان‌بوجھکر وہ تمام آثار پیدا کرنے کی کوشش کی جو میں نے محبت کرنےوالوں میں دیکھے تھے لیکن اس کے باوجود ان دو دنوں میں نے ہر وقت یہ نہیں سوچا کہ مجھے محبت ہے بلکہ زیادہ‌تر یہ بات شام کو یاد آتی تھی اور آخر میں دیہات کی زندگی کے نئے مشغلوں میں اتنی جلدی پھنس گیا کہ سونیچکا سے اپنی محبت ہی فراموش ہوگئی۔

ہم لوگ رات کو پیتروفسکوئے پہونچے اور میں اس وقت اتنی گہری نیند میں تھا کہ نہ تو گھر دیکھا نہ سفیدے کے درختوں کی روش دیکھی اور نہ گھروالوں کو دیکھا جو کبھی کے سونے کے لئے جاچکے تھے۔ بوڑھے فوکا نے دروازہ کھولا۔ اس کی کمر جھک گئی تھی۔ وہ ننگے پاؤں تھا اور کوئی زنانہ سا روئی کا شلوکہ پہنے تھا۔ اس کے ہاتھ میں شمع تھی۔ ہمیں دیکھ کر خوشی کے مارے اس کی باچھیں کھل گئیں۔ ہمارے شانوں پر پیار کیا، جلدی جلدی اپنا نمدے کا گدا لپیٹ کر الگ کیا اور خود کپڑے پہننے لگا۔ میں ٹھیک سے بیدار ہوئے بغیر ڈیوڑھی اور سیڑھیوں پر سے گزر گیا لیکن پیش‌دالان میں دروازہ کا قفل، کنڈا، ٹیڑھے میڑھے بورڈ، صندوقچی، پہلے کی طرح چربی لگا ہوا پرانا شمعدان، لیمپ میں سرد، خمیدہ اور تھوڑی دیر قبل جلائی ہوئی موم‌بتی کا سایہ، وہی دوہری کھڑکی جس پر ہمیشہ گرد جمی رہتی تھی اور کبھی صاف نہ کی جاتی تھی اور مجھے یاد ہے کہ اس کے پیچھے پہاڑی ایش کا پودا لگا ہوا تھا — یہ ساری چیزیں اتنی جانی‌پہچانی سی تھیں اور سب سے اتنی یادیں وابستہ تھیں اور سب میں اتنی ہم‌آہنگی تھی جیسے ایک ہی خیال میں منسلک ہوں کہ مجھے دفعتاً ایسا محسوس ہوا کہ یہ پرانا عزیز گھر مجھے پیار کر رہا ہے۔ میں نے سوچا: ''ہم لوگ یعنی یہ گھر اور میں اتنے دنوں تک ایک دوسرے کے بغیر رہ کس طرح سکے؟،، اور میں فوراً یہ دیکھنے کے لئے بھاگا کہ اور کمرے اسی حالت میں ہیں یا نہیں۔ ہر چیز ویسی ہی تھی۔ یہ ضرور تھا کہ ہر چیز کچھ پتلی اور چھوٹی ہو گئی تھی اور

میں کچھ زیادہ لمبا زیادہ بھاری اور بھدا ہو گیا تھا۔ لیکن میں جیسا بھی تھا گھر نے بڑے پیار سے مجھے آغوش میں لے لیا، اور ہر فرش نے اور ہر کھڑکی نے سیڑھی کے ہر زینے نے اور ہر آواز نے میرے ذہن میں پرمسرت ماضی کی شکلیں، احساسات اور واقعات کی ایک دنیا جگادی جو اب کبھی واپس نہ آئے گی۔ ہم اپنے بچپن کی خوابگاہ دیکھنے گئے۔ میں نے دیکھا کہ کونوں اور دروازوں کی تاریکی میں پھر میرا طفلانہ خوف چھپا بیٹھا ہے۔ ہم مہمان خانے میں پہونچے ــ کمرے کی ہر چیز پر وہی نرم و نازک مامتا چھائی ہوئی تھی۔ ہم ہال میں پہونچے ــ ایسا معلوم ہوا جیسے بچپن کی ادھم‌بازی اور بےفکری کی خوشی اس کمرے میں باقی رہ گئی تھی اور اسے صرف یہ انتظار تھا کہ پھر سے زندگی مل جائے۔ فوکا ہمیں بیٹھک میں لے گیا۔ اس نے ہمارے بستر بھی وہیں لگا دئے تھے۔ یہاں ایسا محسوس ہوا جیسے ہر چیز ــ آئینہ، آڑ، قدیم چوبی مقدس شبیہہ، سفید کاغذوں کے پیچھے چھپی ہوئی دیواروں کا ہر خم مصیبت کی اور موت کی بات کر رہے تھے اور ایسی چیزوں کی جو اب کبھی زندہ نہ ہوں‌گی۔

ہم لیٹ گئے اور شب‌بخیر کہنے کے بعد فوکا رخصت ہو گیا۔

''اسی کمرے میں اماں کا انتقال ہوا تھا۔ ہے‌نا؟،، ولودیا نے کہا۔

میں نے اس کا جواب نہیں دیا اور بہانہ کیا جیسے میں سو گیا ہوں۔ اگر میں ایک لفظ بھی کہتا تو میں چیخیں مارمار کر رونے لگتا۔ دوسرے دن صبح جب سوکر اٹھا تو دیکھتا ہوں کہ بابا (جنھوں نے ابھی پورے کپڑے نہیں پہنے تھے) ڈریسنگ‌گاؤن اور خوبصورت چپل پہنے منہ میں سگار دبائے ولودیا کے بستر پر بیٹھے اس سے باتیں کر رہے اور قہقہے لگا رہے ہیں۔ وہ خوشی سے اچھل پڑے، میرے پاس آئے اور اپنے بڑے سے ہاتھ سے میری پیٹھ تھپتھپائی اور میری طرف اپنا رخسار بڑھا دیا اور میرے ہونٹوں سے لگا دیا۔

''شاباش، ڈپلومیٹ، شکریہ،، انہوں نے اپنے مخصوص پیار کے انداز میں کہا اور اپنی چھوٹی چمکدار آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگے ''ولودیا نے بتایا کہ تم بہت اچھی طرح کامیاب ہوئے۔

بہت اچھا ہوا۔ جب ارادہ کر لیتے ہو کہ حماقت نہ کروں گا تو بہت کمال کر دیتے ہو۔ بہت بہت شکریہ بیٹے۔ یہاں بہت اچھی گزرے گی اور شاید سردی میں ہم لوگ سینٹ پیٹرس برگ چلے جائیں۔ اس بات کا افسوس ضرور ہے کہ شکار کا زمانہ ختم ہو گیا۔ میں چاہتا تھا کہ اس سلسلے میں بھی تم لوگوں کی تفریح ہو جاتی۔ تمہارا نشانہ اچھا ہے ولدیمار؟ شکار بہت ہے اور میں کسی دن خود تمہارے ساتھ چلوں گا۔ تو خدا نے چاہا تو سردی بھر کے لئے ہم لوگ سینٹ پیٹرس برگ چلے جائیں گے اور تم لوگ وہاں لوگوں سے ملنا اور تعلقات قائم کرنا۔ اب تم لوگ بڑے ہوگئے ہو۔ میں ابھی ولدیمار سے کہہ رہا تھا کہ اب تم اپنے پیروں پر کھڑے ہو گئے ہو اور میرا فرض پورا ہوچکا ہے۔ اب تم راستے پر اکیلے جا سکتے ہو۔ لیکن اگر مشورہ چاہتے ہو تو ضرور لو — اب میں تم لوگوں کا بابا نہیں، دوست اور ساتھی اور مشیر ہوں اور جب مدد کر سکوں گا ضرور کروں گا اور بس۔ تمہارے فلسفے میں یہ بات بیٹھتی ہے یا نہیں، کوکو؟ ٹھیک ہے یا غلط؟ کیوں؟،،

ظاہر ہے میں نے جواب دیا کہ یہ بہت مناسب ہے اور میرا خود بھی یہی خیال ہے۔ اس دن بابا کے چہرے سے بڑی دلکشی، خوشی اور مسرت کا اظہار ہو رہا تھا اور اپنے ساتھ ان نئے تعلقات کے متعلق سوچ کر کہ میں برابر کا ہوں اور ساتھی ہوں میرے دل میں ان کے لئے اتنی محبت کا جذبہ طاری ہوا کہ پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

''اچھا اب یہ بتاؤ کہ ہمارے سب رشتے داروں اور ای ون سے ملے تھے؟ بڑے میاں سے ملنے گئے تھے؟ تم سے کیا باتیں کیں؟،، وہ مجھ سے سوال کرتے رہے ''شاہزادہ ایوان ایوانچ سے ملنے گئے تھے؟،،

اور ہم لوگ کپڑے بدلنے سے پہلے اتنی دیر تک باتیں کرتے رہے کہ دھوپ بیٹھک کی کھڑکیوں سے رخصت ہونے لگی اور یاکوف نے آکر بابا سے کہا کہ گاڑی تیار ہے۔ وہ اب بھی پہلے کی طرح بوڑھا نظر آتا تھا اور پشت پر اس طرح انگلیاں گھماتا تھا اور ہمیشہ دہراتا رہتا تھا ''پھر وہی،،۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟،، میں نے بابا سے سوال کیا۔

''ارے ہاں میں تو بھول ہی گیا تھا،، بابا نے حسب معمول

کاندھوں کو جھٹکا دیا اور کچھ پریشان ہو کر کھنکارے۔ ''آج میں نے ایپی‌فانوف کے گھر جانے کا وعدہ کر لیا تھا۔ تمہیں وہ ایپی‌فانووا تو یاد ہیں نا وہی la belle Flamande ؟ تمہاری اماں کے پاس اکثر آیا کرتی تھیں۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔'' اور کچھ جھینپ کر کاندھے اچکا کر (یا کم سے کم مجھے ایسا محسوس ہوا) پاپا کمرے سے چلے گئے۔

ہماری گپ‌شپ کے دوران لیوبوچکا کئی بار دروازے تک آکر پوچھ چکی تھی: ''میں اندر آجاؤں؟'' لیکن ہر بار پاپا پکار کر کہہ دیتے: ''نہیں، ابھی نہیں آنا چاہئے، اس لئے کہ ہم لوگوں نے کپڑے نہیں پہنے ہیں۔''

''ہرج کیا ہے؟ پہلے بھی تو آپ کو ڈریسنگ گاؤن میں دیکھ چکی ہوں۔''

''جب تک تمہارے بھائی پتلون نہ پہن لیں تم ان سے نہیں مل سکتیں'' انہوں نے جواب دیا ''اگر یہ لوگ دروازے پر دستک دینگے تو کیا یہ تمہارے لئے کافی ہوگا؟ دستک دینا۔ ایسے کپڑوں میں تو تم سے بات کرنا بھی شائستگی کے خلاف ہے۔''

''آپ لوگ بھی خوب ہیں! اچھا خیر جلدی کیجئے اور نیچے مہمان خانے میں آئیے۔ میمی آپ لوگوں سے ملنے کے لئے مری جارہی ہیں'' لیوبوچکا نے باہر سے آواز دی۔

پاپا جیسے ہی کمرے سے رخصت ہوئے میں نے جلدی جلدی یونیورسٹی کی وردی پہنی اور مہمان خانے میں پہونچ گیا۔ اس کے برخلاف ولودیا کو کوئی جلدی نظر نہ آتی تھی۔ وہ بہت دیر تک اوپر یاکوف سے باتیں کرتا رہا کہ چہے اور تیتر کہاں مل سکتے ہیں۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں اسے سب سے زیادہ گھبراہٹ خود اس کے قول کے مطابق اپنے بھائی بہن یا پاپا کے متعلق جذباتیت کے اظہار سے ہوتی تھی۔ اور کسی قسم کے جذبے کے اظہار سے گریز کرنے میں وہ دوسری انتہا کو پہونچ گیا — یعنی سردمہری تک — جس کے نتیجے میں اکثروبیشتر لوگوں کے جذبات مجروح ہوتے تھے جو اس کی وجہ نہ سمجھ پاتے تھے۔ پیش دالان میں پہونچ کر میں نے دیکھا کہ پاپا چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے تیزی سے گاڑی کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ انہوں نے ماسکو والا فیشن‌ایبل سوٹ پہن

رکھا تھا اور عطر لگائے ہوئے تھے۔ مجھ پر نظر پڑی تو خوش ہو کر مسکرائے جیسے کہہ رہے ہوں: ''کیوں، اچھا ہے نا؟،، اور میں پھر ان کی آنکھوں کی مسرت کو دیکھتا رہ گیا جو میں نے صبح کو بھی دیکھی تھی۔

مہمان خانہ وہی روشن اور بڑا کمرہ تھا۔ زرد رنگ کا بڑا انگریزی پیانو رکھا ہوا تھا، بڑی بڑی کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں جن میں سے باغ کے ہرے ہرے درخت اور زردی مائل سرخ روشیں مسکراتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ میمی اور لیوبوچکا کو پیار کرنے کے بعد میں کاتینکا کے پاس جا رہا تھا کہ دفعتاً مجھے خیال آیا کہ اسے پیار کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اور میں رک گیا۔ میں خاموش تھا اور چہرہ تمتما سا رہا تھا۔ کاتینکا بالکل نہ گھبرائی۔ اس نے میری طرف اپنا گورا گورا ہاتھ بڑھا دیا اور یونیورسٹی میں داخل ہونے پر مجھے مبارکباد دی۔ جب ولودیا آیا تو کاتینکا کو دیکھ کر اس کی بھی یہی کیفیت ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم لوگ ایک ساتھ پلے بڑھے تھے اور اس تمام عرصے میں روزانہ ایک دوسرے کو دیکھتے تھے۔ اس لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ پہلی جدائی کے بعد اب ہم ایک دوسرے سے کس طرح ملیں۔ کاتینکا ہم سب سے زیادہ شرما رہی تھی۔ ولودیا پریشان نہیں ہوا بلکہ اس کے سامنے سر کو کچھ جھکا کر وہ لیوبوچکا کے پاس چلا گیا۔ اس سے کچھ باتیں کیں جن میں کوئی سنجیدہ بات نہیں تھی اور پھر کہیں گھومنے نکل گیا۔

باب ۲۹

ہمارے اور لڑکیوں کے روابط

لڑکیوں کے متعلق ولودیا کے کچھ عجیب و غریب تصورات تھے۔ وہ ایسے سوالوں سے دلچسپی لے سکتا تھا کہ کیا یہ لوگ بھوکی ہیں؟ یہ لوگ ٹھیک سے سوئی ہیں؟ کیا ان کا لباس مناسب ہے؟ کیا یہ لوگ فرانسیسی میں ایسی غلطیاں کرتی ہیں جن کی وجہ سے دوسروں کی موجودگی میں اس کو شرمندگی اٹھانی پڑے؟ لیکن اس نے کبھی

اس تصور کو قبول نہ کیا کہ وہ لوگ انسانوں کی طرح بھی کچھ سوچ سکتی ہیں محسوس کر سکتی ہیں اور یہ تو مانتا ہی نہ تھا کہ ان لوگوں سے کسی بات پر بحث بھی کی جا سکتی ہے۔ اگر کبھی وہ لوگ کوئی سنجیدہ سا سوال لے کر اس کے پاس آگئیں (جیسے وہ ہمیشہ ٹالنے کی کوشش کرتی تھیں)، اگر انہوں نے کسی ناول کے متعلق اس کی رائے پوچھ لی یا یونیورسٹی کی پڑھائی کے بارے میں کوئی سوال کر لیا تو ولودیا ان کا منہ چڑا کر چل دیتا تھا یا کوئی بیکار سا فرانسیسی جملہ بول دیا کرتا تھا جیسے comme ci tri joli* وغیرہ۔ یا بہت سنجیدہ منہ بنا کر اور جان بوجھکر احمقانہ انداز اختیار کرکے کوئی ایسا لفظ کہتا جس کا نہ کوئی مطلب ہوتا اور نہ سوال سے کوئی تعلق۔ یکایک آنکھوں کو کچھ میچ کر کہتا ''روٹی،، یا ''چل پڑے،، یا ''کرم کلا،، یا اسی قسم کی کوئی اور بات۔ لیوبوچکا یا کاتینکا مجھے بتاتیں اور میں جب اس کے سامنے ان الفاظ کو دھراتا تو وہ ہمیشہ کہتا:

''اچھا تو تم ان لوگوں سے اب بھی بحث کر لیتے ہو؟ میں جانوں ابھی تک تم میں عقل نہیں آئی۔،،

ایسے وقت اس کو سنے اور دیکھے بغیر یہ اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ اس کے لہجے میں کتنی زبردست حقارت تھی۔ ولودیا کو سن‌بلوغ کو پہونچے دو برس ہو چکے تھے۔ وہ جس حسین عورت کو دیکھ لیتا اس کے عشق میں گرفتار ہوجاتا۔ لیکن اس کے باوجود کہ وہ کاتینکا کو روز دیکھتا تھا (دو سال سے وہ بھی لمبا لباس پہننے لگی تھی اور روزبہ‌روز حسین ہوتی جا رہی تھی) اس سے محبت کرنے کی بات اس کے دماغ میں کبھی نہیں آئی۔ یا تو اس کا سبب بچپن کی غیررومانی یادیں تھیں — مسطر، چادر، اس کی تلون مزاجی جو اب بھی اسے اچھی طرح یاد تھیں یا وہ کراہت جو ہر نوجوان کو ساری گھریلو باتوں سے ہوتی ہے یا عام انسانی کمزوری کی وجہ سے کہ زندگی کی ابتدا ہی میں اگر کوئی بہت اچھی اور خوبصورت چیز مل جائے تو انسان اس سے کتراتے ہوئے سوچتا ہے: ''ارے ایسی تو بہت ملیں گی!،، — بہرحال جو بھی ہو اس

---

* بہت خوب۔

وقت تک ولودیا نے کاتینکا کی طرف مرد کی نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔

ساری گرمی بھر ولودیا اکتایا سا رہا۔ وجہ یہ تھی کہ وہ ہم لوگوں کو کچھ شمار نہیں کرتا تھا اور میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ اس بات کو وہ چھپاتا بھی نہیں تھا۔ اس کے چہرے کی کیفیت مستقل کہا کرتی تھی: ''اف کیا مصیبت ہے! بات کرنے کے لئے بھی کوئی نہیں ہے!،، صبح کو وہ یا تو اکیلا شکار پر چلا جاتا یا اپنے کمرے میں بیٹھ کر کتاب پڑھتا اور کھانے کے وقت تک کپڑے نہ بدلتا۔ اگر پاپا گھر پر نہ ہوتے تو کھانے کے وقت کتاب بھی ساتھ لیکر آتا اور ہم لوگوں سے ایک بھی بات کئے بغیر بس پڑھتا رہتا اور ہم لوگ اس کے تعلق سے اپنے آپکو کچھ مجرم سا محسوس کرتے۔ شام کو بھی مہمان خانے میں صوفے پر جوتے پہنے دراز ہو جاتا اور کبھی کہنی کو تکیہ بنا کر سو جاتا یا نہایت بےمعنی کہانیاں سناتا ــ کبھی کبھی یہ کہانیاں خاصی ناشائستہ ہوتیں جس کی وجہ سے میمی بگڑنے لگتیں اور ان کا چہرہ سرخ ہو جاتا اور ہم لوگوں کا ہنستے ہنستے برا حال ہو جاتا۔ لیکن وہ پاپا اور کبھی کبھی میرے سوا اور کسی رکنِ خاندان سے سنجیدگی سے بات کرنے کے لئے تیار نہ ہوتا۔ لڑکیوں کے متعلق میں غیرارادی طور پر اپنے بھائی کے خیالات کی نقل کرتا حالانکہ اس کی طرح مجھے جذبات سے ڈر نہ لگتا تھا اور لڑکیوں کےلئے حقارت کا جذبہ بھی میرے دل میں اتنا مضبوط اور گہرا نہیں تھا۔ ان گرمیوں میں میں نے کئی بار کوشش بھی کی کہ لیوبوچکا اور کاتینکا کے ساتھ زیادہ بےتکلف تعلقات پیدا کروں اور ان سے باتیں کیا کروں لیکن ہر بار مجھے احساس ہوتا کہ ان لوگوں میں منطقی استدلال کی صلاحیت بالکل نہیں ہے اور بالکل عام قسم کی بہت ہی معمولی چیزوں کے بارے میں بھی کوئی واقفیت نہیں ہے، جیسے یہ کہ زر کیا ہے، یونیورسٹی میں کیا پڑھایا جاتا ہے، جنگ کیا ہے وغیرہ وغیرہ، اور ان چیزوں کو سمجھنے کی طرف سے اتنی بےتعلقی تھی کہ میری تمام کوششوں کا نتیجہ صرف یہی نکلا کہ ان لوگوں کے متعلق میری خراب رائے زیادہ مضبوط ہو گئی۔

مجھے یاد ہے کہ ایک رات لیوبوچکا پیانو پر کوئی ناقابلِ برداشت حدتک مہمل چیز باربار دہراتی رہی۔ ولودیا مہمان خانے میں

صوفے پر لیٹا اونگھ رہا تھا اور بیچ بیچ میں بڑے گہرے طنزیہ انداز میں کسی خاص شخص کو مخاطب کئے بغیر کہہ رہا تھا: ''ارے!.. کیا بوچھار ہے... کیا موسیقار ہے... بالکل بیتھووین! (یہ نام اس نے خاص طور پر بہت طنز سے لیا) واہ کیا خوب... مکرر! بہت خوب،، وغیرہ وغیرہ۔ کاتینکا اور میں اب بھی چائے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے اور مجھے کچھ یاد نہیں کہ کاتینکا نے کس طرح اپنے پسندیدہ موضوع پر گفتگو چھیڑ دی ــ یعنی محبت۔ میں فلسفہ بگھارنے کے موڈ میں تھا اور میں نے محبت کی تعریف اس طرح شروع کی کہ یہ جذبہ ہے کسی دوسرے میں اس چیز کو پانے کا جو خود میں نہیں ہوتا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن کاتینکا نے جواب دیا کہ اس کے برخلاف اگر کوئی لڑکی دولت کی وجہ سے کسی مرد سے شادی کرنے کی بات سوچے تو وہ محبت نہیں ہے اور یہ کہ میرے خیال میں جائداد ساری چیزوں میں سب سے بیکار چیز ہوتی ہے اور سچی محبت وہ ہے جو جدائی کو برداشت کرلے جائے (اس سے میں یہ سمجھا کہ یہ اشارہ دبکوف سے اپنی محبت کا ہے)۔ ولودیا نے غالباً ہماری گفتگو سن لی کیونکہ اس نے کہنی کے سہارے سر اٹھایا اور زور سے چلا کر سوال کیا: ''کاتینکا! روسی ہیں؟،،

''پھر وہی خرافات!،، کاتینکا بولی۔

''کیا؟ مرچ دانی میں؟،، ولودیا ایک ایک حرف پر زور دیتا ہوا بولتا رہا اور میں اس کے سوا اور کچھ نہ سوچ سکا کہ وہ بالکل صحیح کہہ رہا ہے۔

ذہانت، احساس اور فن کی تمیز جو کم‌وبیش عام خصوصیات ہیں ان کے علاوہ ایک داخلی خصوصیت ہوتی ہے، جسے بڑی حد تک سوسائٹی کے مختلف حلقوں میں اور خاص طور پر خاندانوں میں پروان چڑھایا جاتا ہے اور جسے میں ''شعور،، کہتا ہوں۔ اس خصوصیت کا اصل نکتہ تناسب کا روائتی احساس ہو اور چیزوں کے متعلق تسلیم‌شدہ یکطرفہ رائے۔ ایک ہی حلقے یا ایک ہی خاندان کے اگر دو افراد میں یہ خصوصیت ہوتی ہے تو وہ ہمیشہ اپنے جذبات کے اظہار کو ایک خاص نقطے تک لے جا سکتے ہیں جس کے بعد دونوں سمجھ جاتے ہیں کہ اب خالی الفاظ ہی الفاظ ہیں۔ دونوں اچھی طرح محسوس کر لیتے ہیں کہ تعریف کہاں ختم ہوتی

اور طنز کہاں سے شروع ہوا، دلبستگی کی حد کہاں ختم ہوئی اور بناوٹ کی ابتدا ہوئی۔ دوسری قسم کا شعور رکھنے والوں کے لئے یہی بات بالکل مختلف ہوگی۔ ایک ہی قسم کا شعور رکھنے والے ہر چیز کو ایک ہی مضحکہ خیز، خوبصورت یا بدصورت رنگ میں دیکھتے ہیں۔ اس شعور کی یکسانیت میں سہولت پیدا کرنے کے لئے کسی حلقے یا خاندان کے لوگوں میں اپنی زبان بنا لی جاتی ہے، کچھ فقرے گڑھ لئے جاتے ہیں حتیٰ کہ الفاظ تک بنا لئے جاتے ہیں جو ایسے ایسے مفہوم ادا کرتے ہیں کہ دوسرے کچھ نہیں سمجھ پاتے۔ ہمارے خاندان میں ایسا ہی شعور سب سے زیادہ پاپا اور ہم دونوں بھائیوں کے درمیان پیدا ہو گیا تھا۔ دبکوف بھی خاصی اچھی حدتک اس حلقے میں شامل ہو گیا تھا اور اس میں بھی یہی شعور پیدا ہو چلا تھا۔ دمتری اس سے زیادہ ہوشیار تھا لیکن اس سلسلے میں بالکل کورا۔ لیکن ولودیا اور میرے درمیان جس باریکی تک یہ صلاحیت بڑھ گئی تھی ویسی اور کسی کے ساتھ نہیں ہوئی تھی کیونکہ ہم لوگ ایک ہی قسم کے حالات میں پلے اڑھے تھے۔ پاپا اس معاملے میں ہم لوگوں سے پیچھے رہ گئے تھے اور جو بات ہم لوگوں کے لئے اتنی صاف اور آسان تھی جیسے دو اور دو چار ہوتے ہیں، وہ ان کی فہم سے دور تھی۔ مثلاً ولودیا اور میرے لئے خدا جانے کس طرح مندرجہ ذیل الفاظ کے یہ معنی ہو گئے تھے ـ ''کشمش'' کے معنی تھے کہ شیخی خوری سے یہ دکھایا جا رہا ہے کہ میرے پاس پیسے ہیں۔ ''شیشکا'' (صنوبر کا پھل) (اس کے ساتھ ہی انگلیوں کو جوڑنا اور دونوں ''ش'' پر زور دینا ضروری تھا) کے معنی تھے کوئی چیز تازہ، صحت‌مند، خوبصورت لیکن خودنما نہیں۔ کسی نام کو جمع میں بولا جائے تو اس کے معنی تھے موسوم کی غیرمعقول حد تک جانبداری، وغیرہ وغیرہ۔ اس کے علاوہ معنی کا انحصار چہرے کے اتارچڑھاؤ اور مجموعی حیثیت سے گفتگو پر ہوتا تھا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہم میں سے جو بھی کسی خاص پہلو کو سمجھانے کےلئے کوئی لفظ گڑھتا تھا تو دوسرا فوراً اس کے بالکل صحیح معنی سمجھ لیتا تھا۔ لڑکیوں کے پاس ہمارا جیسا شعور نہ تھا اور ہماری اخلاقی برتری اور ان سے حقارت کے جذبے کی اصل وجہ یہی تھی۔

ممکن ہے کہ ان کے پاس اپنا شعور ہو لیکن وہ ہمارے شعور سے اتنا مختلف تھا کہ جو ہمارے لئے محض الفاظ تھے ان میں وہ جذبات دیکھتی تھیں، ہمارے طنز کو سچ خیال کرتی تھیں اور اسی طرح کی دوسری باتیں۔ اس زمانے میں میں یہ نہ سمجھتا تھا کہ اس میں وہ قصوروار نہیں ہیں اور شعور کی یہ کمی بہت اچھی اور ہوشیار لڑکیاں بننے میں مانع نہیں ہوتی۔ چنانچہ میں ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ پھر صاف گوئی کا خیال ذہن میں موجود ہی تھا اور اپنی ذات پر میں نے اسے انتہاپسندی کی حد تک طاری کرلیا تھا اور لیوبوچکا کی خاموش اور صاف گو طبیعت کو رازداری اور دکھاوے کا نام دیا کیونکہ اسے یہ ضرورت نہیں محسوس ہوتی تھی کہ اپنے تمام خیالات اور روحانی جبلتوں کو کرید کرید کر ان کا تجزیہ کیا جائے۔ مثلاً یہ بات مجھے بالکل تصنع معلوم ہوتی تھی کہ لیوبوچکا ہر رات پاپا کے اوپر صلیب کا نشان بناتی تھی اور اماں کی روح کو ثواب پہونچانے کے لئے گرجے میں جب عبادت ہوتی تھی تو وہ اور کاتینکا روتی تھیں اور پیانو بجاتے وقت کاتینکا ٹھنڈا سانس لیکر اوپر چھت کو تکا کرتی تھی۔ میں نے اپنے آپ سے سوال کیا: ان لوگوں نے بڑی عمر کے لوگوں کی نقل کرنا کب سے سیکھ لیا ہے اور آخر ان لوگوں کو اس بات پر شرم کیوں نہیں آتی؟

باب ۳۰

میری مصروفیتیں

بہرحال اس سال گرمیوں میں دوسرے برسوں کے مقابلے میں اپنی نوجوان خواتین کے اور نزدیک آگیا کیونکہ مجھے موسیقی کا بہت شوق پیدا ہو گیا تھا۔ اس موسم بہار میں ہمارا ایک نوجوان پڑوسی ہم سے ملنے آیا اور مہمان خانے میں داخل ہوتے ہی اس نے پیانو کی طرف گھورنا شروع کیا اور میمی اور کاتینکا سے یوں ہی ادھر ادھر کی گفتگو کرتے کرتے اپنی کرسی ان کے قریب لاتا گیا۔ تھوڑی دیر تک موسم اور دیہات کی پرلطف زندگی کی باتیں

کرنے کے بعد اس نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ پیانو بنانے والوں، موسیقی اور پیانو کی بات شروع کر دی اور آخر میں یہ بھی کہہ دیا کہ میں خود بھی بجاتا ہوں۔ اور اس نے واقعی تین والز بجائے اور لیوبوچکا، میمی اور کاتینکا پیانو کے چاروں طرف کھڑی ہو کر اسے بجاتے ہوئے دیکھتی رہیں۔ یہ نوجوان پھر کبھی نہ آیا لیکن اس نے جس طرح پیانو بجایا وہ مجھے بہت پسند آیا اور پیانو بجاتے وقت اس نے جو انداز اختیار کیا اور جس طرح اپنے بالوں کو جھٹکے دیکر ہٹاتا رہا اور خاص طور پر جس طرح اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے آکٹیو بجائے یعنی انگوٹھے اور چھنگلیا کو آکٹیو کے دونوں سروں پر تیزی سے پھیلا دیا پھر انہیں آہستہ آہستہ نزدیک لایا اور پھر تیزی سے پھیلا دیا — یہ سب باتیں مجھے بے انتہا پسند آئیں۔ اس کی یہ دلفریب حرکتیں، بے پروائی کا یہ انداز، بال جھٹکنے کا طریقہ اور پھر وہ توجہ جو ہماری خواتین نے اس کے جوہر کو دی — ان سب باتوں نے میرے دماغ میں یہ بات ڈال دی کہ پیانو بجانا سیکھنا چاہئے۔ اس خیال کے بعد میں نے دل کو یقین دلایا کہ مجھ میں صلاحیت بھی ہے، موسیقی کی لگن بھی، چنانچہ میں نے سیکھنا شروع کر دیا۔ اس سلسلے میں میں نے بھی وہی کیا جو ایسے لاکھوں مرد اور خاص طور پر عورتیں کرتی ہیں جو بغیر کسی اچھے استاد اور بغیر لگن کے گانا بجانا سیکھنا شروع کر دیتے ہیں، اور جنہیں اس بات کا بالکل علم نہیں ہوتا کہ فن کیا کچھ دے سکتا ہے اور اسے کیونکر حاصل کرنے کی سبیل کی جائے کہ وہ کچھ دے نکلے۔ میرے لئے موسیقی بلکہ پیانو بجانا ایک ایسا طریقہ تھا جس کے ذریعہ لڑکیوں کے دلوں کو موہ لیا جائے۔ کاتینکا نے مجھے سرگم سکھائے اور میری اناڑی انگلیوں کو دیکھتے ہی دیکھتے ٹھیک کر دیا اور اس سلسلے میں میں نے دو مہینے تک اس جوش وخروش سے کام لیا کہ اپنی نافرمانبردار چوتھی انگلی تک سے کھانا کھاتے وقت اپنے گھٹنے پر اور سوتے وقت اپنے تکیہ پر باجا بجایا کرتا۔ میں نے فوراً چھوٹے موٹے نغمے بجانا شروع کر دئے اور بڑے جان‌دار طریقے سے avec âme بجانے لگا یہاں‌تک کہ کاتینکا نے بھی اعتراف کیا کہ ان سب میں جان ہے لیکن میں ابھی بالکل بےسرا بجاتا تھا۔

جو نغمے بجاتا تھا وہ جانے پہچانے تھے — والز، گیلپ، محبت کے گیت (arrangés) وغیرہ — یہ سب چیزیں ان ہلکے پھلکے قسم کے نغمہ‌نگاروں کی لکھی ہوئی تھیں، جن کی چیزیں کوئی بھی صاحب‌ذوق موسیقی کی دوکان میں بہت خوبصورت گتوں کے ڈھیر میں سے نکالکر کہہ سکتا ہے: ''یہ ہیں وہ چیزیں جو کبھی نہ بجانے کا کیونکہ ان سے زیادہ خراب، بدمزاقی اور بیکار قسم کی چیزیں کبھی نہیں لکھی گئیں،، اور شاید یہی وجہ ہے کہ ہر کم عمر روسی لڑکی کے پیانو پر آپ کو یہ چیزیں ضرور مل جائیں‌گی۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے پاس بیتھووین کے سوناٹے «Sonate Pathétique» اور «Cis — moll» بھی تھے جن کو نوجوان خواتین ہمیشہ ذبح کیا کرتی ہیں اور جنہیں لیوبوچکا اماں کی یاد میں بجایا کرتی تھی اور دوسری خوبصورت چیزیں بھی بجاتی تھی جو اسے ماسکو کے استاد نے سکھا دی تھیں لیکن اسی استاد کی لکھی ہوئی دوسری چیزیں بھی تھیں جیسے مہمل قسم کے مارچ اور گیلپ۔ لیوبوچکا یہ چیزیں بھی بجاتی تھی۔ کاتینکا کو اور مجھے گمبھیر قسم کی چیزیں نہیں پسند تھیں اور ہماری سب سے زیادہ پسندیدہ چیزیں تھیں «Le Fou» (دیوانہ) اور ''بلبل،، جسے کاتینکا اس طرح بجاتی تھی کہ اس کی انگلیاں نظر نہ آتی تھیں اور میں بھی خاصے اونچے سروں میں اور تسلسل کے ساتھ بجانے لگا تھا۔ میں نے اس نوجوان کے طور طریقے اختیار کر لئے تھے اور اکثر اس بات کا افسوس ہوتا تھا کہ جب میں پیانو بجاتا ہوں تو کوئی اجنبی دیکھنے‌والا نہیں ہوتا۔ لیکن جلد ہی مجھے احساس ہو گیا کہ لسٹ اور کالکبرینر میرے بس کے باہر ہیں اور میں نے محسوس کر لیا کہ کاتینکا کے برابر نہیں پہونچ سکتا۔ اس احساس کی وجہ سے مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ کلاسیکی موسیقی نسبتاً زیادہ آسان ہے اور کچھ انوکھاپن دکھانے کی غرض سے میں فوراً اس نتیجے پر پہونچ گیا کہ مجھے گمبھیر جرمن موسیقی بہت پسند ہے اور جب لیوبوچکا «Sonate Pathétique» بجاتی تو میں جھومنے لگتا حالانکہ ایمان کی بات یہ ہے کہ اس سوناٹا سے میرا جی بہت دن ہوئے اکتا چکا تھا۔ میں خود بیتھووین بجانے لگا اور جرمن انداز سے اس کا نام لینے لگا۔ لیکن اب مجھے یاد آتا ہے کہ اس تمام ہنگامے اور نمود و نمائش کے باوجود مجھ میں صلاحیت

کی قسم کی کوئی چیز تھی ضرور کیونکہ موسیقی مجھ پر اتنا اثر کرتی تھی کہ اکثر آنکھوں میں آنسو آجاتے تھے اور جو چیز مجھے پسند آتی تھی اس کے سر سیکھے بغیر میں اسے پیانو پر بجا لیتا تھا۔ اس لئے اگر ان دنوں کوئی شخص مجھے یہ سکھا سکتا کہ میں موسیقی کو بجائے خود ایک مقصد اور ایسی چیز سمجھوں جو اپنے اندر لطف‌وراحت کا سامان رکھتی ہے اور کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے کہ تیزرفتاری اور شدت‌جذبات کی موسیقی کے زور سے لڑکیوں کے دل لبھا لئے جائیں تو ممکن ہے میں اچھا خاصا ماہر موسیقی بن جاتا۔

اس سال گرمی میں میرا ایک مشغلہ فرانسیسی ناول پڑھنا بھی تھا جو ولودیا بہت بڑی تعداد میں لیتا آیا تھا۔ اس زمانے میں "مونتے کرستو" اور مختلف قسم کے جاسوسی ناول شائع ہونا شروع ہوئے ہی تھے، اور میں نے سیو، ڈیوما اور پال دی کاک کے ناول پڑھ ڈالے۔ تمام انتہائی غیرفطری کردار اور واقعات مجھے اتنے جیتے جاگتے معلوم ہوتے تھے جیسے یہ سب حقیقت ہو۔ اور نہ صرف یہ کہ مجھے یہ شبہہ تک نہ ہوتا تھا کہ مصنف جھوٹ بول رہا ہے بلکہ میرے لئے خود مصنف تک کا کوئی وجود نہ تھا۔ جیتے جاگتے انسان اور واقعات کتابوں کے صفحات میں سے نکل کر میرے سامنے آ کھڑے ہوتے تھے۔ میں جس قسم کے لوگوں کے متعلق پڑھا کرتا تھا انہیں آج تک نہیں دیکھا تھا لیکن اس بات میں مجھے ذرہ برابر شبہہ نہیں تھا کہ اس قسم کے لوگ ایک دن ضرور سامنے آئیں گے۔

ہر ناول میں جن جذبات کا ذکر ہوتا تھا وہ سب میں نے اپنے اندر دریافت کر لئے اور تمام کرداروں میں چاہے وہ ہیرو ہوں یا ویلن میں نے اپنی صورت دیکھ لی جیسے کوئی حساس انسان طبی کتاب پڑھتے وقت محسوس کرتا رہتا ہے کہ ساری بیماریاں مجھ میں موجود ہیں۔ ان ناولوں میں جو بات پسند تھی وہ تھے ان کے عیارانہ خیالات اور اشتعال‌انگیز جذبات اور سچے کردار — اچھے لوگ سر سے پیر تک اچھے تھے اور اسی طرح برے لوگ سر سے پیر تک برے تھے۔ اپنی نوجوانی کے ابتدائی زمانے میں لوگوں کے متعلق میرا بالکل یہی اندازہ تھا۔ اس بات کی مجھے بےحد وانتہا خوشی

تھی کہ یہ سب کچھ فرانسیسی میں ہے اور میں ان شاندار الفاظ کو حفظ کر سکتا ہوں جو کسی اعلیٰ مرتبت ہیرو کی زبان سے نکلے ہیں اور کسی دن بہت ہی اعلیٰ قسم کے کام میں مصروف ہو کر ان الفاظ کو دہرا سکوں گا۔ ان کتابوں کی مدد سے میں نے فرانسیسی کے کتنے مختلف قسم کے جملے گھڑ لئے تھے کہ کبھی کولیی کوف سے پھر ملاقات ہوئی یا اس عورت سے ملاقات ہوئی اور اس سے اپنی محبت کا اظہار کیا تو انہیں استعمال کروں گا۔ میں نے ان لوگوں سے ایسی باتیں کہنے کی تیاری کرلی جو انہیں وہیں ہلاک کردیں! ان ہی ناولوں کی بنیاد پر میں نے ان اخلاقی خوبیوں کے آدرش مرتب کئے جن تک میں پہونچنا چاہتا تھا۔ سب سے زیادہ تو میں یہ چاہتا تھا کہ اپنے تمام اعمال و کردار کے ذریعہ «noble» * ہونے کا ثبوت دوں (میں نے noble کہا، نہ کہ شریف کیونکہ اس فرانسیسی لفظ کے ایک معنی اور بھی ہوتے ہیں جیسے جرمن سمجھ گئے تھے جب ہی انہوں نے لفظ noble کو اپنا لیا اور اسے اپنے لفظ ** ehrlich سے خلط ملط نہیں کیا)۔ پھر میں چاہتا تھا کہ مجھ میں جذبات کی شدت ہو اور آخری چیز یہ کہ میں ارادہ کرچکا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو comme il faut بن سکوں۔ میں نے یہ تک کوشش کی کہ وضع قطع اور عادات و اطوار کے لحاظ سے ان کرداروں کی طرح نظر آؤں جن میں یہ خصوصیات تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ ان گرمیوں میں میں نے جو سینکڑوں ناول پڑھ ڈالے ان میں ایک بڑا جوشیلا ہیرو تھا جس کی بھویں بہت گھنی تھیں۔ اور میں نے اس حد تک اس کی وضع قطع اختیار کرنے کی کوشش کی (روحانی طور پر تو میں اپنے آپ کو بالکل اس ہیرو کی طرح سمجھتا تھا) کہ میں نے جب آئینے میں اپنی بھویں دیکھیں تو مجھے خیال ہوا کہ انہیں قینچی سے ذرا ذرا کتر دینا چاہئے تاکہ زیادہ گھنی ہو سکیں۔ لیکن جب میں نے اس کی کوشش شروع کی تو معلوم ہوا کہ ایک جگہ کافی صفایا ہو گیا ہے۔ اب مجھے انہیں برابر کرنا

---

* Noble — شریف، عالی خاندان۔

** Ehrlich (جرمن) کے معنی ہوتے ہیں ایماندار، شریف، وفادار وغیرہ۔

پڑا اور جب یہ ہو گیا تو میں نے آئینے میں صورت دیکھی اور یہ دیکھ کر دل پر گھونسا سا لگا کہ بھویں غائب ہو چکی تھیں اور صورت سخت بے ڈھنگی نکل آئی تھی۔ بہرحال میں نے یہ سوچ کر دل کو تسکین دی کہ بھویں جلد ہی گھنی ہو جائیں گی جیسے اس منچلے انسان کی تھیں اور مجھے پریشانی صرف یہ تھی کہ گھروالے بھویں غائب دیکھکر کیا کہیں گے۔ میں نے ولودیا سے کچھ بارود لیا، اسے بھوؤں پر ملا اور آگ لگادی۔ بارود میں زیادہ آگ تو نہیں لگ تھی لیکن میری حالت کافی حد تک ایسے شخص کی ہو گئی جو جل گیا ہو۔ کسی کو میری اس حرکت پر شبہہ نہیں ہوا اور میری بھویں واقعی بہت گھنی ہو گئیں لیکن اس وقت تک میں اس منچلے انسان کے متعلق سب کچھ بھول چکا تھا۔

باب ۳۱

Comme il faut

اس تذکرے کے دوران میں کئی بار ایک خیال کا اظہار کر چکا ہوں جو اس فرانسیسی لفظ سے میل کھاتا ہے۔ اور میں یہ ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ اس موضوع پر پورا ایک باب لکھا جائے کیونکہ تعلیم اور سوسائٹی نے مجھ پر جو اثرات ڈالے تھے ان میں یہ سب سے باطل تصور تھا۔

نسل انسانی کو کئی قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے — امیر اور غریب، اچھے اور برے، فوجی اور غیرفوجی، ہوشیار اور بےوقوف وغیرہ وغیرہ میں لیکن ہر شخص کی اپنی ایک پسندیدہ تقسیم ہوتی ہے، جس کی بنیاد پر وہ ہر نئے فرد کو خودبخود الگ خانے میں رکھ دیتا ہے۔ جس زمانے کا میں ذکر کر رہا ہوں اس زمانے میں تقسیم کے متعلق میرا پسندیدہ اصول یہ تھا کہ کون لوگ comme il faut ہیں اور کون لوگ comme il ne faut pas * ہیں۔ دوسری قسم کے لوگوں کی مزید تقسیم میں ایسے لوگ تھے جو

* شریف اور رذیل۔

comme il faut نہیں ہیں اور عام انسان ہیں۔ جو لوگ comme il faut تھے ان کا میں احترام کرتا تھا اور اس قابل سمجھتا تھا کہ مجھ سے برابری سے مل سکتے ہیں۔ جہاں تک دوسری قسم کے لوگوں کا تعلق ہے تو میں یہ دکھانے کی کوشش کرتا تھا کہ میں انہیں حقیر سمجھتا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ مجھے ان سے نفرت تھی اور ان لوگوں کی طرف کچھ ایسا جذبہ رکھتا تھا جیسے وہ میرے لئے ذاتی توہین کا باعث ہوں۔ تیسری قسم کے لوگوں کا میرے لئے وجود ہی نہ تھا — میں انہیں کسی قابل ہی نہ سمجھتا تھا۔ میری یہ comme il faut اس بات پر مشتمل تھی کہ اول تو فرانسیسی زبان پر اور خاص طور سے اس کے تلفظ پر پوری طرح عبور ہونا چاہئے۔ جو شخص فرانسیسی ٹھیک سے نہ بول سکتا تھا اس کی طرف سے میرے دل میں فوراً حقارت کا جذبہ پیدا ہو جاتا تھا۔ ''تم ہم لوگوں کی طرح بات کرنے کی کوشش ہی کیوں کرتے ہو جب تمہیں بات کرنی آتی نہیں؟،، میں دل ہی دل میں بڑے طنز کے ساتھ ایسے شخص سے سوال کرتا۔ comme il faut کی دوسری شرط لمبے، صاف، چمکتے ہوئے ناخن تھے۔ تیسری خصوصیت یہ تھی کہ تعظیم کے لئے جھکنا، ناچنا اور بات کرنا آنا چاہئے۔ چوتھی اور بہت اہم خصوصیت یہ کہ ہر چیز کی طرف سے شان بے نیازی اور ہمیشہ ایک ادا کے ساتھ اس بات کا اظہار کہ ہم اکتائے ہوئے ہیں۔ ان سب چیزوں کے علاوہ میرے پاس کچھ اور پیمانے بھی تھے جن کی مدد سے کسی شخص سے بات کئے بغیر میں طے کر لیتا تھا کہ اس کا تعلق کس قسم کے آدمی سے ہے۔ اس کے کمرے کے سلیقے، اس کی مہر، اس کے خط اور اس کی گاڑی اور گھوڑے کے علاوہ اصل چیز پیر تھے۔ پتلون سے جوتے میل کھاتے ہیں یا نہیں یہ بات فوراً میری نظر میں اس شخص کا درجہ متعین کر دیتی تھی۔ بغیر ایڑی کے جوتے جن کی ٹو لمبی سی ہو اور پتلون جس کے پائنچے نیچے سے پتلے ہوں اور جن میں جوتے کے تسمے نہ ہوں — یہ معمولی قسم کا آدمی تھا۔ جوتے جن کی ایڑیاں اور ٹو گول اور پتلی ہوں اور تسمے لگے ہوئے پتلون جو نیچے جا کر پتلے ہو جائیں اور پیروں کو ڈھک لیں، یا چوڑے ہوں اور ان میں تسمے لگے تو ٹخنے سے نیچے تک اس طرح نظر آئیں جیسے

شاہانہ — اس قسم کے آدمی کو میں غیرمہذب آدمی کہتا تھا mauvais genre۔

کچھ عجیب سی بات ہے کہ اس تصور نے مجھ جیسے آدمی کو اس بری طرح اپنی گرفت میں لے لیا جو یقینی طور پر comme il faut کا اہل نہیں تھا۔ لیکن اس حقیقت کی وجہ کہ اس نے میرے دل میں ایسی جڑ پکڑ لی شاید یہی تھی کہ comme il faut پیدا کرنے کے لئے مجھے بہت سخت محنت کرنی پڑی۔ آج یہ تصور کرکے خوف معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے اس بہترین زمانے میں جب میں سولہ‌برس کا تھا میں نے اپنے بیش‌قیمت وقت کا بہت بڑا حصہ اس خصوصیت کو حاصل کرنے پر صرف کر دیا۔ ایسا لگتا تھا کہ میں جن لوگوں کی نقل کرتا ہوں ان میں یہ خصوصیت بہت ہی آسانی سے آگئی ہے جیسے ولودیا، دبکوف اور میرے جاننےوالوں میں زیادہ‌تر لوگ۔ میں ان لوگوں کی طرف رشک سے دیکھا کرتا اور چھپ چھپ کر فرانسیسی کی مشق کیا کرتا، جس شخص کی تعظیم کرنی ہو اس کی طرف دیکھے بغیر تعظیماً جھکنے کا فن سیکھنے کی کوشش کرتا، گفتگو کرنے، ناچنے، بےنیازی اور اکتاہٹ پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتا، ناخنوں کو تراشا کرتا — اور اس سلسلے میں ناخن کے ساتھ قینچی میں گوشت بھی آ جاتا — اور ہر وقت مجھے احساس رہتا کہ منزل‌مقصود پر پہونچنے سے پہلے ابھی بہت کچھ سیکھنا باقی ہے۔ لیکن جہاں‌تک میرے کمرے، میری میز اور میری گاڑی کا تعلق ہے — تو مجھے بالکل اندازہ نہ تھا کہ انہیں کس طرح سجاؤں کہ comme il faut ہو جائیں۔ عملی کاموں سے اپنی نفرت کے باوجود میں ان چیزوں کی طرف بہرحال توجہ دیتا تھا۔ لیکن دوسروں میں یہ باتیں بالکل فطری معلوم ہوتی تھیں جیسے اس کے علاوہ اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار اپنے ناخنوں پر سخت اور بیکار محنت کرنے کے بعد میں نے دبکوف سے پوچھا جس کے ناخن بہت ہی خوبصورتی سے ترشے ہوئے تھے کہ کیا یہ بہت دنوں سے ایسے ہی ہیں اور آخر تم اس طرح تراشتے کیسے ہو۔ دبکوف نے جواب دیا: ”جہاں‌تک میرا حافظہ ساتھ دیتا ہے میں نے کسی وقت بھی انہیں اس طرح بنانے کی کوشش نہیں کی اور میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ کسی شریف

انسان کے ناخن اس سے مختلف ہو سکتے ہیں‘‘۔ یہ جواب سن کر میں تڑپ اٹھا۔ میں اس زمانے میں اس بات سے واقف نہیں تھا کہ comme il faut بننے میں جو محنت کی جائے اسے پوشیدہ رکھنا چاہئے۔ میرا خیال تھا کہ comme il faut نہ صرف ایک بڑی خصوصیت، ایک بڑی خوبی اور ایک ایسا کمال ہے جسے میں حاصل کرنے کی کوشش کرتا تھا بلکہ یہ زندگی کی لازمی شرط بھی ہے جس کے بغیر نہ مسرت نصیب ہو سکتی ہے اور نہ عزت و وقار حاصل ہو سکتا ہے اور نہ دنیا میں کوئی اچھی بات ہاتھ آ سکتی ہے۔ کوئی مشہور فنکار ہو یا عالم یا بنی‌نوع انسان کا محسن اگر وہ comme il faut نہ ہوتا تو میں اس کی عزت نہیں کر سکتا تھا۔ comme il faut قسم کا آدمی میری نظر میں ان لوگوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ بلند ہوتا تھا۔ وہ ان سے مصوری کراتا، نغمہ نگاری کراتا، کتابیں لکھواتا یا دوسرے اچھے کام کراتا بلکہ ان کی تعریف بھی کرتا کیونکہ کوئی خوبی کسی شخص میں بھی ہو اس کی تعریف تو ہونی ہی چاہئے۔ لیکن ان لوگوں کے ساتھ اسے ایک ہی سطح پر نہیں کھڑا کیا جا سکتا تھا، وہ تو تھا comme il faut لیکن یہ لوگ نہیں تھے۔ اور بس۔ مجھے تو یہاں تک محسوس ہوتا تھا کہ اگر ہمارا کوئی بھائی یا ماں یا باپ comme il faut نہ ہوتے تو میں کہتا کہ یہ ہماری بدقسمتی ہے لیکن ان کے اور میرے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں ہے۔ میں نے جو بیش‌بہا وقت comme il faut کی تمام شرائط کو برتنے کی لگاتار فکر میں صرف کیا جو میرے لئے بہت مشکل تھیں اور جس کی وجہ سے میں کوئی سنجیدہ کام کر ہی نہ پاتا تھا اور نسل انسانی میں دس حصوں میں سے نو کی طرف سے میرے دل میں جو حقارت اور نفرت کا احساس تھا اور comme il faut کے حلقے کے باہر جو بھی اچھی چیز تھی اس طرف سے بےتوجہی — اس تصور نے مجھے جو نقصان پہنچایا اس میں سب سے بڑا نقصان یہ باتیں نہیں تھیں۔ اصل نقصان اس عقیدے نے پہنچایا کہ comme il faut ہونا بذات خود سوسائٹی میں ایک مقام حاصل کرنے کے مرادف ہے۔ اگر انسان comme il faut ہے تو پھر اسے ضرورت نہیں کہ عہدیدار یا گاڑی بنانےوالا ہونے، سپاہی یا عالم بننے کی کوشش

کرے۔ یہ مقام حاصل کرنے کے بعد اس نے اپنا فرض پورا کر دیا بلکہ اپنے آپ کو نسلِ انسانی کی اکثریت سے برتر بنا لیا۔

عنفوانِ شباب کے ایک خاص زمانے میں بہت ہی فاش غلطیوں اور لغزشوں کے بعد عام طور پر ہر شخص ضرورت محسوس کرتا ہے کہ معاشرتی زندگی میں عملی حصہ لے، وہ کوئی پیشہ چن لیتا ہے اور اسی میں لگ جاتا ہے۔ لیکن جو شخص comme il faut ہوتا ہے اس کے لئے ایسی نوبت بہت کم آتی ہے۔ مجھے بہت سے بےشمار ایسے بزرگ، خوددار، خود اعتماد اور صاحبانِ نظر کا علم تھا اور اب بھی ہے جن سے اگر دوسری دنیا میں سوال کیا جائے کہ ''تم کون ہو؟ تم نے وہاں اس دنیا میں کیا کیا؟''، تو وہ اس کے سوا اور کوئی جواب نہ دے سکیں گے: ''میں سر سے پیر تک شریف آدمی تھا۔''

میری قسمت میں بھی یہی ہونا لکھا تھا۔

باب ۳۲

جوانی

اس سال گرمیوں میں میرے دماغ میں خیالات نے جو طوفان برپا کر رکھا تھا اس کے باوجود میں جوان، معصوم، آزاد اور اسی لئے کافی خوش و خرم تھا۔

کبھی کبھی بلکہ اکثر و بیشتر میں صبح سویرے اٹھ بیٹھتا (میں برآمدے کی کھلی ہوا میں لیٹتا تھا اور صبح سویرے سورج کی آڑی ترچھی تیز شعاعیں مجھے جگا دیتی تھیں)، جلدی جلدی کپڑے بدلتا، ایک تولیہ اور ایک فرانسیسی ناول بغل میں دباتا اور گھر سے آدھا ورسٹ دور سفیدے کے کنج کے سایہ میں دریا میں نہانے چلا جاتا۔ اسکے بعد سایہ میں گھاس پر لیٹ جاتا اور پڑھتا، وقتاًفوقتاً کتاب پر سے نظریں ہٹا کر دریا کی طرف دیکھتا جس کی سطح پر نسیمِ صبح لہریں بناتی اور جس کا رنگ درختوں کے سائے میں نیلا معلوم ہوتا، پھر دریا کے اس پار زرد رئی کے کھیتوں کو دیکھتا، کبھی صبح کی روشنی کی چمکیلی سرخ شعاعوں کو دیکھتا جو سفیدے کے درختوں کے تنوں کو رنگین بناتیں۔ یہ درخت ایک دوسرے کے

پیچھے جنگل کی خنک گہرائیوں میں چلے گئے تھے اور مجھے اپنے اندر زندگی کی وہی تازگی بخش اور جواں‌سال قوت محسوس کرکے خوشی ہوتی جو میرے چاروں طرف موجود تھی۔ جب آسمان پر صبح کو بھورے بادلوں کے ٹکڑے ہوتے اور نہانے کے بعد میں تھرتھراتا ہوا باہر نکلتا تو جنگل اور مرغزار کی طرف راستے کا تعین کئے بغیر نکل جاتا۔ تازہ شبنم میں میرے جوتے بھیگ جاتے تو مجھے خوشی ہوتی اور سارے وقت میں فرانسیسی ناول کے مثالی کرداروں کا تصور کیا کرتا۔ کبھی اپنے آپ کو بہت بڑا سپہ‌سالار تصور کرتا، کبھی وزیر اور اس کے بعد بہت ہی طاقتور انسان، اور کبھی طوفان‌بدوش جذبات کا انسان اور میں پریشان ہوکر ادھر ادھر مستقل دیکھتا رہتا اور امید ہوتی کہ دفعتاً ''وہ'' کسی سبزہ‌زار میں یا کسی درخت کے پیچھے نظر آجائے گی۔ جب کبھی اس طرح آوارہ‌گردی کرتا میں کام میں مصروف کسانوں کے پاس پہونچ جاتا تو عام انسانوں کی طرف سے اپنی بےتعلقی کے باوجود غیرارادی طور پر بہت بری طرح پریشان ہو جاتا اور گھبرا اٹھتا اور کوشش کرتا کہ یہ لوگ مجھے نہ دیکھ لیں۔ جب گرمی بڑھ جاتی اور ہماری خواتین اب بھی چائے پینے کے لئے نہ آتیں تو میں اکثر ترکاریوں کی باڑی یا باغ میں چلا جاتا اور جو ترکاریاں اور پھل پکے نظر آجاتے انہیں کھانا شروع کر دیتا۔ یہ میرا محبوب مشغلہ تھا۔ سیب کے باغ میں پہونچیے اور رس بھری کی لمبی، گھنی جھاڑی میں گھس گئے۔ سر پر تپتا ہوا صاف آسمان ہے، چاروں طرف رس بھری کی جھاڑیوں کی زردی مائل سبز پتیاں اور خس و خاشاک گھرے سبز رنگ کا بچھوا کھڑا ہے جس کی پتلی، پھولوں‌والی چوٹی بڑے انداز سے اوپر کی طرف اٹھی ہوئی ہے۔ نیچے کئی قسم کا گوکھرو اپنے غیرفطری خاردار اودے پھولوں سمیت رس‌بھری کی جھاڑی کے اوپر نکل کر ہمارے سر سے بلند ہو گیا ہے اور کہیں کہیں بچھوے کے ساتھ ملکر سیب کے بوڑھے درخت کی شاندار طریقے سے جھکی ہوئی زردی مائل سبز شاخوں کو چھو رہا ہے۔ سیب کے درختوں کی بلندی پر گول، ہاتھی دانت کی طرح چمکتے ہوئے لیکن کچے سیب آفتاب کی تپش میں پلتے معلوم ہوتے ہیں۔ نیچے رس بھریوں کی ایک نوعمر جھاڑی جس میں

پتیاں برائے نام ہی تقریباً سوکھ گئی ہے۔ وہ بل کھاتی ہوئی سورج کی شعاعوں کی طرف لپک رہی ہے۔ شبنم سے نہائی ہوئی گذشتہ سال کی پتیوں کے درمیان گھاس کی سبز، سوئی جیسی پتیاں اور گوکھرو کا نیا پودا سر نکالے جھانک رہے ہیں اور ابدی سائے میں سبز اور گھنے ہو رہے ہیں جیسے انہیں پتہ نہ ہو کہ دھوپ سیب کے درختوں کی پتیوں پر کس طرح چمک رہی ہے۔

اس جھاڑ جھنکاڑ میں ہمیشہ نمی رہتی ہے۔ یہاں گھورے اور مستقل سائے کی مہک بسی ہوئی ہے، مکڑیوں نے جالے بن دئے ہیں اور سیب گر کر زمین پر نشان بنا کر سیاہ ہو جاتے ہیں۔ یہاں رس بھری بھی ہے اور کن گجیا بھی جسے کبھی کبھی آپ دھوکے سے بیری کے ساتھ کھا جاتے ہیں اور اس کے بعد آپ کو دوسری بیری جلد ہی کھانی پڑتی ہے۔ آگے بڑھئے تو چڑیاں ڈر جاتی ہیں جو ہمیشہ ان جھاڑیوں میں بسیرا لیتی ہیں۔ ان کی آوازوں سے پریشانی کا اظہار ہوتا ہے اور شاخوں سے ان کے تیز چھوٹے چھوٹے پر پھڑپھڑاتے ہیں اور شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ گونجتی ہے۔ کہیں پگڈنڈی پر اس احمق باغبان اکیم کے قدموں کی چاپ اور اس کی مسلسل بڑبڑاہٹ سنائی دیتی ہے۔ میں دل میں سوچتا ہوں: ''نہیں مجھے یہاں نہ تو یہ تلاش کر سکتا ہے اور نہ دنیا کا کوئی دوسرا آدمی...،، دونوں ہاتھوں سے رس‌دار بیریاں داہنے بائیں دونوں طرف چھوٹی چھوٹی سفید مخروطی ڈالوں سے توڑتا ہوں اور خوش ہوکر ایک ایک کرکے کھاتا جاتا ہوں۔ پیر گھٹنوں تک بھیگ گئے ہیں، دماغ میں کوئی نہ کوئی مہمل سا خیال چکر لگا رہا ہے (دل ہی دل میں ہزاربار دہراتا ہوں: ''اور بیس، ا... و... ز... سات،،)، بچھوا ہاتھوں میں ڈنک مارتا ہے اور بھیگے ہوئے پتلون میں سے ہوکر پیروں میں بھی ڈس لیتا ہے، سورج کی عمودی شعاعیں کنج کے اندر گھس آتی ہیں اور سر جلنے لگتا ہے۔ کھانے کی خواہش بہت پہلے ہی ختم ہو چکی ہے اور میں اس جھاڑ جھنکاڑ میں تنہا بیٹھا رہتا ہوں، دیکھتا اور سوچتا ہوں اور بس یوں ہی بیریاں توڑ توڑ کر کھاتا جاتا ہوں۔

گیارہ بجے کے قریب جب عورتیں عموماً چائے پی کر اپنا کام کرنے بیٹھ جاتیں تو میں مہمان‌خانے میں چلا جاتا۔ پہلی کھڑکی

پر سفید سوتی پردہ پڑا ہوا تھا۔ اس کی درز سے دھوپ کی شعاعیں ہر اس چیز کو چمکا کر آنکھوں میں چکاچوند پیدا کر دیتیں جو ان کے سامنے آ جاتی اور ان کی طرف دیکھتے ہوئے آنکھوں کو تکلیف ہوتی۔ اس کھڑکی کے پاس کشیدہ‌کاری کا ایک فریم تھا جس کے سفید کپڑے پر مکھیاں خاموشی سے بیٹھی رہتیں۔ اس کے پاس میمی بیٹھی ہوتیں اور غصے سے مسلسل سر جھٹکتی رہتیں اور دھوپ سے بچنے کے لئے ادھر ادھر ہٹتی رہتیں جو کہیں نہ کہیں سے آکر کبھی ان کے ہاتھ پر لکیر سی بنا جاتی یا چہرے پر۔ باقی تین کھڑکیوں میں سے دھوپ چوکھٹوں کے سائے کے ساتھ ساتھ اندر آکر بورے بورے چوکور اور روشن ٹکڑے بنا دیتی۔ دھوپ کے اسی ایک ٹکڑے پر جو مہمان‌خانے کے بغیر روغن کئے ہوئے فرش کے ایک حصے پر تھی اپنی پرانی عادت کے مطابق میلکا لیٹی رہتی اور کان کھڑے کرکے مکھیوں کو دیکھا کرتی جو روشنی کے ٹکڑے پر سے گزرتیں۔ کاتینکا صوفے پر بیٹھی کچھ بنتی یا پڑھتی رہتی اور بےچینی کے ساتھ اپنے سفید اور تقریباً شفاف ہاتھ روشنی میں ہلایا کرتی یا سر کو غصے سے جھٹکتی کہ مکھی اڑ جائے جو اس کی سنہری لٹوں میں گھس کر بھنبھناتی تھی۔ لیوبوچکا یا تو پیٹھ پر ہاتھ باندھے کمرے میں ٹہلا کرتی اور باغ میں جانے تک یوں ہی وقت کاٹتی یا کوئی دھن بجاتی جس کے ایک ایک سر سے میں کبھی کا واقف ہو چکا تھا۔ میں کہیں بیٹھ کر موسیقی یا کتاب پڑھتے سنا کرتا اور اس کا انتظار کرتا کہ مجھ کو خود پیانو بجانے کا موقع مل جائے۔ کھانے کے بعد کبھی کبھی میں لڑکیوں کے ساتھ گھوڑسواری کے لئے راضی ہو جاتا (پیدل ٹہلنے کو میں ایسی ورزش سمجھتا تھا جو دنیا میں میری عمر اور رتبے کے لئے مناسب نہیں ہے)۔ اور ہماری یہ تفریح جس میں میں انہیں غیرمعمولی جگہوں اور گھاٹیوں میں لے جاتا ہمیشہ پرلطف ثابت ہوتی۔ کبھی کبھی کوئی حادثہ سا پیش آ جاتا اور میں بڑی دلیری کا مظاہرہ کرتا اور عورتیں میری گھوڑسواری اور جرأت کی تعریف کرتیں اور مجھے اپنا محافظ سمجھتیں۔ شام کو اگر لوگ ملنے کے لئے نہ آتے تو ہم لوگ سایہ‌دار برآمدے میں چائے پیتے اور پھر پاپا کے ساتھ جاگیر کے معاملات کے سلسلے میں

کام کے لئے جاتے اور اس کے بعد میں اسی پرانی جگہ آرام کرسی میں پھیل جاتا اور پرانے زمانے کی طرح پڑھتا جاتا اور خیالی پلاؤ پکاتا رہتا اور کاتینکا یا لیوبوچکا کو پیانو بجاتے ہوئے سنا کرتا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ میں کمرے میں تنہا رہ جاتا اور لیوبوچکا کوئی پرانی دھن بجا رہی ہوتی اور میں کتاب رکھ دیتا اور بالکونی کے کھلے دروازے میں سے سفیدے کے قدآور درختوں کی خم کھاتی نیچے کی طرف جھکی ہوئی شاخوں کو دیکھا کرتا جن پر شام کے سائے بڑھنا شروع ہو جاتے اور صاف‌شفاف آسمان کو دیکھتا رہتا جس کی طرف اگر گھور کر دیکھتا تو ایسا محسوس ہوتا جیسے مٹیالا زرد سا ایک دھبہ دفعتاً پیدا ہو گیا اور پھر غائب ہو گیا۔ اور ہال سے آتی ہوئی پیانو کی آواز، پھاٹک کی چرخ چوں اور گاؤں واپس آتی ہوئی عورتوں اور ریوڑوں کی آوازوں کو سنتا اور ایک‌دم نتالیا ساویشنا، اماں اور کارل ایوانچ کی صورتیں میری نظروں میں پھرنے لگتیں اور ایک لمحے کے لئے دل پر رنج کے بادل چھا جاتے۔ لیکن اس زمانے میں میری روح میں زندگی اور امید اس قدر سموئی ہوئی تھی کہ یہ یادیں صرف اپنے پروں سے مجھے چھو کر پھڑپھڑاتی ہوئی گزر جاتیں۔

رات کے کھانے کے بعد اور کبھی کبھی رات کو کسی کے ساتھ باغ میں ٹہلنے کے بعد — تاریک روشوں پر اکیلے جاتے ہوئے مجھے ڈر لگتا تھا — میں برآمدے کے فرش پر لیٹ کر سو جاتا۔ ہزاروں مچھر خون چوستے رہتے لیکن اس کے باوجود مجھے بہت خوشی محسوس ہوتی۔ جب پورا چاند ہوتا تو اکثر اپنے گدے پر رات بھر بیٹھا اندھیرے اجالے کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھا کرتا، خاموشی اور شور کو سنتا اور مختلف چیزوں کے متعلق سوچا کرتا، خاص طور پر شاعرانہ اور عشرت‌خیز مسرت کے متعلق کیونکہ اس زمانے میں میرا خیال تھا کہ زندگی کی سب سے بڑی مسرت اسی میں پوشیدہ ہے اور پھر اس بات پر دل دکھتا کہ اب تک میں اس کا صرف تصور کرتا آیا ہوں۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ جیسے ہی لوگ سونے کے لئے چلے جاتے اور مہمان‌خانے کا چراغ اوپری کمروں میں پہونچ جاتا جہاں سے عورتوں کی اور کھڑکیوں کے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں آنا شروع ہو جاتیں تو میں برآمدے

میں پہونچ کر چکر لگانے لگتا اور سارا گھر محوخواب ہو جاتا تو میں ہر قسم کی آوازوں پر کان لگائے رہتا۔ جب تک ذرا سی بھی موہوم امید قائم تھی کہ میں جس مسرت کا خواب دیکھا کرتا ہوں اس کا عشرعشیر بھی مل جائے گا، اس وقت تک میں ٹھنڈے دل سے اپنے لئے اس مسرت کا خیال تک نہ کر سکتا تھا جس کا میں نے تصور کر رکھا تھا۔

ننگے پیروں کی ہر آہٹ پر، کسی کے کھنکھارنے، ٹھنڈا سانس لینے یا کسی کھڑکی کے ذرا سی چرچراہٹ یا کپڑوں کی سرسراہٹ پر میں پلنگ سے اچھل کر کھڑا ہو جاتا، ہر طرف بڑے اشتیاق سے گھورا کرتا اور کان لگا کر سنا کرتا اور بغیر کسی واضح سبب کے دل دھک دھک کرنے لگتا۔ لیکن اوپر کی کھڑکیوں میں روشنی غائب ہو جاتی، پیروں کی چاپ اور بات چیت کی آواز کی جگہ خراٹے سنائی دینے لگے، رات کا چوکیدار اپنی لاٹھی پٹکنے لگتا، کھڑکیوں سے آتی ہوئی سرخ روشنی کی لکیریں غائب ہو جاتیں تو باغ کچھ زیادہ اداس اداس لیکن روشن ہو جاتا۔ آخری شمع برتنوں کے کمرے سے پیش دالان کی طرف شبنم سے تربتر باغ پر روشنی پھینکتی ہوئی چلی جاتی اور کھڑکی سے مجھے نظر آتا کہ بوڑھا فوکا کمر کے بل جھکا ہوا شلوکا پہنے اور ہاتھ میں شمع لئے اپنے بستر کی طرف جا رہا ہے۔ مجھے اکثر اس بات میں بڑا لطف آتا کہ دھڑکتے دل سے مکان کے تاریک سائے میں بھیگی ہوئی گھاس پر دبے پاؤں چلتا ہوا، پیش دالان کی کھڑکی کے پاس پہونچ جاتا اور دم سادھ کر لڑکے کے خراٹے اور فوکا کی کراہیں سنا کرتا جس کا خیال تھا کہ اس کی آواز کوئی نہیں سن سکتا۔ وہ جب بہت دیر تک دعا مانگتا تو میں اس کی عمررسیدہ آواز سنا کرتا۔ آخر اس کی آخری شمع بھی بجھ جاتی، کھڑکی بھی بند ہو جاتی اور میں بالکل اکیلا رہ جاتا اور ہر طرف نظریں دوڑاتا کہ کہیں کوئی گوری چٹی عورت کسی جھاڑی یا میرے بستر کے پاس تو نہیں کھڑی ہے۔ میں تیزتیز قدم بڑھاتا برآمدے میں پہونچ جاتا۔ اس کے بعد میں اپنے بستر پر لیٹ جاتا، منہ باغ کی طرف کر لیتا اور مچھروں اور کیڑوں سے بچنے کے لئے اچھی طرح اوڑھ لیتا، باغ کی

طرف گھورا کرتا اور رات کی آوازوں کو سنا کرتا اور محبت اور مسرت کے خواب دیکھا کرتا۔

اور پھر ہر چیز میرے لئے ایک نئے معنی اختیار کر لیتی: سفیدے کے بوڑھے درخت ایک طرف چاندنی میں چمکتی ہوئی اور دوسری طرف جھاڑیوں اور سڑک پر اندھیرا کرنےوالی ان کی شاخیں اور تالاب کی پرسکون اور انتہائی تابناک سطح جس کی تابناکی آواز کی گونج کی طرح بڑھتی جاتی اور برآمدے کے سامنے پھولوں پر چاندنی میں چمکتے ہوئے شبنم کے قطرے اور سرمئی کیاریوں میں ان کے دل کش سائے، اور تالاب سے پرے چھوں کی چہچہاہٹ اور سڑک پر جاتے ہوئے کسی انسان کی آواز اور دو بوڑھے سفیدے کے درختوں کی آپس میں ٹکرا کر بہت ہی آہستہ سی سرسراہٹ جس کا سننا بھی دشوار تھا، میرے کان کے پاس کمبل کے اندر مچھر کی بھنبھناہٹ، شاخ میں الجھ کر رہ جانےوالے سیب کا خشک پتوں پر گرنا اور مینڈکوں کا اچھلنا جو کبھی کبھی برآمدے کی سیڑھیوں تک اچھل کر چلے آتے اور ان کی سبز پشت چاندنی میں پراسرار طریقے سے چمکتی — یہ سب چیزیں میرے لئے بہت حیرت‌انگیز اہمیت اختیار کر جاتیں، ایسے حسن کی اہمیت جو بہت عظیم اور بےپایاں مسرت کا حامل ہو۔ اور پھر وہ نمودار ہوتی، سیاہ بالوں کی لمبی چوٹی، گداز سینہ، ہمیشہ اداس اور غضب کی حسین، کھلے ہوئے بازو اور جی کھول کر گلے لگنے کی ادا۔ وہ مجھ سے محبت کرتی اور اس کی محبت کے ایک لمحے پر میں اپنی ساری زندگی قربان کر دیتا۔ لیکن چاند آسمان پر بلند سے بلندتر روشن سے روشن‌تر ہوتا جاتا۔ تالاب کی بےپناہ تابناک آواز کی گونج کی طرح واضح سے واضح تر ہوتی جاتی، سائے تاریک سے تاریک‌تر ہوتے جاتے اور روشنی اور زیادہ نکھرتی جاتی اور میں جب ان سب چیزوں کی طرف دیکھتا اور سنتا تو کوئی چیز مجھ سے کہتی کہ اس برہنہ بازوؤں اور آتشیں لمس‌والی ہستی اور مسرت کاملہ کے درمیان بہت فاصلہ ہے اور اس کی محبت ہی تو ساری روحانی خوشی کا سرچشمہ نہیں ہے اور میں اوپر پورے چاند کی طرف جتنا گھور کر دیکھتا مجھے احساس ہوتا کہ سچا حسن اور مسرت اور زیادہ بلند اور زیادہ پاکیزہ اور خدا کے اور زیادہ نزدیک ہے جو سارے حسن اور

مسرت کا سرچشمہ ہے اور غیرمطمئن، لیکن دھڑکتے ہوئے دل میں خوشی کی لہریں اٹھنے لگتیں اور آنکھوں میں آنسو آ جاتے۔

اور میں پھر تنہا رہ جاتا اور مجھے محسوس ہوتا کہ یہ پراسرار شاندار منظر قدرت چاند کے تابناک گولے کو کھینچ رہا ہے اور نہ جانے کس نے ہلکے نیلے رنگ کے آسمان میں بہت بلند لیکن غیرمتعین مقام پر اسے لٹکا دیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ساری فضائے بسیط کو معمور کر دیا ہے اور میں، ایک حقیر سا ذرہ جس کے دامن پر ہر طرح کے بیہودہ گھٹیا اور دنیاوی جذبات کے داغ ہیں لیکن جسے تخیل اور محبت کی بےپایاں قوت عطا کی گئی ہے ۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ ایسے لمحوں میں گویا قدرت اور چاند اور میں سب ایک ہیں۔

باب ۳۳

پڑوسی

گاؤں پہونچنے کے بعد پہلے ہی دن، مجھے یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ پاپا ہمارے پڑوسی اپیفانوف گھرانے والوں کو بہت اچھا کہتے ہیں اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہوئی کہ وہ ان کے گھر بھی گئے۔ ہمارے اور اپیفانوف گھرانےوالوں کے درمیان بہت دنوں سے مقدمےبازی ہو رہی تھی۔ جب میں بچہ تھا تو میں نے اس مقدمے کے سلسلے میں پاپا کو کئی مرتبہ غصہ ہوتے اور اپیفانوف گھرانے پر برستے دیکھا تھا اور میں سمجھا تھا کہ انہوں نے کئی لوگوں کو اپنی حفاظت کے لئے بلایا ہے۔ میں نے یاکوف کو کہتے سنا تھا کہ وہ لوگ ہمارے دشمن ہیں، بدمعاش لوگ ہیں اور مجھے یاد ہے کہ اماں نے کہہ رکھا تھا کہ میرے گھر میں یا میری موجودگی میں ان لوگوں کا بالکل ذکر نہ ہو۔

ان سب باتوں کی بنیاد پر میں نے بچپن میں اپنے ذہن میں بہت واضح تصور قائم کر لیا تھا کہ اپیفانوف گھرانے والے ہمارے دشمن ہیں جو نہ صرف پاپا کا گلا کاٹنا یا انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں بلکہ اگر ممکن ہو تو ان کے بیٹے کو بھی مار ڈالنا چاہتے ہیں اور یہ

کہ صحیح معنی میں یہ بدمعاش لوگ ہیں۔ چنانچہ جب میں نے اودوتیا واسیلئےونا ایپیفانووا عرف la belle Flamande کو اس سال اماں کی خدمت کرتے دیکھا جس سال ان کا انتقال ہوا تھا تو مشکل سے یقین کر سکا کہ ان کا تعلق بدمعاش لوگوں کے خاندان سے ہے۔ بہر حال اس خاندان کے متعلق میری رائے اب بھی انتہائی بری تھی۔ اس سال گرمیوں میں کئی بار ان لوگوں سے ملاقات ہوئی، لیکن اس سارے خاندان کے متعلق میرا تعصب ویسے ہی برقرار رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایپیفانوف گھرانے کے لوگ تھے بھی ایسے ہی۔ خاندان میں ماں تھی جو بیوہ ہوچکی تھی اور عمر پچاس برس کی تھی لیکن اب بھی بہت تروتازہ، خوش‌مزاج قسم کی خاتون تھیں۔ ان کی لڑکی اودوتیا واسیلئےونا بہت خوبصورت تھی اور ان کا اکلا لڑکا پیوتر واسیلئےوچ لفٹنٹ ہوکر وظیفے پر سبکدوش ہو چکا تھا، کنوارا تھا اور بہت سنجیدہ طبیعت کا انسان۔

آننا دمتری‌ونا ایپیفانووا شوہر کے مرتے دم تک، بیس برس اس سے الگ تھلگ رہیں، کبھی کبھی سینٹ پیٹرس‌برگ میں جہاں ان کے رشتہ‌دار تھے لیکن زیادہ‌تر اپنے گاؤں میتیش‌چی میں ان کا قیام رہتا تھا جو ہمارے یہاں سے تین ورست کے فاصلے پر تھا۔ ان کے طرز زندگی کے متعلق اڑوس پڑوس میں ایسے برے برے قصے مشہور تھے کہ ان کے مقابلے میں مسالینا * تو معصوم فرشتہ معلوم ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے اماں نے کہہ رکھا تھا کہ ایپیفانووا کا ذکر تک میرے گھر میں نہ ہو۔ لیکن طنز سے قطع نظر ان کے متعلق جو رسوائے‌زمانہ قصے مشہور تھے ان میں سے دسویں حصے پر بھی یقین کرنا مشکل تھا — وہ قصے جو دیہات میں پڑوس والوں نے مشہور کر رکھے تھے۔ جب میں آننا دمتری‌ونا سے ملا تو اس وقت ان کے یہاں رعایا میں سے میتیوشا نامی ایک مختار ضرور رہتا تھا جو ہر وقت بالوں کو چکنائے اور گھونگھروالے بنائے پھرا کرتا تھا۔ وہ سرکیسین فیشن کا کوٹ پہنتا تھا اور کھانے کے وقت آننا دمتری‌ونا کی کرسی کی پشت پر کھڑا رہتا تھا اور وہ اس کی موجودگی میں

---

* مسالینا — روم کے قیصر کلاودیو کی تیسری بیوی جو اپنی بدچلنی کیوجہ سے مشہور ہوگئی۔

اپنے مہمانوں کو فرانسیسی میں دعوت دیا کرتی تھیں کہ اس کی خوبصورت آنکھوں اور دھانے کی تعریف کریں۔ لیکن اس کے باوجود میں نے کوئی ایسی چیز نہیں دیکھی جس کا چرچا تھا۔ معلوم یوں ہوتا ہے کہ گذشتہ دس برس سے – یعنی جب سے آنا دستری‌ونا نے اپنے فرمانبردار بیٹے پیوتر کو فوج سے واپس بلایا تھا – اس وقت سے انہوں نے اپنی زندگی کا ڈھنگ بدل دیا تھا۔

آنا دستری‌ونا کی زمینداری چھوٹی سی تھی، کل ملا کر سو کسان تھے، اور عیش‌وعشرت کی زندگی میں اخراجات بہت زیادہ تھے چنانچہ دس سال قبل جائداد گروی بلکہ دو بار گروی ہو چکی تھی، اس کی میعاد گزر چکی تھی اور اب اس کے نیلام ہونے کی نوبت آگئی۔ آنا دستری‌ونا نے محسوس کیا کہ یہ ساری باتیں کہ کوئی متولی مقرر ہو، جائداد کی فہرست تیار ہو، جج آئے اور اسی قسم کی دوسری ناخوشگوار باتیں ہوں اس وجہ سے نہیں ہیں کہ وہ سود ادا کرنے میں ناکام رہی ہیں بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ وہ عورت ہیں اسی لئے انہوں نے اپنے بیٹے کو لکھا جو اس وقت اپنی رجمنٹ میں کام کر رہا تھا کہ ایسے مشکل وقت پر آکر اپنی ماں کو بچائے۔

پیوتر واسیلئےوچ ملازمت میں اتنا اچھا جا رہا تھا کہ اسے جلد ہی آزادی سے اپنی روٹی روزی کمانے کی امید ہو چلی تھی لیکن اس نے سب کچھ چھوڑ دیا، استعفا دے دیا اور فرماں‌بردار بیٹے کی طرح جو اپنی ماں کے بڑھاپے میں اسے سہارا دینا اپنا فرض اولین سمجھتا تھا، گاؤں واپس آ گیا۔ (اس نے خود یہ بات بہت ہی خلوص کے ساتھ اپنے خطوط میں لکھی تھی۔)

پیوتر واسیلئےوچ معمولی صورت شکل اور کچھ بےڈھنگے‌پن اور ھکلاھٹ کے باوجود بہت سخت اصولی آدمی تھا اور وقت کے تقاضوں کو پہچانتا تھا۔ کسی نہ کسی طرح چھوٹےموٹے قرض لیکر، جعل‌سازی کرکے، دعائیں مانگ کر اور وعدے کر کے اس نے جائداد کو بچا لیا۔ جائداد کا انتظام اپنے ھاتھ میں لینے کے بعد پیوتر واسیلئےوچ نے اپنے باپ کا بکیشا پہنا، جو گودام میں ڈال دیا گیا تھا، گاڑیاں اور گھوڑے الگ کردئے، سینٹیش‌جی آنے والے مہمانوں کا سلسلہ ختم کیا، نالیاں کھودیں، زیرکاشت زمین میں اضافہ کیا، کسانوں کی زمین میں کمی کی، اپنے جنگل کی لکڑی کاٹی اور بالکل

تاجرانہ حیثیت سے اسے فروخت کیا اور اپنے معاملات کو ٹھیک کر لیا۔ پیوتر واسیلئے وچ نے ایک عہد کیا اور اس پر قائم بھی رہا کہ جب تک سارے قرض ادا نہ ہو جائیں گے اپنے والد کے بکیشا اور کینوس کے کوٹ کے علاوہ جو اس نے خود بنایا تھا کوئی اور کپڑا نہ پہنوں گا اور یہ کہ کسانوں کی معمولی گھوڑاگاڑی کے علاوہ کسی اور گاڑی پر نہ بیٹھوں گا۔ اس نے سارے خاندان پر اپنی سخت زاہدانہ زندگی کو مسلط کرنے کی کوشش کی لیکن صرف اسی حد تک جس حد تک ماں کی عزت نے اس کی اجازت دی جسے وہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔ مہمان‌خانے میں وہ ہکلاتا اور ماں کے تعلق سے انتہائی اطاعت‌شعاری کا مظاہرہ کرتا، ان کی ساری خواہشیں پوری کرتا اور اگر لوگ آنا دستری‌ونا کے حکم کی تعمیل نہ کرتے تو انہیں ڈانٹتا لیکن خود اپنے مطالعہ کے کمرے یا دفتر میں وہ ہر شخص کی بری طرح خبر لیتا کہ میرے حکم کے بغیر میز پر بطخ کیوں پک کر آئی، یا کوئی آدمی آنا دستری‌ونا کے کہنے سے کسی پڑوسی کی خیریت دریافت کرنے کیوں گیا یا کسان لڑکیوں کو باغ کی صفائی کرنے کے بجائے جنگل سے رس‌بھری لانے کے لئے کیوں بھیجا گیا۔

چار سال کے اندر سارے قرضے ادا ہو گئے اور پیوتر واسیلئے وچ ماسکو گیا تو وہاں سے نئے کپڑوں اور نئی گاڑی تارن‌تاس میں واپس آیا۔ لیکن حالات بہتر ہونے کے باوجود اس نے اپنی وہی زاہدانہ عادات برقرار رکھیں جن پر اپنے خاندان والوں اور اجنبیوں کے سامنے فخر کا اظہار کیا کرتا تھا اور وہ اکثر ہکلا ہکلا کر کہتا: ''جو شخص واقعی مجھ سے ملنا چاہتا ہے اسے مجھے اسی پوستین کے کوٹ میں دیکھ کر خوشی ہوگی اور وہ میرے ساتھ کرم‌کلے کا سوپ اور دال‌دلیا کھا لے گا — میں خود یہی کھاتا ہوں۔'' اس کی ہر حرکت اور ہر لفظ سے فخر کا اظہار ہوتا تھا جو اس احساس پر مبنی تھا کہ میں نے اپنی ماں کی خاطر اپنے آپ کو قربان کر دیا ہے اور جائداد واپس لے لی ہے اور دوسروں کی طرف حقارت کا جذبہ تھا کہ انہوں نے اس قسم کی کوئی چیز نہیں کی۔

ماں اور بیٹی کے کردار اس سے مختلف تھے اور وہ دونوں آپس میں بھی کافی الگ الگ قسم کی تھیں۔ ماں سوسائٹی میں بہت ہی

خوش‌دل، ہنس مکھ اور دلچسپ خاتون سمجھی جاتی تھیں۔ جو چیز بھی ہنسی خوشی‌والی اور اچھی ہو اس سے وہ واقعی لطف‌اندوز ہوتی تھیں۔ ان میں یہ خوبی بھی بدرجہ اتم موجود تھی کہ نوعمر لوگوں کو ہنستے کھیلتے دیکھ کر خوش ہو لیں۔ یہ خصوصیت صرف بہت ہی خوش‌مزاج قسم کے بوڑھوں میں ملتی ہے۔ اس کے برخلاف ان کی بیٹی اودوتیا واسیلئے‌ونا بہت سنجیدہ قسم کی لڑکی تھی یا یوں کہا جائے کہ اس میں وہ خاص بے‌نیازی اور کھوئے کھوئے رہنے اور بغیر کسی وجہ کے خودپسندی کا انداز تھا جو عام طور پر کنواری حسیناؤں میں ہوا کرتا ہے۔ وہ جب بھی زندہ‌دلی کا ثبوت دینے کی کوشش کرتی تو اس کی ہنسی عجیب سی معلوم ہوتی جیسے خود اپنے اوپر ہنس رہی ہو یا ان پر جن سے بات کرتی تھی یا ساری دنیا پر جو غالباً اس کا منشا کبھی نہ ہوتا تھا۔ میں اکثر سوچا کرتا کہ اس کے ان جملوں کا کیا مطلب ہے کہ ''ہاں میں بہت حسین ہوں،، یا ''ہاں مجھ پر تو ہر شخص مرتا ہے،، وغیرہ وغیرہ۔ آننا دمتری‌ونا ہمیشہ کچھ نہ کچھ کیا کرتی تھیں۔ انہیں گھر گرہستی اور باغبانی کا، پھولوں، چڑیوں اور خوبصورت چیزوں کا بہت شوق تھا۔ ان کے کمرے اور باغ نہ بہت بڑے تھے نہ بہت سجے ہوئے لیکن ہر چیز اتنی صاف ستھری تھی، اتنی خوبصورتی سے رکھی یا لگی تھی اور ہر چیز پر اس پرتکلف ہلکی پھلکی خوشی کی چھاپ تھی جو خوبصورت سے والز یا پولکا ناچ میں محسوس ہوتی ہے کہ آننا دمتری‌ونا کے مہمانوں نے ان کے باغ اور کمروں کی تعریف کرتے ہوئے انہیں کھلونے کا نام دیا تھا۔ اور یہ لفظ ان پر پوری طرح صادق آتا تھا اور آننا دمتری‌ونا خود ایک کھلونا تھیں — مختصر سی، دبلی پتلی، چمکتا ہوا رنگ اور چھوٹے چھوٹے خوبصورت ہاتھ، ہمیشہ خوش‌وخرم اور بہترین کپڑوں میں ملبوس۔ جو چیز اس سارے کردار میں کچھ بھدی معلوم ہوتی تھی وہ تھی ان کے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں پر ابھری ہوئی گلابی نسیں۔

اس کے برخلاف اودوتیا واسیلئے‌ونا شاید ہی کبھی کوئی کام کرتی ہو، نہ صرف یہ کہ اسے پھولوں اور خوبصورت قسم کے چھوٹے موٹے کام کرنا پسند نہیں تھا بلکہ کپڑوں وغیرہ کی طرف بھی دھیان نہ دیتی تھی اور جب لوگ ملنے آتے تھے تو بھاگی بھاگی کپڑے بدلنے

جاتی تھی۔ لیکن جب کپڑے پہن کر کمرے میں واپس آتی تھی تو واقعی بہت حسین نظر آتی تھی۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ اس کی آنکھوں اور مسکراہٹ سے سردمہری اور ایک ہی قسم کے جذبات کا اظہار ہوتا تھا جو خوبصورت چہروں کی خصوصیت ہے۔ وہ نکسک سے درست تھی، چہرہ بہت ہی حسین تھا اور اس کا سڈول جسم مسلسل یہ کہتا معلوم ہوتا تھا: ''اجازت ہے، دیکھنا چاہتے ہیں تو دیکھئے مجھ کو،،۔

ماں کی ساری زندہ‌دلی اور بیٹی کی شان بےنیازی اور کھوئی کھوئی سی کیفیت میں کوئی چیز ایسی تھی جو بتاتی تھی کہ ماں نے نہ تو اب اور نہ گذشتہ زمانے میں کسی ایسی چیز سے محبت کی ہے جو حسین اور زندہ‌دل نہ ہو اور اودوتیا واسیلئےونا کا مزاج ایسا تھا کہ اگر ایک بار محبت کرےگی تو محبوب کی خاطر اپنی زندگی قربان کر دےگی۔

باب ۳۴

والد کی شادی

والد نے جب اودوتیا واسیلئےونا اپی‌فانووا سے عقدثانی کیا تو اس وقت ان کی عمر اڑتالیس سال کی تھی۔

میرا خیال ہے کہ جب پاپا موسم بہار میں لڑکیوں کے ساتھ گاؤں آئے تو ان پر وہ اضطراب‌آمیز خوشی اور سب سے ملنے جلنے، ہنسنے بولنے کا موڈ سوار تھا جو اکثر جواریوں پر اس وقت طاری ہوتا ہے جب وہ بہت سی رقم جیتنے کے بعد کھیلنا بند کر دیتے ہیں۔ انہیں احساس تھا کہ ابھی ان کی قسمت میں بہت دولت لکھی ہے جسے اگر جوئے میں برباد نہ کیا گیا تو زندگی میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے صرف کیا جا سکتا ہے۔ اور پھر موسم بہار کا تھا، غیرمتوقع طور پر ان کے پاس پیسہ کافی تھا، بالکل تنہا تھے اور اکتاتے تھے۔ میں تصور کر سکتا ہوں کہ یاکوف کے ساتھ معاملات پر گفتگو کرتے ہوئے اپی‌فانوف گھرانے سے مقدمہ بازی کو اور خوبصورت اودوتیا واسیلئےونا کو یاد کیا ہوگا جسے بہت زمانے سے

نہیں دیکھا تھا تو یاکوف سے کہا ہوگا: ''معلوم ہے یاکوف خارلامیچ اس مقدمےبازی کو لمبا کھینچنے کے بجائے میرا خیال ہے کہ اس کمبخت زمین کے ٹکڑے کو چھوڑ ہی دیا جائے۔ کیوں؟ تمہاری کیا رائے ہے؟''

میں تصور کر سکتا ہوں کہ اس سوال پر یاکوف کی انگلیاں اس کی پشت پر اس طرح چل رہی ہوں گی جیسے انکار کر رہی ہوں اور اس نے کسی طرح ثابت کیا ہوگا کہ ''بہرحال ہم حق پر ہیں پیوتر الکساندرووچ''۔

لیکن پاپا نے جانے کے لئے گاڑی تیار کرائی اپنا فیشن‌ایبل زیتونی رنگ کا کوٹ پہنا، سر پر جو کچھ بال بچے تھے انہیں ٹھیک کیا، رومال میں عطر لگایا اور بہت ہی خوش‌وخرم انداز میں اپنے پڑوسی کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ خوشی اس لئے تھی کہ انہیں یقین تھا کہ میں جو کچھ کر رہا ہوں وہی شان‌ریاست ہے اور خاص طور پر اس لئے کہ انہیں ایک خوبصورت عورت سے ملنے کی امید تھی۔

مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ پاپا وہاں گئے تو پیوتر واسیلئےوچ سے نہیں ملے جو کھیت دیکھنے گیا تھا اور انہوں نے ایک دو گھنٹے عورتوں کے ساتھ گزارے۔ میں تصور کر سکتا ہوں کہ اپنے نرم جوتوں سے فرش پر تھپ تھپ کرتے ہوئے وہ مجسم خوش‌مزاج بن گئے ہونگے اور کبھی سرگوشی کرتے ہونگے اور کبھی آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے۔ میں یہ بھی تصور کر سکتا ہوں کہ اس خوش‌مزاج بوڑھی خاتون کو دفعتاً ان پر کتنا پیار آ گیا ہوگا اور انکی سردمہر اور خوبصورت لڑکی کتنی کھل اٹھی ہوگی۔

جب نوجوان خادمہ ہانپتی کانپتی پیوتر واسیلئےوچ کو اطلاع دینے پہونچی ہوگی کہ بڑے ارتینیف خود آئے ہیں تو میں تصور کر سکتا ہوں کہ اس نے غصے سے جواب دیا ہوگا: ''تو پھر کیا ہوا؟ کیوں آئے ہیں؟'' اور پھر اس کے بعد وہ ٹہلتا ہوا آہستہ آہستہ گھر واپس آیا ہوگا اور شاید اپنے مطالعے کے کمرے میں جا کر جان‌بوجھکر سب سے گندا کوٹ پہنا ہوگا اور باورچی سے کہلایا ہوگا کہ خبردار کسی حالت میں بھی کھانے میں کسی چیز کا اضافہ نہ کیا جائے چاہے خود عورتیں اس کے لئے حکم دیں۔

اس کے بعد میں بابا کو ایپی‌فانوف گھرانے والوں کے ساتھ اکثر دیکھا کرتا۔ چنانچہ میں پہلی ملاقات کا کافی واضح طریقے سے تصور کر سکتا ہوں، میں تصور کر سکتا ہوں کہ اس بات کے باوجود کہ بابا نے مقدمے میں صلح کر لینے کی پیش کش کی پیوتر واسیلئےوچ کا چہرہ اترا رہا اور وہ غصے سے بھرا رہا کیونکہ اس نے اپنی ماں کی خاطر ساری زندگی قربان کر دی تھی اور بابا نے اس قسم کی کوئی چیز نہ کی تھی۔ اسے کسی بات پر کوئی تعجب نہ ہوا اور بابا نے ایسا انداز اختیار کیا جیسے اس کی بے رخی کو دیکھا ہی نہیں اور اس سے اس طرح پیش آتے رہے جیسے بہت ہی پر لطف قسم کا مسخرہ ہو جس سے پیوتر واسیلئےوچ کو اکثر تکلیف ہوتی تھی لیکن وہ اپنی مرضی کے خلاف اکثروبیشتر ان کے سامنے ہتھیار ڈالدیا کرتا تھا۔ بابا ہر چیز کو مذاق کا رنگ دینے کے عادی تھے اور پتہ نہیں کیوں وہ پیوتر واسیلئےوچ کو کرنل کہتے تھے اور ایپی‌فانوف جھینپ جاتا تھا اور اس کا چہرہ تمتما اٹھتا تھا اور پہلے سے بھی زیادہ ہکلانے لگتا تھا۔ اس نے میری موجودگی میں ایک بار کہا کہ ”میں ک... ک... کرنل نہیں، لف... لف... لفٹنٹ ہوں“ — لیکن اس کے باوجود بابا نے پانچ منٹ بعد اسے پھر کرنل کہہ کر مخاطب کیا۔

لیوبوچکا نے مجھے بتایا کہ ہمارے گاؤں آنے سے پہلے ایپی‌فانوف گھرانے والوں سے روز انکی ملاقات ہوتی تھی اور یہ کہ حالات بہت دلچسپ ہوتے جا رہے ہیں۔ بابا کو بڑے انوکھے اور دلچسپ انداز میں چیزوں کا انتظام کرنے کا سلیقہ آتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ ان چیزوں میں سادگی اور پرکاری بھی ہوتی تھی چنانچہ انہوں نے شکار اور مچھلی پکڑنے کا اور آتش‌بازی کا بھی انتظام کیا جس میں ایپی‌فانوف گھرانے والے موجود تھے۔ لیوبوچکا نے کہا کہ اگر کمبخت پیوتر واسیلئےوچ نہ ہوتا تو اور بھی مزہ آتا لیکن وہ ہر چیز پر منہ بنا کر ہکلانا شروع کر دیتا تھا اور سارا مزہ کرکرا ہو جاتا تھا۔

ہمارے پہونچنے کے بعد ایپی‌فانوف گھرانے والے صرف دو بار ہم سے ملنے کے لئے آئے اور ہم لوگ وہاں صرف ایک بار گئے۔ لیکن یوم سینٹ‌پیٹرس کے بعد جن پر بابا کا نام رکھا گیا تھا

اور جس میں ایپی فانوف گھرانے والے اور دوسرے بہت سے لوگ آئے تھے، ایپی فانوف گھرانے والوں سے ہمارے تعلقات بالکل ختم ہو گئے۔ صرف پاپا ان لوگوں سے ملنے جاتے تھے۔

اس تھوڑی سی مدت میں جب مجھے پاپا اور دونیچکا کو (اس کی ماں اس کو اسی نام سے پکارتی تھیں) ایک ساتھ دیکھنے کا اتفاق ہوا تو میں نے ان میں یہ باتیں دیکھیں: پاپا مستقل طور پر زندہ دلی کے اس موڈ میں رہتے تھے جس کا مجھے آنے کے پہلے ہی دن احساس ہوا تھا۔ وہ اتنے خوش مزاج اور جوان ہو گئے تھے اور ان میں زندگی اور مسرت اتنی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی کہ ان کی خوشی ان کے اردگرد کے سبھی لوگوں پر اثرانداز ہوتی اور غیرارادی طور پر سب لوگ اتنے ہی خوش نظر آتے۔ جب کبھی اودوتیا واسیلئےونا کمرے میں ہوتیں تو وہ ایک لمحے کے لئے بھی اس کے پاس سے ہٹ کر نہ جاتے اور قدم قدم پر اس کی تعریف میں قصیدے پڑھا کرتے کہ مجھے ان پر شرم آنے لگتی۔ یا وہ خاموشی سے اسے تاکا کرتے اور بڑے جذباتی اور مطمئن انداز میں کاندھے اچکاتے اور کھنکھارا کرتے اور کبھی کبھی مسکرا کر اس سے سرگوشی کرتے لیکن وہ ساری باتیں مذاق کے انداز میں کرتے جو وہ سنجیدہ حالت میں بھی کیا کرتے تھے۔

اودوتیا واسیلئےونا کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ پاپا کی مسرت نے ان پر بھی بہت اثر کیا ہے کیونکہ اس زمانے میں ان کی بڑی بڑی نیلگوں آنکھیں مستقل ہنسا کرتیں البتہ کبھی کبھی ان پر شرمیلے پن کا ایسا دورہ پڑ جاتا کہ مجھے تکلیف ہونے لگتی کیونکہ مجھے اس جذبے کا احساس تھا اور ان کی طرف دیکھ کر مجھے ترس آتا تھا۔ ایسے وقت صاف معلوم ہوتا تھا کہ انہیں ہر نگاہ اور ہر آہٹ سے خوف محسوس ہو رہا ہے۔ انہیں لگتا ہے کہ جیسے ہر شخص انہیں کو گھور رہا ہے اور ان کی ہر بات، ہر چیز سے ناراض ہے۔ وہ ہر شخص کو خوفزدہ سی نگاہوں سے دیکھتیں۔ چہرے پر ایک رنگ آتا ایک جاتا۔ اور وہ بہت جرأت سے بلند آواز میں باتیں شروع کر دیتیں، زیادہ‌تر مہمل باتیں کرتیں اور انہیں اس کا بھی احساس رہتا اور یہ بھی سمجھتیں کہ پاپا سمیت تمام لوگ ان کی باتیں سن رہے ہیں اور اس لئے اور زیادہ جھینپ

جاتیں۔ ایسے وقت پاپا ان کی مہمل باتوں کو نظر انداز کر جاتے اور اسی طرح زور سے کھنکھار کر ان کی طرف بڑے شوق سے دیکھتے رہتے۔ میں نے دیکھا کہ اودوتیا واسیلئےونا پر شرمیلے پن کا دورہ تو بلا سبب بھی پڑا کرتا تھا لیکن یہ دورے اکثر اس وقت ضرور پڑتے تھے جب پاپا کی موجودگی میں کسی نوجوان خوبصورت عورت کا ذکر ہوتا۔ ان کی یہ ادا کہ اکثر اپنی کھوئی کھوئی کیفیت سے نکل کر اس عجیب و غریب اور بھونڈی قسم کی مسرت کا موڈ اپنے اوپر طاری کر لیتیں جس کا میں ذکر کرچکا ہوں، پاپا کے پسندیدہ جملوں اور لفظی الٹ پھیر کی تکرار، پاپا کے شروع کئے ہوئے موضوع پر دوسروں سے ان کی بحث — اگر میرے باپ کی جگہ کوئی اور ہوتا اور میں کچھ اور بڑا ہوتا تو ان سب چیزوں نے مجھ پر پاپا اور اودوتیا واسیلئےونا کے تعلقات کو واضح کر دیا ہوتا۔ لیکن مجھے ذرہ برابر کوئی شبہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ ایک بار میری موجودگی میں ان کے پاس پیوتر واسیلئےوچ کا خط آیا جسے پڑھ کر وہ بہت پریشان ہو گئے اور اگست کے آخری دنوں تک انہوں نے ایپی‌فانوف گھرانے جانا ترک رکھا لیکن پھر بھی میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

اگست کے آخری دنوں میں پاپا پھر ہمارے پڑوسیوں کے یہاں جانے لگے اور جس دن ولودیا اور میں ماسکو جا رہے تھے، اس سے ایک دن قبل انہوں نے ہمیں اطلاع دی کہ وہ اودوتیا واسیلئےونا سے شادی کرنے والے ہیں۔

باب ۳۵

ہم لوگوں پر اس خبر کا کیا اثر ہوا

جس دن اس خبر کا اعلان کیا گیا ہے اس سے پہلے گھر میں ہر شخص کو اس کی اطلاع ہو گئی تھی اور ہر شخص اس پر رائے زنی کر رہا تھا۔ میمی سارے دن اپنے کمرے سے نہیں نکلیں اور روتی رہیں۔ کاتینکا بھی ان کے ساتھ ہی رہی اور صرف کھانے کے وقت باہر آئی۔ چہرہ ایسا بنا ہوا تھا جیسے کسی نے بہت دکھ

پہنچایا ہو۔ ظاہر ہے یہ انداز اس نے اپنی ماں کو دیکھ کر اختیار کیا تھا۔ اس کے برخلاف لیوبوچکا بہت خوش تھی اور کھانے کے وقت کہہ رہی تھی کہ مجھے ایک بہت دلچسپ راز معلوم ہے جو میں کسی سے نہ کہوں گی۔

''تمہارے راز میں کوئی دلچسپ بات نہیں ہے،، ولودیا نے اس کی خوشی میں حصہ نہ لیتے ہوئے کہا۔ ''اس کے برخلاف اگر تم میں سنجیدگی سے کچھ سوچنے کی صلاحیت ہوتی تو تم اس نتیجے پر پہونچتیں کہ یہ بہت بدقسمتی کی بات ہے۔،،

لیوبوچکا حیرت سے آنکھیں پھاڑے اس کی طرف دیکھتی رہی اور کچھ نہ بولی۔

کھانے کے بعد ولودیا نے میرے ہاتھ میں ہاتھ ڈالنا چاہا لیکن غالباً ڈر گیا کہ یہ بات بہت جذباتی قسم کی ہے اس لئے اس نے میری کہنی چھوکر اشارہ کیا کہ ہال میں آؤ۔

''تمہیں وہ راز معلوم ہے کہ جس کا لیوبوچکا ذکر کر رہی تھی؟،، اس نے جب اطمینان کر لیا کہ ہم لوگ تنہا ہیں تو پوچھا۔

بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ ولودیا اور میں ایک دوسرے سے اس طرح سنجیدگی سے گفتگو کریں چنانچہ جب کبھی ایسا ہوتا تو ہم دونوں کو کچھ عجیب گھبراہٹ سی محسوس ہوتی تھی اور ولودیا کے بقول ایسا لگتا تھا جیسے لڑکے آنکھوں میں کود پھاند کرنے لگے ہیں۔ مگر اب میری نظروں میں پریشانی پڑھ کر وہ مجھے سنجیدگی سے گھورتا رہا جیسے کہہ رہا ہو: ''پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں، آخر ہم لوگ بھائی ہیں اور اس لئے اہم خاندانی مسئلے پر ہمیں ایک دوسرے سے مشورہ کرنا چاہئے۔،، میں سمجھ گیا اور اس لئے وہ بولا:

''تمہیں معلوم ہے پاپا اپیفانووا سے شادی کرنے والے ہیں؟،،

میں نے سر ہلا دیا کیونکہ میں پہلے ہی سن چکا تھا۔

''یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے،، ولودیا بولا۔

''کیوں؟،،

''کیوں؟،، اس نے جھنجھلا کر جواب دیا ''ایسے ہکلے کو عزیز بناتے، کرنل اور تمام رشتے داروں کو اپناتے بہت مزہ آئے گا شاید؟

اور وہ تو صرف اب اچھی معلوم ہوتی ہے، بری نہیں لگتی لیکن کون جانے بعد میں کیا گل کھلائے؟ مانا کہ ہمارے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن لیوبوچکا کو اب دنیا میں جلد ہی قدم رکھنا ہے۔ ایسی سوتیلی ماں کس کام کی۔ فرانسیسی تک بہت خراب بولتی ہے اور اسے کیا طور طریقے سکھائے گی؟ بالکل مچھیرن ہے مچھیرن۔ اگر اچھی بھی ہے تو، ہے تو مچھیرن،، ولودیا کو یہ لفظ ''مچھیرن،، استعمال کر کے بہت خوشی ہوئی ہوگی۔

پاپا کی پسند پر ولودیا نے جس ٹھنڈے دل سے غور کر کے فیصلہ صادر کیا اس پر مجھے تعجب تو ضرور ہوا لیکن ساتھ ہی ایسا محسوس ہوا کہ بات ٹھیک کہہ رہا ہے۔

''پاپا شادی کیوں کر رہے ہیں؟،، میں نے سوال کیا۔

''یہ بھی ایک گورکھ دھندا ہے۔ خدا جانے کیا بات ہے۔ مجھے تو صرف اتنا معلوم ہے کہ پیوتر واسیلئےوچ نے ان پر شادی کرنے کے لئے زور ڈالا، بلکہ مطالبہ کیا۔ پاپا شادی کرنا نہیں چاہتے تھے اور اس کے بعد جانے کس جوش مردانگی میں انہیں یہ بات پسند آگئی — عجیب گورکھ دھندا ہے۔ میں نے تو اب جا کر باپ کو سمجھنا شروع کیا ہے،، ولودیا بولا (اس نے پاپا کو ''باپ،، کہا جس سے مجھے بہت دکھ ہوا) ''اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ آدمی بہت اچھے اور ذہین ہیں لیکن بہت غیرسنجیدہ اور متلون مزاج، حیرت ہے! کسی عورت کی طرف بغیر جذبات کے دیکھ ہی نہیں پاتے۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ کوئی ایسی عورت نہیں ہے جس سے وہ ملے ہوں اور اس کی محبت میں گرفتار نہ ہو گئے ہوں، ارے میمی تک سے تو محبت کر ڈالی انہوں نے۔،،

''ارے کیا کہتے ہو؟،،

''میں جو کہتا ہوں۔ حال ہی میں مجھے پتہ چلا کہ جب میمی جوان تھیں تو ان سے بھی محبت کرتے تھے، انہیں شعر لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے اور دونوں میں کوئی تعلق بھی تھا۔ میمی کا دل آج تک دکھتا ہے،، اور ولودیا ہنسنے لگا۔

''ایسا نہیں ہو سکتا،، میں نے حیران ہو کر کہا۔

''لیکن سوال یہ ہے کہ،، ولودیا پھر سنجیدہ ہو گیا اور ایکدم فرانسیسی میں بات کرنے لگا ''ہم سب عزیزوں کے لئے یہ شادی کس

حد تک قابل قبول ہوگی! اور اس کے بچے بھی ضرور ہوں گے۔"

ولودیا کے معقول خیالات اور پیش‌بینی سے میں تو ایسا حیران ہو گیا کہ کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ جواب کیا دوں۔

عین اسی وقت لیوبوچکا آگئی۔

"اچھا تو تمہیں معلوم ہے؟" اس نے خوش ہو کر پوچھا۔

"ہاں" ولودیا بولا "لیکن لیوبوچکا، مجھے بہت تعجب ہے۔ اب تم بچی نہیں ہو، تم اس بات پر خوش کیسے ہو سکتی ہے کہ پاپا ایک مہمل عورت سے شادی کرنے جا رہے ہیں؟"

لیوبوچکا ایک دم سنجیدہ ہوکر سوچنے لگی۔

"ولودیا! مہمل عورت کیوں ہے؟ اودوتیا واسیلئیونا کے متعلق ایسی بات کہنے کی جرأت کیسے ہوئی؟ اگر پاپا ان سے شادی کرنے جا رہے ہیں تو وہ ہرگز مہمل عورت نہیں ہو سکتیں۔"

"خیر، مہمل عورت نہیں سہی،" وہ میرے منہ سے نکل گیا۔ پھربھی۔۔۔"

"کوئی پھربھی وربھی نہیں چلےگی،" لیوبوچکا نے اس کی بات کاٹ دی اور بپھر پڑی۔ "تم جس لڑکی سے محبت کرتے ہو اس کے متعلق مجھے کبھی کہتے سنا کہ وہ مہمل ہے۔ تم نے پاپا اور اتنی اچھی عورت کے متعلق یہ کیسے کہا؟ تم میرے بڑے بھائی ہو لیکن پھر ایسی باتیں منہ سے کبھی نہ نکالنا۔ ہرگز ایسی بات نہ کرنا۔"

"مجھے اپنی رائے کے اظہار کی اجازت کیوں نہیں ہے۔۔۔"

"نہیں! ہمارے باپ جیسے اچھے شخص کے متعلق نہیں" لیوبوچکا نے پھر اس کی بات کاٹی۔ "میمی کر سکتی ہیں۔ لیکن تم نہیں، بڑے بھائی۔"

"تم تو ابھی تک کوئی بات نہیں سمجھتی ہو،" ولودیا نے حقارت‌آمیز لہجے میں کہا "بات تو سمجھو۔ کیا یہ اچھا ہے کہ کوئی ایپی‌فانووا دونیچکا تمہاری مرحوم‌ماں کی جگہ لےلے؟"

لیوبوچکا ایک لمحے کے لئے خاموش رہی اور پھر اس کی آنکھوں میں دفعتاً آنسو آ گئے۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم بددماغ ہو لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ اتنے برے ہو،" وہ بولی اور چلی گئی۔

''روٹی کے اندر! ،، ولودیا نے مسخرے‌پن سے سنجیدہ چہرہ بنایا اور بہت ہی احمقانہ انداز میں دیکھا۔ ''ان لوگوں سے بحث کرنا بھی بیکار ہے،، اس نے اس طرح کہا جیسے اپنے آپ پر خفا ہو رہا ہو کہ اس نے اپنے کو لیوبوچکا سے بات کرنے کی حد تک کیوں گرایا۔

دوسرے دن موسم خراب تھا اور جب میں مہمان خانہ پہونچا تو اس وقت تک نہ تو پاپا چائے کے لئے نیچے آئے تھے اور نہ عورتیں۔ رات کو خزاں کی بارش نے سردی کو چمکا دیا تھا۔ بچے کھچے بادل جو رات کو اپنا سارا پانی برسا چکے تھے اب بھی آسمان پر تیر رہے تھے اور سورج کا دھندلا دھندلا گولا آسمان پر بلند ہوکر بادلوں سے جھانک رہا تھا۔ ہوا تیز تھی، فضا میں نمی اور خنکی تھی۔ باغ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ بھیگ کر سیاہ پڑ جانے‌والے برآمدے کے فرش پر رات کی بارش کا پانی سوکھ چلا تھا۔ ہوا کی وجہ سے دروازہ کا پٹ کبھی کھل جاتا کبھی بند ہو جاتا تھا۔ روشیں گیلی ہو گئی تھیں اور کیچڑ ہو گئی تھی۔ تنگی سفید ٹہنیوں‌والے پرانے سفیدے، جھاڑیاں اور گھاس، بچھوے، ایلڈر جس کے پتے ہلکے رنگ کی طرف سے الٹ گئے تھے، یہ سب اپنی اپنی جگہ پر تھرتھرا رہے تھے اور ایسا لگتا تھا جیسے جڑوں سے اکھڑنے والے ہیں۔ لائم کے درختوں کی روش سے گول گول زرد پتے اڑ اڑ کر چکر کھا رہے تھے اور ایک دوسرے کے پیچھے دوڑ رہے تھے اور جب بالکل بھیگ جاتے تو بھیگی ہوئی سڑک پر اور مرغزار کی گیلی گہرے سبزرنگ کی گھاس پر چپک کر رہ‌جاتے۔ میرے ذہن میں اس وقت والد کی دوسری شادی کا خیال بسا ہوا تھا اور میں اس سوال کو اسی نقطۂ‌نگاہ سے دیکھ رہا تھا جس سے ولودیا نے دیکھا تھا۔ اپنی بہن کا مستقبل، ہم لوگوں کا مستقبل اور والد تک کا مستقبل مجھے خوش‌آئند نہیں معلوم ہوا۔ مجھے اس خیال سے پریشانی ہو رہی تھی کہ ایک غیر، ایک اجنبی اور سب سے بڑھ کر ایک نوجوان عورت، جسے اس کا کوئی حق نہ تھا دفعتاً کئی معنوں میں کسی کی جگہ لے رہی ہے — اور کس کی؟ وہ تو بہت ہی معمولی نوجوان عورت ہے اور وہ میری مرحومہ‌ماں کی جگہ لے رہی ہے! میرے دل میں گھونسا سا لگا اور والد مجھے زیادہ

قابل الزام معلوم ہونے لگے۔ اسی وقت میں نے ان کی اور ولودیا کی آواز سنی جو خانساماں کے کمرے میں بات کر رہے تھے۔ میں اس وقت والد سے ملنا نہیں چاہتا تھا اور اس لئے میں دروازے سے باہر چلا گیا۔ لیکن لیوبوچکا میرے پاس آئی اور بولی کہ پاپا بلا رہے ہیں۔

وہ مہمان‌خانے میں کھڑے تھے اور ان کا ایک ہاتھ پیانو پر تھا۔ انہوں نے میری طرف بےصبری اور ساتھ ہی ساتھ شان سے دیکھا۔ اس زمانے میں میں نے ان کے چہرے پر شباب اور مسرت کی جو چھاپ دیکھی تھی وہ غائب ہو چکی تھی۔ وہ غمگین نظر آ رہے تھے۔ ولودیا پائپ ہاتھ میں لئے کمرے میں چکر لگا رہا تھا۔ میں والد کے پاس گیا اور انہیں سلام کیا۔

''ہاں تو دوستو،، انہوں نے سر اٹھا کر فیصلہ کن انداز اور ایسے خاص تیز لہجے میں کہا جو ان سربحی ناخوشگوار باتوں کا ذکر کرتے ہوئے اختیار کیا جاتا ہے جن پر بحث کرنے کا وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ ''میرا خیال ہے کہ تم لوگ واقف ہوچکے ہو کہ میں اودوتیا واسلئیونا سے شادی کرنے والا ہوں۔،، ایک لمحے کے لئے وہ خاموش ہو گئے۔ ''تم لوگوں کی اماں کے بعد میں کبھی شادی کرنا نہیں چاہتا تھا لیکن،، (ایک لمحے کے لئے رکے) ''لیکن... لیکن اسے قسمت کا کھیل ہی کہا جا سکتا ہے۔ دونیچکا بہت اچھی پیاری لڑکی ہے اور کچھ بہت جوان بھی نہیں رہی ہے۔ میرا خیال ہے بچو کہ تم لوگ انہیں پسند کروگے اور وہ تو تم لوگوں پر ابھی سے جان چھڑکتی ہے اور عورت بہت اچھی ہے۔ اب،، انہوں نے ولودیا اور مجھ سے مخاطب ہوکر اس طرح جلدی جلدی کہا کہ ہمیں کچھ کہنے کا موقع ہی نہ ملا ''تم لوگوں کے رخصت ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ لیکن میں یہاں نو روز تک رہوں‌گا اور اس کے بعد ماسکو آؤں‌گا،، (پھر رکے) ''بیوی اور لیوبوچکا کو لیکر۔،، مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوا کہ ہم لوگوں کے سامنے والد اتنے خائف سے ہیں اور اپنے آپ کو مجرم محسوس کر رہے ہیں اور میں ان کے کچھ اور نزدیک پہونچ گیا۔ لیکن ولودیا پائپ پیتا رہا اور سر جھکائے کمرے میں چکر لگاتا رہا۔

"تو دوستو، دیکھو، تمہارے بڑے میاں کو کیا سوجھی"، بابا نے بات ختم کی اور ان کا چہرہ تمتما اٹھا اور کھانسنے لگے اور ولودیا اور مجھ سے ہاتھ ملایا۔ جس وقت وہ بات کر رہے تھے ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور میں نے دیکھا کہ انہوں نے ولودیا کی طرف ہاتھ بڑھایا جو اس وقت کمرے کے دوسرے سرے پر تھا تو ہاتھ کچھ کانپ رہا تھا۔ ان کے کانپتے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر مجھے بہت تکلیف ہوئی اور میرے ذہن میں ایک عجیب وغریب خیال آیا، جس نے مجھے اور پریشان کر دیا۔ میں نے خیال کیا کہ ۱۸۱۲ء میں وہ فوج میں رہ چکے ہیں اور مشہور ہے کہ بہت بہادر افسر سمجھے جاتے تھے۔ میں نے ان کے رگ پٹھوں والے بڑے سے ہاتھ کو تھام لیا اور اس پر بوسہ دیا۔ انہوں نے بڑے جوش سے میرا ہاتھ دبایا اور آنسو پی کر دفعتاً لیوبوچکا کا سیاہ بالوں والا سر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور اس کی آنکھوں پر پیار کرنے لگے۔ ولودیا نے ہاتھ سے پائپ گرا دیا جیسے خود ہی گر گیا ہو اور جھک کر اس نے مٹھی سے آنسو پونچھے اور کمرے سے اس طرح چلا گیا کہ کوئی اسے دیکھ نہ پائے۔

باب ۳۶

یونیورسٹی

شادی دو ہفتے بعد ہونے والی تھی۔ لیکن ہماری پڑھائی شروع ہوچکی تھی اور ولودیا اور میں ستمبر کے شروع میں ماسکو روانہ ہو گئے۔ نخلیودوف کا گھرانا بھی دیہات سے آ گیا تھا۔ دستری (رخصت ہوتے وقت ہم دونوں نے وعدہ کیا تھا کہ خط لکھیں گے لیکن ظاہر ہے ایک لفظ بھی نہیں لکھا) فوراً مجھ سے ملنے آیا اور ہم نے فیصلہ کیا دوسرے دن وہ مجھے پہلے لکچر کے لئے یونیورسٹی لے جائے گا۔

دن بہت خوش گوار تھا۔ دھوپ نکل آئی تھی۔
میں جیسے ہی ہال میں داخل ہوا تو احساس ہوا کہ خوش وخرم نوجوانوں کے اس مجمع میں میری شخصیت گم ہو گئی جو چمکتی

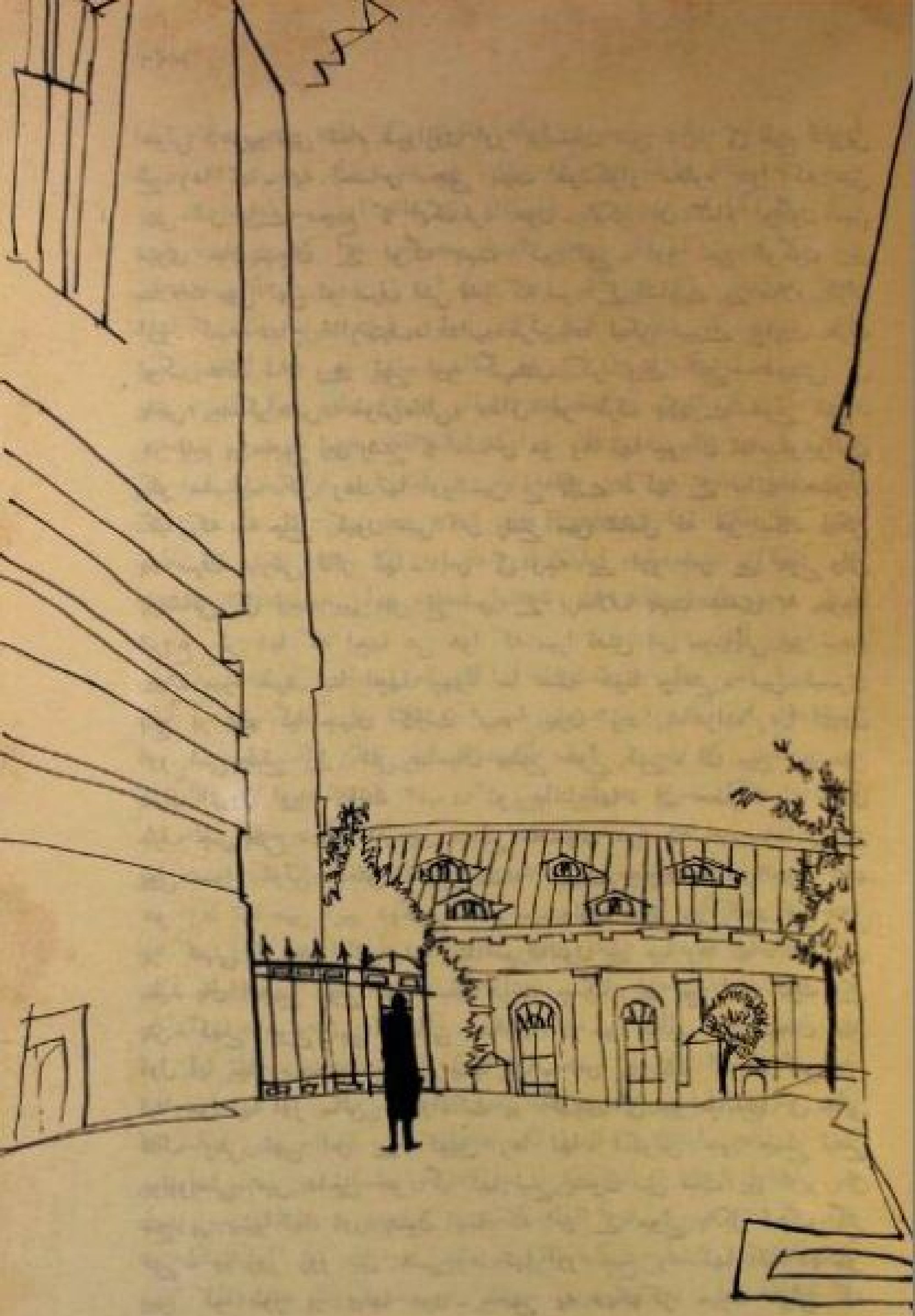

ہوئی دھوپ میں تمام دروازوں اور برآمدوں میں دریا کی طرح لہریں لے رہا تھا۔ یہ احساس مجھے بہت خوشگوار معلوم ہوا کہ میں بھی اس بڑے مجمع کا ایک فرد ہوں۔ لیکن ان تمام لوگوں میں میری جان‌پہچان کے لوگ بہت کم تھے۔ اور جن لوگوں سے ملاقات بھی تھی تو صرف اسی قدر کہ سر کے اشارے سے سلام کرلیا اور کہہ دیا: ''ارتینیف، آداب عرض!'' لیکن میرے چاروں طرف لوگ ہاتھ ملا رہے تھے اور گپ‌شپ کر رہے تھے — دوستی کی باتیں، مسکراہٹیں، خوش‌خلقی، مذاق ہر طرف بکھرے ہوئے تھے۔ ہر قدم پر مجھے اس رشتے کا احساس ہو رہا تھا جو ان تمام نوجوانوں کو منسلک کر رہا تھا اور میں نے بڑے دکھ کے ساتھ محسوس کیا کہ نہ جانے کیوں میں اس رشتے میں شامل نہ ہو سکا۔ لیکن یہ صرف عارضی تاثر تھا۔ اس کی وجہ سے اور اس سے ہونے والی پریشانی کی وجہ سے میں نے اس کے برخلاف بہت جلدی یہ سوچنا شروع کر دیا کہ اچھا ہی ہوا کہ میرا تعلق اس سوسائٹی سے نہیں ہے۔ میرا خود اپنا اچھا چھوٹا سا حلقہ ہونا چاہئے۔ میں تیسری بنچ پر بیٹھ گیا جہاں کاؤنٹ 'ب'، بیرن 'ز'، شاہزادہ 'ر'، ای‌ون اور اسی طبقے کے کئی صاحبان بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے میں صرف ای‌ون اور کاؤنٹ 'ب' کو جانتا تھا۔ ان حضرات نے میری طرف جس طرح دیکھا اس سے مجھے محسوس ہوا کہ اس سوسائٹی سے بھی میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرے چاروں طرف جو کچھ ہو رہا تھا میں اسے دیکھنے لگا۔ سیمیونوف مجھ سے کچھ ہی دور پر کہنی کا سہارا لئے بیٹھا اپنا قلم دانتوں سے چبا رہا تھا۔ اس کے سفید بال الجھے ہوئے تھے، سفید دانت چمک رہے تھے اور کوٹ کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ ہائی اسکول کا جو طالب‌علم امتحان میں اول آیا تھا وہ پہلی بنچ پر بیٹھا تھا۔ اس کا کالا گلوبند گلے میں لپٹا ہوا تھا اور ساٹن کی واسکٹ پر گھڑی کی جو چاندی کی چابی لٹک رہی تھی اس سے کھیل رہا تھا۔ اکونین جو جیسے تیسے یونیورسٹی میں داخل ہو گیا تھا نیلے پتلون میں سب سے اوپر کی بنچ پر بیٹھا تھا، اور پتلون ایسا کہ اس کے جوتے بالکل ڈھک گئے تھے۔ وہ زور زور سے ہنس رہا تھا اور چیخ رہا تھا کہ دیکھو میں کوہ طور پر بیٹھا ہوں۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ

ایلینکا نے نہ صرف سردمہری بلکہ حقارت کے ساتھ مجھے سلام کیا جیسے یہ جتانا چاہتا ہو کہ یہاں ہم سب برابر ہیں۔ وہ میرے آگے بیٹھ گیا اور بہت ہی اطمینان کے ساتھ اپنے سوکھے مارے پیر بنچ کے اوپر رکھ کر (مجھے ایسا محسوس ہوا کہ یہ سب کچھ مجھے دکھانے کے لئے کر رہا ہے) اس نے دوسرے طالب‌علم سے باتیں شروع کر دیں۔ کبھی کبھی میری طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔

میرے نزدیک ای‌ون کے جو ساتھی بیٹھے تھے وہ فرانسیسی میں باتیں کر رہے تھے۔ یہ حضرات انتہائی احمق معلوم ہوتے تھے۔ میں نے ان کی جو باتیں سنیں ان کا ایک ایک لفظ مجھے نہ صرف بےمعنی بلکہ غلط معلوم ہوا اور واقعہ یہ ہے کہ اسے فرانسیسی کہا ہی نہیں جا سکتا تھا («ce n'est pas Français» میں نے دل ہی دل میں کہا)۔ سیمیونوف، ایلینکا اور دوسروں کا رویہ، باتیں اور طور طریقے مجھے غیرشریفانہ اور نامعقول معلوم ہوئے جو «comme il faut» میں نہیں آتے۔

میرا کسی حلقے سے تعلق نہ تھا اور اس احساس کے تحت کہ میں تنہا ہوں اور کسی سے دوستی نہیں کرسکتا میں کچھ چڑھ سا گیا۔ میرے سامنے کی بنچ پر ایک طالب‌علم اپنے ناخن دانت سے کتر رہا تھا جو بالکل سرخ ہوگئے تھے۔ اور یہ بات مجھے اتنی ناگوار ہوئی کہ میں اس سے اور زیادہ دور کھسک گیا۔ مجھے یاد ہے کہ دل ہی دل میں میں نے محسوس کیا کہ یہ پہلا دن میرے لئے بہت ہی تاریک تھا۔

پروفیسر صاحب داخل ہوئے اور ہر طرف کچھ شور سا ہوا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے پروفیسر کو بھی اپنی طنزیہ رائے سے محفوظ نہیں رکھا اور مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ پروفیسر صاحب نے ایک ایسے تمہیدی جملے سے اپنا لکچر شروع کیا جو میرے خیال میں بالکل بےمعنی تھا۔ میں چاہتا تھا کہ لکچر ابتدا سے انتہا تک عالمانہ ہو کہ اس میں ایک لفظ بھی گھٹایا بڑھایا نہ جا سکے۔ چونکہ اس سلسلے میں مجھے مایوسی ہوئی اس لئے میں نے فوراً اٹھارہ آدمیوں کے چہرے بنا ڈالے جو پھول کی پنکھڑیوں کی طرح ایک حلقے میں تھے اور ان کو ''پہلا لکچر،، کا عنوان دیا۔ یہ تصویریں میں نے اس خوبصورت جلد والی کاپی

میں بنائیں جو میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ میں کبھی کبھی کاغذ پر ہاتھ اس طرح چلانے لگتا تھا کہ پروفیسر صاحب کو (میرا خیال تھا کہ وہ میری طرف بہت توجہ دے رہے ہیں) یہ نہ خیال ہو کہ میں لکھ نہیں رہا ہوں۔ میں نے اس لکچر کے دوران طے کر لیا کہ ہر پروفیسر کی ہر چیز لکھنا ضروری نہیں ہے، بلکہ ایسا کرنا حماقت ہوگی اور تعلیم کے سارے زمانے میں اس قاعدے پر عمل کرتا رہا۔

اس کے بعد کے لکچروں میں مجھے تنہائی کا اتنا شدید احساس نہیں ہوا۔ میں نے بہت سے لوگوں سے جان پہچان پیدا کرلی، ہاتھ ملائے اور گپشپ کی، لیکن کسی نہ کسی وجہ سے میرے اور میرے ساتھیوں کے درمیان صحیح معنی میں بےتکلفی پیدا نہ ہو سکی اور میں اکثر افسردہ رہنے لگا اور خوش ہوتا تو صرف دکھانے کے لئے۔ ای‌ون اور ان لوگوں کی صحبت میں جنہیں امرا کہا جاتا تھا، میں شریک نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ مجھے یاد ہے کہ میں ان لوگوں سے اکھڑپن اور اجڈپن سے پیش آتا تھا اور انہیں صرف اسی وقت سلام کرتا تھا جب وہ سلام کرتے تھے اور صاف ظاہر تھا کہ انہیں میری ملاقات کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن زیادہ‌تر لوگوں سے اس کی وجہ بالکل مختلف ہوتی تھی۔ مجھے جیسے ہی احساس ہوتا کہ کوئی ساتھی میری طرف جھک رہا ہے میں اسے فوراً بتانا شروع کرتا کہ میں نے شاہزادہ ایوان ایوانچ کے ساتھ کھانا کھایا تھا اور میرے پاس اپنی گاڑی ہے۔ یہ ساری چیزیں میں صرف اس لئے کہتا کہ میرا اثر اور اچھا پڑے اور میرا ساتھی مجھے اور پسند کرکے لیکن اس کے برخلاف تقریباً ہر بار ہوتا یہ کہ شاہزادہ ایوان ایوانچ سے میری عزیزداری کی بات سن کر میرا ساتھی میری طرف دفعتاً سردمہری اور بددماغی کا رویہ اختیار کر لیتا۔

ہمارے درمیان ایک طالب‌علم تھا اوپیروف جس کی تعلیم کا خرچ ریاست دیتی تھی۔ وہ بہت حلیم‌الطبع، بہت ہی لائق اور محنتی لڑکا تھا۔ مصافحہ کے لئے ہاتھ اس طرح بڑھاتا جیسے سوکھی لکڑی ہو، نہ انگلیوں میں خم پیدا ہوتا نہ کوئی حرکت، چنانچہ اس کے مسخرے قسم کے دوست کبھی کبھی اسی انداز سے اس سے ہاتھ ملاتے اور اسے ''لکڑی کا مصافحہ،، کہتے۔ میں تقریباً ہمیشہ اس

کے نزدیک بیٹھتا اور ہم اکثر باتیں کیا کرتے۔ پروفیسروں کے متعلق اوپیروف کی آزادانہ رائے مجھے خاص طور پر بہت اچھی معلوم ہوئی۔ اس نے واضح اور صاف انداز میں ہر پروفیسر کے پڑھانے کی خوبیاں اور خامیاں گنا دیں اور کبھی کبھی تو وہ اپنے مختصر سے دھانے سے بہت ہی متین قسم کی آواز میں ان کا مذاق بھی اڑاتا جس کا مجھ پر بہت ہی عجیب‌وغریب اثر ہوا۔ لیکن وہ بلاناغہ سارے لکچر بہت باریک خط میں بہت ہی احتیاط سے لکھا کرتا۔ ہم میں دوستی شروع ہو گئی تھی اور ہم دونوں نے فیصلہ کیا کہ مل کر امتحان کی تیاری کرینگے۔ میں جب اس کے پاس معمول کے مطابق جاکر بیٹھتا تو اس کی چھوٹی چھوٹی بھوری کمزور آنکھوں میں خوشی کے آثار پیدا ہو جاتے۔ لیکن میں نے ایک مرتبہ گفتگو کے دوران میں اسے یہ بتا دینا ضروری سمجھا کہ میری ماں نے انتقال کے وقت والد سے التجا کی تھی کہ ہم کو ریاست کی امداد سے چلنے والے کسی تعلیمی ادارے میں نہ دیا جائے اور اب میں خود دیکھتا ہوں کہ ریاستی وظیفوں پر پلے ہوئے لوگ خواہ وہ بہت عالم‌فاضل کیوں نہ ہوں— کچھ صحیح قسم کے لوگ نہیں ہوتے۔ میں نے فرانسیسی میں جھجھک جھجھک کر کہا: "اس قسم کے لوگ comme il faut نہیں ہوتے،" اور مجھے احساس ہو گیا کہ کسی وجہ سے میرا چہرہ تمتما گیا ہے۔ اوپیروف نے مجھ سے کچھ نہ کہا لیکن اس کے بعد کے لکچروں میں اس نے مجھے پہلے سلام نہ کیا اور نہ لکڑی کی طرح سخت چھوٹا سا ہاتھ میری طرف بڑھایا، نہ مجھ سے مخاطب ہوا اور جب میں اپنی جگہ بیٹھ گیا تو اس نے سر اس طرح جھکا لیا کہ تقریباً کتابوں سے لگ گیا اور ایسا ظاہر کرنے لگا گویا پڑھنے میں بالکل محو ہے۔ اوپیروف کی دفعتاً اس طرح سردمہری سے مجھے بہت حیرت ہوئی۔ لیکن میں نے سوچا کہ اچھے خاندان سے تعلق رکھنے والے لڑکے کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ ریاست کے وظیفہ‌خوار اوپیروف کو چھیڑے۔ اور میں نے اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا حالانکہ مجھے اعتراف ہے کہ اس کی سردمہری سے مجھے رنج ہوا۔ ایک بار میں اس سے پہلے آ گیا اور چونکہ لکچر ایک ایسے پروفیسر کا تھا جو عام طور پر پسند کیا جاتا تھا اور جو لڑکے لکچر میں اکثر نہیں بیٹھتے

تھے وہ بھی آ گئے تھے اور ساری جگہیں بھر گئی تھیں اس لئے میں اوپیروف کی جگہ بیٹھ گیا، میز پر اپنی کاپیاں رکھ دیں اور باہر چلا گیا۔ جب ہال میں واپس آیا تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ میری کاپیاں اٹھا کر پیچھے والی بنچ پر رکھ دی گئی ہیں اور اوپیروف اپنی جگہ بیٹھا ہوا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں نے اپنی کاپیاں اس جگہ رکھدی تھیں۔

''مجھے نہیں معلوم،، اس نے میری طرف دیکھے بغیر ایک دم بگڑ کر جواب دیا۔

''میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ میں نے اپنی کاپیاں یہاں رکھی تھیں،، میں نے جان‌بوجھکر گرمی دکھاتے ہوئے کہا اور سوچا کہ اپنی ہیکڑی سے اس کو ڈرا دوں‌گا۔ ''ہر شخص نے دیکھا تھا،، میں نے طلبا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ان میں سے کئی نے میری طرف تعجب کی نگاہوں سے دیکھا لیکن جواب کسی نے نہیں دیا۔

''یہاں جگہ خریدی نہیں جاتی ہے۔ جو پہلے آتا ہے وہ بیٹھ جاتا ہے،، اوپیروف نے غصے سے اپنی جگہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا اور میری طرف خشمگیں نگاہوں سے لمحہ بھر دیکھا۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ تم کمینے ہو،، میں نے کہا۔

ایسا معلوم ہوا کہ اوپیروف کچھ بڑبڑا رہا ہے۔ مجھے یہ‌تک محسوس ہوا جیسے اس نے کہا: ''اور تو بےوقوف لونڈا ہے۔،، لیکن میں نے قطعی طور سے یہ الفاظ نہیں سنے اور اگر سن بھی لیتا تو فائدہ کیا ہوتا؟ زیادہ سے زیادہ* یہی کہ manants (گنواروں) کی طرح لڑیں؟ (مجھے یہ لفظ manant بہت پسند تھا۔ اور بہت سے پیچیدہ مسائل کا اس سے جواب اور حل مل جاتا تھا۔) میں شاید کچھ اور کہتا لیکن اسی وقت دروازہ چرچرایا اور پروفیسرصاحب نیلا فراک کوٹ پہنے ایک پیر زمین پر رگڑتے کمرے میں داخل ہوئے اور اپنی میز کے پاس پہنچ گئے۔

لیکن اس کے باوجود جب امتحان سے پہلے مجھے کاپیوں کی ضرورت محسوس ہوئی تو اوپیروف نے اپنے وعدے کو یاد کرکے مجھے اپنی کاپیاں دے دیں اور دعوت دی کہ آؤ مل کر پڑھیں۔

باب ۳۷

دل کے معاملے

سردیوں میں دل کے معاملات کافی حد تک میری توجہ کا مرکز بنے رہے۔ میں تین بار محبت میں گرفتار ہوا۔ ایک مرتبہ ایک گدازجسم کی خاتون سے بری طرح محبت ہو گئی جو گھوڑسواری کے لئے فرےتاگ اسکول جاتی تھیں۔ چنانچہ میں بھی ہر منگل اور جمعہ کو اس اسکول جانے لگا تاکہ انہیں دیکھ سکوں۔ ان ہی دنوں وہ گھوڑسواری کرتی تھیں۔ لیکن مجھے ہر بار یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں وہ مجھے دیکھ نہ لیں۔ چنانچہ ان سے بہت دور کھڑا ہوتا اور جب مجھے شبہ ہوتا تھا کہ جہاں میں کھڑا ہوں وہاں آنے والی ہیں تو فوراً بھاگ کھڑا ہوتا اور جب وہ میری طرف دیکھتیں تو میں اس طرح منہ پھیر لیتا کہ ان کا چہرہ بھی اچھی طرح نہ دیکھ سکتا اور آج تک میں نہیں بتاسکتا کہ وہ واقعی حسین تھیں یا نہیں۔

دبکوف اس عورت سے واقف تھا اور ایک بار اسکول میں جہاں میں خدمتگاروں اور فر کے لبادوں کے پیچھے چھپا کھڑا تھا جو وہ لئے کھڑے تھے اس نے مجھے آدبوچا۔ دمتری کی زبانی اسے میری محبت کا علم ہوچکا تھا اور اس نے مجھے جب کہا کہ چلو میں اس عورت سے تمہیں ملا دوں تو میں اتنا ڈر گیا کہ بھاگ کھڑا ہوا اور یہ سوچکر کہ اس نے میرے متعلق اسے بتا دیا ہے میں نے پھر کبھی اسکول میں قدم رکھنے کی ہمت نہ کی یہاں تک کہ نوکروں کے پاس تک نہ جاتا تھا کہ کہیں اس سے ملاقات نہ ہو جائے۔

جب مجھے ان عورتوں سے اور خاص طور پر شادی‌شدہ عورتوں سے محبت ہو جاتی تھی جن سے میں واقف نہ ہوتا تھا تو مجھ پر شرمیلےپن کا وہ زبردست دورہ پڑتا تھا جو سونیچکا سے محبت کے زمانے سے بھی ہزار گنا زیادہ ہوتا۔ دنیا میں سب سے بڑا ڈر مجھے یہ لگا رہتا تھا کہ جس سے میں محبت کرتا ہوں اسے کہیں میری محبت بلکہ میرے وجود کا علم نہ ہو جائے۔ مجھے ایسا لگتا کہ اگر اسے ایک‌بار اس کا علم ہو گیا تو بہت ہی توہین محسوس

کرےگی اور مجھے کبھی معاف نہ کرےگی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اگر اس عورت کو تفصیل سے معلوم ہوجاتا کہ میں نوکروں کے پیچھے سے جھانک جھانک کر اسے دیکھتے ہوئے سوچتا تھا کہ اسے کیسے اغوا کرکے گاؤں لے جاؤں گا اور پھر وہاں اس کے ساتھ کس طرح رہوں گا اور کیا کروں گا تو اس کا توہین محسوس کرنا بالکل جائز ہوتا۔ لیکن میں صاف طور پر یہ تصور نہیں کر پاتا تھا کہ وہ مجھ سے ملاقات کرکے ان سارے خیالات کو فوراً معلوم کرلےگی جو میں اس کے بارے میں رکھتا تھا اور اسی لئے اس سے محض جان‌پہچان کو معیوب نہیں سمجھتا تھا۔

سونیچکا کو اپنی بہن کے ساتھ دیکھا تو اس سے پھر محبت ہوگئی۔ اس سے میری دوسری محبت بہت مدت پہلے ختم ہوچکی تھی۔ لیکن جب سونیچکا کی نقل کی ہوئی نظموں کی کتاب لیوبوچکا نے مجھے دی تو تیسری بار میں اس کی محبت میں گرفتار ہوگیا۔ اس کتاب میں لیرمونتوف کی نظم "دیو" کے بہت سے حزینہ عاشقانہ اشعار کے نیچے سرخ روشنائی سے لکیریں کھینچی گئی تھیں اور نشان کے طور پر ان صفحوں میں پھول رکھ دئے گئے تھے۔ مجھے یاد آیا کہ گذشتہ سال ولودیا نے اپنی محبوبہ کے ننھے سے بٹوے کو کس طرح پیار کیا تھا چنانچہ میں نے بھی ایسا ہی کرنے کی کوشش کی اور واقعہ یہ ہے کہ شام کو اپنے کمرے میں جب تنہا رہ گیا تو ہوائی قلعے بنانے لگا اور پھولوں کو بوسہ دیا اور انہیں گھورتے ہوئے مجھے ایک خاص قسم کا میٹھا میٹھا درد محسوس ہوا اور پھر کئی دن تک محبت میں مبتلا رہا یا کم سے کم محسوس کرتا رہا کہ محبت میں مبتلا ہوں۔

اور آخر تیسری‌بار ان سردیوں میں اس نوجوان خاتون کی محبت میں گرفتار ہوا جس سے ولودیا محبت کرتا تھا اور جو ہمارے گھر آیا کرتی تھی۔ اب جبکہ میں اس نوجوان خاتون کو یاد کرتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ اس میں کوئی حسن نہ تھا اور وہ خاص خوبصورتی نہ تھی جو عام طور پر مجھے اچھی معلوم ہوتی تھی۔ وہ ماسکو کی ایک مشہور دانش‌ور اور عالم خاتون کی بیٹی تھی۔ معمولی‌قد، دبلاپتلا جسم، انگریزی وضع کے لمبے گھنگھریالے سنہرے بال اور نرم جلد۔ ہر شخص کہتا تھا کہ یہ لڑکی اپنی ماں سے زیادہ

عقلمند اور صاحب علم ہے۔ لیکن اس سوال کے متعلق میں کوئی رائے قائم نہ کر سکتا تھا کیونکہ اس کی دانائی اور علم کے متعلق سوچ کر مجھ پر شرمیلے پن کا سا دورہ پڑتا تھا کہ میں نے اس سے صرف ایک مرتبہ بات کی اور اس میں بھی اتنا پریشان ہوا کہ کچھ سمجھا نہ سکا۔ لیکن ولودیا کی والہانہ تعریف و توصیف جس کے اظہار میں وہ دوسروں کی موجودگی کا بھی خیال نہ کرتا تھا مجھ پر اس طرح اثرانداز ہوئی کہ میں اس نوجوان خاتون کی محبت میں بری طرح گرفتار ہو گیا۔ مجھے احساس ہوا کہ یہ خبر کہ دونوں بھائی ایک ہی نوجوان خاتون سے محبت کرتے ہیں ولودیا کو اچھی نہ لگےگی چنانچہ میں نے اس کا ذکر ولودیا سے نہیں کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس جذبے سے مجھے بےانتہا تسکین ہوتی تھی کہ ہماری محبت اتنی پاک و پاکیزہ ہے کہ دونوں کی محبوب ایک ہی دلکش ہستی ہے لیکن اس کے باوجود دوست ہیں اور اگر ضرورت ہوئی تو ایک دوسرے کی خاطر قربانی دینے سے گریز نہ کریں گے۔ لیکن پتہ یہ چلا کہ قربانی دینے کے جذبے کے متعلق ولودیا کو مجھ سے اتفاق نہیں تھا۔ اسے اس بری طرح محبت تھی کہ جس شخص کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اس سے شادی کرنےوالا تھا — یعنی سچ مچ کا ڈپلومیٹ — ولودیا کا ارادہ تھا کہ اس کو طمانچہ رسید کر دے اور ڈوئیل کا چیلنج دے ڈالے۔ مجھے قربانی دینے کا جذبہ غالباً اس لئے زیادہ پسند تھا کہ اس کے لئے کوئی خاص کوشش نہ کرنی پڑتی تھی۔ چنانچہ میں نے اس نوجوان خاتون سے کلاسیکی موسیقی کی خوبیوں کے متعلق صرف ایک بار بہت اونچے قسم کی باتیں کیں اور اپنی محبت کے جذبے کو زندہ رکھنے کی کوشش کے باوجود یہ جذبہ دوسرے ہفتے میں ختم ہو گیا۔

باب ۳۸

سوسائٹی

میں نے جو ہوائی قلعے بنائے تھے کہ یونیورسٹی میں داخل ہونے کے بعد اپنے بڑے بھائی کے نقش قدم پر چلکر جن دنیاوی خوشیوں کے خواب میں نے دیکھے تھے، ان میں ان سردیوں میں بڑی مایوسی

ہوئی۔ ولودیا نے بہت سے ناچوں میں شرکت کی اور پاپا بھی اپنی جوان بیوی کے ساتھ رقص کی محفلوں میں جاتے رہے۔ لیکن وہ لوگ شاید مجھے بہت کم عمر سمجھتے تھے یا اس قسم کی رنگ رلیوں کو میرے لئے نامناسب خیال کرتے تھے چنانچہ کسی نے بھی میرا تعارف ان گھرانوں میں نہیں کرایا جہاں ناچ ہوتے تھے۔ دمتری سے صاف گوئی کا عہد کرنے کے باوجود میں نے اس تک سے اس کا ذکر نہ کیا کہ میں رقص کی محفلوں میں جانے کا کتنا متمنی ہوں اور یہ کہ اس بات سے مجھے کتنی تکلیف اور رنج ہوتا ہے کہ مجھے اکیلے چھوڑ دیا جاتا ہے اور شاید مجھے فلسفی سمجھا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں ایسی نمائش کرنے لگا کہ واقعی فلسفی ہوں۔

لیکن ان ہی سردیوں میں شاہزادی کورناکووا کے یہاں شام کی پارٹی تھی۔ انہوں نے بذات خود سب کو دعوت دی اور مجھے بھی بلایا۔ میں پہلی بار رقص کی محفل میں شریک ہونے والا تھا۔ وہاں جانے سے پہلے ولودیا میرے کمرے میں آیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میں نے کپڑے کیسے پہنے ہیں۔ اس کی اس حرکت پر مجھے حیرت ہوئی اور میں الجھن میں پڑ گیا۔ میرا خیال تھا کہ خوش پوشی کی خواہش بہت شرمناک چیز ہے اور اسے چھپانا ضروری ہے۔ لیکن اس کے برخلاف اس کا خیال تھا کہ یہ خواہش فطری اور لازمی ہے اور وہ اس بات کو اس حد تک محسوس کرتا تھا کہ اس نے بہت صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ مجھے ڈر یہ ہے کہ کہیں تمہاری وجہ سے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ دیکھو چمکدار پالش والے پیٹنٹ جوتے پہننا نہ بھولنا اور جب مجھے سوئڈ کے دستانے پہنے دیکھا تو اسے بہت برا معلوم ہوا۔ اس نے میری گھڑی ایک خاص انداز سے لٹکائی اور کوزنیتسکی موست کے ایک بال بنانے والے کی دوکان لے گیا۔ وہاں میرے بالوں میں گھونگھر پیدا کئے گئے اور ولودیا نے پیچھے ہٹ کر کچھ فاصلے سے مجھ پر نگاہ ڈالی۔

"اب ٹھیک ہے۔ لیکن ان چھوٹے چھوٹے گچھوں کو تم نہیں درست کر سکتے؟" اس نے بال بنانے والے سے دریافت کیا۔ Mr. Charles نے کسی لیس دار چیز سے میرے بال چپکانے کی لاکھ کوشش

کی لیکن میں نے ہیٹ پہنا تو پھر بال کھڑے ہو گئے۔ اور مجموعی حیثیت سے میں پہلے کے مقابلے میں گھونگھر کی وجہ سے اور برا نظر آنے لگا۔ بچت صرف اسی میں تھی کہ لاپرواہی کا انداز اختیار کیا جائے۔ صرف اسی طریقے سے میں ٹھیک لگ سکتا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ولودیا کی بھی یہی رائے تھی کیونکہ اس نے کہا کہ گھونگھر مٹا دو۔ اور جب میں نے مٹانے کی کوشش کی اور پھر بھی اچھا نہ لگا تو اس نے میری طرف دیکھا ہی نہیں اور کورناکوف کے گھر تک وہ خاموش اور دل گرفتہ رہا۔

میں ولودیا کے ساتھ کورناکوف کے گھر میں بہت دلیری سے داخل ہوا۔ لیکن جب شاہزادی نے مجھے ناچنے کی دعوت دی تو میں نے نہ جانے کیوں کہہ دیا کہ میں ناچنا نہیں جانتا حالانکہ میں جی بھرکر ناچنے کے ارادے ہی سے آیا تھا۔ اس کی وجہ سے میں دل گرفتہ ہو گیا اور انجانے لوگوں کے درمیان اکیلا ہونے کی وجہ سے مجھ پر حسب معمول شرمیلے پن کا ایسا دورہ پڑا جو بڑھتا ہی گیا۔ ساری شام میں اس جگہ بالکل خاموش کھڑا رہا۔

والز کے وقت ایک چھوٹی شاہزادی میرے پاس آئی اور اس رسمی بےتکلفی کے ساتھ جو اس کے خاندان کا طرۂ امتیاز ہے اس نے مجھ سے پوچھا کہ ناچ کیوں نہیں رہے ہو۔ مجھے یاد ہے کہ اس سوال پر میں کتنا شرمایا تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ اور بالکل غیرارادی طور پر میرے چہرے پر خودپسندانہ مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے ایسی مغلق قسم کی فرانسیسی میں بکواس شروع کردی جس میں بےشمار خرافات جملے تھے کہ اب سالہاسال کے بعد یاد کرتا ہوں تو بھی مجھے شرم آتی ہے۔ شاید موسیقی نے مجھ پر یہ اثر کیا تھا اور میرے اعصاب میں تناؤ پیدا ہو گیا تھا۔ میری تمنا تھی کہ میں نے جو باتیں دھیرے دھیرے کی ہیں وہ موسیقی کے شور میں ڈوب جائیں گی۔ میں نے اونچی سوسائٹی اور عام لوگوں اور خاص طور پر عورتوں کی بےمغزی کے متعلق کچھ کہا اور آخرکار ایسے چکر میں پھنس گیا کہ ایک جملے کو پورا کرنے سے پہلے ہی بات ختم کر دی۔

حد درجہ تمیزدار شاہزادی تک پریشان ہو گئی اور شکایت کے انداز میں میری طرف دیکھتی رہی۔ میں مسکرا رہا تھا۔ اس نازک

موقع پر ولودیا دیکوف کو لئے ہوئے ہمارے پاس آ گیا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ میں بہت گرماگرمی سے بات کر رہا ہوں اور غالباً دیکھنا چاہتا تھا کہ میں نے ناچ میں شریک نہ ہونے کی کمی کو گفتگو سے کس حد تک پورا کیا ہے۔ اس لئے میرے مسکراتے ہوئے چہرے اور شاہزادی کے خوف‌زدہ انداز کو دیکھا اور میری مہمل باتوں کے آخری جملے کو سنا تو اس کا چہرہ تمتما اٹھا اور وہ واپس مڑ گیا۔ شاہزادی اٹھی اور میرے پاس سے چلی گئی۔ میں مسکراتا رہا لیکن اپنی حماقت کا احساس اتنا تکلیف‌دہ تھا کہ جی چاہتا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور اس میں سما جاؤں۔ میں نے محسوس کیا کہ اپنی حالت کو بہتر بنانے کے لئے مجھے کچھ نہ کچھ کرنا اور کچھ نہ کچھ کہنا ہی چاہئے۔ میں دیکوف کے پاس پہونچا اور اس سے پوچھا کہ اس کے ساتھ بہت ناچ لئے۔ یہ میں نے اس طرح کہا گویا مذاق کر رہا ہوں اور بہت خوش ہوں لیکن حقیقتاً میں اسی دیکوف سے امداد طلب کر رہا تھا جیسے میں نے ''یار'' ریستوران میں کھانے کے وقت یہ کہہ کر ڈانٹا تھا کہ ''اپنی زبان کو لگام دو!'' دیکوف نے ظاہر کیا جیسے میرے الفاظ سنے ہی نہیں اور دوسری طرف مڑ گیا۔ میں ولودیا کے پاس پہونچا اور اپنے لہجے میں مذاق کا انداز پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا: ''کیوں ولودیا، ابھی تھکے نہیں؟'' لیکن ولودیا نے میری طرف اس طرح دیکھا جیسے کہہ رہا ہو: ''جب ہم تنہا ہوتے ہیں تو تم اس طرح بات نہیں کرتے'' اور وہ خاموشی سے چلا گیا۔ شاید اسے خطرہ تھا کہ میں اس کے ساتھ نتھی ہو جاؤں گا۔

''یااللہ! میرا بھائی بھی میرا ساتھ چھوڑ گیا!'' میں نے سوچا۔

لیکن نہ جانے کیوں مجھ میں رخصت ہونے کی طاقت نہیں تھی۔ میں جہاں تھا وہیں ساری شام اداس اداس کھڑا رہا اور جب سب لوگ کمرے سے جانے لگے اور پیش دالان میں جمع ہوئے اور ملازم نے مجھے اس طرح کوٹ پہنایا کہ میرا ہیٹ ترچھا ہو گیا تو میں رندھے ہوئے گلے سے بہت افسردہ‌دلی کے ساتھ ہنسا اور کسی خاص شخص کو مخاطب کئے بغیر میں نے کہا: «Comme c'est gracieux»*۔

---

* بہت خوب رہا۔

باب ۳۹

مے نوشی

دمتری کے اثر کی وجہ سے میں اب تک طلبا کی عام رنگ رلیوں سے دور رہتا تھا جنہیں مے نوشی کہا جاتا تھا۔ لیکن ان سردیوں میں اس قسم کے جشن میں ایک بار میں بھی شریک ہوا اور مجھ پر اس کا جو اثر ہوا وہ کچھ زیادہ خوشگوار نہیں تھا۔ اب قصہ سنئے۔ سال کی ابتدا میں ایک لکچر کے دوران بیرن 'ز،' نے جو لمبا گورا سا نوجوان تھا اور بہت سنجیدہ صورت اور ناک نقشے کا معقول انسان تھا، ہم سب کو دعوت دی کہ میرے گھر آکر ایک شام گزارو۔ ہم سب کا مطلب ظاہر ہے یہ تھا کہ کلاس کے سارے طالب علم جو تقریباً comme il faut تھے۔ ظاہر ہے ان میں نہ گراپ شامل تھا، نہ سیمونوف اور نہ اوپیروف اور نہ دوسرے کم حیثیت کے لڑکے۔ ولودیا نے جب سنا کہ میں پہلے سال کے طلبا کی مے نوشی کی پارٹی میں جا رہا ہوں تو حقارت سے مسکرایا۔ لیکن مجھے بڑی توقع تھی کہ بہت لطف آئے گا کیونکہ میرے لئے وقت گزارنے کا یہ بالکل نیا انداز تھا اور میں ٹھیک آٹھ بجے بیرن 'ز،' کے یہاں پہونچ گیا — اسی وقت بلایا گیا تھا۔

بیرن 'ز،' سفید واسکٹ پہنے اور کوٹ کے بٹن کھولے اپنے چھوٹے سے گھر کے انتہائی روشن ہال اور مہمان خانے میں مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے۔ یہیں ان کے والدین رہتے تھے۔ انہوں نے اس شام کے جشن کے لئے مہمان خانے اور ہال کو استعمال کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ برآمدے میں متجسس ملازماؤں کے چہرے اور کپڑے نظر آ رہے تھے اور برتنوں کے کمرے سے ایک خاتون کا لباس ایک لمحے کے لئے نظر آیا۔ میں نے سوچا کہ یہ خود بیرونیس ہیں۔

مہمانوں کی تعداد بیس تھی اور سب طالب علم تھے ہر فروسٹ کے سوا جو ای ون کے ساتھ آئے تھے اور ایک لمبے تڑنگے سرخ سفید قسم کے صاحب کو چھوڑ کر جو شہری لباس میں تھے اور دعوت کا انتظام کر رہے تھے اور ہر شخص جانتا تھا کہ وہ بیرن کے رشتے دار

ہیں اور ڈیرپٹ یونیورسٹی کے طالب‌علم رہ چکے ہیں۔ پہلے تو حد سے زیادہ جگمگاہٹ اور بیٹھنے کے کمروں کی رسمی سجاوٹ نے اس نوجوان ٹولی کے جذبات کو کچھ سرد سا کر دیا جس کے تمام افراد غیرارادی طور پر دیواروں سے چپٹے ہوئے بیٹھے تھے۔ صرف چند منچلے تھے اور ڈیرپٹ کا وہ سابق طالب‌علم جو واسکٹ کے بٹن کھولے بہ‌یک وقت ہر کمرے میں اور کمرے کے ہر کونے میں موجود معلوم ہوتا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ سارا مکان اس کی دلکش، مترنم اور کبھی خاموش نہ رہنے والی اونچی آواز سے گونج رہا ہے۔ لیکن دوسرے لوگ یا تو خاموش تھے یا چپکے چپکے پروفیسروں، مضمونوں، امتحانوں، اور عام طور پر مشکل اور غیر دلچسپ مضامین کے متعلق بات کر رہے تھے۔ بلااستثنا ہر شخص برتنوں کے کمرے کی طرف گھور رہا تھا اور غیرارادی طور پر ہر شخص کے چہرے پر لکھا ہوا تھا: ''بھئی اب شروع کرنے کا وقت تو ہو گیا،،۔

میرا خیال بھی تھا کہ اب ابتدا ہونی چاہئے اور میں بڑی بےصبر خوشی سے شروعات کا انتظار کرنے لگا۔

ملازم نے مہمانوں کو چائے دی تو ڈیرپٹ کے طالب‌علم نے فروسٹ سے روسی میں دریافت کیا:

''تمھیں پنچ * بنانا آتا ہے، فروسٹ؟،،

''ہاں ہاں! ''فروسٹ نے آستین چڑھاتے ہوئے جواب دیا۔ لیکن ڈیرپٹ کے طالب علم نے پھر اس سے روسی میں کہا:

''تو پھر تیار ہو جاؤ۔،، (ڈیرپٹ میں دونوں پڑھ چکے تھے، اس لئے وہ اسے ''تم،، کہہ کر مخاطب کرتا تھا) اور فروسٹ مہمان‌خانے اور برتنوں کے کمرے کے درمیان اپنی خمیدہ لیکن توانا قسم کی ٹانگوں سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چکر لگانے لگا اور کچھ دیر چکر لگانے کے بعد میز پر سوپ کا ایک گہرا کاسہ لا کر رکھ دیا اور اس پر دس پاؤنڈ شکر کا ڈلا جسے طلبا کے تین خنجر سہارا دئے ہوئے تھے جنھیں کراس کی شکل میں جوڑکر رکھا گیا

---

* پنچ — ایک قسم کی شراب جسے رم اور جلائی ہوئی شکر ملا کر تیار کیا جاتا ہے۔

تھا۔ اس دوران میں بیرن 'ز' مسلسل مہمانوں کے پاس جا جا کر بہت ہی سنجیدہ منہ بنا کر تقریباً ایک ہی الفاظ میں کہہ رہے تھے:

''آئیے حضرات ہم لوگ واقعی اچھے ساتھیوں کی حیثیت سے بالکل طالب‌علموں کے انداز میں پیئیں''۔ بڑے شرم کی بات ہے کہ ہماری جماعت کے لوگوں میں اچھی دوستی نہیں ہے۔ اپنی واسکٹ کے بٹن کھول‌دو، کیوں! یا اس کی طرح اتار دو۔'' اور واقعہ یہ ہے کہ دیریت کے طالب‌علم نے کوٹ اتار دیا اور سفید قمیص کی آستینیں اپنی گوری کہنیوں کے اوپر تک چڑھا لیں اور پیر جما کر کھڑا ہو گیا اور قاب میں جو رم تھی اسے آگ دکھا دی۔

''یارو، روشنی گل کر دو!'' دیریت کا طالب‌علم دفعتاً اسی دلکش اور ہاٹ‌دار آواز میں چلایا جیسے ہم سب لوگ شور‌مچا رہے ہوں۔ ہم سب خاموشی سے قاب کی طرف اور دیریت کے طالب‌علم کی سفید قمیص کی طرف دیکھتے رہے اور سب کو محسوس ہوا کہ وہ مقررہ وقت آن‌پہونچا۔

«Löschen Sie die Lichter aus, Frost!» * دیریت کا طالب‌علم جرمن میں چلایا۔ اب شاید اسے بہت گرمی لگ رہی تھی۔ فروسٹ اور ہم سب لوگوں نے شمعیں گل کرنی شروع کر دیں۔ کمرے میں تاریکی چھا گئی۔ صرف سفید آستینیں اور وہ ہاتھ نیلے سے شعلے میں نظر آ رہے تھے جو خنجروں پر شکر کے ڈلے کو اٹھائے ہوئے تھے۔ اب دیریت کے طالب‌علم کی ہاٹ‌دار آواز اکیلی آواز نہ تھی کیونکہ کمرے کے ہر کونے سے باتوں اور قہقہوں کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ بہت سے لوگوں نے اپنے کوٹ اتار ائے (خاص طور پر ان لوگوں نے جن کی قمیصیں بہت اچھے کپڑے کی اور بہت صاف تھیں) میں نے بھی ایسا ہی کیا اور دل نے کہا کہ وہ شروع ہو گیا۔ ابھی تک کوئی ایسے مزے کی بات نہیں ہوئی تھی لیکن مجھے پکا یقین تھا کہ جو مشروب تیار ہو رہا ہے اس کا ایک گلاس پی کر مزہ آ جائے گا۔

آخر وہ مشروب تیار ہو گیا۔ دیریت کے طالب‌علم نے پنچ کو گلاس میں ایسے انڈیلا کہ میز پر جابجا ٹپکی اور آواز لگائی:

---

* روشنی گل کر دو، فروسٹ۔

''ہاں تو جناب ہو جائے''۔ اور جب ہم نے بھرے ہوئے اور چپ چپ کرتے ہوئے گلاس ہاتھوں میں لئے تو ڈیریٹ کے طالب‌علم اور فروسٹ نے ایک جرمن گیت گانا شروع کر دیا جس میں ایک لفظ ''بوخے'' باربار آتا تھا۔ ہم لوگوں نے بھی بے‌سرے انداز میں گانا شروع کیا، گلاس ٹکرانے لگے، کسی نے کچھ کہا، کسی نے پنچ کی تعریف کی اور سب لوگ ایک ہاتھ دوسرے کے ہاتھ میں ڈال کر یا یوں‌ہی کھڑے ہوکر وہ میٹھی اور تیز شراب پینے لگے۔ اب کسی چیز کا انتظار نہیں تھا۔ بادہ‌آشامی شروع ہو چکی تھی۔ میں پنچ کا پورا ایک گلاس چڑھا چکا تھا۔ میرے لئے دوسرا گلاس بھر دیا گیا، میری کنپٹیوں کی نسیں پھڑکنے لگیں۔ آگ گلابی نظر آنے لگی۔ میرے چاروں طرف ہر شخص شورمچا رہا تھا اور قہقہے لگا رہا تھا۔ لیکن ان سب چیزوں کے باوجود مجھے نہ صرف یہ کہ اس میں کوئی مزے‌دار بات نہیں نظر آ رہی تھی بلکہ یقین ہو گیا تھا کہ میں اور ہر شخص اکتا چکا ہے۔ لیکن سب لوگ کسی نہ کسی وجہ سے اسے بہت ضروری سمجھتے ہیں اور ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ بڑا لطف آ رہا ہے۔ اگر کوئی شخص ریاکاری سے کام نہ لے رہا تھا تو ڈیریٹ کا طالب‌علم۔ اس کا چہرہ سرخ ہوتا گیا۔ وہ ہر جگہ پہنچ رہا تھا جو خالی گلاس دیکھتا اسے بھر دیتا اور کافی شراب میز پر گرا دیتا جو مٹھاس سے چپک‌دار ہوگئی تھی۔ مجھے واقعات کا تسلسل یاد نہیں لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ اس رات فروسٹ اور ڈیریٹ کا طالب‌علم مجھے بہت اچھے لگے۔ میں نے ایک جرمن گانا ازبر کر لیا اور دونوں کے میٹھے ہونٹوں کا بوسہ لیا۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ اسی رات مجھے ڈیریٹ کے طالب‌علم سے نفرت بھی ہوئی اور میں اس پر ایک کرسی کھینچ کر مارنا چاہتا تھا لیکن رک گیا۔ مجھے یاد ہے کہ ''یار'' ریستوراں میں میرے ہاتھ پیروں نے جواب دے دیا تھا۔ یہاں اس احساس کے علاوہ سر میں درد بھی ہونے لگا اور چکر بھی آنے لگا۔ چنانچہ اس رات مجھے انتہائی خوف محسوس ہوا کہ اب میں مرنے‌والا ہوں۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ ہم نہ جانے کیوں فرش پر بیٹھ گئے اور پتوار چلانے کے انداز میں ہاتھ ہلانے لگے اور گانا شروع کر دیا: ''وانگا ماں کی لہروں پر'' اور اسی وقت

میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ یہ سب کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس کے علاوہ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ میں فرش پر لیٹ گیا اور ایک پیر کو دوسرے میں پھنسا لیا۔ ہم لوگوں نے خانہ‌بدوشوں کے طریقے سے کشتی لڑی اور میں نے کسی کی گردن کو جھٹکا دیا اور سوچا کہ اگر یہ شخص مدہوش نہ ہوتا تو ایسا کبھی نہ ہوتا۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ ہم لوگوں نے کھانا کھایا اور کوئی اور چیز پی۔ تازہ ہوا کھانے کے لئے باہر صحن میں گیا اور میرے دماغ کو کچھ خنکی محسوس ہوئی۔ پھر جب میں رخصت ہونے لگا تو میں نے دیکھا کہ اندھیرا بہت ہو گیا ہے اور میری گاڑی کے پائیدان ترچھے اور پھسلواں ہو گئے ہیں۔ کوزنا کا سہارا لینا ناممکن تھا کیونکہ وہ بہت کمزور ہو گیا تھا اور چیتھڑے کی طرح لہرا رہا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ مجھے یہ بات یاد ہے کہ اس رات میں نے باربار محسوس کیا کہ میں جو یہ ظاہر کر رہا ہوں کہ بڑا لطف آ رہا ہے اور مجھے پینا بہت پسند ہے اور میں نشے میں نہیں ہوں یہ سب انتہائی حماقت کی باتیں ہیں اور سارے وقت مجھے لگتا رہا کہ اسی قسم کی باتیں ظاہر کر کے دوسرے بھی سخت احمقانہ حرکت کر رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ مجھے جس طرح یہ سب کچھ ناگوار معلوم ہو رہا ہے اسی طرح ہر شخص کو محسوس ہو رہا ہوگا۔ لیکن چونکہ ہر شخص یہی فرض کر رہا تھا کہ صرف میں یہ ناخوش‌گوار جذبہ محسوس کر رہا ہوں اس لئے وہ سمجھتا تھا کہ عام لطف کی خاطر ظاہر کرنا چاہئے کہ لطف آ رہا ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ مجھے یہ احساس تھا کہ اگر کچھ نہیں تو کم سے کم اسی لئے لطف کا اظہار کرتے رہنا چاہئے کہ دس‌دس روبل کی تین شیمپین کی بوتلیں اور چار چار روبل کی دس رم کی بوتلیں کاسے میں انڈیلی گئی ہیں جو سب ملاکر ستر روبل ہوتے ہیں اور کھانا اس کے علاوہ۔ مجھے ان سب باتوں کا اتنا یقین تھا کہ دوسرے دن یونیورسٹی میں جاکر مجھے اس بات پر بڑی حیرت ہوئی کہ میرے ساتھیوں کو جو بیرن 'ز' کے یہاں موجود تھے نہ صرف اس بات کا ذکر کرتے ہوئے ذرہ برابر شرم نہیں محسوس ہو رہی تھی کہ انھوں نے وہاں کیا کیا تھا، بلکہ وہ دوسرے طالب علموں کو سنا سنا کر اس طرح کی باتیں

کررہے تھے۔ ان لوگوں نے بتایا کہ شراب کی بہت شاندار پارٹی رہی، دیرپت کے طالب‌علم ایسی چیزوں میں بڑے ماہر ہوتے ہیں اور یہ کہ بیس آدمیوں نے رم کی چالیس بوتلیں خالی کر دیں اور بہتوں کو تو مرا ہوا سمجھ کر میز کے نیچے ہی چھوڑ دیا گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ لوگ اس چیز کے متعلق گفتگو کیوں کر رہے ہیں اور آپس میں جھوٹ تک بول رہے ہیں۔

باب ۴۰

نخلیودوف گھرانے سے میری دوستی

ان سردیوں میں نہ صرف دمتری سے کافی ملاقاتیں رہیں جو اکثر ہمارے گھر آیا کرتا تھا بلکہ اس کے گھرانے کے تمام لوگوں سے ملاقات ہوتی رہی جن سے میرے خاصے تعلقات ہو گئے تھے۔

نخلیودوف کا سارا گھرانہ — ماں، خالہ اور بیٹی — شام کو ہمیشہ گھر ہی پر رہتا تھا اور شاہزادی صاحبہ کو یہ بات بہت پسند تھی کہ نوجوان لوگ شام کو ان سے ملنے آئیں، ایسے مرد جو بقول ان کے تاش کھیلے یا ناچے بغیر شام گزار سکیں۔ لیکن اس قسم کے لوگ بہت کم تھے کیونکہ وہاں میری ملاقات بہت کم لوگوں سے ہوئی حالانکہ میں تقریباً ہر روز شام کو وہاں جاتا تھا۔ میں اس خاندان کے افراد کا اور ان کے مختلف مزاجوں کا عادی ہو گیا اور ان لوگوں کے باہمی تعلقات کا کافی واضح نقشہ میرے ذہن میں آ گیا۔ میں ان کے کمروں اور فرنیچر کا بھی عادی ہو گیا اور جب کوئی مہمان نہ ہوتا تو میں بہت بےتکلفی سے پیش آتا سوائے ان موقعوں کے جب وارینکا کے ساتھ کمرے میں اکیلا رہ جاتا تھا۔ میں اس خیال کو دماغ سے نکال ہی نہ پاتا تھا کہ چونکہ یہ بہت خوبصورت لڑکی نہیں ہے اس لئے دل سے چاہے گی کہ میں اس سے محبت کر بیٹھوں۔ لیکن یہ پریشانی بھی ختم ہونے لگی۔ وہ چاہے مجھ سے باتیں کر رہی ہو یا اپنے بھائی سے یا لیوبوف سرگئی‌ونا

سے اس کے انداز میں ایسی فطری بےپروائی تھی کہ میں اسے ایسی ہستی سمجھنے لگا جسے یہ بات نہ تو شرمناک معلوم ہوتی تھی نہ خطرناک کہ میں اس کی صحبت میں بیٹھ کر اپنی خوشی کا اظہار کرتا ہوں۔ اس سے اپنی ملاقات کے پورے زمانے میں وہ مجھے کبھی بہت بمشکل معلوم ہوتی تھی اور کبھی زیادہ نہیں۔ لیکن میں نے ایک بار بھی اس کے متعلق اپنے سے یہ سوال نہیں کیا: ''مجھے اس سے محبت ہے یا نہیں؟،، مجھے کبھی کبھی اس سے دوبدو گفتگو کرنے کا موقع ملتا۔ لیکن اکثر میں اس کی موجودگی میں لیوبوف سرگیئونا یا دمتری کی طرف مخاطب ہوکر اس سے باتیں کرتا تھا اور اس طریقے سے مجھے بہت خوشی محسوس ہوتی تھی۔ مجھے اس کی موجودگی میں بات کرتے ہوئے، اس کا گانا سنتے ہوئے اور جہاں میں ہوتا وہاں کمرے میں اس کی موجودگی کے احساس سے بہت تسکین ہوتی تھی۔ لیکن اب یہ خیال میرے ذہن میں بہت کم آتا تھا کہ وارینکا سے میرے تعلقات کی شکل کیا ہوگی اور اگر میرے دوست کو میری بہن سے محبت ہو گئی تو اس کی خاطر میں قربانی کس طرح پیش کروں گا۔ اگر اس قسم کے خیال اور خواب کبھی آتے بھی تھے تو میں مستقبل کے متعلق ہر خیال کو ذہن سے نکال دینے کی کوشش کرتا تھا کیونکہ میں حال سے مطمئن تھا۔

لیکن اس دوستی کے باوجود میں سارے نخلیودوف گھرانے سے اور خاص طور پر وارینکا سے اپنے اصل جذبات اور خیالات کو چھپانا اپنا فرض سمجھتا رہا۔ ہمیشہ کوشش کرتا کہ میں جو کچھ ہوں اس سے مختلف نظر آؤں جیسا کبھی ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ میں ظاہر کرتا کہ بہت ہی گدازدل کا آدمی ہوں۔ جب مجھے کوئی چیز بہت اچھی معلوم ہوتی تو جھوم اٹھتا، تعریف کے پل باندھ دیتا اور طرح‌طرح کے اشاروں سے پسندیدگی کا اظہار کرتا۔ اور اس کے ساتھ جب کوئی غیرمعمولی بات دیکھتا یا سنتا تو یہ دکھانے کی کوشش کرتا کہ مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔ میں نے اپنے آپ کو ایسا شخص ظاہر کرنے کی کوشش کی جو ہر چیز پر زہرخند کرتا ہے اور کسی چیز کو مقدس نہیں سمجھتا لیکن یہ بھی ہے کہ قوت مشاہدہ بہت تیز ہے۔ میری کوشش تھی کہ اپنے تمام کاموں میں منطقی اور زندگی میں بہت صاف‌ستھرا اور

وضع‌دار معلوم ہوں اور اسی کے ساتھ ساتھ ایسا انسان نظر آؤں جو تمام مادی چیزوں سے نفرت کرتا ہے۔ میں بےخوف‌وخطر کہہ سکتا ہوں کہ حقیقت میں اس عجیب‌وغریب شخصیت سے میں بدرجہا بہتر تھا جو بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن میں چاہے جس طرح نظر آنے کی کوشش کروں نخلیودوف گھرانےوالے مجھے چاہتے تھے اور خوش‌قسمتی سے میری ریاکاری پر یقین نہ رکھتے تھے۔ صرف لیوبوف سرگئی‌ونا تھیں جو مجھے خودپسند، ملحد اور مذاق اڑانےوالا سمجھتی تھیں، اکثر مجھ سے الجھ پڑتی تھیں، غصہ ہو جاتی تھیں اور اپنی بےتکی اور اوٹ‌پٹانگ باتوں سے مجھے حیرت میں ڈال دیتی تھیں۔ لیکن دمتری کے ان کے ساتھ اب بھی وہی عجیب‌وغریب اور دوستی کی حد سے بڑھے ہوئے تعلقات تھے اور وہ کہتا کہ انہیں کوئی سمجھ ہی نہیں پایا اور اس کے ساتھ وہ بہت بھلائی کرتی ہیں۔ دمتری کی اس دوستی سے اس کا خاندان اب بھی اسی طرح دکھی تھا۔

ایک بار وارینکا نے ان تعلقات پر بات کرتے ہوئے، جو ہم سب کے لئے ناقابل‌فہم تھے مجھے اس طرح سمجھایا:

"دمتری خودپسند ہے۔ وہ حد سے زیادہ مغرور ہے اور اپنی تمام ذہانت کے باوجود اسے اپنی تعریف و توصیف بہت پسند ہے، اسے ہمیشہ اول رہنا بہت پسند ہے، اور خالہ اپنے بھولے پن میں اس کے سامنے اس کی تعریف کرتی ہیں۔ ان میں اتنی سمجھ نہیں ہے کہ اس پسندیدگی کو چھپا کر رکھیں اور اس لئے وہ تعریف کے پل باندھ دیتی ہیں۔ اور یہ سب وہ مکاری سے نہیں خلوص سے کرتی ہیں۔"

مجھے یہ اندازہ یاد رہا اور بعد میں جب میں نے اس کے متعلق سوچا تو مجھے محسوس ہوا کہ وارینکا بڑی ذہین ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میری نظروں میں اس کی قدر بڑھ گئی اور اس سے مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ اس کی ذہانت کو دریافت کرکے اور دوسری اخلاقی خوبیوں کی وجہ سے میرے دل میں جو قدر بڑھی اسے میں کچھ سختی کے ساتھ پھر اعتدال پر لے آیا حالانکہ اس سے مجھے تسکین ملتی تھی اور میں نے کبھی اس کی تعریف میں قصیدے نہیں پڑھے جو اس تعریف کا نقطہ‌عروج ہے۔ چنانچہ جب سوفیا ایوانوونا نے،

جو اپنی بھانجی کی تعریف کرتے ہوئے کبھی نہ تھکتی تھیں، مجھے ایک بار یہ بتایا کہ چارسال کی بات ہے جب وارینکا چھوٹی تھی تو دیہات میں اس نے کسی سے اجازت لئے بغیر اپنے سارے کپڑے اور جوتے کسانوں کے بچوں میں تقسیم کر دئے چنانچہ انہیں بعد میں واپس لینا پڑا، تو میں نے اس بات کو فوراً اس طرح قبول نہیں کیا کہ اس کی عزت میری نگاہوں میں اور بڑھ جائے بلکہ دل ہی دل میں میں نے اس کا مذاق اڑایا کہ اس کے خیالات سخت غیرعملی قسم کے ہیں۔

جب نخلیودوف گھرانے میں دوسرے مہمان آ جاتے جن میں ولودیا اور دبکوف بھی شامل تھے تو میں بہت ہی دل‌جمعی کے ساتھ، پس‌منظر میں چلا جاتا اور اقتدار کے پورے احساس کے ساتھ ایک‌فرد خاندان کی حیثیت سے باتوں میں حصہ نہ لیتا بلکہ دوسروں کی باتیں سنا کرتا۔ یہ لوگ جتنی باتیں کرتے مجھے سخت احمقانہ لگتیں اور دل ہی دل میں سوچنے لگتا کہ شاہزادی جیسی ذہین اور معقول عورت اور یہ ان کا معقولیت‌پسند خاندان اس قسم کی مہمل باتیں سنتا اور ان کا جواب دینا کیسے برداشت کرلیتا۔ اگر اس زمانے میں مجھے یہ خیال آتا کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان کا اپنی ان باتوں سے مقابلہ کروں جو میں اس وقت کیا کرتا تھا جب اکیلا آتا تھا، تو یقیناً مجھے ان کی باتوں پر حیرت نہ ہوتی۔ اور اگر یہ محسوس کر لیتا کہ ہمارے افراد خاندان — اودوتیا واسیلئےونا، لیوبوچکا اور کاتینکا — بالکل دوسری عورتوں کی طرح تھیں اور کسی طرح بھی دوسروں سے کم نہیں تھیں اور اگر میں یاد کرتا کہ دبکوف، کاتینکا اور اودوتیا واسیلئےونا اکثر ساری ساری شام بیٹھے باتیں کیا کرتی تھیں اور قہقہے لگایا کرتی تھیں اور تقریباً ہر بار دبکوف کسی نہ کسی بات سے فائدہ اٹھاکر «Au banquet de la vie, infortuné convive...»* نظم جذباتی انداز میں پڑھنا شروع کر دیتا یا ''دیو،، کے کچھ حصے سنانے لگتا اور مجموعی حیثیت سے وہ لوگ جو بےمعنی باتیں کرتے اور گھنٹوں اسی سے لطف‌اندوز ہوتے رہتے تو مجھے اور بھی حیرت نہ ہوتی۔

---

* زندگی کی تقریب میں بدبخت مہمان۔

لیکن جب مہمان آ جاتے تو ظاہر ہے وارینکا میری طرف اس وقت کے مقابلے میں کم توجہ دیتی جب ہم لوگ تنہا ہوتے اور پھر نہ کوئی کتاب پڑھی جاتی نہ گانا ہوتا جن کو سننا مجھے بہت پسند تھا۔ مہمانوں سے باتیں کرنے میں اس کی وہ دلربا خصوصیت ختم ہو جاتی جو مجھے بہت عزیز تھی — سنجیدگی سے غوروخوض کرنا اور سادگی۔ مجھے یاد ہے کہ ولودیا کے ساتھ تھیٹر اور موسم کے متعلق اس کی گفتگو سن کر مجھے کتنی حیرت ہوئی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ ولودیا کو عامیانہ باتیں دنیا میں سب سے زیادہ ناپسند ہیں۔ موسم وغیرہ کے متعلق دل بہلاؤ قسم کی گفتگو کا وارینکا بھی مذاق اڑایا کرتی تھی — تو پھر جب یہ دونوں ملتے تو ناقابل برداشت قسم کی مہمل باتوں کا سلسلہ کیوں شروع ہوجاتا اور وہ بھی اس طرح جیسے ایک دوسرے سے شرمندہ ہوں؟ اس قسم کی ہر گفتگو کے بعد دل ہی دل میں مجھے وارینکا پر بہت غصہ آتا، دوسرے دن میں مہمانوں کا مذاق اڑاتا لیکن نخلیودوف گھرانے میں تنہا ہوکر مجھے اب تنہا رہنے میں اور زیادہ لطف آنے لگا۔

اور سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ دمتری کے ساتھ تنہا رہنے سے زیادہ مجھے اس کی ماں کے ساتھ مہمان خانے میں بیٹھنے میں زیادہ لطف آنے لگا۔

باب ۳۱

نخلیودوف سے میری دوستی

اس زمانے میں دمتری سے میری دوستی بڑے نازک دور سے گزر رہی تھی۔ میں ایک مدت سے اس پر تنقید کرتا چلا آ رہا تھا تاکہ اس میں کوئی کمزوری یا کوتاہی رہنے نہ پائے۔ نوجوانی کے ابتدائی زمانے میں ہماری محبت صرف جذباتی ہوتی ہے اور اس لئے صرف مکمل‌ترین لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن جذبات کا کہر جیسے ہی چھٹنے لگتا ہے اور قوت‌امتیاز کی شعاعیں اسے چیرتی ہیں اور ہمارے محبوب کی اصل شکل‌وصورت نمایاں کر دیتی ہیں جس میں خامیاں بھی ہوتی ہیں اور خوبیاں بھی تو ہم صرف ان خامیوں کو

بہت واضح انداز میں اور بڑھا چڑھا کر دیکھتے ہیں۔ نئےپن کی طرف کشش کا احساس اور یہ امید کہ کسی دوسری ہستی میں ان سب چیزوں کا ملنا ایسا ناممکن نہیں ہے ہمارے جذبات کو نہ صرف سرد کر دیتی ہے بلکہ ہمیں اپنے سابق محبوب سے نفرت دلانے لگتی ہے اور ہم بغیرندامت کے اسے چھوڑ دیتے ہیں اور کسی نئے خوب سے خوب‌تر کی تلاش میں آگے بڑھ جاتے ہیں۔ اگر دمتری سے تعلقات میں میرے ساتھ بالکل ایسا ہی نہیں ہوا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کو مجھ سے جو محبت تھی اس میں مستقل مزاجی، اصول‌پرستی اور عقلیت کو دخل تھا نہ کہ دل کو۔ اور ایسی محبت کو چھوڑتے ہوئے مجھے سخت شرمندگی محسوس ہوتی۔ اس کے علاوہ ہم دونوں صاف‌گوئی کے عجیب و غریب اصول سے بندھے ہوئے تھے۔ ہمیں خطرہ تھا کہ اگر ہم جدا ہوئے تو ایک دوسرے کے پاس ایسے اخلاقی راز چھوڑیں‌گے جن میں ہم نے ایک دوسرے پر اعتبار کیا تھا اور جن سے ہمیں شرم محسوس ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ کافی مدت سے ہم دونوں صاف‌گوئی کے اصول پر عمل نہیں کر رہے تھے اور یہ بات ہم لوگوں پر بالکل عیاں تھی۔ اس بات نے ہم لوگوں میں جھجک پیدا کر دی اور ہم لوگوں کے تعلقات کچھ عجیب و غریب ہو گئے۔

ان سردیوں میں جب بھی میں دمتری کے یہاں جاتا تو دیکھتا کہ وہ یونیورسٹی کے ایک ساتھی کے ساتھ بیٹھا ہے۔ اس طالب‌علم کا نام بیزوبیدوف تھا۔ وہ اس کے ساتھ مل کر پڑھتا تھا۔ پستہ‌قد، دبلا پتلا، چہرے پر چیچک کے داغ، چھوٹے چھوٹے ہاتھ جن پر جھائیاں پڑی ہوئی تھیں اور سر پر الجھے ہوئے سرخ بالوں کی افراط — یہ تھا بیزوبیدوف کا حلیہ۔ ہمیشہ گندہ اور پھٹے حال رہتا تھا، بالکل جاہل تھا اور پڑھنے میں کمزور۔ لیوبوف سرگئی‌ونا کی طرح اس کے ساتھ بھی دمتری کے تعلقات میری فہم سے بعید تھے۔ اپنے تمام ساتھیوں میں سے اسے پسند کرنے اور اس سے اتنی دوستی کرنے کی صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی تھی کہ ساری یونیورسٹی میں بیزوبیدوف سے زیادہ بدصورت لڑکا اور کوئی نہیں تھا۔ اور اسی وجہ سے دمتری کو اس بات میں مزہ آتا تھا کہ سب کو چڑھائے اور اسی سے اپنی دوستی کا مظاہرہ کرے۔ اس طالب‌علم کے ساتھ

اس کے تمام‌تر تعلقات میں اکڑ کا یہ جذبہ بہت نمایاں تھا: ’’تم چاہے جو ہو میرے لئے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر وہ مجھے پسند ہے تو بہت اچھا ہے۔‘‘

مجھے یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ اسے اپنے آپ پر مستقل قابو رکھنے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی تھی اور یہ کہ بےچارہ بیزوبیدوف اس پریشان‌کن پوزیشن کو برداشت کرلے جاتا تھا۔ مجھے یہ دوستی بالکل پسند نہ آئی۔

ایک بار شام کو دستری کے یہاں میں گیا کہ اس کے ساتھ اس کی ماں کے مہمان خانے میں بیٹھ کر بات‌چیت کروں‌گا اور وارینکا کا گانا سنوں‌گا یا اسے کتاب پڑھتے سنوں‌گا۔ لیکن اوپر بیزوبیدوف بیٹھا ہوا تھا۔ دستری نے بہت سختی سے کہا کہ وہ نیچے نہیں آسکتا اس لئے کہ جیسے میں خود دیکھ رہا ہوں کہ اس کے پاس ایک صاحب بیٹھے ہیں۔

’’پھر وہاں نیچے بیٹھنے میں کیا مزا ہے؟‘‘ وہ بولا ’’یہاں بیٹھ کر گپ‌لڑانا زیادہ بہتر ہے۔‘‘ وہاں بیٹھ کر دو ایک گھنٹے بیزوبیدوف کے ساتھ باتیں کرنے کے لئے جی بالکل آمادہ نہ تھا لیکن اکیلے نیچے مہمان‌خانے کو بھی نہیں جانا چاہتا تھا۔ اور اپنے دوست کی متلون‌مزاجی کی وجہ سے آزردہ ہوکر میں جھولنےوالی کرسی پر بیٹھ گیا اور خاموشی سے جھولنے لگا۔ مجھے دستری اور بیزوبیدوف پر سخت غصہ آ رہا تھا کیونکہ ان دونوں نے مجھے نیچے جاکر لطف‌اندوز ہونے سے محروم کر دیا تھا۔ میں ان کی باتیں خاموشی سے سنتا، دل ہی دل میں کڑھتا اور انتظار کرتا رہا کہ بیزوبیدوف کب رخصت ہو۔ ’’واہ کیا خوب مہمان ہے! اب بیٹھو اس کے ساتھ‘‘ میں نے دل ہی دل میں کہا۔ ملازم اسی وقت چائے لایا تھا۔ اور دستری کے لئے کم سے کم پانچ مرتبہ بیزوبیدوف سے چائے پینے کو کہنا لازم ہو گیا کیوں‌کہ حیادار مہمان اسے اپنا فرض سمجھتا تھا کہ پہلی اور دوسری بار گلاس بڑھائے جانے پر انکار کر دے اور کہے: ’’آپ ہی شوق فرمائیے‘‘۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ دستری کوشش کرکے اپنے مہمان سے باتیں کر رہا ہے اور اس نے مجھے بھی اس میں گھسیٹنے کی کئی بار کوشش کی لیکن میں منہ پھلائے خاموش بیٹھا رہا۔

میں خاموشی سے اور باقاعدگی سے کرسی میں جھولا جھولتا رہا اور دل ہی دل میں دستری سے کہتا رہا: ''یہ ثابت کرنے کی کوشش کیوں کر رہے ہو کہ اکتا نہیں گئے ہو؟،، اپنے دوست کی طرف سے اپنے دل میں نفرت کی آگ کو میں اور ہوا دیتا رہا۔ ''کتنا احمق ہے!،، میں نے سوچا ''اپنے عزیزوں کے ساتھ اچھی طرح سے شام گزار سکتا تھا لیکن اس جنگلی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے اور اس وقت تک اسی طرح بیٹھا رہے گا جب تک مہمان خانہ جانے کا وقت ختم نہ ہو جائے۔،، اور میں نے اپنی کرسی کی پشت سے اپنے دوست پر نگاہ ڈالی۔ اس کے ہاتھ، اس کا انداز، اس کی گردن اور خاص طور پر اس کی گدی اور اس کے گھٹنے اتنے مکروہ اور خوفناک معلوم ہو رہے تھے کہ اس وقت اسے کچھ تکلیف پہونچانے یعنی کوئی انتہائی گھٹیا حرکت کرنے میں بھی مجھے بہت لطف آتا۔

آخر بیزوبیدوف اٹھا لیکن دستری اتنے اچھے مہمان سے ایک دم کیسے رخصت ہو سکتا تھا! چنانچہ اس نے کہا کہ رات یہیں رک جاؤ۔ لیکن خوش‌قسمتی سے بیزوبیدوف راضی نہیں ہوا اور رخصت ہو گیا۔

اسے رخصت کرنے کے بعد دستری واپس آیا اور بہت ہی خوش و خرم اور مطمئن انداز سے مسکراتے اور ہاتھ ملتے ہوئے اس نے کمرے میں ٹہلنا اور وقتاً فوقتاً میری طرف دیکھنا شروع کیا (شاید اس لئے کہ اس نے اپنے کردار کو قائم رکھا اور اس لئے کہ آخر ایک اکتا دینے والے آدمی سے نجات مل گئی تھی)۔ اسے دیکھ کر مجھے کراہت محسوس ہوئی ''ہمت تو دیکھئے کہ حضرت اوپر سے ٹہل ٹہل کر مسکرا بھی رہے ہیں؟،، میں نے سوچا۔

''تم خفا کیوں ہو؟،، اس نے ایک دم میرے سامنے رکتے ہوئے کہا۔

''بالکل خفا نہیں ہوں،، ایسے موقعوں پر ہر شخص جس طرح جواب دیتا ہے اسی طرح میں نے دیا ''میں تو صرف اس بات پر حیران ہوں کہ تم مجھ کو فریب دیتے ہو اور بیزوبیدوف کو اور خود اپنے آپ کو فریب دیتے ہو۔،،

''کیا بکواس ہے! میں کسی کو فریب نہیں دیتا۔،،

''میں نے اپنے صاف گوئی کے اصول کو بھی فراموش نہیں کیا

ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ بیزوییدوف تمہارے لئے بھی اتنا ہی ناقابل برداشت ہے جتنا میرے لئے کیونکہ وہ احمق ہے اور خدا جانے کیا کیا ہے لیکن تمہیں اس کی نظروں میں بڑا بننا پسند ہے۔،،

''بالکل غلط۔ اول تو یہ کہ بیزوییدوف نہایت عمدہ آدمی ہے...،،

''لیکن میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ صحیح ہے۔ میں تو یہ تک کہتا ہوں کہ لیوبوف سرگئی‌ونا سے بھی تمہاری دوستی کی بنیاد اسی بات پر قائم ہے کہ وہ تمہیں خدا سمجھتی ہیں۔،،

''اور میں کہتا ہوں کہ یہ سچ نہیں ہے۔،،

''میں کہتا ہوں بالکل سچ ہے کیونکہ میں اپنے تجربے سے جانتا ہوں،، میں نے دبی ہوئی رنجش کی گرمی کے ساتھ جواب دیا۔ میں چاہتا تھا کہ اپنی صاف گوئی سے اسے لاجواب کردوں۔ ''میں تم سے کہہ چکا ہوں اور پھر کہتا ہوں کہ مجھے ہمیشہ وہ لوگ بہت اچھے لگتے ہیں جو میرے متعلق اچھی باتیں کرتے ہیں اور جب میں اس پر اچھی طرح غور کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان سے میرا کوئی خاص تعلق نہیں ہے۔،،

''نہیں،، دمتری نے غصے سے گردن کو جھٹکا دیکر گلوبند ٹھیک کرتے ہوئے کہا ''جب میں محبت کرتا ہوں تو میرے جذبات میں نہ تو تعریف سے کوئی تبدیلی آسکتی ہے اور نہ برائی سے۔،،

''بالکل غلط کہتے ہو۔ میں تمہارے سامنے اعتراف کرچکا ہوں کہ پاپا نے جب مجھے نکما کہا تھا تو میرے دل میں وقتی طور پر ان کے لئے نفرت کا جذبہ پیدا ہوگیا تھا اور میرے جی میں یہ بھی آیا کہ وہ مرجائیں۔ اسی طرح تم بھی...،،

''بس اپنے ہی بارے میں کہو۔ اگر تمہاری یہ حالت ہے تو قابل افسوس ہے...،،

''اس کے برخلاف،، میں کرسی سے اچھل کر دم توڑتی ہوئی جرأت کے ساتھ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چلایا ''جو تم کہہ رہے ہو وہ اچھی بات نہیں ہے۔ کیا تم نے بھائی کے متعلق مجھ سے نہیں کہا تھا؟ میں اس بات کو یاد نہیں دلاتا کیونکہ یہ بڑی چھچھوری بات ہوگی۔ تم نے مجھ سے نہیں کہا تھا... میں بتاتا ہوں کہ اب میں تمہیں کیا سمجھتا ہوں...،،

اور اس نے مجھے جس طرح تکلیف پہونچائی تھی اس سے زیادہ اسے تکلیف پہونچانے کی زبردست خواہش کے تحت میں نے ثابت کرنا شروع کر دیا کہ وہ کسی سے محبت نہیں کرتا اور میں نے وہ ساری باتیں کہہ ڈالیں جن کے متعلق میرا خیال تھا کہ میں اس کو ملامت کرنے کا حق رکھتا ہوں۔ یہ ساری باتیں کہہ ڈالنے سے مجھے بڑی خوشی محسوس ہوئی اور یہ بھول گیا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے اس کا صرف ایک ہی مقصد ہو سکتا تھا کہ میں نے جن کمزوریوں کا ذکر کیا ہے ان کا وہ اعتراف کر لے اور یہ موقع اس وقت حاصل نہیں ہو سکتا تھا جب کہ وہ اتنا برافروختہ تھا۔ میں نے یہ باتیں اس سے اس وقت نہیں کہیں جب وہ ٹھنڈے دل سے سن سکتا اور انہیں تسلیم کر سکتا تھا۔

خطرہ نظر آ رہا تھا کہ یہ اختلاف بڑھ کر لڑائی کی شکل اختیار کرلیں گے کہ دمتری ایک دم خاموش ہو گیا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ میں مسلسل بولے جا رہا تھا اور اس کے پیچھے جانے ہی والا تھا لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس نے بری عادتوں کی جو فہرست بنائی تھی اس میں جنونی غصہ بھی شامل تھا اور اس وقت وہ اسی کو ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے اس کے تمام منصوبوں کو جی بھر کے برا بھلا کہا۔

تو یہ تھا نتیجہ ہمارے اس اصول کا — ہم جو کچھ محسوس کریں گے وہ ایک دوسرے کو بتا دیں گے اور ایک دوسرے کے متعلق کسی تیسرے آدمی سے کبھی کچھ نہ کہیں گے۔ صاف گوئی کی لہر میں بہکر ہم کبھی کبھی انتہائی شرمناک قسم کے اعتراف کیا کرتے تھے اور ان مبہم قسم کے خوابوں اور امنگوں کا ذکر کرکے خود ہمیں شرم محسوس ہوتی تھی جیسے وہ ٹھوس قسم کی خواہشیں اور جذبات ہوں مثلاً جن کا ذکر میں نے ابھی ابھی اس سے کیا تھا۔ اور ان اعترافات نے نہ صرف یہ کہ ہمارے تعلقات کو مستحکم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود جذبات کے سوتے کو خشک کر دیا اور ہم دونوں کو جدا کر دیا۔ اور اب دفعتاً خودپسندی دمتری کو بہت ہی معمولی قسم کا اعتراف کرنے سے روک رہی تھی۔ اور بحث کی گرماگرمی میں ہم نے وہ ہتیار استعمال

کئے جو خود ہم نے اس سے قبل ایک دوسرے کے ہاتھ میں دئے تھے اور جن کے وار بہت ہی تکلیف‌دہ تھے۔

باب ۳۳

سوتیلی ماں

پاپا کا ارادہ تھا کہ نئے سال تک اپنی بیوی کو لے کر ماسکو نہیں آئیں گے لیکن وہ اکتوبر ہی میں آ پہونچے — اس وقت جب موسم‌خزاں میں کتوں کے ذریعے بہت اچھا شکار ہو سکتا تھا۔ پاپا نے کہا کہ میں نے اپنا پروگرام اس لئے بدل دیا کہ میرا مقدمہ سینیٹ میں پیش ہونے والا ہے۔ لیکن میمی نے ہمیں بتایا کہ اودوتیا واسیلئے‌ونا دیہات میں بہت گھبرا گئی تھیں اور ماسکو کا اکثر ذکر کیا کرتی تھیں اور بیماری کا بہانہ بھی کر لیا تھا چنانچہ پاپا نے فیصلہ کیا کہ ان کی خواہش پر عمل کیا جائے۔

''انہیں ان سے محبت تھوڑے‌ہی تھی۔ ہر شخص کو اپنی محبت کا قصہ محض اس لئے سنایا کرتی تھیں تاکہ ایک مالدار آدمی سے شادی ہوجائے،، میمی نے اپنی بات میں اضافہ کیا اور خیالوں میں ڈوب کر ٹھنڈا سانس لیا جیسے کہنا چاہتی ہوں: ''بعض لوگ ان کے لئے کیا کچھ نہ کرتے بشرطیکہ وہ ان کی قدر کر سکتے۔،،

لیکن وہ ''بعض لوگ،، اودوتیا واسیلئے‌ونا کے ساتھ انصاف نہیں کررہے تھے۔ پاپا کے لئے ان کی محبت جس میں دلسوزی بھی تھی اور وفاداری اور قربانی کا جذبہ بھی ایک ایک لفظ، ایک ایک نگاہ اور ایک ایک اشارے سے ظاہر تھی۔ لیکن یہ محبت اپنے قابل پرستش شوہر سے دم بھر کو جدا نہ ہونے کی خواہش کے باوجود انہیں اس خواہش سے بالکل نہ روک سکتی تھی کہ مادام آنیت کے یہاں سے ٹوپ منگوائیں، ان کے پاس شترمرغ کے غیرمعمولی آسمانی رنگ کے پر لگی ہوئی ٹوپیاں اور وینس کے نیلے مخمل کے لباس ہوں جن سے ان کے حسین گورے بازو اور سینہ خوبصورتی کے ساتھ نظر آسکیں جنہیں آج تک ان کے شوہر اور ملازمہ کے علاوہ کسی اور نے نہ دیکھا تھا۔ کاتینکا نے ظاہر ہے اپنی ماں کی طرف‌داری

کی۔ اور ہمارے اور ہماری سوتیلی ماں کے درمیان ان کی آمد کے دن ہی سے کچھ عجیب قسم کے مضحکہ خیز سے تعلقات قائم ہوگئے۔ وہ جیسے ہی گاڑی سے اتریں ولودیا سنجیدہ چہرہ اور بے کیف سی آنکھیں بنائے پاؤں گھسیٹتا اور کچھ جھومتا ہوا ان کے پاس پہونچا اور ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور جیسے کسی اور کا تعارف کرا رہا ہو بولا:

''عزیز ماں کی آمد پر مبارکباد دینے اور ان کے ہاتھ کو بوسہ دینے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔''

''میرے بیٹے!'' اودوتیا واسیلئےونا نے خوبصورت اور یکساں قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''اور اپنے دوسرے بیٹے کو نہ بھولئے'' میں بھی ان کے ہاتھ کو بوسہ دینے کے لئے پہونچا اور غیرارادی طور پر میں نے بھی ولودیا جیسی صورت بنائی اور وہی لہجہ اختیار کرنے کی کوشش کی۔

اگر ہماری سوتیلی ماں اور ہم کو اپنی باہمی محبت کے متعلق یقین ہوتا تو چہرے کے اس تاثر کے معنی ہوتے کہ محبت کے کسی بھی اظہار کی نمائش سے ہم بےنیاز ہیں۔ اگر ہم لوگوں کے تعلقات خراب ہوتے تو اس طنز یا مکاری سے نفرت کا اظہار ہوتا یا یہ خواہش ظاہر ہوتی کہ ہم اپنے اصل تعلقات اور اس قسم کے بہت سے خیالات اور جذبات کو اپنے والد سے چھپانا چاہتے ہیں۔ لیکن موجودہ حالت میں چہرے کا یہ انداز جو اودوتیا واسیلئےونا کے مذاق پر پورا اترتا تھا، کسی چیز کا بھی اظہار نہ کرتا تھا اور صرف یہ بتاتا تھا کہ کسی قسم کے بھی تعلقات نہیں ہیں۔ میں نے دوسرے گھرانوں میں ان جھوٹے اور مضحکہ خیز قسم کے تعلقات کو اکثر دیکھا ہے جن کے افراد یہ پہلے ہی سے سمجھ لیتے ہیں کہ اصل تعلقات زیادہ بہتر نہ ہونگے۔ اور ہمارے اور اودوتیا واسیلئےونا کے درمیان اس قسم کا رشتہ غیرارادی طور پر قائم ہو گیا۔ ہم شاید ہی کبھی اس رشتے پر قائم نہ رہے ہوں، ہمیشہ بناوٹ کے ساتھ بڑے مہذب انداز میں پیش آتے، ان سے فرانسیسی میں بات کرتے، تعظیماً ان کے سامنے جھک جاتے اور انہیں chère maman * کہکر پکارتے جس کے جواب میں وہ ہمیشہ خوبصورت اور یکساں مسکراہٹ کے ساتھ ایک ہی

---

* پیاری اماں۔

طرح مذاق کرتیں۔ بطخ کے سے پیروں اور معصومانہ انداز میں بک بک کرنے والی رونی لیوبوچکا ہی رہ گئی تھی جسے سوتیلی ماں بہت پسند آئیں اور وہ کبھی بڑے بھولے انداز میں اور کبھی بڑے بھونڈے طریقے سے انہیں ہمارے سارے خاندان کے نزدیک لانے کی کوشش کرتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بابا کے علاوہ جن سے وہ بری طرح محبت کرتی تھیں لیوبوچکا دنیا میں وہ واحد ہستی تھی جس کے لئے اودوتیا واسیلئےونا کے دل میں کچھ تھوڑی سی محبت تھی۔ اودوتیا واسیلئےونا اس کے لئے والہانہ محبت اور ایک حد تک عزت کا بھی اظہار کرتی تھیں جس سے مجھ کو بہت حیرت ہوتی تھی۔

پہلے انہیں اپنے آپ کو سوتیلی ماں کہنے میں بڑا مزہ آتا تھا اور اس طرح اشاروں کنایوں سے یہ ظاہر کرنا تھا کہ گھر کے بچے اور دوسرے لوگ عام طور سے سوتیلی ماں کی طرف کتنا غلط اور برا رویہ اختیار کرتے ہیں اور اس لئے وہ کتنی مشکل میں مبتلا ہوجاتی ہے۔ وہ اپنی اس حیثیت کی مشکلات سے بخوبی واقف تھیں لیکن اس کے باوجود ان سے بچنے کی بالکل کوشش نہ کرتی تھیں جیسے کسی کو پیار کرنا یا کسی کو تحفہ دینا یا غصہ ہونے سے احتراز کرنا۔ اگر وہ ایسا کرتیں تو ان کے لئے بہت آسانیاں پیدا ہو جاتیں کیونکہ وہ بہت مرنجان مرنج قسم کی خاتون تھیں اور فطرتاً سخت گیر نہ تھیں۔ لیکن نہ صرف یہ کہ انہوں نے یہ سب کچھ نہیں کیا بلکہ اس کے برخلاف اپنی حیثیت کی تمام مشکلات کو دیکھتے ہوئے انہوں نے اپنے اوپر کسی حملے کے بغیر بچاؤ کی کوشش شروع کردی اور اس بات کو تسلیم‌شدہ حقیقت سمجھ لیا کہ گھر کے سب لوگ حتی‌الامکان ان کی توہین کرنے اور پسند کے خلاف حرکتیں کرنے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ انہیں ہر چیز میں بری‌نیت نظر آنے لگی اور انہوں نے فیصلہ کرلیا کہ سب سے زیادہ پروقار طریقہ یہ ہے کہ خاموشی سے مصیبتوں کو برداشت کیا جائے۔ اور محبت حاصل کرنے کے بجائے مجہولیت کے اس انداز نے سب کو ان کا مخالف بنا دیا۔ اس کے علاوہ ان میں وہ صلاحیت بالکل نہ تھی کہ تقریباً کچھ کہے بغیر ایک دوسرے کی بات سمجھ لی جائے جو ہمارے گھر میں بہت بڑے پیمانے پر

ترقی کر چکی تھی اور جس کا میں ذکر کرچکا ہوں۔ اور ان کے طورطریقے ان سے اتنے مختلف تھے جو ہمارے گھر میں جڑ پکڑ چکے تھے کہ صرف اسی وجہ سے لوگ ان سے بدظن ہو گئے۔ ہمارے صاف‌ستھرے اور باقاعدہ گھر میں وہ ہمیشہ اس طرح رہیں جیسے ابھی ابھی آئی ہوں، کبھی بہت سویرے اٹھ پڑتیں اور سونے چلی جاتیں، کبھی دیر میں، کبھی کھانے کے لئے آ جاتیں اور کبھی نہ آتیں، کبھی رات کو کھانا کھاتیں کبھی نہ کھاتیں۔ جب کوئی مہمان نہ ہوتا تو وہ زیادہ‌تر نیم‌عریاں انداز میں پھرا کرتیں اور ہمارے سامنے اس طرح پھرتے انہیں بالکل شرم نہ محسوس ہوتی بلکہ نوکروں سے بھی شرم نہ آتی۔ سفید بیٹی کوٹ پہنے رہتیں، ایک شال لپیٹ لیتیں اور شانے ننگے رہتے۔ پہلے تو ان کی یہ سادگی اور لاپرواہی مجھے بہت اچھی لگی لیکن تھوڑے ہی عرصے میں اسی کی بدولت ان کی ساری عزت میرے دل سے جاتی‌رہی۔ اس سے زیادہ عجیب بات ہمارے لئے یہ تھی کہ وہ دو بالکل مختلف قسم کی عورتوں کا مجموعہ تھیں۔ اس کا انحصار اس بات پر ہوتا تھا کہ گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں یا نہیں۔ ایک عورت تھی مہمانوں کی موجودگی میں — صحت‌مند سردمہر قسم کی خوبصورت نوجوان عورت، شاندار لباس میں، نہ زیادہ ہوشیار، نہ زیادہ بےوقوف، لیکن ہمیشہ ہنس‌مکھ۔ دوسری عورت تھی مہمانوں کی غیرموجودگی میں — اداس خستہ سی عورت جو اب جوان نہیں رہی تھی، تھکی اور اکتائی سی حالانکہ محبت‌والی۔ وہ جب لوگوں سے ملاقات کرنے کے بعد مسکراتی ہوئی واپس آتیں اور سردی کی وجہ سے ان کے چہرے پر گلابی‌رنگ دوڑا ہوا ہوتا اور اپنے حسن کے احساس سے خوش ہوتیں اور اوپر جاکر اپنی ٹوپی اتارتے ہوئے آئینے میں اپنا جائزہ لیتیں یا جب اپنے زرق‌برق کھلے ہوئے گریبان کا ناچ‌والا لباس پہنے اور ملازموں کے سامنے کچھ کچھ شرماتی لیکن فخر محسوس کرتی ہوئی وہ گاڑی کی طرف جاتیں یا جب شام کو سب لوگ جمع ہوتے اور مہمان آتے تو وہ ایک تنگ ریشمی‌گاؤن پہنے جس کی ہلکی سی بیل ان کی نرم‌ونازک گردن کے چاروں طرف پڑی رہتی وہ اپنی یکساں قسم کی خوبصورت مسکراہٹ ہر طرف بکھیرتیں — جب بھی میں انہیں اس طرح دیکھتا تو اکثر سوچا کرتا کہ جو لوگ ان کے

قصیدے پڑھتے ہیں وہ اگر انہیں ان راتوں میں بارہ بجے کے بعد دیکھ لیں جیسا کہ میں ان کو دیکھتا تھا تو کیا کہیں جب وہ گھر ہی پر رہی تھیں اور بال بکھرائے اور کوئی چیز اوڑھے ملگی ملگی روشنی میں کمروں میں سائے کی طرح پھرا کرتیں اور کب سے اپنے شوہر کی واپسی کا انتظار کرتی تھیں۔ کبھی وہ پیانو کے پاس پہونچتیں اور وہ واحد والز بجاتیں جو وہ جانتی تھیں اور اس کوشش میں ناک بھوں چڑھاتیں، پھر کوئی ناول اٹھا لیتیں اور بیچ کی چند سطریں پڑھنے کے بعد اسے ایک طرف ڈال دیتیں اور پھر اس غرض سے کہ نوکر کہیں جاگ نہ پڑیں وہ خود ہی کھانے کی الماری کے پاس پہنچ جاتیں اور ایک کھیرا اور بچھڑے کے گوشت کا ایک سرد ٹکڑا اٹھا لیتیں اور برتنوں کے کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑی ہوکر اسے کھاتیں یا بغیر کسی مقصد کے ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں پھرا کرتیں۔ ان کے چہرے سے معلوم ہوتا کہ تھک گئی ہیں اور زندگی سے عاجز ہیں لیکن جس چیز نے ہمارے درمیان غیریت کی دیوار زیادہ حائل کردی وہ تھی ان کی نافہمی جس کا اظہار خاص طور پر اس وقت ہوتا تھا جب لوگ ان سے ایسی چیزوں کے متعلق باتیں کرتے جن کا انہیں علم نہ ہوتا لیکن وہ پراخلاق انداز میں ہمہ‌تن گوش ہو جاتیں۔ اس بات کے لئے ان کو ملزم نہیں گردانا جا سکتا تھا کہ جب ان سے کوئی ایسی بات کہی جاتی جس سے انہیں دلچسپی نہ ہوتی (اور انہیں اپنے اور اپنے شوہر کے علاوہ اور کسی چیز سے دلچسپی نہیں تھی) تو وہ اپنی غیرشعوری عادت کے مطابق صرف ہونٹوں سے خفیف سا مسکرا دیتیں اور سر جھکا دیتیں۔ لیکن جب اس مسکراہٹ اور سر کے اشارے کا باربار اعادہ ہوتا تو ناقابل بیان حد تک ناگوار معلوم ہونے لگتا۔ ایسا لگتا تھا کہ ان کے قہقہے بھی خود اپنا، ہمارا اور ساری دنیا کا مذاق اڑا رہے ہیں، یہ قہقہے بھدے لگتے تھے اور کسی پر اثر نہ کرتے تھے۔ ان کی جذباتیت حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ انہیں پاپا سے اپنی محبت کے متعلق کسی سے بھی مسلسل باتیں کرنے میں شرم نہ محسوس ہوتی تھی۔ وہ جھوٹ تو نہیں کہتی تھیں کہ میری ساری زندگی اپنے شوہر سے محبت کے لئے وقف ہے اور انہوں نے اپنی

پوری زندگی سے اسے ثابت بھی کر دیا، پھر بھی ہمارے خیالات کے مطابق اپنی محبت کی ایسی مسلسل اور بے تکلف تکرار قابلِ نفرت چیز تھی اور جب وہ اجنبیوں کے سامنے اس کا ذکر کرتیں تو ان کی غلط فرانسیسی سے زیادہ اس بات پر ہم لوگوں کو شرم محسوس ہوتی۔

وہ دنیا میں سب سے زیادہ اپنے شوہر کو چاہتی تھیں اور ان کے شوہر انہیں چاہتے تھے خاص طور پر پہلے پہل جب انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ وہ تنہا انسان نہیں ہیں جنہیں وہ اچھی لگتی ہیں۔ ان کی زندگی کا واحد مقصد اپنے شوہر کی محبت حاصل کرنا تھا لیکن ایسا لگتا تھا کہ وہ ہر چیز جان بوجھکر اس طرح کرتی ہیں جو ان کے شوہر کو بری لگے اور ساری چیزوں کا مقصد صرف ایک تھا کہ ان پر اپنی محبت کی پوری قوت اور قربانی کے لئے آمادگی کا اظہار کردیں۔

انہیں نفیس کپڑوں کا بہت شوق تھا۔ میرے والد چاہتے تھے کہ وہ شمع محفل بنیں اور لوگوں میں تعریف اور حیرت کے جذبات پیدا کردیں۔ والد کی خاطر انہوں نے اپنی خوش پوشاکی کے شوق کو قربان کر دیا اور گھر پر سرمئی رنگ کا بلاؤز پہن کر رہنے کی زیادہ عادت ڈال لی۔ پاپا خاندانی تعلقات میں آزادی اور برابری کو ہمیشہ لازمی شرائط تصور کرتے تھے اور انہیں امید تھی کہ ان کی پیاری لیوبوچکا اور ان کی اچھی جوان بیوی بہت ہی پرخلوص اور دوستانہ انداز میں ایک دوسرے کے قریب آئیں گی۔ چونکہ اودوتیا واسیلئے ونا اپنی قربانی پیش کر رہی تھیں اس لئے وہ اپنا فرض تصور کرتی تھیں کہ لیوبوچکا کی جسے وہ گھر کی اصل مالکن کہتی تھیں غلط قسم کی عزت کی جائے اور اس سے پاپا کو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ اس سال سردی میں پاپا نے بے انتہا جوا کھیلا اور آخر میں بہت روپیہ ہار گئے۔ ہمیشہ کی طرح وہ اب بھی جوے کے معاملات گھروالوں سے چھپاتے تھے کیونکہ وہ اپنے جوئے کو اپنی گھریلو زندگی کے ساتھ ملانا نہ چاہتے تھے۔ اودوتیا واسیلئے ونا تو اپنے آپکو قربان ہی کر چکی تھیں: پاپا کلب سے صبح چار پانچ بجے واپس آتے۔ وہ کبھی تھکن سے چور اور جوئے میں ہارے ہوتے اور شرمندگی محسوس کرتے لیکن اودوتیا واسیلئے ونا اپنی

بیماری کے زمانے میں اور سردیوں کے اختتام پر بھی جب وہ حاملہ تھیں اپنا فرض تصور کرتی تھیں کہ آڑے ترچھے قدم رکھتی، سرمئی بلاؤز پہنے اور بغیر بال بنائے بابا سے ملنے ضرور جاتیں۔

وہ کچھ کھوئے کھوئے انداز میں دریافت کرتیں کہ کھیل میں قسمت نے ساتھ دیا یا نہیں اور جب وہ کلب کی سرگرمیوں کا ذکر کرتے تو ایسا ظاہر کرتیں کہ بڑے اشتیاق سے سب باتیں سن رہی ہیں اور ہلکے ہلکے سر بھی ہلاتی جاتی تھیں۔ وہ ان سے سینکڑوں بار درخواست کرچکے تھے اور پھر دہراتے کہ میرا انتظار مت کیا کرو۔ بابا کی ہارجیت سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی حالانکہ اسی پر بابا کی جائداد کا انحصار تھا لیکن جب وہ کلب سے واپس آتے تو سب سے پہلے رات کو وہی ان سے ملنے جاتی تھیں۔ پھر وہ صرف اس لئے ان سے نہیں ملنے جاتی تھیں کہ قربانی پیش کرنے کا جذبہ زیادہ ہے بلکہ اس میں رقابت کا پوشیدہ سا جذبہ بھی کارفرما تھا جو انہیں کھائے جا رہا تھا۔ دنیا میں انہیں کوئی قائل نہ کر سکتا تھا کہ بابا اتنی رات گئے اپنی کسی داشتہ کے پاس سے نہیں بلکہ کلب سے واپس آرہے ہیں۔ اور بابا کے چہرے سے ان کی محبت کے راز معلوم کرنے کی کوشش کرتیں اور چونکہ وہاں کچھ نظر نہ آتا اس لئے شدید غم کے جذبے کے ساتھ ٹھنڈا سانس لیتیں اور پھر اپنے غم میں ڈوب جاتیں۔

سردی کے آخری مہینوں میں جب بابا کافی ہار گئے تھے اور اس وجہ سے زیادہ‌تر کافی اداس رہتے تھے اپنی بیوی کی ایسی اور اس قسم کی دوسری مسلسل قربانیوں کی وجہ سے ان میں اپنی بیوی کے لئے خاموش نفرت کا ملاجلا سا جذبہ پیدا ہو گیا یعنی اپنی محبوب کی طرف سے کراہت کا وہ دبا ہوا جذبہ جو اس غیرشعوری خواہش میں ظاہر ہوتا ہے کہ محبوب کو ہر ممکن طریقے سے چھوٹی چھوٹی بات پر اخلاقی کچوکے دئے جائیں۔

باب ۴۳

نئے ساتھی

سردیاں دیکھتے دیکھتے ختم ہو گئیں اور برف پگھلنے لگی۔ یونیورسٹی میں امتحان کی فہرست لگادی گئی تھی کہ مجھے دفعتاً یاد آیا کہ اٹھارہ مضامین جو مجھے پڑھائے گئے تھے ان سب کا جواب دینا ہے لیکن میں نے نہ ایک لکچر سنا اور نہ لکھا تھا اور نہ کوئی تیاری کی تھی۔ تعجب ہے کہ یہ معمولی سا سوال میرے ذہن میں ایک مرتبہ بھی نہیں آیا کہ ''امتحان میں کامیاب کس طرح ہونگا؟،، بڑے ہو جانے اور comme il faut بنے بھرنے کے نشے میں میں اتنا مست رہا کہ جب یہ سوال ذہن میں آیا بھی تو میں نے اپنا مقابلہ اپنے ساتھیوں سے کیا اور سوچا: ''وہ لوگ پاس ہو جائیں گے لیکن ان میں زیادہ‌تر لوگ comme il faut نہیں ہیں۔ تو اس طرح مجھے ان لوگوں پر مزید فوقیت حاصل ہے اور مجھے پاس بھی ہونا چاہئے۔،، میں لکچروں میں صرف اس لئے جاتا تھا کہ میں انکا عادی ہوچکا تھا اور پاپا مجھے گھر سے رخصت کر دیتے تھے۔ اس کے علاوہ میرے بہت سے ملاقاتی تھے اور یونیورسٹی میں اکثر بہت اچھا وقت گزرتا تھا۔ مجھے کلاس کا شور، باتیں اور قہقہے بہت پسند تھے۔ مجھے اب کلاس میں پیچھے بیٹھنے اور لکچر کے دوران میں پروفیسر کی یکساں قسم کی آواز سنتے ہوئے کسی اور چیز کے متعلق سوچنے یا اپنے ساتھیوں کو دیکھنے میں بہت لطف آتا تھا۔ کبھی کبھی مجھے اس میں بہت لطف آتا کہ کسی کے ساتھ ماترن کی دوکان میں چلا گیا، کچھ ووڈکا پی اور گزک کھائی۔ مجھے معلوم تھا کہ ان حرکتوں پر پروفیسر کی ڈانٹ پڑیگی، اس لئے کلاس میں آہستہ سے دروازہ کھول کر داخل ہوا کرتا تھا۔ کلاسوں کے درمیان وقفوں میں ہنسی قہقہوں کے جو مقابلے ہوتے تھے ان میں حصہ لیتے ہوئے مجھے بہت لطف آتا تھا۔ یہ سب چیزیں پرلطف تھیں۔

جب سب نے باقاعدگی سے لکچروں میں آنا شروع کردیا تھا، طبیعیات کے پروفیسر نے اپنا پورا کورس ختم کردیا اور امتحان تک کے لئے رخصت ہو گئے تھے اور طلبا نے اپنی نوٹ کی کاپیاں جمع

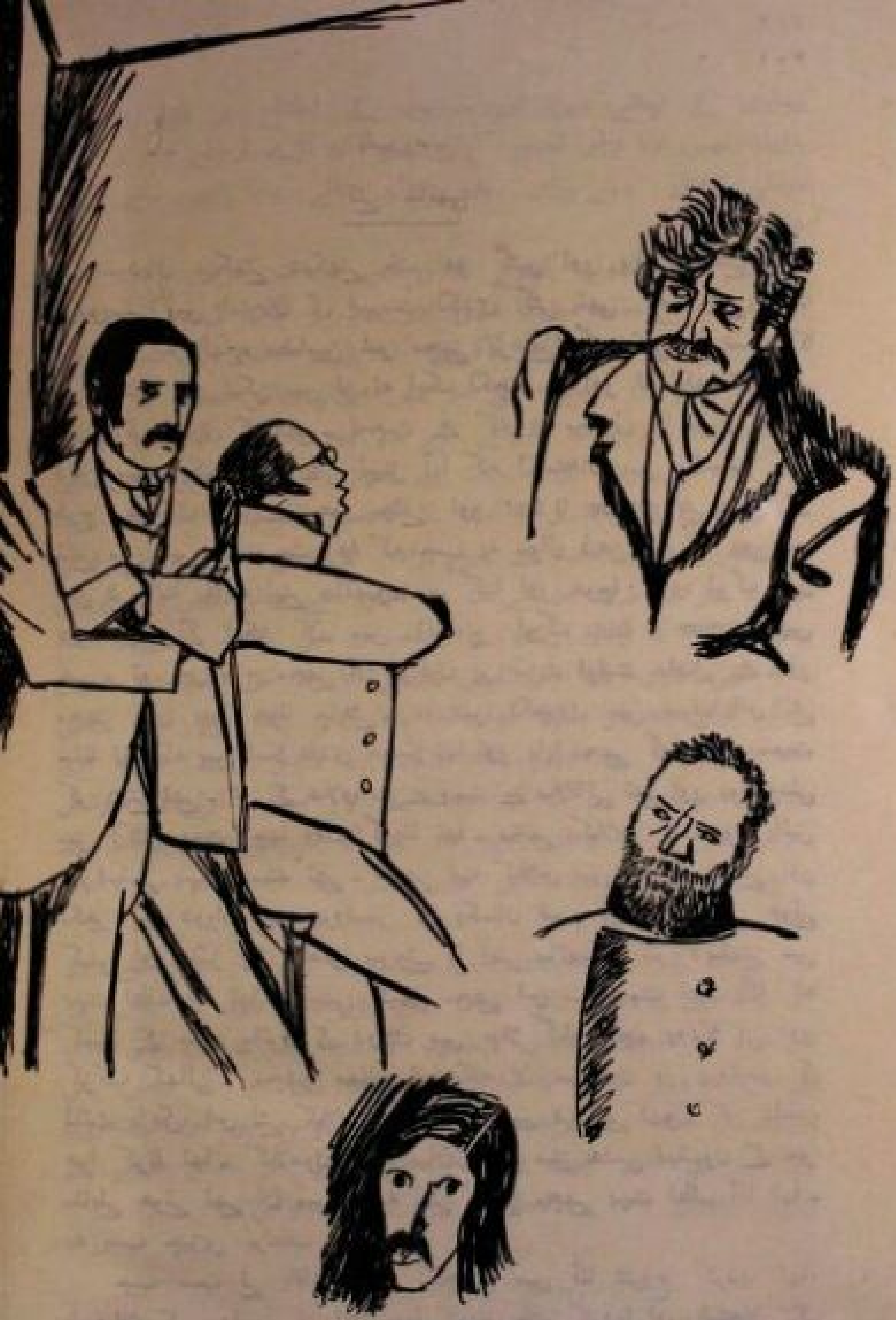

کرنا اور گروہوں میں امتحان کی تیاری کرنا شروع کر دی تو میں نے بھی تیاری کرنے کے متعلق سوچنا شروع کیا۔ میں بتا چکا ہوں کہ اوبیروف سے میرے تعلقات بالکل سرد پڑ چکے تھے لیکن میں اب بھی جھک کر اسے سلام ضرور کر لیتا تھا۔ اس نے مجھے نہ صرف اپنی کاپیاں دینے کو کہا بلکہ مجھے دعوت بھی دی کہ میرے ساتھ اور دوسرے طلبا کے ساتھ ملکر ان کاپیوں سے تیاری کر لو۔ میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور راضی ہو گیا۔ امید تھی کہ اس عزت افزائی سے ہمارے سابقہ اختلافات ختم ہوجائیں گے۔ میری درخواست صرف یہ تھی کہ سب لوگ میرے یہاں جمع ہوں کیونکہ میرا مکان اچھا ہے۔

اس کا جواب ان لوگوں نے یہ دیا کہ ہم لوگ باری باری سے لوگوں کے یہاں جمع ہوں گے، کبھی ایک کے یہاں کبھی دوسرے کے یہاں، جو سب سے نزدیک ہو۔ پہلی بار سب لوگ زوخن کے یہاں ملے۔ وہ تروینی بلوار پر ایک بڑے مکان کے ایک بہت تنگ سے کمرے میں رہتا تھا جو آڑ کھڑی کر کے بنایا گیا تھا۔ پہلے اجتماع میں مجھے دیر ہو گئی اور اس وقت پہونچا جب ان لوگوں نے پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ چھوٹے سے کمرے میں معمولی قسم کے تمباکو کا دھواں بھرا ہوا تھا جو زوخن استعمال کرتا تھا۔ میز پر ووڈکا کی ایک چوکور بوتل، گلاس، روٹی، نمک اور گوشت کی ہڈی رکھی ہوئی تھی۔

زوخن نے اپنی جگہ سے اٹھے بغیر مجھ سے ووڈکا پینے اور کوٹ اتارنے کو کہا۔

''میرا خیال ہے کہ تم اس قسم کی تواضع کے عادی نہ ہوگے،'' وہ بولا۔

سب طلبہ گندی سوتی قمیصیں اور بنیائنیں پہنے بیٹھے تھے۔ میں نے کوشش کی کہ ان لوگوں پر اپنی حقارت کا اظہار نہ ہونے دوں۔ میں نے کوٹ اتارا اور بہت دوستی کے انداز میں صوفے پر لیٹ گیا۔ زوخن بہ‌آوازبلند پڑھتا رہا اور کبھی کبھی کاپیاں دیکھ لیتا اور لوگ سوال کرتے تو وہ ہمیشہ بہت اختصار اور ذہانت کے ساتھ اور بالکل صحیح صحیح جواب دیتا۔ میں کچھ دیر تو سنتا رہا لیکن چونکہ مجھے پتہ نہیں تھا کہ اس سے پہلے کیا ہو چکا

ہے اس لئے بہت کم سمجھ میں آ رہا تھا اور میں نے ایک سوال کیا۔

"یار، اگر تمہیں یہ بھی پتہ نہیں تو تمہارے لئے یہ سب سنتا بیکار ہے،" زوخن بولا "میں تمہیں کاپیاں دیدوں گا تاکہ تم کل پڑھ لو۔ اور اب سمجھنا سمجھانا بیکار ہے۔"

مجھے اپنی جہالت کی وجہ سے شرم محسوس ہو رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی احساس تھا کہ زوخن نے بات بالکل صحیح کہی ہے۔ چنانچہ میں نے سنتا بند کر دیا اور ان نئے ساتھیوں کو غور سے دیکھنے لگا۔ انسانوں کی قسم کے مطابق کون comme il faut ہے اور کون comme il faut نہیں ہے یہ لوگ یقیناً دوسری قسم سے تعلق رکھتے تھے اور اس لئے انہیں دیکھ کر میرے دل میں نہ صرف حقارت کا جذبہ پیدا ہوا بلکہ ایک قسم کی ذاتی نفرت پیدا ہو گئی کیونکہ یہ لوگ اس بات کے باوجود کہ comme il faut نہیں تھے مجھے اپنے برابر کا سمجھتے تھے بلکہ بڑی خوش مزاجی سے میری طرف سرپرستی کا رویہ بھی اختیار کر رہے تھے۔ ان کے پیر، ان کے گندے ھاتھ، دانتوں سے کترے ہوئے ناخن، اوپیروف کی ایک چھنگلیا کا بڑا سا ناخن، ان کی گلابی قمیصیں، ان کی بنیائنیں، ایک دوسرے کو پیار میں گالیاں دینے کے طریقے، گندے کمرے اور زوخن کی ایک تنہا انگلی سے دبا کر مسلسل ناک سڑکنے کی عادت سے میرے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا اور خاص طور پر ان کے بولنے کے طریقے سے جو مجھے بالکل کتابی اور گھٹیا حد تک غیر معقول لگا۔ لیکن خاص نفرت ان کے تلفظ سے پیدا ہوئی کیونکہ یہ لوگ چند روسی الفاظ اور خاص طور پر بیرونی زبانوں کے الفاظ پر غلط جگہ زور دے کر ادا کرتے تھے۔

لیکن ان کی ان ظاہری چیزوں کے باوجود جو اس وقت مجھے ناقابل برداشت حد تک گھناؤنی معلوم ہوتی تھیں مجھے ان لوگوں میں کچھ نہ کچھ اچھا بھی معلوم ہوا۔ زندہ دلانہ دوستی کے جس رشتے نے ان لوگوں کو ایک دوسرے سے وابستہ کر دیا تھا اس پر مجھے رشک آ رہا تھا اور اس لئے مجھے کچھ کشش محسوس ہوئی اور میرا جی چاہنے لگا کہ ان لوگوں سے زیادہ بہتر واقفیت پیدا کروں چاہے یہ میرے لئے کتنا مشکل کیوں نہ ہو۔

میں شریف اور نیک اوپیروف سے واقف تھا۔ اب مجھے تیزطرار اور انتہائی ذہین زوخن بہت پسند آیا جو بظاہر اس حلقے پر چھایا ہوا تھا۔ پستہ‌قد، گٹھا ہوا جسم، سانولی رنگت، کچھ کچھ بھولا سا اور ہمیشہ چمکتا ہوا لیکن انتہائی ذہین، پرمسرت اور آزاد سا چہرہ۔ اس کے چہرے کا یہ تاثر خاص طور پر اس کے ماتھے کی وجہ سے، جو بہت کشادہ تو نہیں لیکن اس کی سیاہ آنکھوں کے اوپر کمان بنائے ہوئے تھا، اس کے چھوٹے چھوٹے کھڑے ہوئے بال اور اس کی گھنی سیاہ ڈاڑھی سے پیدا ہوتا تھا جو ایسا لگتا تھا کہ کبھی تراشی نہیں جاتی تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اپنے متعلق سوچتا ہی نہیں (یہ بات مجھے ہمیشہ پسند آتی تھی) لیکن صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس کا دماغ کبھی بیکار نہیں رہتا۔ اس کا چہرہ ان جذبات کے آئینہ‌دار چہروں میں سے تھا جو آپ کے پہلی‌مرتبہ دیکھنے کے بعد چند گھنٹوں کے اندر اندر آپ کی نظروں میں دفعتاً بالکل تبدیل ہو جاتے ہیں۔ شام ہوتے ہوتے زوخن کے تعلق سے بھی یہی ہوا۔ اس کے چہرے پر دفعتاً نئی جھریاں نمودار ہو گئیں، آنکھیں اور زیادہ اندر دھنس گئیں، اس کی مسکراہٹ بدل گئی اور اس کا سارا چہرہ اتنا بدل گیا کہ مجھے اسے پہچاننے میں دقت محسوس ہوتی۔

جب جلسہ ختم ہوا تو زوخن اور دوسرے طلبا اور میں نے ایک ایک گلاس ووڈکا پی — میں نے یہ دکھانے کے لئے پی کہ میں ان کا اچھا ساتھی بننا چاہتا ہوں — اور بوتل تقریباً خالی ہو گئی۔ زوخن نے پوچھا کہ چوتھائی روبل کس کے پاس ہے تاکہ بوڑھی ملازمہ کو ووڈکا لانے کے لئے بھیجا جا سکے۔ میں نے پیسے پیش کئے لیکن زوخن اوپیروف کی طرف اس طرح مڑ گیا جیسے اس نے میری بات سنی ہی نہیں اور اوپیروف نے پوت کا ایک بٹوہ نکال کر ضرورت بھر کے پیسے دئے۔

''مگر بہت زیادہ مت پی جانا،، اوپیروف بولا، جس نے بالکل نہ پی تھی۔

''نہیں یار،، زوخن نے گوشت کے ہڈے کا گودا سڑکتے ہوئے کہا (مجھے یاد ہے کہ اس وقت میرے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ یہ شخص اسی لئے اتنا تیز ہے کہ گودا کھاتا ہے)۔

''نہیں یار،، اس نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے دہرایا اور اس کی مسکراہٹ ایسی تھی کہ غیرارادی طور پر اس طرف نظر چلی جاتی تھی اور اس مسکراہٹ کے لئے اس کا شکریہ ادا کرنے کو جی چاہتا تھا۔ ''اگر پی بھی گیا تو نقصان کیا ہے؟ میں شرط لگاتا ہوں کہ ہر پروفیسر کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔ ساری چیزیں یہاں موجود ہیں،، اس نے اپنے سر کی طرف بڑے فخریہ انداز میں اشارہ کیا ''لیکن سیمیونوف نے جس طرح پینا شروع کیا ہے اس سے خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ فیل ہو جائے گا۔،،

واقعہ یہ ہے کہ اسی سفید بالوں‌والے سیمیونوف نے جسے پہلے امتحان میں دیکھ کر مجھے اس لئے خوشی محسوس ہوئی تھی کہ وہ مجھ سے خراب کپڑے پہنے ہوئے تھا اور جس نے دوسرے نمبر پر داخلے کا امتحان پاس کرنے کے بعد طالب‌علم کی حیثیت سے پہلے مہینے بڑی باقاعدگی سے لکچر سنے تھے، بری طرح شراب‌نوشی شروع کر دی تھی اور سال کے کورس کے آخر میں یونیورسٹی میں نظر ہی نہ آتا تھا۔

''وہ ہے کہاں؟،، کسی نے دریافت کیا۔

''وہ بالکل آنکھوں ہی سے اوجھل ہو گیا،، زوخن بولا ''لزبن ہوٹل میں ہم نے پچھلی بار ایک ساتھ چڑھائی تھی۔ کیا زور کی رات گزاری تھی۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ بعد میں کوئی قصہ ہوگیا... کیا دماغ پایا ہے! کیسی آگ ہے اس شخص میں! اور کیا عقل ہے! بڑا برا ہوگا اگر وہ ہاتھ سے جاتا رہا اور غالباً ہوگا ہی کیونکہ وہ اس قسم کا لڑکا ہے ہی نہیں جو اپنی اس ہنگامہ‌پسند طبیعت کے ساتھ خاموشی سے یونیورسٹی میں بیٹھ سکے۔،،

کچھ اور بات‌چیت کے بعد سب لوگ رخصت ہونے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور فیصلہ ہوا کہ چونکہ زوخن کا مکان سب کے لئے نزدیک پڑے گا، اس لئے آئندہ سے سب لوگ وہیں جمع ہوں۔ جب ہم سب باہر پہونچے تو مجھے کچھ شرم سی محسوس ہوئی کہ سب لوگ تو پیدل جا رہے ہیں اور صرف میرے پاس گاڑی ہے۔ اور میں نے جھجکتے ہوئے اوپیروف سے کہا کہ تمہیں گھر چھوڑ دوں۔ زوخن بھی ہمارے ساتھ ہی نکلا تھا اس نے اوپیروف سے چاندی کا ایک روبل لیا اور اپنے دوستوں کے ساتھ مزیدار رات گزارنے کے

لئے چلا گیا۔ ہم لوگ روانہ ہوئے تو اوپیروف نے زوخن کے کردار اور طرزِزندگی کے متعلق بہت سی باتیں بتائیں۔ اور جب میں گھر پہونچا تو بہت دیر تک سو نہ سکا اور ان نئے لوگوں کے متعلق سوچتا رہا جن سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ میں بہت دیر تک جاگتا رہا اور دیر تک دو جذبوں کے درمیان ہچکولے کھاتا رہا۔ ایک طرف ان کے علم، ان کی سادگی، ایمان‌داری، شباب اور جرأت کی شعریت کے لئے عزت کا جذبہ تھا اور دوسری طرف وہ کراہت جو ان کے بےڈھنگے حلیے سے میرے دل میں پیدا ہوئی تھی۔ اپنی تمام خواہش کے باوجود اس زمانے میں میرے لئے ان لوگوں سے تعلق پیدا کرنا واقعی ناممکن تھا۔ ہمارے خیالات بالکل مختلف تھے۔ بےشمار چیزیں تھیں جو اگر میرے لئے زندگی کو بامعنی اور دلکش بناتی تھیں تو ان کے لئے بےمعنی تھیں اور ان کے لئے بامعنی تھیں تو میرے لئے بےمعنی۔ لیکن ہمارے ساتھ نہ رہ سکنے کی شاید سب سے بڑی وجہ میرے کوٹ کا بیس روبل کا کپڑا، میری گاڑی اور میری ہالینڈ کی فیشن‌ایبل قمیص تھی۔ یہ سبب میرے لئے خاص طور سے وزنی تھا۔ مجھے ایسا لگا کہ اپنی دولت کی ان نشانیوں کے ذریعے میں ان کی توہین کر رہا ہوں۔ مجھے ان کے سامنے جرم کا احساس ہوتا اور میں ان لوگوں کے ساتھ برابری، صحیح معنوں میں دوستی کے تعلقات قایم نہ کر سکتا تھا کیونکہ پہلے تو میں نے اپنے آپ کو گرایا اور اس کے بعد اپنی غیرضروری انکساری کے خلاف بغاوت کا جذبہ پیدا ہوا اور اپنے اوپر اعتماد پیدا ہو گیا۔ لیکن زوخن میں مجھے جرأت و ہمت کی جس بھرپور شعریت کا احساس ہوا اس نے اس وقت اس کے کردار کے کھردرے اور گندے پہلو کو اتنا چھپا دیا کہ مجھے اس میں کوئی چیز بری نہ لگی۔

دو ہفتے تک میں تقریباً ہر روز زوخن کے یہاں پڑھنے جاتا رہا۔ پڑھنا تو بہت کم تھا کیونکہ جیسا میں پہلے ہی بتا چکا ہوں ابتدا ہی سے بنیاد کمزور ہوچکی تھی اور مجھ میں اتنا عزم تو تھا نہیں کہ اکیلے پڑھ کر ان لوگوں کے برابر پہونچ جاؤں۔ چنانچہ میں ظاہر کرتا کہ سن رہا ہوں اور جو کچھ پڑھا جا رہا ہے اسے سمجھ رہا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ میرے ساتھی میرے اس فریب کو سمجھ رہے ہیں اور میں نے دیکھا کہ اکثر وہ لوگ

صفحے کے صفحے چھوڑ جاتے کیونکہ ان کے لئے آسان ہوتے اور سجھ سے بوجھنے تک نہ تھے۔

روزبہ‌روز اس حلقے کی بدنظمی کی طرف سے میرے خیالات نرم پڑتے گئے اور اسی کی طرف مجھے ایک کشش سی محسوس ہونے لگی اور مجھے اس میں بہت شاعرانہ باتیں نظر آنے لگیں۔ ان لوگوں کی تفریحوں میں شامل ہونے کی خواہش کو میں نے محض اس وجہ سے روکا کہ دستری کو زبان دے چکا تھا کہ ان کے ساتھ شراب‌نوشی کے لئے کہیں نہ جاؤں‌گا۔

ایک مرتبہ میں نے سوچا کہ ادب اور خاص طور پر فرانسیسی ادب کے متعلق اپنے علم کا اظہار کروں چنانچہ میں نے بات‌چیت کا رخ اسی موضوع کی طرف موڑ دیا۔ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ لوگ غیرملکی زبانوں کی کتابوں کے نام تو ضرور روسی انداز میں لیتے ہیں لیکن ان لوگوں نے مجھ سے زیادہ پڑھا ہے اور انہیں انگریزی اور ہسپانوی زبانوں کے ادیب بہت پسند ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں اور خاص طور پر لیسج کی جس کا نام میں نے کبھی نہ سنا تھا۔ پوشکن اور ژوکوفسکی کی کتابیں ان کے لئے ادب کے شہ‌پارے تھے (میری طرح نہیں کہ ان کا وجود صرف چھوٹی چھوٹی پیلی جلدوالی کتابوں کی شکل میں تھا جنہیں میں نے بچپن میں پڑھا اور یاد کیا تھا)۔ انہیں ڈوما، سیو اور فےول سخت ناپسند تھے اور وہ لوگ اور خاص طور پر زوخن ادب کے متعلق مجھ سے زیادہ واضح طریقے سے اپنے خیالات پیش کر سکتا تھا۔ یہ بات مجھے ہر حال میں تسلیم کرنی پڑی۔ موسیقی کے علم میں بھی مجھے ان پر کسی قسم کی فوقیت حاصل نہ تھی۔ اور بھی زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی کہ اوپیروف وائلن بجاتا تھا، ایک اور صاحب چیلو اور پیانو بجاتے تھے اور دونوں یونیورسٹی آرکسٹرا میں حصے لیتے تھے، موسیقی سے بخوبی واقف تھے اور اس کی بڑی قدر کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ فرانسیسی اور جرمن تلفظ کے علاوہ انہیں ہر وہ چیز مجھ سے زیادہ اچھی طرح آتی تھی، جس کے متعلق میں نے ان کے سامنے بڑھ چڑھ کر باتیں بنانے کی کوشش کی اور ان لوگوں کو اس بات پر کوئی گھمنڈ نہ تھا۔ میں شائستہ ہونے کا دعوا کر سکتا تھا لیکن ولودیا کی طرح نہیں۔ تو وہ پھر کونسی بلندی تھی

جس سے میں ان لوگوں پر حقارت کی نظر ڈالتا تھا؟ شاہزادہ ایوان ایوانچ سے میری ملاقات؟ فرانسیسی تلفظ؟ میری گاڑی؟ میری ہالینڈ کی فیشن‌ایبل قمیص؟ میرے ناخن؟ کیا یہ سب چیزیں مہمل نہیں ہیں؟ — یہ خیال کبھی کبھی میرے ذہن کے کسی گوشے میں رشک کے اس جذبے کے اثر کے تحت ابھرتا جو میں اس رفاقت اور خوش‌مزاج اور پرشباب ہنسی‌خوشی میں دیکھتا جو میری نظروں کے سامنے تھی۔ یہ سب لوگ ایک دوسرے کو تم کہہ کر پکارتے تھے۔ ان لوگوں کی گفتگو کی سادگی اجڈپن تک پہنچ جاتی، لیکن یہ ظاہری کھردراپن بھی ان کے اس خوف کو نہ چھپا سکتا کہ کہیں دوسرے کے جذبات کو ٹھیس نہ لگ جائے۔ وہ لوگ ''بدمعاش،، اور ''سور،، کے الفاظ بڑے پیار سے استعمال کرتے جن سے مجھے وحشت معلوم ہوتی اور دل ہی دل میں ان کا مذاق اڑانے کا موقع ہاتھ آتا۔ لیکن ان الفاظ سے انہیں ذرہ برابر تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ ایک دوسرے کے ساتھ وہ لوگ بہت احتیاط اور نرمی سے پیش آتے جو صرف بہت غریب اور بہت نوجوان لوگ ہی کر سکتے ہیں۔ لیکن بڑی بات یہ تھی کہ زوخن کے کردار اور لزین ہوٹل میں اس کے ہنگاموں میں مجھے ایک قسم کی وسعت اور وحشت کا احساس ہوتا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ یہ بےنوشی اس نام‌نہاد بےنوشی سے بالکل مختلف ہوگی جو بیرن 'ز، کے گھر پر جلی ہوئی رم اور شیمپین کے ساتھ ہوئی تھی اور جس میں میں نے حصہ لیا تھا۔

باب ۴۴

زوخن اور سیمیونوف

مجھے نہیں معلوم کہ زوخن کا تعلق سماج کے کس طبقے سے تھا لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ وہ 'س، ہائی اسکول سے آیا تھا، اس کے پاس ایک کوڑی بھی نہ تھی اور وہ امیر خاندان کا نہ تھا۔ اس وقت اس کی عمر اٹھارہ برس تھی لیکن بڑا معلوم ہوتا تھا۔ وہ انتہائی ذہین تھا اور خاص طور پر سمجھدار تھا۔ اس کے لئے کسی پیچ دریپچ مضمون کو تمام کا تمام اپنی گرفت میں لے لینا اور

اس کی تمام تفصیلات اور نتائج کو پہلے سے دیکھ لینا زیادہ آسان تھا بہ‌نسبت اس بات کے کہ علم کے ذریعے ان اصولوں کی جانچ پڑتال کی جائے، جن کے ذریعے یہ نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ اسے معلوم تھا کہ وہ تیز ہے۔ اسے اس بات پر فخر بھی تھا اور اس فخر کی وجہ سے وہ ہر شخص کے ساتھ بات‌چیت میں ہمیشہ یکساں طور پر سادگی اور خوش‌مزاجی سے پیش آتا تھا۔ اپنی زندگی میں اس نے یقیناً بہت مصیبتیں برداشت کی ہونگی۔ اس کی آتشیں اور حساس فطرت اپنے اندر محبت اور دوستی، معاملے اور پیسے کا اظہار کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ بہت ہی مختصر سی مقدار میں سہی اور سوسائٹی کے نچلے طبقوں ہی میں سہی لیکن کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس کی آزمائش کرنے کے بعد اس کے دل میں نفرت یا ایک قسم کی لاپرواہی اور عدم‌توجہ کا جذبہ نہ پیدا ہوا ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ہر چیز بہت آسانی سے حاصل کر لیا کرتا تھا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ہر نئی چیز پر اس لئے پورے جوش کے ساتھ گرتا ہے تاکہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد جو کچھ حاصل کیا ہے اس کو حقارت سے دیکھے اور اس کی طباع فطرت اپنا مقصد ہمیشہ حاصل کرلیتی تھی اور اس لئے اسے حقارت کا حق حاصل تھا۔ مختلف مضامین میں بھی یہی حال تھا — پڑھتا بہت کم تھا، نوٹ بالکل نہ لیتا تھا لیکن اس کے باوجود ریاضی کا اسے پورا علم تھا اور اس کا یہ دعوا غلط نہیں تھا کہ پروفیسر کو بھی اس میں مات دے سکتا ہوں۔ اس کو جو پڑھایا جاتا تھا اس میں بہت سی باتوں کو وہ مہمل اور فضول سمجھتا تھا لیکن فطرت میں خودبخود ایسی چال‌بازی بس گئی تھی کہ جیسا اس کا پروفیسر چاہتا وہ بظاہر ویسا ہی بن جاتا تھا اور سارے پروفیسر اسے پسند کرتے تھے۔ وہ صاحب‌اختیار لوگوں کے ساتھ بہت صاف گوئی سے کام لیتا تھا لیکن اس کے باوجود اوپروالے اس کی عزت کرتے تھے۔ وہ نہ صرف علوم کی عزت اور ان سے محبت نہ کرتا تھا بلکہ ان لوگوں کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا جو ایسی چیزوں کے لئے محنت کرتے تھے جنہیں وہ آسانی سے حاصل کر لیا کرتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ جو علم پڑھائے جاتے ہیں ان کے لئے اپنی صلاحیت کا دسواں حصہ بھی لگانا ضروری نہیں ہے۔ ایک طالب‌علم کی حیثیت

سے زندگی نے کوئی ایسی چیز نہ دی تھی جس میں وہ تن‌دہی سے مشغول ہو سکے۔ لیکن جیسا کہ وہ کہا کرتا تھا کہ اس کی آتشی باعمل فطرت زندگی کا مطالبہ کرتی تھی اور اس نے اس قسم کی عیاشی اختیار کی جو اس کے بس کی تھی اور اس زندگی میں بڑے زوروشور سے اور اس خواہش کے ساتھ داخل ہوا کہ جہاں تک اس کے امکان میں ہے اسے آخری حدتک پہونچا دے۔ امتحان سے پہلے اوپیروف کی پیشین گوئی سچ ثابت ہوئی۔ وہ دو ہفتے کے لئے غائب ہو گیا چنانچہ اس آخری زمانے میں ہم لوگوں نے اپنی تیاری دوسرے طالب‌علم کے مکان میں مکمل کی۔ لیکن پہلے امتحان میں وہ ہال میں موجود تھا۔ چہرے پر زردی اور مردنی کے آثار تھے۔ ہاتھ کانپ رہے تھے لیکن دوسرے کورس میں بہت شاندار نمبروں سے پاس ہوا۔

سال کے ابتدائی زمانے میں بلانوشوں کی ٹولی میں آٹھ آدمی تھے جن میں پہلا نمبر زوخن کا تھا۔ پہلے اکونین اور سیمیونوف بھی اس میں شامل تھے۔ لیکن اکونین تو اس لئے ساتھ چھوڑ گیا کہ سال کے ابتدا میں یہ لوگ بےلگام قسم کی عیاشی میں مبتلا تھے۔ وہ اسے برداشت نہ کر سکا۔ اور سیمیونوف اس لئے بھاگ کھڑا ہوا کہ ان کی اوباشی اسے بہت معمولی معلوم ہوتی تھی۔ ابتدا میں ہمارے کورس کے تمام لوگ بڑی ہیبت سے ان لوگوں کی طرف دیکھتے تھے اور ان لوگوں کی عیاشیوں کے قصے ایک دوسرے سے بیان کرتے تھے۔

ان عیاشیوں کے خاص ہیرو زوخن اور پھر سال کے آخر میں سیمیونوف تھے۔ سیمیونوف کو دیکھ‌کر لوگوں کو کچھ لرزہ سا آجاتا تھا۔ وہ بہت کم کلاس میں آتا لیکن جب آتا تو کمرے میں کھلبلی سی مچ جاتی۔

زوخن سے ملاقات کی وجہ سے میں نے خود دیکھا کہ امتحان سے کچھ پہلے سیمیونوف نے اوباشی کی اس زندگی کو بڑے انوکھے اور مردانہ انداز میں اختتام تک پہونچایا۔ بات کچھ اس طرح ہوئی۔ ایک شام ہم لوگ زوخن کے یہاں جمع ہی ہوئے تھے اور اوپیروف نے شمع‌دان میں شمع لگانے کے علاوہ ایک بوتل میں بھی لمبی سی شمع لگا دی اور کاپی پر سر جھکا کر طبیعیات کے متعلق صاف‌ستھرے انداز میں لکھے ہوئے نوٹ اپنی چنچنی آواز میں پڑھنے لگا تھا کہ

مالکہ مکان کمرے میں داخل ہوئی اور زوخن کو اطلاع دی کہ کوئی شخص خط لے کر آیا ہے۔

زوخن کمرے سے چلا گیا لیکن جلد ہی واپس آیا، چہرے پر غور و فکر کے آثار تھے اور سر جھکا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پارسل بنانے کے خاکی کاغذ پر لکھا ہوا ایک خط اور دس دس روبل کے دو نوٹ تھے۔

''یارو، ایک عجیب و غریب قسم کی خبر سنو،، اس نے سر اٹھایا اور ہم لوگوں کی طرف کچھ شاندار سنجیدگی سے دیکھا۔

''کیوں، کیا ہوا؟ ٹیوشن کے پیسے مل گئے؟،، اوپیروف نے کاپی کے ورق الٹتے ہوئے دریافت کیا۔

''پڑھتے رہو،، کسی نے تجویز پیش کی۔

''نہیں بھئی، میں اب نہیں پڑھ سکتا،، زوخن نے اسی لہجے میں کہا۔ ''میں تم سے کہہ چکا ہوں — ایک عجیب و غریب خبر ہے! سیمیونوف نے ایک فوجی کے ہاتھ بیس روبل بھیجے ہیں جو کسی زمانے میں اس نے مجھ سے قرض لئے تھے اور لکھا ہے کہ اگر ملنا چاہتے ہو تو فوجی بارک چلے آؤ۔ اس کا مطلب جانتے ہو کیا ہے؟،، اس نے ہم میں سے ہر ایک کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ہم لوگ کچھ نہ بولے۔ ''میں تو اب سیدھا اس کے پاس چلا،، زوخن نے بات جاری رکھی۔ ''اگر جی چاہے تو تم لوگ بھی چلو۔،،

ہر شخص نے فوراً کوٹ پہنا اور سیمیونوف سے ملنے کے لئے تیار ہو گیا۔

''کچھ عجیب سا نہیں لگے گا کیا،، اوپیروف نے کھنکتی ہوئی آواز میں پوچھا ''کہ سب کے سب جا کر اسے اس طرح گھوریں جیسے کوئی نادرشے ہو؟،،

میرا بھی بالکل وہی خیال تھا جو اوپیروف کا تھا خاص طور پر اس لئے کہ سیمیونوف سے میری ملاقات معمولی سی تھی لیکن میری زبردست خواہش یہ تھی کہ اپنے کو اس عام ٹولی کا رکن محسوس کروں اور سیمیونوف سے ملاقات کروں۔ اسی لئے میں نے اس جملے پر کوئی تبصرہ نہ کیا۔

''کیا بکواس ہے!،، زوخن بولا ''ایک ساتھی سے رخصت ہونے

میں عجیب بات کیا ہے؟ وہ جہاں بھی ہو اس سے فرق کیا پڑتا ہے؟ بالکل بکواس ہے۔ اگر جی چاہتا ہے تو چلئے کیوں نہیں۔،،

ہم لوگوں نے چند گاڑیاں کرایہ پر لیں، اس فوجی کو ساتھ لیا اور روانہ ہو گئے۔ ڈیوٹی پر جو معمولی افسر تھا وہ ہم لوگوں کو اندر بارک میں نہیں جانے دینا چاہتا تھا لیکن زوخن نے کسی نہ کسی طرح اسے راضی کرلیا اور وہی فوجی جو خط لے کر آیا تھا ہمیں ایک بڑے سے کمرے میں لے کر پہونچا جس میں چھوٹے لیمپوں کی ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ دونوں طرف اونچے اونچے تختے تھے جن پر رنگروٹ خاکی بڑے اوورکوٹ پہنے بیٹھے یا لیٹے ہوئے تھے۔ سب کے سروں کے سامنے کا حصہ منڈا ہوا تھا۔ بارک میں داخل ہونے کے بعد جو چیز مجھے خاص طور پر محسوس ہوئی وہ تھی یہاں کی گھٹن اور سینکڑوں انسانوں کی آوازیں جو لیٹے خراٹے لے رہے تھے۔ ہم لوگ اپنے راہنما اور زوخن کے پیچھے چلتے رہے جو ہم لوگوں سے آگے بڑے اعتماد کے ساتھ تختوں کے درمیان چلا جا رہا تھا۔ غیرارادی طور پر میں اندر ہی اندر کانپ گیا کیونکہ میں آڑ لگا کر بیٹھے ہوئے ہر شخص کو دیکھ رہا تھا اور اسے سیمیونوف کے بھونڈے اور مضبوط قسم کے جسم کے تعلق سے اپنی ذہنی تصویر میں بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا، جس کے بال لمبے گھنے اور تقریباً سفید تھے، ہونٹ بھی سفید نظر آرہے تھے اور آنکھوں میں افسردہ سی چمک تھی۔ جب ہم لوگ بارک کے آخری کونے پر پہونچے جہاں ختم ہوتی ہوئی بتی کا لٹکتا ہوا کونا مٹی کے تیل سے بھرے ہوئے ایک چھوٹے سے مٹی کے چراغ میں بھڑک رہا تھا تو زوخن نے رفتار تیز کردی اور پھر ایک دم رک گیا۔

''ہلو سیمیونوف،، اس نے ایک رنگروٹ سے کہا جس کا سر دوسرے رنگروٹوں کی طرح منڈا ہوا تھا اور سپاہیوں والی موٹی بنیائن پہنے اور کاندھوں پر ایک خاکی بڑا اوورکوٹ ڈالے اپنے تختے پر بیٹھا تھا۔ وہ ایک دوسرے رنگروٹ سے بات کر رہا تھا اور کچھ کھا رہا تھا۔ تو یہ تھا وہ جس کے سفید بال اچھی طرح تراش دئے گئے تھے اور سر کے سامنے کا حصہ منڈنے کی وجہ سے نیلا پڑ گیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس کے چہرے پر افسردگی اور جوش

کے آثار تھے۔ مجھے ڈر تھا کہ میری نظریں دیکھ کر وہ خفا نہ ہو جائے اس لئے میں ایک طرف کو ہو گیا۔ اوپیروف کو بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہوا اس لئے وہ بھی پیچھے ہی رہا۔ لیکن جب سیمیونوف نے زوخن اور دوسروں کا حسب معمول بےربط طریقے سے خیرمقدم کیا تو اس کی آواز سن کر ہم لوگوں کا خوف جاتا رہا اور ہم لوگ آگے بڑھے۔ میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا، اوپیروف نے لکڑی جیسا ہاتھ بڑھایا لیکن سیمیونوف نے خود ہی پیش‌قدمی کی اور اپنا سیاہ بڑا سا ہاتھ آگے بڑھا دیا اور ہم لوگوں کو اس ناخوشگوار احساس سے بچالیا کہ ہم اس کی عزت‌وتوقیر کر رہے ہیں۔ حسب معمول وہ بہت متانت اور بے دلی سے بات کرتا رہا:

''ہلو زوخن۔ تمہارے آنے کا بہت بہت شکریہ۔ بیٹھو یارو۔ تم جاؤ کدریاشکا،، اس نے اس رنگروٹ سے مخاطب ہوکر کہا جس کے ساتھ وہ کہا رہا تھا اور باتیں کر رہا تھا ''اپنی بات بعد میں ختم کریں گے۔ آؤ بیٹھو۔ تو؟ تمہیں بہت حیرت ہے نہ زوخن؟ کیوں؟،،

''تمہاری کسی بات سے مجھے حیرت نہیں ہوتی،، زوخن نے جواب دیا اور اس کے پاس تختے پر اس طرح بیٹھ گیا جیسے کوئی ڈاکٹر اپنے مریض کے بستر پر بیٹھا ہو۔ ''اگر تم امتحان میں شامل ہوتے تو مجھے زیادہ حیرت ہوتی۔ اچھا تو یہ بتاؤ کہ کہاں رہے اور یہ سب ہوا کیسے؟،،

''کہاں؟،، اس نے اپنی بھاٹ‌دار آواز میں کہا ''خرابات میں، میکدوں میں اور اسی طرح کے ٹھکانوں میں۔ بیٹھ جاؤ، یارو، یہاں جگہ کافی ہے، اپنے پیر راستے سے ہٹاؤ،، وہ اس رنگروٹ پر تحکمانہ انداز میں چلایا جو اس کی طرف تختے پر لیٹا تھا اور سر ہاتھ پر رکھے ہم لوگوں کی طرف بےمعنی تجسس کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ چلانے میں اس کے سفید دانت ایکدم چمک گئے۔ ''ذرا رنگ‌رلیاں منانے گیا تھا۔ بہت برا رہا۔ اچھا بھی رہا،، وہ کہتا رہا۔ ہر شکستہ جملے کے بعد اس کے چاق‌چوبند چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔ ''اس بیوپاری کا قصہ سنا تم نے؟ بدمعاش مر گیا۔ مجھے نکالنے لگے وہاں سے۔ میرے پاس جتنا پیسہ تھا میں نے اڑا دیا لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ قرض کا ایک سلسلہ تھا۔ بہت

سے قرض تھے۔ اور ادا کرنے کے لئے دمڑی پاس نہ تھی۔ بس ساری کتھا یہی ہے۔"

"لیکن تمہارے دماغ میں ایسی بات گھسی کیسے؟" زوخن نے دریافت کیا۔

"بہت سیدھی سی بات ہے۔ میں "یاروسلاول" میں رنگ‌رلیاں منانے گیا تھا وہی جو استوژنکا سڑک پر ہے۔ میرے ساتھ ایک سابق سوداگر تھا۔ اب وہ رنگروٹ ایجنٹ ہے۔ میں نے اس سے کہا: 'مجھے ایک ہزار روبل دو تو بھرتی ہوا جاتا ہوں۔' اور بھرتی ہو گیا۔" "لیکن تم تو طبقہ شرفا سے تعلق رکھتے ہو" زوخن بولا۔ "یہ کوئی بات نہیں۔ کیریل ایوانوف نے سب ٹھیک کر دیا۔"

"کون کیریل ایوانوف؟"

"وہی ایجنٹ جس نے مجھے خریدا تھا" (اس کی آنکھوں میں ایک خاص طرح کی چمک پیدا ہوئی جس میں خوش‌مزاجی بھی تھی اور طنز بھی۔) "ہمیں سینیٹ سے اجازت مل گئی۔ میں دوبارہ رنگ‌رلیاں منانے چلا گیا، سارے قرض ادا کر دئے اور اب یہاں ہوں۔ بس یہی سارا قصہ ہے۔ خیر کوئی بری بات نہیں ہے۔ ان لوگوں کو مجھے کوڑے لگانے کا حق نہیں ہے ... اور پانچ روبل ہیں... اور ممکن ہے جنگ شروع ہو جائے۔"

اس کے بعد اس نے زوخن سے اپنی عجیب‌وغریب اور حیرت‌انگیز ہنگامہ‌آرائیوں کی باتیں شروع کر دیں۔ اس کے چاق چوبند چہرے کا رنگ مسلسل بدل رہا تھا اور اس کی آنکھیں وحشیانہ انداز سے چمک رہی تھیں۔

جب بارک میں اور زیادہ ٹھہرنا ممکن نہ رہا تو ہم لوگ اس سے رخصت ہوئے۔ اس نے ہم سب سے الگ الگ ہاتھ ملایا اور کھڑے ہوئے بغیر اس نے ہم لوگوں کو رخصت کرتے ہوئے کہا:

"کبھی کبھی چلے آیا کرو، یارو۔ لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو ایک مہینے کے اندر ہی کہیں بھیج دیا جائے گا۔" اور ایک‌بار وہ پھر بہت ہی ہلکے سے مسکرایا جو اس کی خصوصیت تھی۔ لیکن چند قدم جانے کے بعد زوخن پھر مڑ گیا۔ میں چونکہ دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے کس طرح رخصت

ہوتے ہی اس لئے میں بھی رک گیا۔ میں نے دیکھا کہ زوخن نے کچھ پیسے اپنی جیب سے نکال کر سیمیونوف کی طرف بڑھائے، لیکن اس نے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ ان لوگوں نے ایک دوسرے کو پیار کیا اور پھر زوخن ہم لوگوں کے نزدیک آیا تو کچھ زور سے بولا: ''خدا حافظ، میری جان، شرطیہ کہتا ہوں کہ میرا کورس ختم ہونے سے پہلے تم افسر ہو جاؤ گے!،، سیمیونوف کبھی ہنستا نہیں تھا لیکن اس کے جواب میں وہ غیرمعمولی طور پر کھنکتی ہوئی آواز میں قہقہہ مار کر ہنسا اور اسے سن کر مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ ہم لوگ باہر چلے گئے۔

ہم لوگ گھر تک پیدل چلے آئے۔ زوخن خاموش رہا اور کبھی ایک نتھنے پر انگلی رکھ کر کبھی دوسرے پر برابر ناک سڑکتا رہا۔ ہم لوگ گھر پہونچے تو وہ رخصت ہو گیا اور امتحان تک بلانوشی میں مبتلا رہا۔

باب ۲۰

میں رہ گیا

آخر امتحان کا پہلا دن — یعنی integral calculus اور differential کا امتحان آن پہونچا لیکن میں اب تک خواب کی دنیا میں تھا اور کوئی واضح تصور نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ زوخن اور اس کے ساتھیوں کی صحبت سے لطف اندوز ہونے کے بعد دوسرے دن شام کو میں نے سوچا کہ اپنے خیالات میں کچھ تبدیلی کرنا ضروری ہے کہ میرے نظریوں میں کوئی ایسی چیز ہے جو اچھی نہیں ہے اور ویسی نہیں ہے جیسی کہ ہونی چاہئے۔ لیکن صبح کو سورج کی روشنی میں میں پھر comme il faut ہو گیا، اس حالت سے بہت مطمئن تھا اور اپنے میں کوئی بھی تبدیلی نہ چاہتا تھا۔

پہلے امتحان میں گیا تو ذہن کی یہ کیفیت تھی۔ میں اس بنچ پر ایک طرف بیٹھ گیا جہاں شاہزادے، کاؤنٹ اور بیرن بیٹھے تھے اور ان لوگوں سے فرانسیسی میں باتیں کرنے لگا۔ اور حیرت کا مقام ہے کہ مجھے یہ خیال ہی نہ آیا کہ مجھے تھوڑی دیر بعد

ایسے سوالوں کا جواب دینے کے لئے طلب کیا جانے والا ہے جن کے متعلق، مجھے کچھ نہیں معلوم ہے۔ جو لوگ امتحان کے لئے جا رہے تھے میں ان کی طرف بڑے ٹھنڈے دل سے دیکھتا رہا بلکہ کچھ لوگوں کا تو مذاق بھی اڑاتا رہا۔

''کیوں گراپ؟،، ایلینکا امتحان سے واپس آیا تو میں نے سوال کیا ''کیا ڈر گئے تھے؟،،

''دیکھیں تم کیا کرتے ہو،، ایلینکا نے جواب دیا۔ اس نے یونیورسٹی میں داخلے کے دن ہی سے میرے اثر کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ میں جب بات کرتا تو وہ بالکل نہ مسکراتا اور مجھ سے خفا رہتا۔

ایلینکا کے جواب پر میں حقارت سے مسکرا دیا حالانکہ اس نے جس شبہ کا اظہار کیا تھا اس نے وقتی طور پر مجھے جھنجھوڑ ضرور دیا۔ لیکن کبھر نے پھر اس احساس کو گھیر لیا اور میں اتنا لاپروا اور بےتعلق سا رہا کہ میں نے وعدہ کر لیا کہ جیسے ہی امتحان ختم ہوگا میں ماترن کی دوکان میں ہیرن 'ز، کے ساتھ کھانا کھانے پہنچ جاؤں‌گا (جیسے یہ بہت ہی معمولی بات ہو)۔ جب اکونین کے ساتھ مجھے بلایا گیا تو میں نے اپنی وردی کے کوٹ کی شکنیں درست کیں اور بڑی لاپرواہی سے امتحان کی میز کی طرف چلا۔

جب نوجوان پروفیسر نے — وہی شخص جس نے داخلے کے امتحان میں مجھ سے سوال کئے تھے — میری طرف گھورکر دیکھا اور میں نے امتحان کے پرچے اٹھائے تو کچھ کچھ دہشت کی وجہ سے مجھے پھریری آ گئی۔ اکونین نے اپنا پرچہ اسی انداز میں سارے جسم کو جھلاتے ہوئے اٹھایا جس طرح پہلے امتحان میں کیا تھا اور کچھ جواب بھی دئے خواہ وہ برے ہی کیوں نہ ہوں۔ اور میں نے وہی کیا جو اکونین نے اس سے پہلے امتحان میں کیا تھا۔ بلکہ اس سے بھی خراب حرکت کی کیونکہ میں نے ایک دوسرا پرچہ اٹھایا اور کوئی جواب نہ دیا۔ پروفیسر نے میری طرف ایسے دیکھا جیسے انہیں ترس آ رہا ہو اور انہوں نے بہت سختی لیکن آہستگی سے کہا:

''ارتینیف صاحب آپ دوسرے درجے میں نہیں جا سکتے۔ بہتر

یہ ہے کہ آپ آئندہ امتحانوں میں شریک نہ ہوں۔ شعبے کو صاف کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اکونین صاحب، آپ بھی،، پروفیسر نے اضافہ کیا۔

اکونین نے دوسرے امتحان کی اجازت مانگی جیسے بھیک مانگ رہا ہو۔ لیکن پروفیسر نے جواب دیا کہ ایک سال میں جو نہ کر سکے وہ دو دن میں نہیں ہو سکے گا اور پاس ہونا ناممکن ہے۔ اکونین نے پھر بڑی عاجزی اور انکساری سے درخواست کی لیکن پروفیسر نے پھر انکار کر دیا۔

''آپ لوگ جا سکتے ہیں،، انہوں نے آہستہ سے لیکن سختی کے ساتھ کہا۔

صرف اسی وقت میں نے میز سے اٹھنے کا فیصلہ کیا۔ مجھے شرم محسوس ہو رہی تھی کہ میں خاموش رہ کر اکونین کی عاجزانہ درخواستوں میں ایک طرح سے شامل ہوا تھا۔ مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں ہال میں طلبا کے درمیان سے ہوتا ہوا کیسے آگے بڑھا، ان لوگوں کے سوالوں کا کیا جواب دیا، کس طرح پیش دالان میں پہونچا اور کس طرح گھر پہونچ گیا۔ مجھے احساس تھا کہ میری توہین ہوئی ہے۔ میری بےعزتی ہوئی ہے اور میں سچ مچ بہت دکھی تھا۔

تین دن تک میں اپنے کمرے سے نہیں نکلا۔ میں کسی سے نہ ملا۔ بچپن کی طرح مجھے تسکین صرف آنسوؤں سے مل رہی تھی اور اس لئے بہت رویا۔ میں نے پستول تلاش کیا کہ اگر بہت ہی چاہے تو خودکشی کر لوں۔ میں نے سوچا کہ جب ایلینکا گراپ ملے گا تو میرے منہ پر تھوکے گا اور اس میں بالکل حق بجانب ہوگا، اوپیروف کو میری بدبختی سے خوشی محسوس ہوگی اور وہ ہر شخص سے کہتا پھریگا، کولپی کوف نے ''پار،، میں میری توہین کر کے بالکل ٹھیک کیا تھا۔ اور یہ کہ شاہزادی کورناکووا سے میری احمقانہ باتوں کا اس کے علاوہ اور کوئی نتیجہ ہی نہ نکل سکتا تھا، وغیرہ وغیرہ۔ خودپسندی کےلئے زندگی کے جتنے سخت اور اذیت پہنچانے والے لمحے ہو سکتے تھے سب یکےبعددیگرے مجھ پر گزر گئے۔ اور میں نے اپنی بدبختی کے لئے کسی اور کو ذمہ‌دار ٹھہرانے کی کوشش کی۔ میں نے سوچا کہ کسی نے جان‌بوجھکر

میرے ساتھ یہ کیا ہے۔ میں نے اپنے خلاف سازش کا ایک پورا سلسلہ گڑھ لیا۔ پروفیسروں کے خلاف، اپنے ساتھیوں کے خلاف، ولودیا، دستری اور پاپا کے خلاف دل کی بھڑاس نکلی کیونکہ پاپا نے مجھے یونیورسٹی بھیجا تھا۔ میں نے خدا کی بھی شکایت کی کہ یہ دن دیکھنے کے لئے مجھے زندہ رکھا۔ آخر میں جب مجھے احساس ہو گیا کہ میں جن لوگوں سے واقف ہوں ان سب کی نظروں میں بری طرح گر گیا ہوں تو میں نے پاپا سے درخواست کی کہ مجھے خصاروں کے شاہی رسالے میں بھرتی ہونے یا قفقاز چلے جانے کی اجازت دے دیں۔ پاپا مجھ سے بہت خفا تھے۔ لیکن میرے اس شدید دکھ کو دیکھ کر انہوں نے مجھے تسلی دی اور کہا کہ کوئی زیادہ خراب بات نہیں ہوئی ہے۔ دوسرے شعبے میں تبادلہ کرکے حالات کو پھر سے ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔ ولودیا کو بھی میری بدبختی میں کوئی ایسی خوفناک چیز نظر نہ آتی تھی اور اس نے بھی کہا کہ دوسرے شعبے میں نئے ہم جماعت ہوں گے، اس لئے ان کے سامنے کم‌ازکم یہ ہوگا کہ شرم نہ آئے گی۔

ہمارے یہاں کی عورتیں کچھ نہ سمجھ سکیں کہ آخر یہ سب کچھ ہے کیا۔ وہ سمجھ ہی نہ پاتی تھیں کہ امتحان ہوتا کیا ہے، فیل ہونے کے معنی کیا ہیں۔ اور وہ لوگ تو صرف مجھے دکھی دیکھ کر مجھ پر رحم کھا رہی تھیں۔

دستری روز مجھ سے ملنے آتا اور اس سارے زمانے میں اس نے انتہائی شرافت اور دوستی کا ثبوت دیا۔ لیکن اسی وجہ سے مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ میری طرف سے اس کے جذبات سرد پڑ گئے ہیں۔ مجھے اس بات سے ہمیشہ دکھ ہوتا اور توہین محسوس ہوتی کہ میرے کمرے میں آکر وہ میرے پاس خاموشی سے بیٹھ جاتا اور اس کے چہرے پر ایسا تاثر ہوتا جیسے کوئی ڈاکٹر سخت بیمار آدمی کے بستر پر بیٹھتا ہے۔ سوفیا ایوانوونا اور وارینکا نے اس کے ذریعہ مجھے کتابیں بھیجیں جو میں نے پہلے مانگی تھیں اور انہوں نے کہلایا کہ ہم سے آکر مل جاؤ۔ لیکن اس تمام توجہ میں مجھے اپنی طرف ایک خاص قسم کی پرغرور اور توہین‌آمیز مہربانی کا احساس ہوتا کیونکہ میں بہت نیچے گر گیا تھا۔ تین دن بعد مجھے تھوڑی تسکین ہوئی لیکن دیہات روانہ ہونے تک میں

گھر سے باہر نہ نکلا اور صرف اپنے غم کے متعلق سوچتا رہتا اور ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں یوں ہی پھرا کرتا اور کوشش کرتا کہ گھر کے کسی آدمی سے ملاقات نہ ہو۔

میں سوچتا رہا اور غور کرتا رہا اور آخر ایک دن شام کو جب میں نیچے اودوتیا واسیلئےونا کا ایک والز سن رہا تھا دفعتاً کود کر اٹھا، بھاگتا ہوا اوپر پہونچا، اپنی کاپی نکالی جس پر ''زندگی کے قاعدے،، لکھا ہوا تھا، اسے کھولا اور مجھ پر ندامت اور اخلاقی پشیمانی کا دورہ پڑ گیا۔ میں رو پڑا لیکن اب آنسو مایوسی کے نہیں تھے۔ جب میرے حواس درست ہوئے تو میں نے فیصلہ کیا کہ زندگی کے قاعدوں کو پھر سے لکھنا چاہئے۔ اور مجھے پورا یقین تھا کہ اب میں کبھی کوئی غلط حرکت نہ کروں گا۔ ایکسنٹ نہ ضائع کروں گا۔ اور نہ اپنے قاعدوں سے ہٹوں گا۔

آیا یہ اخلاقی جوش دیر تک قائم رہا یا نہیں، وہ کن باتوں پر مشتمل تھا اور میرے اخلاقی نشوونما میں وہ کون کون سے نئے اصول لایا — یہ سب میں آگے چل کر اپنی جوانی کے اس نصف حصے میں بتاؤنگا جو زیادہ پرمسرت تھا۔

۲۴ ستمبر ۵۶ – ۱۸۵۲ء
یاسنایا پولیانا